وحشی مارہروی

سسلی سے اٹلی تک

سسلی سے اٹلی تک

وحشی مارہروی

شاعِ ادب ۔ لاہور ۔ ۸

ٹیلیفون نمبر ۶۴۳۸۱

دائمی حقوق بحقِ مصنف محفوظ

اوّلین اشاعت

تعداد ـــــــ ایک ہزار

قیمت ـــــــ آٹھ روپیہ

ناشر ـــــــ شعارِ ادب

طباعت ـــــــ استقلال پریس لاہور

...طفیٰ منیجر کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

دیباچہ

مصنّفین اور ناشرین کے درمیان جو رسّہ کشی ہوتی ہے۔ اس سے میں بخوبی واقف ہوں
...ی وجہ ہے کہ اس سے قبل میں نے جتنی کتابیں لکھی تھیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام میرے اپنے
...ے کے زیرِ اہتمام چھپی تھیں۔ اگر میرا پچھلا تاریخی ناول "مجاہدینِ سسلی" آپ کی نگاہ سے گزرا
... آپ میرے معیار کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آج کے اکثر ناشرین کتابوں کے ریڈی میڈ تخمینے رکھتے ہیں۔ مثلاً تصنیف کے ذیل میں مسودہ
...اوّل سو روپے فی صد صفحات۔ مسودہ درجہ دویم نوّے روپیہ۔ مسودہ درجہ سویم اسّی روپیہ۔
ناشر یہ نہیں سمجھتا کہ تین سو صفحوں کی ایک کتاب ایک ہفتہ میں بھی لکھی جا سکتی ہے ـــ اور
...مہینوں میں بھی۔

ناشرین کی اس روش کے پیشِ نظر مصنّفین کا طرزِ عمل کیا ہو سکتا ہے۔ وہ وقت اور معاوضے سے
...ہو کر لکھنے کی بجائے اپنے آپ کو ماہانہ آمدنی کے تناسب کا پابند بنا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بازار میں
...کتابوں کا قحط ہے۔ اور اس کا واحد سبب یہ ہے کہ نہ ناشر اچھا معاوضہ دینے کی سکت رکھتے ہیں اور نہ
...ہیں کہ معاوضہ کا سوال بالائے طاق رکھ کر بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کر سکیں۔

...پچھلا تاریخی ناول "مجاہدینِ سسلی" ان ناولوں میں سے ایک تھا۔ جو اپنے مصنّف کیلئے وسیع سے
...مہیا کر دیتا ہے۔ انتہائی قلیل مدّت میں اس کے کئی ایڈیشن چھپ کر ہاتھوں ہاتھ فروخت
...لیا اس لئے ہوا کہ میں نے اسے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے لکھا تھا۔ لکھنے سے قبل چار پانچ

مہینے ان کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جو جزیرہ سسلی کے اسلامی دور پر لکھی گئی تھیں۔ پھر اول تا آخر میری محویت کا یہ عالم رہا تھا گویا میں خود اس زمانہ کا ایک فرد ہوں اور اس دور کے رزم و بزم میں ہمہ وقت حاضر و ناظر۔

"سسلی سے اٹلی تک" "مجاہدین سسلی" کے نتائج سامنے آنے کے عین بعد لکھنا شروع کر دی گئی تھی۔ اس پر کئی موسم سرما کی راتیں صرف ہوئی ہیں۔ اور "مجاہدین سسلی" کی طرح اس کتاب کو بھی میرے اپنے ادارے سے شائع ہونا تھا چنانچہ ظاہر ہے کہ نہ تو میرے سامنے معاوضہ کا کوئی سوال تھا اور نہ اس ردوکد کا جو بڑی بیدردی کے ساتھ میرا وقت چاٹ رہا تھا۔

حسن اتفاق کہ انہیں دنوں میری ملاقات محمد حلیم صاحب مالک مکتبہ شارع ادب سے ہو گئی چنانچہ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں "سسلی سے اٹلی تک" مکمل کر چکا ہوں تو انہوں نے اسے اپنے مکتبہ کے زیر اہتمام چھاپنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں جو ناشروں کے "بھاؤ تاؤ" سے اچھی طرح واقف تھا۔ ان کی اس خواہش کو خوبصورتی کے ساتھ درگذر کر گیا۔ لیکن کچھ دیر کی گفت و شنید کے بعد مجھے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ وہ اچھی کتابیں چھاپنے کے ساتھ اچھا معاوضہ دینے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔ اور پھر انہوں نے خود ہی اس کتاب کا جو معاوضہ مقرر کیا۔ وہ نہ صرف میرے لئے قابل قبول تھا۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر تمام ناشرین اپنے مصنّفین کو اسی طرح فراخدلانہ معاوضہ دیکر انہیں فارغ البالی کے ساتھ لکھنے کا موقعہ دیں تو کم از کم وقت ہماری کتابیں حیرت انگیز طریق پر معیاری بن سکتی ہیں۔

اس مرحلے پر میرے لئے کشش و پنج کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ لہذا میں نے کتابت و طباعت اور دیگر انتظامات سے اپنا وقت بچانے کیلئے اس کے اوّلین ایڈیشن کا حق "شارع ادب" کے حوالے کر دیا۔ خدا کرے کہ یہ کتاب حسب معاہدہ زیادہ سے زیادہ بہتر بن کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچے۔

اب مجھے "سسلی سے اٹلی تک" کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔

اسپین اور جزیرہ سسلی کو آپ اس زمانہ کی دو بہنیں کہہ سکتے ہیں۔ ایک بہن کے بارے میں آپ بہت کچھ پڑھ چکے ہیں۔ اور شاید اس لئے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ جی ہاں، امیر اشارہ

اسپین کی طرف ہے۔ دوسری بہن کے بارے میں آپ کی نگاہ سے بہت کم کتابیں گزری ہیں۔ اس لئے اس پر لکھنے کے لئے تھوڑی سی بنیادی تحقیق کی بھی ضرورت تھی۔

جیسا کہ میں مندرجہ بالا سطور میں کہہ آیا ہوں ہمارے ناشرین کے حوصلہ شکن معاوضوں نے مصنّفین کو سہل الحصول بنا دیا ہے۔ وہ ایسی چیزوں کی طرف کم ہی توجہ دیتے ہیں جو تحقیق طلب ہوں۔

"مجاہدین سسلی" کے بعد "جزیرۂ سسلی" کے اسلامی دور پر یہ دوسری کتاب ہے۔ اور ابھی اور بھی کئی ضخیم کتابوں کا مواد موجود ہے۔ جو بشرطِ پسندیدگی پیش کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے روایتی اخلاق سے متاثر کر کے مجاہدانہ زندگی کی تڑپ پیدا کی جائے۔ اور میں نے جس خلوص سے یہ کوشش کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔

میں حسب سابق اس بار بھی آپ سے متوقع ہوں کہ آپ میری اس کوشش کے بارے میں مجھے اپنی رائے سے ضرور مطلع کریں گے۔ پتہ ایڈیٹر "آداب عرض" لاہور کافی ہوگا۔

آپکا اپنا

وحشی مارہروی

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۶۰ء

فہرست

ریشہ دوانیاں

ڈھم ڈھم ڈھم

سسلی کے مشہور شہر تار مینا (طبرمین) کے ایک بارونق چوراہے پر نقاروں کی گرجدار آواز نے راہ گیروں اور دوکانداروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

یہ بڑے بڑے نقارے ایک بلند قامت اونٹ کے دائیں بائیں بندھے ہوئے تھے۔ اونٹ کی پیٹھ پر نقارہ بجانے والے کے پیچھے ایک اور شخص بھی بیٹھا تھا جو شکل و شباہت اور وضع قطع سے رومی رضاکار معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں صلیبی پرچم تھا اور بایاں ہاتھ اکڑی ہوئی کمر کے ساتھ کچھ اس طرح رکھا تھا گویا وہ اپنی بادشاہی کا اعلان کرنے والا ہو۔

نقارے بجتے رہے۔ اور اس کے ساتھ حاضرین کا حلقہ بھی زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتا رہا۔

ان دنوں جزیرہ سسلی انتہائی نازک دور سے گزر رہا تھا۔ اور لوگ نہیں جانتے تھے کہ ان کا سیاسی مستقبل کیا صورت اختیار کرنے والا ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس کے کانوں تک نقارے کی آواز پہنچی، اپنا سب کچھ بھول کر اس طرف دوڑ پڑا۔ جیسے انہوں نے نقارے کی نہیں، اپنے مستقبل کی پکار سنی ہو۔ چند ہی منٹ کے بعد یہ وسیع و عریض چوک

ایک گنجان اجتماع میں تبدیل ہو گیا۔

علمبردار رضاکار نے، جو اس اثنا میں کئی بار اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے چکا تھا، پرچم کو نقارچی کے حوالے کیا اور اس کے کندھے کا سہارا لے کر اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا۔

بہادر عیسائیو!

جزیرۂ سسلی میں مسلمانوں کی باہمی چپقلیں۔ اب ایک ایسے مقام پر آ پہنچی ہیں۔ جہاں سوائے زوال کے انہیں اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے۔ آج رات شاہی باغ میں۔ ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ اس جلسہ میں۔ عیسائی مفاد کے سچے خادم۔ حاکم ٹارمینا عزت مآب گلبرٹ، عیسائی عوام سے خطاب فرمائیں گے۔ ان کے علاوہ جنوبی اٹلی سے حاکم کلبریہ عالی جناب سر دغوس اور ان کی شعلہ نوا صاحبزادی جنابہ ایپی صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ یہ حضرات بھی سسلی کی سیاسیات حاضرہ پر اظہار خیال کریں گے۔ لہٰذا ہر بالغ عیسائی کا قومی فرض ہے کہ وہ اپنا ہر کام چھوڑ کر اس جلسہ میں شریک ہو — یاد رکھو — ایسے موقعے بار بار نہیں آیا کرتے۔ اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں وہ قومیں۔ جو وقت کی آواز پر لبیک نہیں کہہ سکتیں — ضرور پہنچیئے — آج غروب آفتاب کے بعد۔ شاہی باغ میں۔

ڈھم ڈھم ڈھم — ڈھم ڈھم ڈھم!

شام تک ٹارمینا کا کوئی بازار، کوئی گلی اور کوئی کوچہ ایسا نہ بچا جہاں ان اعلانچیوں کی آواز نہ پہنچی ہو۔ اور یقیناً۔ یہ ٹارمینا کی تاریخ میں پہلا جلسہ تھا جب کہ چراغ جلنے کے بعد یہاں کے کسی مکان میں کوئی بالغ مرد نظر نہ آ سکا۔ ایک سیلاب تھا جو تیزی کے

کے ساتھ شاہی باغ کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ شاہی باغ جو سابقہ جلسوں میں ایک بار بھی چوتھائی حصّے سے زیادہ مصرف ہی نہ آیا تھا، آج اپنی بے وسعتی کے لئے حقیر سا معلوم ہو رہا تھا۔ جس طرف نگاہ ڈالئے، سروں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ حسب دستور اس دفعہ بھی اسٹیج باغ کی عقبی دیوار سے متعلق تھا۔ مگر جب اژدہام کا یہ عالم دیکھا گیا تو اسے وسطِ میدان میں تبدیل کرنا پڑا تاکہ سامعین چاروں طرف بیٹھ کر بخوبی سن سکیں۔

اسٹیج کی بروقت تبدیلی سے وہ شان و شوکت بڑی حد تک ختم ہو گئی جو ماہرینِ آرائش کی کئی روزہ محنت کا نتیجہ تھی۔ مگر پھر بھی رنگ برنگے حریری پردے۔ شوخ رنگوں کی جھنڈیاں۔ اور تر و تازہ پھولوں کے مہکتے ہوئے دروازے، زرد روشنی میں نیرنگیٔ بہار کے مظہر تھے۔ اسٹیج کے اطراف میں کئی نقرئی کرسیاں ترتیب وار رکھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک نہایت خوبصورت طلائی کرسی اپنی جگمگاہٹ سے نظروں کو خیرہ کر رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے پورا شاہی باغ سامعین سے اس قدر لبریز ہو گیا کہ لوگ چھلک کر درختوں اور باغ کی دیواروں پر جا پڑے۔ اور پھر اچانک سارا جلسہ کشتِ زعفران بن گیا جب کہ ایک درخت کی نازک سی شاخ نے ایک بھاری بھر کم شخص کا بوجھ سہارنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور نتیجہ کے طور پر نیچے بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں کو گرنے والے کے علاوہ نازک شاخ کا بوجھ بھی سہارنا پڑا۔ ابھی اس حادثہ کا خوشگوار اثر پوری طرح زائل نہ ہوا تھا کہ باغ کی ہنگامی فضا پر نقاروں کی آواز نے حاوی ہو کر حاکمِ ٹاربینا اور دیگر معززین کی آمد کا اعلان کیا۔ ہزاروں نگاہیں بیک وقت اس حصّہ پر مرکوز ہو گئیں جدھر سے فوجی افسروں کے حلقہ میں یہ ٹولی اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس ٹولی میں سب سے نمایاں حیثیت اینی کی تھی۔ جو سپاہیانہ

بانکپن سے اپنے باپ کے قدم بہ قدم چل رہی تھی۔

یہ وہی لڑکی ہے جس کے حسن و جمال کا غلغلہ جنوبی اٹلی سے سسلی تک پڑا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی بے پناہ خوبصورتی اور ہوشربا جوانی نے۔ اس کی اپنی ذات سے انصاف روا نہیں رکھا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا وہ عظیم قومی کردار تھا۔ جو بہت کم عیسائی عورتوں کو نصیب ہوا ہے۔ گلشنِ مسیح کا ایک مہکتا ہوا پھول۔ دشمنانِ قوم کے لئے ایک کڑکتی ہوئی بجلی۔ عزم و استقلال کی ایک ناقابلِ تسخیر چٹان۔ خلوص و ایثار اور عقل و فراست کا سرچشمہ۔ میدانِ جنگ کا ایک جانباز سپاہی۔ لیکن اس کی یہ تمام خوبیاں اس کے حسن و جمال کے بعد شمار کی جاتی تھیں۔ اور یہ ایک بہت بڑا ظلم تھا جو اس کی شخصیت کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ گو اس کی تعلیم زیادہ نہ تھی۔ بس اسی قدر۔ جتنا کہ شرفائے روم میں عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ مگر وہ اپنے ناخنِ تدبیر سے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل سلجھا لیتی تھی۔ اور جب کسی جلسہ میں اس کا تقریری موڈ شگفتہ ہوتا تھا تو اس کے اسلوبِ بیان اور حسنِ تقریر پر بڑے بڑے مقرر حیران رہ جاتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج کے مقرروں میں اینی کے علاوہ اور کوئی ایسا نہ تھا جسے عوام کی پوری پوری دلچسپی و توجہ حاصل ہو سکتی۔

اینی کے بعد عوامی اشتیاق کا دوسرا مرکز ٹارمینا کا حاکم گلبرٹ تھا۔ حکومت بیز نطی کا سرفروش نمائندہ۔ جس نے اسلامی فوج کے خلاف انتہائی جرأت مندانہ کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اور جو اپنے مردانہ حسن و جاہت۔ اور اینی کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی وجہ سے اس کا ہونے والا شوہر خیال کیا جاتا تھا۔ حالانکہ نہ تو اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی اعلان ہوا تھا۔ اور نہ ہی ایسے اسباب کارفرما تھے۔

معززین اور مقررین کی یہ ٹولی اسٹیج پر پہنچ کر حفظ مراتب کے ساتھ اپنی اپنی کرسیوں

ہو تقسیم ہو گئی۔ ان لوگوں کے اسٹیج پر پہنچتے ہی عوام کی جانب سے تالیوں کا جو طوفان برپا ہوا تھا۔ وہ کئی منٹ تک جاری رہا۔ اس وقت سامعین کا حاصلِ نگاہ اسٹیج کا وہ حصہ تھا جہاں ایک ہی قطار میں پڑی ہوئی کرسیوں پر اینی۔ سرد غوس۔ گلبرٹ اور دیگر معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ اینی سپاہیانہ لباس میں بھی وہ تمام رنگینیاں سمیٹے ہوئے تھی۔ جو کسی شوخ و شنگ طبیعت کا حاصل تصور ہو سکتی ہیں۔

"میرے خیال میں" وہ گلبرٹ سے مخاطب ہوئی "اب جلسہ کی کارروائی شروع ہو جانا چاہیئے۔ کیا رائے ہے"

"کیا رائے ہے" گلبرٹ نے ہرمن نامی ایک پادری سے سرگوشی کی "میں چاہتا ہوں کہ اس جلسہ کی صدارت کے لئے حاکمِ کلبریہ سرد غوس کا نام پیش کیا جائے"

"ان کی شخصیت اس سعادت کی مستحق ہے" ہرمن نے تائیدی انداز میں جواب دیا۔

"آپ اعلان کر دیں" گلبرٹ نے کہا "میں تائید کے لئے زیادہ موزوں ہوں"

ہرمن اپنی کرسی سے اُٹھ کر اسٹیج کے وسط میں رکھی ہوئی طلائی کرسی کے قریب پہنچکر کھڑا ہو گیا۔

مسیحی بھائیو!

مقامِ شکر ہے کہ آج کا یہ جلسہ ہماری توقعات سے کہیں زیادہ کامیابی کے مدارج طے کئے ہوئے ہے۔ اس یادگار جلسہ کی صدارت کے لئے میں جناب سرد غوس کا نام نامی پیش کرتا ہوں۔ آپ نے عیسائی فلاح و بہبود کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں وہ ہماری تاریخ کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہیں گی آپ کی صدارت اس جلسہ کے لئے ایک نیک شگن ہے۔ اور ــــ

"ہم تائید کرتے ہیں" اسٹیج کے قرب و جوار کے سامعین نے ہاتھ بلند کر کے گلبرٹ

کو رسمی تائید کی زحمت سے بچا لیا۔

"مجھے خوشی ہے۔" ہرمن نے کہا۔ "کہ میری پیش کش عوامی درخواست میں بدل گئی۔ عالی جناب سر دغوس سے درخواست ہے کہ وہ کرسئی صدارت پر رونق افروز ہو کر جلسہ کی کارروائی شروع فرمائیں۔"

تالیوں کے شور میں ہرمن اپنی مخصوص کرسی پر آ بیٹھا۔ ساتھ ہی سر دغوس کرسئی صدارت کے قریب پہنچ کر شکر گزارانہ لہجہ میں بولا

معزز حضرات! اس مبارک موقعہ پر آپ نے مجھ ناچیز کی جو عزت افزائی فرمائی ہے۔ اس کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری ملّی خدمات آپ کی انہیں عزت افزائیوں کی مرہونِ منت ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میں آپ کے اعتماد پر ہمیشہ پورا اُترتا رہوں۔

آج کے اس اجتماعِ عظیم کو دیکھتے ہوئے کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ سسلی کے عیسائی اپنے سیاسی وجود کو ختم کر چکے ہیں۔ یا انہیں سسلی میں اپنے باوقار مستقبل کا کوئی فکر نہیں ہے۔ چنانچہ اس دعا کے ساتھ کہ خداوند ہمارے اس جوش و خروش اور فکرِ مستقبل کو استقامت بخشے۔ میں حاکم ٹارمینا عزت مآب گلبرٹ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

اتنا کہنے کے بعد سر دغوس کرسئی صدارت پر بیٹھ گیا۔ تالیوں کی گونج نے اسٹیج کی طرف بڑھتے ہوئے گلبرٹ کا شاندار استقبال کیا۔ اسٹیج پر پہنچ کر گلبرٹ نے مجمع کے چاروں طرف ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اور مقررانہ انداز میں بولنا شروع کیا۔

عزیز دوستو!

اس موقعہ پر۔ میں آپ کو صرف ان حقائق سے آگاہ کروں گا۔ جن کی بناء پر۔ آج جزیرہ سسلی کے اصلی وارث عیسائی۔ اسلامی حکومت کے ذلت انگیز ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔ اگر ہم ایک بار پھر سسلی کی تقدیر کے مالک بننا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی ان کمزوریوں کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھنا ہوگا جنھوں نے ہمیں مسلمانوں کی غلامی و محکومی کی لعنت میں مبتلا کیا۔

یوں تو اس جزیرہ میں مسلمانوں کی لوٹ کھسوٹ کئی صدی پیشتر شروع ہو چکی تھی۔ مگر ان کے باقاعدہ حملے ۸۲۷ء میں شروع ہوئے۔ ان دنوں اٹلی کی مختلف عیسائی حکومتیں سسلی کے مختلف حصوں پر قابض تھیں۔ یہاں کے اکثر و بیشتر بڑے بڑے شہر مختلف گورنروں کے تابع تھے۔ ایک حصے کا گورنر دوسرے حصے کے گورنر سے بھائی چارہ اور اتحاد و اتفاق رکھنے کی بجائے بغض و عناد رکھتا تھا۔ شیرازۂ اقتدار پہلے ہی کیا کم منتشر تھا کہ مرکزی حکومتوں کی باہم چھیڑ چھاڑ نے سسلی میں بے شمار خود مختار حکمراں پیدا کر دیئے۔ یہ سب ایک ہی نجات دہندہ کے نام لیوا تھے۔ ان کا مقصدِ حیات ایک تھا۔ ان کا روحانی نصب العین ایک تھا۔ مگر نشۂ اقتدار نے انہیں کئی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ایک دوسرے کے مفاد کا احترام کرتے۔ وقت کے اہم ترین تقاضوں سے بے پروا۔ بدستور ایک دوسرے کے بیری بنے رہے۔

انہوں نے اسلامی فتوحات کے تھپیڑے شدت کے ساتھ محسوس کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ریگزار عرب کے صحرائی اسپین۔ شام۔ مصر۔ ایران اور ہندوستان

ایسی حکومتوں کو شکست دے کر ان پر قبضہ جما چکے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ حکومتِ شام کی اسلامی فوجیں شمالی افریقہ تک آ پہنچی ہیں۔ اور پھر انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شمالی افریقہ کی صدہا سالہ جمی جمائی حکومتیں کس طرح تہہ و بالا کر ڈالی گئیں۔ اور وہ سرزمین جہاں کبھی کسی مسلمان کا سایہ تک نہ پڑا تھا۔ ہلالی پرچم کے زیرِ سایہ آ گئی۔

شمالی افریقہ سے جزیرہ سسلی صرف اسی میل کی سمندری مسافت پر واقع ہے۔ مسلمانوں کی ان اڑانوں کے پیشِ نظر جو واضح طور پر دیکھے میں آ رہی تھیں یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ افریقہ میں قدم جمانے کے بعد مسلمانوں کی اگلی اڑان سسلی کی جانب ہو گی۔ لیکن افسوس کہ سسلی کے عیسائی حکمرانوں نے اس اندیشہ کو اس اہمیت کے ساتھ محسوس نہیں کیا۔ جس کا وہ مستحق تھا۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر شمالی افریقہ سے یہاں پہنچا تو اسے ایک متحدہ محاذ کی بجائے صلیبی طاقتوں کی بے شمار ٹکڑیاں نظر آئیں۔ انہوں نے اس صورتِ حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تمام بڑے بڑے شہر یکے بعد دیگرے عیسائیوں سے کٹ کر مسلمانوں کے حصہ میں آ گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس ٹھوکر نے کچھ دنوں کے لئے عیسائیوں کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور انہوں نے اسلامی لشکر کا زور اپنی مشترکہ افواج سے توڑنے کی دانشمندانہ کوشش کی تھی۔ مگر یہ سب بعد از وقت تھا۔ وہ اس حکمتِ عملی کا صحیح وقت گنوا چکے تھے۔

تو عزیز دوستو! یہ ہیں ہمارے کوتاہ اندیش حکمرانوں کی وہ لغزشیں جنھوں نے جزیرہ سسلی پر عربی وحشیوں کو مسلط کر دیا۔ اور اب ان کی نگاہیں اٹلی کے دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔

گو آج کی مسیحی دنیا پہلے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہماری مرکزی حکومتوں میں آج بھی باہمی اختلافات موجود ہیں۔ آج بھی سسلی کے محکوم عیسائی مرکزی گروہ بندیوں سے وابستہ ہیں۔ اگر یہ ضروری ہے۔ تو ایسا ہونا چاہیئے۔ لیکن مسلمانوں کے مقابلہ پر ہمیں دوبارہ ان حماقتوں کا مرتکب ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کی پچھلی گمراہیاں آپ کا سب سے قیمتی سبق ہیں۔ انہیں یاد رکھیئے آیئے ہم اپنے تمام نجی اختلافات کو کسی دوسرے وقت پر اُٹھا رکھیں۔ اور فی الحال مسلمانوں کے دفعیہ کا کوئی مناسب حل دریافت کر کے اس پر اتحاد و استقامت اور جوش و خروش کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔

اس کے لیے۔ ایک تجویز ہے۔ جسے دوسری حاضری پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

گلبرٹ عوامی مخاطبت سے کنارہ کش ہو کر سردغوس سے ملتجی ہوا۔

"بہتر ہو گا اگر جناب اینی کو طلب فرمائیں۔ وہ موجودہ سیاسیات پر بولنا چاہتی ہیں۔ سابقہ تفصیلات کے بعد اس موضوع سے توازن قائم رہے گا۔ کیا خیال ہے"

"میں اتفاق کرتا ہوں" سردغوس نے جواب دیا۔ اور کرسی سے اُٹھ کر اعلانیہ لہجہ میں بولا: "اب اینی سردغوس سیاسیاتِ حاضرہ پر تقریر کریں گی"

بحیثیت باپ سردغوس اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔ ہرمن، اینی کے اس مختصر سے تعارف کو ناکافی سمجھ کر آگے بڑھا اور سردغوس سے اجازت لئے بغیر ہی بولنا شروع کر دیا۔

"اینی سردغوس میرے اور آپ کے لیئے نئی نہیں ہے۔ ہم نے اسے کئی بار سُنا۔ اور کئی بار دشمنوں کے مقابلہ پر سینہ سپر دیکھا ہے۔ اس عمر میں قومی جذبات و کردار کی یہ پختگی اینی ہی کا حصہ ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ ہستیاں جنھیں اس کے والدین ہونے کا شرف حاصل ہے

اور مبارک ہے وہ قوم جس میں اس نے جنم لیا ہے۔"

ابھی ہرمن کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر تالیوں کا طوفان اس کے ارادے میں حائل ہو گیا اس اثنا میں اینی اس جگہ پر پہنچ چکی تھی جہاں کھڑے ہو کر اسے تقریر کرنا تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے قبل گلبرٹ تقریر کر رہا تھا۔ اور مشعلوں کی زرد روشنی نے ماحول پر ایک جمودی کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ لیکن اینی کے وجود نے زرد روشنی کی "جمودی کیفیات کو "زریں نگاہ" بنا دیا۔ حسن اپنے گرد و پیش کو خود جنم دیتا ہے۔ وہ جہاں بھی ظاہر ہو گا، وہاں کی ہر شے اس کی تجلیات سے متاثر نظر آئے گی۔ چنانچہ نہ صرف اسٹیج کا حسن دوبالا ہو گیا۔ بلکہ پورے اجتماع میں ایک پُرجوش استقبالیہ رو دوڑ گئی۔ لوگوں کی ہمہ تن گوشی کا انداز اس امر کا واضح ثبوت تھا کہ اسٹیج سے ان کی حقیقی دلبستگی کا سامان اب پیدا ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مظاہرہ میں اینی کی بے پناہ خوبروئی کو بھی کچھ دخل ہو۔ لیکن اس کا بڑا سبب اس کا جوشیلا اندازِ تخاطب۔ اور ہیجان انگیز گرمئ گفتار تھا۔

اقتدارِ عیسائیت کے پُرجوش طلبگارو! اس نے اپنے مخصوص ولولہ انگیز لہجہ میں بولنا شروع کیا۔

دنیا مقابلہ کا میدان ہے۔ یہاں وہی لوگ باعزت زندگی گزار سکتے ہیں جو رفتارِ زمانہ سے پوری طرح باخبر۔ اور میدانِ کارزار میں دوسروں سے تیز گام ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اگر کچھ وقتی کمزوریاں کسی تیز گام قوم کو گردِ کارِرواں کے دھندلکوں میں کھو دیں، تو وہ قوم ہمیشہ کے لیے گردِ کارِرواں ہی میں بھٹکتی رہے۔ عیسائی ایسی عظیم قوم کے لئے یہ حقیر آزمائش کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ہماری قوم بارہا ان کڑی آزمائشوں

سے گزری ہے۔ اور ہر بار پہلے سے زیادہ بلند و برتر مقام حاصل کیا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ بالآخر۔ یہ سرزمین بھی۔ جہاں ہماری نئی پود۔ ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ صلیبی پرچم کے زیر سایہ ہو گی۔ عیسائی جاگ رہا ہے۔ وہ زندہ ہے۔ اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہمیں خدا کے حضور شکرانہ کے لئے جُھک جانا چاہیئے۔ کہ ابھی سسلی میں ٹارینا ایسے مضافات باقی ہیں جہاں عیسائیوں کا مکمل غلبہ ہے۔ اور جو بروئے باجگزاری ناحال مسلمانوں کی داروگیر سے محفوظ ہیں۔ ان مقامات سے ہم اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ شکریہ کی مستحق خدا کی یہ مہربانی ہے کہ اس نے خلافتِ سسلی کے خلاف مسلمانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو آمادۂ پیکار بنا رکھا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ یہ باغی گروہ قبیلۂ بنو طبریٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے اثر و رسوخ۔ اور سیاسی طاقت و تدبّر کا یہ عالم ہے کہ اس کی مخالفانہ سرگرمیوں نے ابو عطاف جیسے جہاندیدہ شخص کی خلافت کو جڑ سے اُکھیڑ پھینکا۔ اور اس طرح کہ اگر وہ فوراً ہی افریقہ نہ چلا گیا ہوتا تو آج سسلی کے کسی گورستان میں دفن ہوتا۔ کیا یہ وہی حالات نہیں ہیں۔ جنھوں نے کسی زمانہ میں سسلی کی عیسائی حکومتوں کا چراغ گُل کیا تھا۔ اور کیا ہماری قومی صلاحیتیں اس قدر مفلوج ہو چکی ہیں کہ ہم اس درجہ سازگار حالات سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں — میں کہتی ہوں۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کی اس "کشاکشِ اقتدار" میں ہمیں کیا پارٹ ادا کرنا ہے۔ اس مسئلہ کو چھیڑنے سے پہلے چند حالیہ حقائق پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

خلیفۂ سسلی ابو عطاف کو شکست دینے کے بعد باغی گروہ کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ وہ اپنے علاوہ اور کسی کی خلافت وحکومت میں رہنا پسند نہیں کر سکتے، خواہ وہ بغداد کا خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آج جب کہ افریقہ کا خلیفہ ابو المنصور، ابو عطاف کی جگہ سسلی کی عنانِ حکومت کسی ایسے شخص کے ہاتھ سونپنے پر غور کر رہا ہے، جو باغیوں کی سرکوبی کر کے سسلی میں کامل امن وامان قائم کر سکے ۔۔۔ یہاں کے باغیوں کا ایک وفد خلیفۂ افریقہ کی خدمت میں پہنچ چکا ہے۔ اور کوشاں ہے کہ سسلی کی خلافت قبیلۂ بنو طبری کے سردار خلیل کے سپرد کر دی جائے۔ یعنی خلیفۂ افریقہ۔ جن باغی مسلمانوں کا وجود سسلی میں ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت کرنا نہیں چاہتا وہ سسلی کی سند حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس پہنچے ہوئے ہیں۔

اس صورت میں اپنی فلاح وبہبود کے لئے ہمیں جو کچھ کرنا ہے۔ وہ ایک مبسوط پروگرام کی صورت میں محفوظ کیا جا چکا ہے۔ اس موقعہ پر یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پروگرام کی تمام تر تفصیلات آپ کے گوش گزار کی جائیں۔ ضروری یہ ہے کہ آپ اپنے رہنماؤں پر کامل بھروسہ رکھیں۔ اور یقین کر لیں کہ ان کی جانب سے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جو عیسائی مفاد کے خلاف ہو۔ نیز ان کو آپ کی کامیابی وسرخروئی کا اسی قدر فکر ہے۔ جتنا کہ ایک شفیق باپ کو اپنے بیٹے کا ہو سکتا ہے۔ آج ہم آپ سے بھیک مانگتے ہیں یقین کی۔ اتحاد وعمل کی۔ اور جراٴتِ قربانی کی بھیک۔ اور اس کے بدلے میں آپ سے وعدہ کرتے ہیں۔ آپ کی بہتری کا۔ آپ کے عروج کا۔ آپ کی فتح کا۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی موقعہ پر آپ کو اپنے لیڈروں کا کوئی

قول وفعل بظاہر" صلیب دوستی" سے بعید نظر آئے۔ لیکن حقیقت اُس کے برعکس ہوگی۔ لہذا آپ بجی تشویش و تفکر سے بے نیاز ان کی اندھی اطاعت پر کمر بستہ رہیں۔ اور دیکھیں کہ آپ کس قدر سرعت کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ آپ میری طرف سے وہ کچھ نہیں سُن سکے۔ جس کی آپ کو توقع تھی۔ لیکن اس موقعہ پر میرا اس سے زیادہ بولنا بعید از مصلحت ہے۔ خدا ہمارا حافظ و نگہبان ہو۔

ابنی کی تقریر کے خاتمہ پر صاحب صدر کو ہرمن کی طرف سے کاغذ کا ایک پُرزہ موصول ہوا جسے پڑھنے کے بعد اس نے اعلانیہ لہجہ میں کہا۔

"اب آپ کے سامنے جناب گلبرٹ ایک تجویز پیش کریں گے۔ اس تجویز کو آپ کے سیاسی رہنماؤں کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ نیز اس کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لیا گیا ہے۔ تاہم۔ اگر کسی صاحب کو اس تجویز پر کوئی اعتراض ہو تو آپ ضمانت کے ساتھ کہ وہ بحیثیت عیسائی۔ صلیبی مفاد سے وابستہ ہیں۔ ہم سے نجی طور پر تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں۔"

گلبرٹ۔ جو اس اثناء میں اسٹیج سے متعلقہ مشعل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ سرد غوس کی اجازت کے ساتھ تحریر شدہ تجویز کو باآواز بلند پڑھنے لگا۔

سسلی ایک ایسا جزیرہ ہے۔ جہاں کئی مختلف قومیں آباد ہیں۔ نیز اس کی سیاست و معاشرت بجائے خود ایک مخصوص حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا حاکم سسلی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ یہاں کے تمام تر حالات سے واقف ہو۔ اب تک افریقہ سے جتنے حاکم آئے ہیں وہ یہاں کے حالات سے قطعی ناواقف

تھے۔ یہی سبب ہے کہ چند کو چھوڑ کر باقی بُری طرح ناکام رہے۔ ابوعطاف کا معاملہ اس دعوے کی تازہ دلیل ہے۔ اس کے برعکس ہمارا پسندیدہ خلیل نہ صرف سسلی کے تمام اہم امور سے باخبر ہے۔ بلکہ قابلِ رشک اثر و اقتدار کا بھی مالک ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں سسلی کے عیسائیوں کا یہ عظیم الشان جلسہ افریقہ کے خلیفۂ وقت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ "خلافتِ سسلی" کے لئے دوسروں کی نسبت قبیلۂ بنوطبری کے سردار خلیل کو ترجیح دی جائے۔ اور واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اگر اس موقعہ پر ہمارے جذبات کا پاس نہ کیا گیا تو ہمارے لئے بھی یہ ضروری نہ ہوگا کہ ہم کسی اجنبی خلیفہ کی وفادار رعایا ثابت ہوں۔

"جو حضرات اس تجویز سے اتفاق رکھتے ہوں وہ اپنا ہاتھ بلند کر دیں۔"

دوسرے لمحے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اُٹھے ہوئے ہاتھ یوں معلوم ہوئے جیسے اچانک جوان پودوں کی کھیتی لہلہانے لگی ہو۔

عتابِ شاہی

یہ شمالی افریقہ کی اسلامی حکومت کا دار الخلافہ قیروان ہے۔

خلیفۂ وقت ابوالمنصور دارالشوریٰ کی وسیع و عریض عمارت میں اپنی مخصوص نشست پر متمکن ہے۔ دائیں بائیں اور عقب میں چوڑی باڑ کی ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے اس کے جاں نثار محافظ با ادب کھڑے ہیں۔ خلیفہ کی نشست سے متصل ہی شاہی چتر سایہ فگن ہے۔ داہنے ہاتھ کی پہلی نشست پر ابوالمنصور کا معتمد خاص حسن بن علی بیٹھا ہے۔ اور اس کے برابر ہی اس کا جواں سال فرزند احمد۔ اس کے بعد خلیفہ کے مقربین۔ اور پھر ایک دائرہ کی شکل میں امراء۔ سفراء۔ بڑے بڑے عہدیدار اور معززینِ شہر رونق افروز ہیں۔ سامنے کی پہلی قطار میں سابق خلیفۂ سسلی ابوعطاف اور اس کے عمال فروکش ہیں۔ دوسری اور تیسری قطار میں وہ پیامی دکھیے جا رہے ہیں جو ممالکِ غیر سے آئے ہیں۔ انہیں میں سسلی کے وہ ایلچی بھی ہیں۔ جنھیں قبیلۂ بنو طبری کے باغی گروہ نے ایک عرضداشت کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ نیز سسلی کے عیسائیوں کا بھی ایک نمائندہ موجود ہے۔ جو تارمینا کے جلسۂ عام میں منظور شدہ تجویز پیش کرنے کے لئے آیا ہوا ہے۔

ابوعطاف کی داستانِ بیچارگی۔ سسلی کے باغی گروہ کی درخواست۔ اور سسلی کے عیسائیوں کی تجویز۔ یہ سب کچھ پچھلی تاریخوں میں سُنا جا چکا تھا۔ آج کا دن شاہی فیصلہ

کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ کلام پاک کی تلاوت کے بعد خلیفہ ابوالمنصور نے بارعب لہجے میں کہنا شروع کیا۔

معزز حاضرین!

اہالیان سسلی کی حالیہ بغاوت کوئی نئی بات نہیں ہے جب بھی افریقہ کی اسلامی حکومت پر کوئی نازک وقت پڑا ہے سسلی کے باغی عنصر نے اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ حسبِ معمول۔ اس سال بھی۔ جب کہ ہماری فوجیں افریقہ کے اسلام دشمن قبائل سے مصروفِ جنگ تھیں باشندگانِ سسلی نے اپنے حاکم ابوعطاف کے خلاف مہم شروع کر دی۔ اور انہیں اس درجہ پریشان کیا گیا کہ وہ سسلی چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے یہ بغاوتیں غیر مسلمانوں کی طرف سے رونما ہوتی تھیں اور اب ان کا آغاز خود مسلمانوں سے ہوتا ہے۔ اس بار لطف یہ ہے۔ کہ جن لوگوں نے سسلی میں اسلامی وقار کو صدمہ پہنچایا ہے۔ اور ہماری طرف سے مقرر کردہ حاکم کی توہین و تذلیل کر کے افریقہ کے شاہانہ اقبال کو بے باکانہ للکارا ہے۔ وہی لوگ سسلی کی حکومت کے امیدوار ہیں۔ ہم سے امیدوار ہیں۔ ہم سے۔

آخری جملہ کے ساتھ ابوالمنصور کی آنکھیں غصہ سے سُرخ ہو گئیں۔ آواز شدتِ غضب سے کپکپانے لگی اور چہرے کے تیور انتہائی خطرناک صورت اختیار کر گئے۔

یہ آثار دیکھ کر بنو طبری کے قاصد عتابِ شاہی کے خوف سے سناٹے میں آگئے۔ جیسے ان کے جسم میں کوئی شگاف پڑ گیا ہو۔ اور اخراجِ خون کی شدت چہروں کو لمحہ بہ لمحہ زرد کئے جا رہی ہو۔

ان کے اپنے خیال ہیں ـــــ ابوالمنصور نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

وہ حکومتِ سسلی کے اس لئے مستحق ہیں کہ انھیں سسلی کے جملہ معاملات سے پوری واقفیت ہے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ جب پہلی بار ہمارے قدم سسلی کے ساحل پر پڑے تھے تو ہمیں وہاں کے معاملات سے کتنی واقفیت تھی۔ کتنی واقفیت تھی ان کفن بردوش مجاہدوں کو جنھوں نے پورے جزیرے کو تلوار کی دھار پر لے کر اسے اسلامی دولت و اقبال سے وابستہ کر دیا۔ اور — اور آج بھی۔ ہمیں صداقت۔ ایمان اور تلوار کے علاوہ کسی اور واقفیت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا۔

ہم حکم دیتے ہیں کہ باغی گروہ کے قاصدوں میں سے ایک کے علاوہ باقی سب کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ یہ ایک قاصد ہمارے تحریری جواب کے ساتھ آج ہی سسلی روانہ ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ عیسائی قاصد بھی جو سسلی کے تمام عیسائیوں کی منظور شدہ تجویز لے کر آیا ہوا ہے۔ اس کے لئے بھی ہماری طرف سے وہی جواب ہے جو قبیلۂ بنو طبری کے باغیوں کو دیا گیا ہے — تعمیل ہو —!

یہ سنتے ہی ایک عہدیدار جو سپاہیوں کی ایک مختصر سی ٹکڑی کے ساتھ ان قطاروں کے پیچھے کھڑا تھا، جلدی سے آگے بڑھا اور چھ قاصدوں میں سے پانچ کو گرفتار کرا کے دارالشوریٰ سے باہر بھجوا دیا۔ ان کے ساتھ ہی چھٹا قاصد بھی عیسائی پیامی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

”ہمیں سابق والیٔ سسلی ابو عطاف سے پوری ہمدردی ہے۔ اور ہم پوری کوشش کریں گے کہ ان کے ساتھ جو زیادتی کی گئی ہے، اس کی خاطر خواہ تلافی ہو سکے۔ اس وقت سسلی کو ایک ایسے حکمران کی ضرورت ہے جو وہاں کے

باغیانہ عناصر کو حکمت و تدبر کے علاوہ تلوار کی دھار سے بھی اطاعت و فرمانبرداری کا سبق دے سکتا ہو۔ اور ان پر ثابت کر سکتا ہو کہ حکومتِ وقت کے خلاف تخریبی کارروائیوں کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی قضا کو آپ للکار رہے ہیں۔ اور ہم ایسے شخص کا انتخاب کر چکے ہیں۔"

ابوالمنصور کے یہ الفاظ پورے اجتماع پر تجسس و اشتیاق بن کر چھا گئے۔ موضوع ایک تھا۔ دماغ سینکڑوں ۔۔ کون ہو سکتا ہے وہ شخص جس کی عقل و فراست اور شجاعت و بہادری پر اس قدر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

"اور وہ ہیں حسن بن علی۔" اس انکشاف کے بعد خلیفہ ابوالمنصور نے حاضرین کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ جیسے وہ اس اظہار سے پیدا شدہ تاثرات کا جائزہ لینا چاہتا ہو۔

"میں جناب والا کے۔" معززینِ شہر میں سے ایک بزرگ صورت شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ "اس موزوں ترین انتخاب کی پُرزور تائید کرتا ہوں۔"

"حضورِ والاشان کے حسنِ نظر کی یہ کامیاب پرواز لائقِ صد ستائش ہے۔ مبارک باد۔" مقابل کی قطار سے قاضیٔ قیروان نے رائے ظاہر کی۔

"یہ حقیقت ہے۔" سامنے کی قطار سے ابوعطاف نے صدق دلانہ انداز میں کہا۔۔ "کہ آج کے سسلی کو جناب حسن بن علی ایسی لائق و فائق اور جیّد و جرّار ہستی کا مل جانا اس کی خوش نصیبی ہے۔ میں بحیثیت سابق حاکم۔ اہلِ سسلی سے بخوبی واقف ہوں۔ اور بحیثیت ایک عزیز دوست۔ جناب حسن بن علی کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس علم و وقوف کی روشنی میں مجھے پوری توقع ہے کہ بالآخر فتح حسن بن علی ہی کی ہوگی۔"

"سندِ ولایت عطا کی جائے۔" ابوالمنصور نے اپنے دستِ راست جمالی کو حکم دیا

جمالی نے اپنے اہلکار سے ایک طلائی خول لے کر اس میں سے سندِ ولایت نکالی اس وقفہ میں حسن اپنی نشست سے اٹھ کر ابوالمنصور کے حضور پہنچ گیا۔ اور انتہائی احترام کے ساتھ سندِ ولایت لے کر ایک ایسے زاویہ سے کہ حاضرین اور خلیفہ دونوں کو خطاب کر سکے، عاجزانہ لہجہ میں بولا۔

اعلیٰ حضرت نے مجھ ناچیز کو جن اہم ذمہ داریوں کا اہل تصوّر فرمایا ہے۔ اور حاضرین کرام نے میری ذات سے جن توقعات کا اظہار کیا ہے وہ میرے لئے باعثِ صد افتخار ہے۔ میری زندگی کا بیشتر حصّہ ظلِّ سبحانی کے سایۂ عاطفت میں بسر ہوا ہے۔ اور میری زبردست خواہش تھی کہ بقیہ حصّہ بھی اسی عنوان گزر جائے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ اس مبارک موقعہ پر میری طرف سے یہ ناخوشگوار اظہار ممکن ہے کچھ گراں سا محسوس ہو۔ لیکن میں اپنے ضمیر سے انصاف کرنے کا عادی ہوں۔ لہٰذا میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اعلیٰ مقام خلیفۂ افریقہ کا قرب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اور میں سسلی کی ولایت پر فائز ہو کر اس قدر خوش نہیں ہوا ہوں کہ اس احساسِ دُوری پر غالب آسکوں۔ اس وقت جو چیز مجھے تھوڑا بہت سہارا دے رہی ہے وہ یا تو احساسِ فرمانبرداری ہے۔ یا وہ وابستگی جو آقا اور غلام کی نوعیت سے بہرحال قائم رہے گی۔

آج کا جزیرہ سسلی جس صورتحال سے دوچار ہے اس کی تمام تر تفصیلات میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر بڑا دُکھ ہے کہ پورے جزیرے کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کے بعد۔ بجائے اس کے کہ آج وہاں اسلامی تہذیب و تمدّن اور علم و ادب کا دور دورہ ہوتا۔ اور تجارت و صنعت کو فروغ

دینے کی کوششیں کی جائیں۔ ہمیں ایک ایسے باغی گروہ سے نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے جو ہمارے ہی جسم کا ایک حصّہ ہے۔ ایک ایسا ناسور زدہ حصّہ۔ جو اپنی اندھی اقتدار پسندی۔ اور اسلامی دولت و اقبال پر غاصبانہ دست درازی کا مرتکب ہو کر۔ ہماری ان ہمدردیوں سے محروم ہو چکا ہے جو بحیثیت مسلمان اس کا حق تھیں۔ اس کے باوجود میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری تلوار اس وقت تک نیام سے نہ نکلے گی جب تک کہ اس کا نکلنا مجبوری کی زد میں نہ آجائے۔

سسلی کے عیسائیوں سے بغاوت کی جو بُو آ رہی ہے وہ قبیلہ بنو طبری کی باغیانہ سرگرمیوں ہی کی پیدا کردہ ہے۔ وہ سسلی کی سرزمین پر ہمارے بازوؤں کو اچھی طرح آزما چکے ہیں۔ اور اب ان میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ پر آنے کی جسارت کر سکیں۔ اہلِ مغرب کی فطرت ہے کہ وہ باہمی رنجشوں کو ہوا دے کر کمزور کے ساتھی بن جاتے ہیں تاکہ بڑی طاقت کا خاتمہ کر کے کمزور حصّہ کو بآسانی نگل سکیں۔ حسن ان کے قومی کردار سے بخوبی واقف ہے اور آنے والا وقت یہ ثابت کرے گا کہ حسن اس بیماری کے علاج سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتا ہے۔

اس مختصر سی تقریر کے بعد حسن شاہی تعظیم بجا کر اپنی نشست پر آبیٹھا۔

بظاہر اب کوئی مسئلہ ایسا نہ رہا تھا کہ جلسہ کی ضرورت محسوس کی جاتی۔ لہٰذا ایک باضابطہ اعلان کے ساتھ اسے برخاست کر دیا گیا۔ مگر اس سے قبل کہ خلیفہ اپنی مسند کو چھوڑتا حسن اس کے حضور آ کھڑا ہوا۔ چہرے کے آثار بتا رہے تھے کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ خلیفہ کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں حسن نے نہایت آہستگی کے ساتھ کہا۔

" ایک درخواست تخلیہ کی منتظر ہے "۔

تھوڑی دیر تک تمام حاضرین ایوان کو خالی کر گئے۔ اب گنتی کے چند خاص معتمدین باقی تھے۔ خلیفہ نے حسن کی طرف نگاہ کی۔ گویا دریافت کر رہا ہو۔ کیا کامل تخلیہ ضروری ہے۔

جو لوگ خلیفہ کے گرد و پیش بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن ان سے بخوبی واقف تھا۔ یہ خلیفہ کے خاص آدمی تھے۔ ان کی نیت پر شبہ کرنا۔ خلیفہ کی ذات سے مشکوک ہونا تھا۔ لہذا حسن نے مزید رازداری کو ضروری خیال نہ کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

" میری خواہش تھی کہ اگر مستقل طور پر ممکن نہ ہو تو ... کے ہنگامی حالات فرو ہونے تک۔ مجھے سرکاری جاسوس عنبر کو اسکے عملے سمیت اپنے ساتھ لیجانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے "

" اگر آپ یہ خواہش ظاہر نہ کرتے "۔ ابو المنصور نے التفات آمیز لہجہ میں کہا۔ " تب بھی ہماری طرف سے اسے آپ کے ساتھ بھیجنا ضروری خیال کیا جاتا۔ حالانکہ وہ اپنی فنکارانہ ذہانت اور سرفروشانہ خدمات کے لئے ہمیں اس قدر عزیز ہے کہ ہم اسے حدودِ افریقہ سے باہر بھیجنا خوشی سے پسند نہ کرتے۔ لیکن موجودہ حالت بجائے خود ایک مطالبہ ہے۔ حسن اور عنبر ایسی ہستیوں کا مطالبہ۔ اور یہ مطالبہ یقیناً ایسا نہیں ہے کہ ہم اس پر اپنی ذاتی خوشی کو ترجیح دیں "۔

" فیض آثار خلیفۂ افریقہ! " حسن نے نعرہ لگایا۔

" زندہ باد!! "

چراغِ ظلمت

سِسلی کے دارالخلافہ بلرم[1] میں "کاشانۂ خلیل" باغیوں کی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ یہ عمارت شہر کے جنوبی حصّہ میں دو منزلوں پر مشتمل ہے۔ اس کی بناوٹ عربی طرزِ تعمیر کا ترقی یافتہ نمونہ ہے۔ طول و عرض اور خوبصورتی کے اعتبار سے اس کا شمار تیسرے درجہ پر ہوتا ہے جب کہ یہاں قصرِ شاہی کے علاوہ سرکاری دفاتر کی عظیم الشان عمارتیں بھی موجود ہیں۔

بالائی منزل میں قبیلۂ بنو طبری کے بیسیوں گھرانے آباد ہیں۔ جن کا رہن سہن بظاہر ایک ہی جگہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اکثر خاندان اپنی مخصوص مکانیت کے ساتھ علیحدہ رہتے ہیں اس منزل کے دس راستے ہیں۔ اور یہ دس راستے تین تین چار چار مکانوں سے ملحق ہیں۔ صدر دروازے کے بالائی حصّہ پر منقش برجیوں کے حصار میں جو چار خوبصورت کمرے بنے ہوئے ہیں ان میں قبیلۂ بنو طبری کا سردار خلیل اقامت پذیر ہے۔

بالائی منزل کے برعکس نچلی منزل صرف چار بڑے بڑے کمروں اور ایک وسیع صحن پر مشتمل تھی۔ صحن میں کم و بیش ڈھائی تین ہزار افراد بآسانی سما سکتے تھے۔ اور اسی قدر ان چاروں کمروں میں۔

اس منزل کو "بنو طبری کی سیاست گاہ" کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ وہی

[1] پلرمو۔

جگہ تھی جہاں بیٹھ کر یہ باغی لوگ حکومتِ وقت کے خلاف سازشیں تیار کیا کرتے تھے
یوں تو آئے دن ہی یہاں حالاتِ حاضرہ پر غور و خوض اور خفیہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔
مگر ہر جمعہ کو نماز کے بعد یہاں کی رونق اور گہما گہمی قابلِ دید ہوتی تھی۔ قبیلۂ بنو طبری
کے وہ تمام افراد جو بلرم میں سکونت رکھتے تھے۔ نیز ان کے حامی و مددگار یہاں سمٹ
آتے۔ اس اجتماع کو ان کی اصطلاح میں "جشنِ اتحاد" کہا جاتا تھا۔ یعنی زہر ہلاہل کو
ریشمی تھیلی میں چھپایا جا رہا تھا۔ والیٔ سسلی ابو عطاف کا ذلت انگیز فرار اسی "جشنِ اتحاد"
کا کرشمہ تھا۔ یہی وہ "جشنِ اتحاد" تھا جس کی برکت سے آج اسلامی حکومت بے والی و
وارث پڑی ہوئی تھی اور چند خود غرض دیوانے اپنے اثر و اقتدار کے لئے سر دھڑ کی
بازی لگائے ہوئے تھے۔ اسی قسم کی سازشوں کے لئے اس کے صحن کی اونچی اونچی
دیواروں نے بالائی منزل کے زنانخانوں کو پورے طور پر محصور کیا ہوا تھا۔۔۔ خلیل کی
رہائش گاہ کے چار دریچے اسی رُخ پر واقع تھے۔ جو روز روز کے ہنگاموں کی وجہ
سے اکثر بند رہا کرتے تھے۔ دریچوں کی بندش سے خلیل کا زنانخانہ تو بیشک محفوظ
کر لیا گیا تھا۔ لیکن ان اثرات کی حفاظت ممکن نہ تھی جو حکومت کا تختہ اُلٹنے کی خطرناک
تجاویز سے مرتب ہوتے رہتے تھے۔ ان اثرات کا سب سے گہرا اثر قبیلۂ بنو طبری کے
سردار خلیل کی جواں سال بیٹی صہبا نے قبول کیا تھا۔ وہ یقیناً ایک عربی النسل بہادر
باپ کی بہادر بیٹی تھی۔ اس کی رگوں میں بھی وہی جوشیلا خون تھا۔ جو سرفروشانہ حرارت
کے ساتھ منصبِ شاہی کی طرف لپک رہا تھا۔ لیکن قدرت کی طرف سے اسے
جو عقل و شعور عطا ہوا تھا وہ باپ کی فہم و ادراک سے بالکل مختلف تھا۔ اس کا
لڑکپن خالص مذہبی ماحول میں بسر ہوا تھا۔ اس کی اُستانی اپنے زمانہ کی ایک مشہور
عالمہ تھی۔ اس کے اعلیٰ درس و تدریس نے صہبا کو اس بات کا عادی بنا دیا تھا کہ وہ

اپنے تمام تر مسائل کتابِ الٰہی کی روشنی میں حل کرے۔ مذہبی امور پر اس کا حلقۂ نظر کافی وسیع تھا۔ احکامِ شریعت کی مضبوط گرفت نے اس کی پرہیزگار زندگی کو سرتاپا سکون بنا دیا تھا۔ اس کی صحت مند جوانی نفسِ امارہ کی پہنچ سے بالا تھی۔ اور وہ جذباتی خلجان، جو عنفوانِ شباب کے ساتھ سر اٹھانا شروع کر دیتا ہے۔ صہبا کے لئے ایک نامعلوم شے تھی۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جوانی محبت کا مچلتا ہوا تقاضا ہوتی ہے تو صہبا کی جوانی کا یہ "تقاضہ" دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ ہی شدید تھا۔ اسے بے پناہ محبت تھی۔ اُن تمام سے۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی تھی۔ وہ یتیموں محتاجوں۔ اور بے حیلہ و بے سہارا لوگوں کا اس قدر خیال رکھتی تھی کہ شاید ہی کوئی حبیب اپنے محبوب کا رکھتا ہوگا۔ اس کی حاجت روائی کا چرچا بلرم کے ان تمام گلی کوچوں تک پہنچ چکا تھا۔ جہاں افلاس و ادبار نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

ان حالات میں اگر یہ کہا جائے کہ خلیل اور صہبا کا یہ رشتہ۔ اندھیرے اور اُجالے کے نکتۂ انفصال کے مترادف تھا۔ تو یہ حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔ اندھیرا اُجالے کو قبول کر سکتا ہے لیکن اُجالا اندھیرے کو قبول نہیں کرتا۔ بالکل اسی طرح صہبا اپنے حق پسندانہ نظریات کے ساتھ ناقابلِ تسخیر تھی۔ وہ اپنے باپ کی باغیانہ سرگرمیوں کو ہر لحاظ سے "ناجائز" سمجھتی تھی۔ جرأت اس کا فراواں ورثہ تھا۔ لہٰذا کئی بار با ادب پیرایے میں وہ اپنے باپ کے روبرو اپنے صحت مندانہ خیالات کا اظہار کر چکی تھی۔ باپ کی ہٹیلی طبیعت کے پیشِ نظر اسے اس کے روبہ اصلاح ہونے کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن ان خیالات کا اظہار۔ اس نے اپنا فرض سمجھ کر کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بوجھل بوجھل سا محسوس کرتی تھی۔ اور یہ بوجھ اس وقت تک مسلّط رہتا تھا جب تک کہ وہ کسی کو بُری راہ پر دیکھ کر اسے نیکی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین نہ کرے۔ خواہ اسے اس نیک ادائیگی فرض کے بدلے کسی کا عتاب ہی

کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔ یہ اور بات ہے کہ خلیل کی طرف سے اب تک اس قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہوا تھا۔

لیکن

آج صہبا کو ایک عجیب مشکل کا سامنا تھا۔ وہ جن باتوں کو ذاتی طور پر "ناجائز" خیال کرتی تھی۔ اور جن لوگوں کی بابت اسے یہ یقین تھا کہ وہ بدی پر ہیں۔ اسے عملی طور پر ایسے لوگوں کی عزت افزائی کا ہدف بننا پڑ رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ خلیل کو سسلی کے نئے والی حسن کی آمد کے بارے میں صحیح اطلاعات پہنچ چکی تھیں۔ اور خلیفہ افریقہ نے اس کے قاصدوں سے جو سلوک کیا تھا۔ وہ اس کی غیرت و حمیت پر کھٹکتا ہوا تازیانہ تھا جس کا انتقام نہ لینا۔ اس کی اپنی دانست میں "خلیل کی ذلت انگیز سیاسی موت" کا دوسرا نام تھا۔ لہٰذا اس سے قبل کہ نیا والی ساحلِ سسلی پر قدم رکھے۔ اس نے اپنے قبیلہ کے معززین اور اپنے حامیوں کے سرخیلوں کا ایک اجلاس طلب کیا تھا۔ اس اجلاس میں نئے والی کی دُرگت بنا کر اسے بے نیل و مرام واپس بھیجنے کے بارے میں سوچ بچار ہونا تھا۔ عیسائی نمائندوں میں سرد غوس اور رابینی کے نام قابلِ ذکر تھے۔ گو ان لوگوں کا تعلق سسلی سے نہ تھا۔ سرد غوش جنوبی اٹلی کے صوبہ کلبریہ کا حاکم تھا۔ مگر وہ مسلمانوں کو سسلی سے نکالنے کی ہر کوشش میں پیش پیش رہتا تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے بھی اس کی حکومت کا قیام اُسی وقت ممکن تھا جب کہ سسلی مسلمانوں کے حلقۂ اقتدار سے کٹ جائے۔ اس کے خیال میں سسلی پر مسلمانوں کا مکمل اقتدار جنوبی اٹلی کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس کی بیٹی کا کاشانہ خلیل میں مردوں کے ساتھ نچلی منزل میں قیام کچھ معیوب سا تھا اس لئے خلیل نے اسے اپنے زنانخانہ میں ٹھہرا لیا تھا۔ اور اس طرح صہبا پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع میں عربی روایات کو صدمہ نہ پہنچنے دے۔ اور صہبا کو یہ ایک ایسی بات معلوم ہو رہی

تھی۔ جیسے اُسے کسی زہریلی ناگن کو دودھ پلانے کی خدمت سونپ دی گئی ہو۔ گھر میں صہبا اور اس کی والدہ کے علاوہ اور بھی کئی عورتیں موجود تھیں۔ اور کنیزوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ مگر اہلِ خانہ کی حیثیت سے صہبا پر یہ فرض عاید ہوتا تھا کہ وہ اپنے مہمان پر خصوصی نظر رکھے۔ تھوڑی دیر تذبذب کے عالم میں رہ کر بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ذاتیات سے بلند ہو کر اپنے مہمان کی خاطر داری میں کوئی ایسی ناخوشگواری پیدا نہ ہونے دیگی۔ جو مسلمانوں۔ اور خصوصیت کے ساتھ عربوں کی روایات کے منافی ہو۔ ساتھ ہی اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اس نے یہ بھی طے کر لیا کہ وہ مناسب موقعہ کے ساتھ اینی کو اس بُرے راستے سے ہٹ جانے کی بھی ترغیب دیگی۔

رات کو جو جلسہ ہونے والا تھا۔ اس میں بلرم کے علاوہ دیگر شہروں سے بھی بہت سے سردار شریک ہوئے تھے۔ جن کی مجموعی تعداد ساڑھے تین ہزار کے قریب تھی۔ چنانچہ نچلی منزل کی تمام ترو سعتیں مہمانوں سے بھر پور تھیں۔ ان کے طعام و دیگر ضروریات کا سارا انتظام باہر ہی کیا گیا تھا۔ ہر قسم کے خدّام بکثرت موجود تھے۔ پھر کچھ ذمہ داریاں ایسی تھیں جو خلیل کے زنانخانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ صہبا ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ اینی کی خاطر تواضع میں اس قدر پیش پیش رہی۔ اور اسے اپنے حسنِ سلوک سے اس قدر متاثر کیا کہ وہ اس کے سلیقہ اور ہنرمندی پر حیران رہ گئی۔

"تعجب ہے کہ آپ اس کثرتِ کار کے باوجود اس قدر پُرسکون اور صحیح الدماغ ہیں۔" اینی نے تعریف کی۔ "آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً اس کا ذہنی توازن برقرار نہ رہ سکتا۔ شاید آپ ان حالات کی عادی ہو چکی ہیں۔"

"جی نہیں۔" صہبا نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "جلسوں سے متعلقہ ضروریات شاذ و نادر ہی زنانخانہ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ خوش وقتی کافی عرصہ بعد میسّر ہوتی ہے

کاش آپ جیسے مہمان روز آیا کریں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس نمائندگی کے طفیل میری ملاقات ایک ایسی لڑکی سے ہوگئی۔ جو مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کتنی مسرت ہو مجھے۔ اگر وہ میری بہن بن جائے۔"

"کیوں نہیں۔ خود میرے لئے بھی یہ کچھ کم قابلِ فخر بات نہ ہوگی کہ ایک قومی رہنما اور بلند پایہ مقررہ مجھے "بہن" ایسے پیارے نام سے یاد کرے۔"

"اگر اس کے لئے آپ لوگوں میں کوئی رسم موجود ہے۔ تو اچھا ہوگا کہ اس پر بھی عمل کر لیا جائے۔ اس طرح ہمارے درمیان زیادہ وابستگی پیدا ہو سکے گی۔ کیا خیال ہے۔"

"بڑا مبارک۔ ہمارے ہاں جب کوئی لڑکی کسی سہیلی سے بہناپا قائم کرنا چاہتی ہے تو اس سے اپنا دوپٹہ بدل لیتی ہے۔ اس کے بعد حسبِ توفیق ایک تقریب منائی جاتی ہے۔ جس میں اس منہ بولے رشتہ کے قیام و استقلال کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں اور اگر یہ صاحبِ حیثیت ہوں تو ضروری سمجھا جاتا ہے کہ طرفین ایک دوسرے کے قریبی رشتہ داروں کو از قسم لباس تحفہ تحائف پیش کریں۔ کیا آپ یہ سب کچھ پسند کریں گی۔"

"بیشک!" اینی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"سرکار فرماتے ہیں۔" ایک کنیز نے مودبانہ طریق پر صہبا کو متوجہ کیا۔ "مہمانوں میں ایک صاحب کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ ان کے لئے پرہیزی کھانا تیار ہوگا۔ کیا پکایا جائے۔"

"جب تک ناسازی کی نوعیت معلوم نہ ہو۔ پرہیزی کھانا — اچھا ٹھہرو — جو کا آبجوش بہرحال بے ضرر ہے۔ وہی تیار کر لو۔ تھوڑا سا ساگودانہ اور کچھ گندمی حریرہ بھی تیار کر لینا۔"

"بہتر۔" کنیز چلی گئی

"آج رات تو آپ کو تقریر کرنا ہے۔ میری رائے میں یہ تقریب کل صبح منائی جائے تو مناسب ہوگا۔"

"میں اس تجویز سے اتفاق کرتی ہوں۔" اور پھر اپنی کی آواز میں مسرّت کا دباؤ شدّت اختیار کر گیا۔ "یہ پہلا موقعہ ہے جب کہ اپنے گھر سے دور۔ مجھے روحانی مسرت حاصل ہوئی ہے۔"

"اور یہ بھی سچ ہے۔" صہبا نے فوراً ہی کہا۔ "کہ یہ پہلا موقع ہے جب کہ میں اپنے آپ سے ایک نئے انداز میں روشناس ہو رہی ہوں۔ ممکن ہے آپ یقین نہ کریں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اپنی اِن خصوصیات سے قطعی ناواقف تھی جو کسی کے دل میں مجھے بہن بنانے کی خواہش پیدا کر رہی ہیں۔ کہیں میں غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں ہو رہی۔" یہ جملہ صہبا نے کچھ اس معصومیت کے ساتھ ادا کیا کہ اپنی اس کے بھولے پن پر بے اختیار ہنس دی۔

"نہیں میری پیاری بہن۔ یہ غلط فہمی نہیں ہے۔ حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جس کا تمہیں ابھی تک صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا۔ میں نے تمہیں دوسری لڑکیوں سے بہت کچھ مختلف پایا ہے۔ کیا تمہاری کسی بھی سہیلی نے تمہیں اس حقیقت سے باخبر نہیں کیا۔"

"جی نہیں۔ کاشانۂ خلیل میں میری بے شمار سہیلیاں ہیں۔ میرے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ مجھے یہ جاننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ کیونکہ میں اپنے طور پر خود کو ان ہی جیسی ایک لڑکی سمجھتی ہوں۔"

"بیٹی صہبا۔" صہبا کی والدہ نے کمرے میں داخل ہو کر ان کی خلوت اکو مٹو کا دیا۔ "[illegible] کہتی ہے۔ نیچے چند اور قالینوں کی ضرورت پڑے گی۔ اب صرف وہی قالین باقی ہیں جو کمروں میں بچھے ہوئے ہیں۔ تھوڑی سی تکلیف گوارا کرو تو میں انھیں اٹھوا لوں۔"

"ضرور ضرور ـــــ!" اینی اور صہبا قالین کی حد سے نکلی ہوئی ایک چوکی پر جا بیٹھیں ــــ والدہ ایک طرف کو ہو گئیں۔ اور کنیزوں نے قالین پر رکھی ہوئی چیزوں کو ہٹا کر اسے پیٹنا شروع کر دیا۔

"حضور امّی کو ایک نئی بیٹی مبارک ہو۔" صہبا نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ جواب میں ماں کی سوالیہ نگاہیں صہبا کی آنکھوں کو ٹٹولنے لگیں۔

"ہم نے ایک دوسرے کو بہن بنا لیا ہے۔ کل دوپٹّہ بدلنے کی رسم ادا ہو گی۔ کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے۔"

"بلاشبہ۔ اس سے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم اس نیک فال کا مدّت سے انتظار کر رہی تھیں۔ میرا تو خیال تھا کہ اس قلیل وقت میں تمہاری اجنبیت بھی دُور نہ ہو سکے گی۔"

"بجا ارشاد ہے۔" اینی نے بزرگانہ احترام کے ساتھ جواب دیا۔ "دلی تعلق عرصوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور پھر صہبا تو ایک طلسم ہے۔ جو دیکھتے دیکھتے میرے دل و دماغ پر چھا گیا"

"خدا تمہارے "قرارِ ہمشیرگی" کو استقامت دے۔ میں تمہاری اس خوشی میں برابر کی شریک ہوں گی۔"

اتنا کہہ کر صہبا کی ماں تو کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور صہبا نے دبے پاؤں اپنے مقصد کی طرف رینگنا شروع کیا۔

"والدِ محترم آپ کی سیاسی مصروفیات اور پُر مغز تقاریر کا کئی بار ذکر فرما چکے ہیں۔ جی چاہتا تھا کہ اپنے کانوں سے آپ کی تقریر سُنوں۔ آج یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی مگر خطرہ ہے کہ کہیں آپ کی آواز نیچے کے شور و غل میں دب کر نہ رہ جائے۔"

"عزت افزائی کا شکریہ! میرے خیال میں تو ان دریچوں سے صاف سُنائی دینا چاہیئے۔

پھر بھی میں پوری آواز سے بولنے کی کوشش کروں گی۔"
" شکریہ! آج کی تقریر کا کیا موضوع ہوگا؟" صہبا نے پُراشتیاق لہجہ میں پوچھا۔ اور ایپی جسے یہ احساس تھا کہ وہ حکومتِ وقت کے باغی سردار کی مہمان ہے۔ اور خلیل کے پُروقار سیاسی مستقبل سے اس کے گھر والوں کو بھی خاصی دلچسپی ہوگی۔ اپنے مخصوص مقررانہ انداز میں بولی۔
" یہی کہ ہمیں سسلی کے لئے کسی اجنبی والی کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر مرکز سے کوئی ایسا خلیفہ بھیجا جائے تو ہم اسے ناکام و نامراد واپس بھیجدیں۔ اور خلیفۂ افریقہ کو مجبور کردیں کہ وہ یہاں کے لئے ہماری پسند کا والی مقرر کرے۔ ہم اپنے پسندیدہ والی کا نام خلیفہ تک پہنچا چکے ہیں۔ اور ہمیں انتہائی افسوس ہے کہ مرکز کی طرف سے ہمارے جذبات کا ذرا بھی احترام نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُس نے من مانا والی مقرر کر کے اہلِ سسلی کے ایک جائز مطالبہ پر حقارت کے ساتھ تھوک دیا ہے۔ ان حالات میں اہلِ سسلی اس قدر ذلیل نہیں ہوسکتے کہ وہ اپنی اس توہین کا بدلہ نہ لیں۔"
" یہ باتیں آپ بحیثیت عیسائی کہہ رہی ہیں۔ یا بحیثیت باشندۂ سسلی؟" صہبا نے سیدھا سا سوال کیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ایپی سسلی کی نہیں بلکہ جنوبی اٹلی کی باشندہ ہے۔
" میں باشندۂ سسلی بھی ہوں۔ اور عیسائی بھی۔" ایپی نے دونوں پہلوؤں پر قبضہ کرلیا۔
" لیکن کیا میں آپ سے یہ دریافت کرسکتی ہوں کہ سسلی میں آپ نے خلیفۂ افریقہ کی اطاعت و فرمانبرداری اپنی خوشی کے ساتھ قبول کی تھی؟"
"کیا مطلب؟" ایپی اس خلافِ توقع سوال سے کچھ چکرا سی گئی۔
" یہ ایسی بات تو نہیں جسے تشریح کی ضرورت ہو۔ ایک موٹا سا اصول ہے کہ جب اہلِ سسلی نے مرکزی حکومت کو اپنی خوشی سے قبول نہیں کیا تو وہ اسلامی حکومت سے یہ توقع

کیونکر کر سکتے ہیں کہ سسلی کی اسلامی حکومت کی تشکیل ان کی پسند کے ساتھ عمل میں آئے کیا اہلِ سسلی یہ بھول گئے ہیں کہ انہوں نے یہاں کی ایک ایک انچ زمین کے لئے مسلمانوں کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ اور انجام کار۔ انہوں نے اس وقت ہتھیار ڈالے تھے جب کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور بعض مقامات پر تو انہوں نے مسلمانوں کی رعایا بننے پر موت کو ترجیح دی تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں اہلِ سسلی کا یہ مطالبہ کہ سسلی میں ہماری پسند کا والی مقرر کیا جائے۔ خلیفۂ افریقہ کے لئے اس بات کا کھلا پیغام ہے کہ اہلِ سسلی سسلی میں مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ کو دوہرانا چاہتے ہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ مرکزی حکومت عقل و خرد سے اتنی بیگانہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس پر آمادہ ہو جائے۔ کیا یہ غلط ہے؟"

یہ باتیں۔ اُس باپ کی بیٹی کی زبان سے۔ جو سسلی میں اپنی حکومت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ اینی کو اس قدر حیرت انگیز معلوم ہوئیں کہ وہ جواب دینے کی بجائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے صہبا کو گھورنے لگی۔ جیسے اس کے ہوش و حواس پر اچانک شدید ترین ضرب پڑ گئی ہو۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیئے۔

صہبا نے یہ دیکھ کر کہ اینی کے حیرت و استعجاب میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا ہے۔ غیر اہم سے لہجہ میں کہا۔

"تعجب ہے کہ میرے یہ نظریات آپ کے لئے اس قدر حیران کُن ثابت ہوئے۔ حالانکہ یہ سوائے "اظہارِ حقیقت" اور کچھ نہیں ہیں۔"

"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔" اینی نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "لیکن میں ان سے متفق نہیں ہو سکتی۔ میرے پاس اپنے مطالبہ کے جائز ہونے کی ناقابلِ تردید دلیلیں موجود ہیں۔ جو ضرورت پڑنے پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ فی الوقت تو میں یہ جاننا

چاہوں گی کہ کیا قبیلۂ بنو طبری کے سردار خلیل کے مکان میں بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جو اس کے موجودہ رویّے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کی جرأت رکھتے ہوں۔"

"اگر اس کا جواب آپ کو اثبات میں مل جائے تو آپ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گی۔"

صہبا کے اس سوال نے چند ثانیوں کے لئے ایمی کو کش مکش میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ ان باتوں کے پیچھے جس شے پر ایمی کا ذہن تھا۔ وہ صہبا کی عجیب و غریب شخصیت تھی۔ اب سے تھوڑی دیر پہلے ایمی نے صہبا کو ایک حسین و جمیل۔ بلند اخلاق۔ اعلیٰ کردار اور ہنر مند دوشیزہ کی حیثیت سے دریافت کیا تھا۔ بھولی بھولی۔ معصوم معصوم اور خاکسار خاکساری لڑکی۔ پھر اچانک ہی اُسے پتہ چلا کہ وہ سیاسیات سے بھی لگاؤ رکھتی ہے۔ اور پھر اس انکشاف نے تو اس کے ہوش ہی اُڑا دیئے کہ وہ "حق" کے لئے اپنے شفیق باپ کی بھی پروا نہیں کرتی۔

"میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ جس طرح آپ اہالیانِ سسلی کو حکومتِ وقت کا فرمانبردار دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح آپ کو اپنے والد کا فرمانبردار ہونا چاہیئے۔"

"میں آپ کا یہ مشورہ بڑی خوشی سے قبول کرتی، اگر وہ حق پر ہوتے۔ باشندگانِ سسلی کو مرکزی والی کا فرمانبردار اس لئے ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اس حق کو اپنے خون سے خریدا ہے۔ تاہم اگر نیا والی اعمالِ صالح کا مالک نہ ہو تو یقیناً مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں۔ لیکن یہاں تو مخالفت "برائے اقتدار" کا مسئلہ ہے۔"

"میری رائے میں تو آپ کو اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنا چاہیئے۔ آپ کے خیال میں آپ کے والد حق پر نہیں ہیں۔ تو یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ اور اس کے نتائج کے وہ خود ذمّہ دار ہیں آپ کو تو صرف ان فرائض پر نظر رکھنا چاہیئے جو مذہبی اور اخلاقی طور پر ایک باپ کے لئے

ایک بیٹی پر عائد ہوتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔" صہبا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "کہ اس مقام پر میرے اور آپ کے نظریات میں اور زیادہ دوری ہو گئی۔ کیا مذہباً اور اخلاقاً ایک بیٹی پر یہ فرض عاید نہیں ہوتا کہ وہ اپنے باپ کو اس کی گمرہی کا احساس دلائے۔ اگر آپ کی نگاہ میں بیٹی کی فرمانبرداری کا معیار یہ ہے کہ وہ ڈاکو باپ کی ڈکیتیوں میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ تو معاف کیجئے۔ میں ایسی فرمانبرداری سے جان بحق تسلیم ہونے کو ہزار درجہ بہتر خیال کروں گی۔"

اس مرحلہ پر صہبا کی آواز میں کچھ تیزی سی آگئی۔ جس کا اسے فوراً ہی احساس ہو گیا اور وہ معذرت خواہ لہجہ میں بولی۔

" کاش بات یہاں تک نہ پہنچتی۔ بہرحال میری استدعا ہے کہ آپ ان باتوں کو اسی مرحلہ پر نظر انداز کردیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے یہ موضوع اس لئے نہیں چھیڑا تھا کہ اس پر اتنا کچھ کہنے کی نوبت آجائے۔ پھر بھی مجھے روحانی خوشی ہو گی اگر آپ نے کسی وقت بھی اپنی موجودہ روش کا صداقت کے ساتھ تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ خدا میری اچھی بہن کو نیک ہدایت دے۔"

اور بڑے بڑے جلسوں کو اپنی قوتِ گفتار سے مرعوب کر ڈالنے والی ربی اس وقت یوں نظر آنے لگی جیسے اس کی نفسیات تھک کر گر پڑی ہو۔

" آپ ان باتوں کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جائیے۔ ہاں یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ کل کی تقریب میں آپ کس قسم کا رقص و سرود پسند فرمائیں گی۔ میرا مطلب ہے۔ عربی مغربی۔ یا شستگلی۔ یہاں ہر قسم کے فنکار بکثرت موجود ہیں۔ اور ہاں۔ یہ تو ہماری اپنی رسم ہو گی۔ آپ کے ہاں بھی تو کوئی نہ کوئی رسم ہونا چاہیئے۔"

ربی کی نگاہیں صہبا کے گلابی نقوش کو کچھ اس طرح گھورنے لگیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں

"کس قدر ہوشیار ہو تم کہ۔ مجھے کانٹوں میں گھسیٹنے کے بعد۔ اتنا موقع بھی دینے کو تیار نہیں کہ تکلیف کا صحیح احساس کیا جا سکے"۔

"فرمایئے نا۔" اور اب صہبا وہی تھی۔ بالکل وہی۔ بھولی بھالی۔ معصوم معصوم۔ خاکسار خاکسار۔ اس کے یہ جذباتی نشیب و فراز بھی ایبی کے لئے ایک کمیاب مشاہدہ ثابت ہو رہا تھا۔

"ہوتا تو ہے کچھ۔ لیکن اس گھر میں آپ کی رسم ہی بہتر رہے گی۔" ایبی نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا۔

"جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔ میرے خیال میں اب آپ کو جلسہ میں شریک ہونے کی تیاری شروع کر دینا چاہیئے۔ شاید آپ نے غسل کے لئے بھی کہا تھا۔"

"جی ہاں۔ یہ میرا ہمیشہ کا معمول ہے۔"

صہبا نے کنیز کو بُلا کر ایبی کو اس کی رہنمائی میں غسل خانہ کی طرف بھیجدیا۔ اور خود والدہ کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان کے پاس چلی گئی ؛

والیٔ سسلی۔ دارالبغاوت میں

ایک حسین ترین ارغوانی شام تھی کہ سسلی کی مازر نامی بندرگاہ کی پُرسکون فضا ایک عظیم ہنگامہ میں بدل گئی۔ سسلی کا نیا والی حسن اپنی جاں نثار فوج کے ساتھ یہاں آ پہنچا تھا۔ ایک سو جہازوں کا یہ بیڑا اس وقت قطار وار مازر کے ساحل پر لشکر انداز تھا۔ جو کشتی سب سے پہلے کنارے لگی وہ حسن کی تھی۔ جس میں اس کا جواں سال بیٹا احمد۔ حسن کا سگا بھائی عمار۔ عمار کا نوجوان بیٹا ابنِ عمار۔ مشہور و معروف جاسوس عنبر نہر اسکا عملہ اور دیگر سرکردہ افسران بیٹھے ہوئے تھے۔

خشکی پر قدم رکھنے سے پہلے حسن نے مازر کی پُرانی بندرگاہ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی۔ جہاں اس وقت چند پیشہ ور کشتی بانوں کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آ رہا تھا۔

"کوئی بھی نہیں"۔ احمد نے باپ کے جذبات کی ترجمانی کی۔ "حالانکہ یہاں کے عمال و عوام کو ہماری آمد کی اطلاع تین روز قبل پہنچ چکی ہے۔"

"کوئی پروا نہیں"۔ حسن نے پُراعتماد لہجہ میں کہا۔ اور درمیانی تختہ کے ذریعہ خشکی پر پہنچ گیا۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے سارے افسر خشکی پر اُتر گئے۔

"آج رات ہم یہیں قیام کریں گے۔ فوج کو حکم دو کہ وہ جہازوں سے اُتر کر رات گزارنے کا انتظام کرے۔" حسن نے عبدل کو اپنے ارادے سے مطلع کیا۔ اور اس کے فوراً بعد

ہی جہازوں اور خشکی کے درمیان سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیوں کا تانتا بندھ گیا۔

"مقام حیرت ہے۔" حسن کے بڑے بھائی عمار نے افسوس زدہ پیرایہ میں کہا۔ "کہ اتنے بڑے جزیرہ میں۔ جہاں مدت مدید سے اسلامی پرچم لہرا رہا ہے۔ چند افراد بھی مرکزی حکومت کے وفادار نہیں رہے۔ جو اس وقت اپنے جائز والی کی پیشوائی کے لئے یہاں موجود ہوتے۔"

"ہمارا خیال تھا۔" حسن نے سُنا اَن سُنا کرتے ہوئے کہا۔ "کہ یہ بغاوت ملک کے کسی ایک حصہ تک محدود ہوگی۔ لیکن اس صورتِ حال سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کی سرگرمیاں نہ صرف سارے ملک پر حاوی ہیں۔ بلکہ ہر طبقہ کے لوگ ان کے حامی و ہمنوا بھی ہیں۔"

"اور اگر واقعی ایسا ہے۔" حسن کے نوجوان بیٹے احمد نے رائے ظاہر کی۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمیں اس جزیرے کو از سرِ نو فتح کرنا پڑے گا۔ اور اس مہم کے لئے ہم اپنے ساتھ جو لشکر لائے ہیں وہ قطعی ناکافی ہے۔"

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" حسن نے مشکوک انداز میں کہا۔ "مگر ــــــ مگر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنی بڑی اسلامی سلطنت مکمل طور پر باغی ہو جائے۔ خیر! جو اللہ کو منظور ہو۔ اس موضوع پر آج رات تبادلۂ خیالات کیا جائے گا۔ مغرب کا وقت قریب ہے۔ نماز کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔"

یہ کہہ کر حسن نے اپنے چہیتے غلام عبدل سے کپڑے طلب کئے۔ اور عام سپاہیوں کی طرح وضو کے لئے کنارے پر جمے ہوئے ایک پتھر پر جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سوائے ان غیر مسلم مزدوروں کے جو لشکری خدمات کے لئے مخصوص تھے۔ اور اس وقت بسرعت خیمے نصب کر رہے تھے۔ باقی سارا لشکر بارگاہِ ایزدی کی حضوری میں محو تھا۔ پُر شور سمندر کے کنارے نمازیوں کی سینکڑوں طولانی صفوں کی

پُرسکون یکرنگی و یکجہتی ایک عجیب سے مطہر ماحول کو جنم دے رہی تھیں۔ امام کی خوش آواز قرأت ہوا کی لہروں میں پاکیزگی بکھیر رہی تھی۔

فریضۂ نماز کی ادائیگی کے بعد ربّ العزت کی جناب [illegible] دستِ سوال دراز ہو گئے۔ حسن نے دعائیہ انداز میں بآوازِ بلند کہنا شروع کیا۔

"اے معبودِ حقیقی! سسلی کے مسلمانوں کو بُرے بھلے کی تمیز عطا فرما۔ ان کے دلوں میں وحدتِ ملّی کا احترام پیدا کر۔ انھیں اس شخص کا مطیع و فرمانبردار بنا۔ جو تیرا مطیع و فرمانبردار ہو۔ یا ربّ العالمین! اپنے نام لیواؤں کو اس بُرے وقت سے محفوظ رکھ۔ جب کہ ان کی طاقت خود انھیں کی ذات پر استعمال ہو۔ جو گمراہ ہوں انھیں راہِ راست پر چلنے والوں کا ساتھی بنا دے۔ ہم نے جس نیت سے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے اس سے تو واقف ہے۔ اپنے حبیب کے صدقہ میں۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس انتشار و تفرقہ پردازی سے مامون کر دے۔ جو کسی قوم کی تباہی و بربادی کا مقدمہ ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر برگشتۂ اسلام مسلمانوں کو تیرے قہر کی نہیں۔ تیرے رحم کی ضرورت ہے۔ اے رحیم و کریم۔ اِن پر رحم فرما۔ صرف رحم۔"

یہ دعا۔ جو پہلی صف سے آخری صف تک زبان بزبان پہنچ رہی تھی "آمین" کی گونج میں ختم ہو گئی۔ لیکن اس کا نفسِ مضمون دعا کے اختتام پر از سرِ نو دل و دماغ میں رینگنے لگا۔ تمام فوج اپنے امیرِ والی کی اس نیک خوئی سے بہت متاثر ہوئی۔ "جب وہ اپنے مخالفین کے لئے اس قدر نیک و پُرخلوص ہو سکتا ہے تو اپنے اطاعت گزاروں کے لئے کس قدر مفید و کارآمد ہو گا۔" اس خیال نے آن کی آن میں حسن کی قدر و منزلت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ خود لشکر کی اعلیٰ توقعات امیرِ لشکر کی اندھی اطاعت کے قوی تر جذبہ کا محرک بن گئیں۔

چونکہ یہاں صرف ایک ہی رات قیام کرنا تھا۔ اس لئے نہ زیادہ خیمے لگائے گئے اور نہ دیگر ساز و سامان کے پھیلاؤ کو روا رکھا گیا۔

کچھ دیر کے بعد اعلان کیا گیا کہ ایک خیمہ دس سپاہیوں کے لئے مختص ہے۔ لہٰذا وہ اپنی فوجی ترتیب کے ساتھ جس خیمہ میں چاہیں بستر لگائیں۔ اتنا سنتے ہی تمام سپاہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسب دلخواہ خیموں میں جاگزین ہو گئے۔ ابھی یہ لوگ بستر بچھا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ کھانے کی تیاری کا اعلان سنائی دیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تھے کہ عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اور رمازر کی اس بندرگاہ کو دوسری بار قادرِ مطلق کی سجدہ گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

نماز کے خاتمہ پر حسن نے اعلان کیا کہ لشکر کے تمام افسران یہاں سے سیدھے اس کے خیمہ میں پہنچیں۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ حسن وظیفہ کی ادائیگی کے بعد اپنے خیمہ میں پہنچتا اس کے وسیع و عریض خیمے کا اجتماعی حصہ ممتاز عہدیداروں سے لبریز ہو گیا۔ یہ تمام فرش پر بچھی ہوئی ایک معمولی سی دری پر ایک حلقہ سا بنائے بیٹھے تھے۔ درمیان میں سفید چاندنی پر ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا۔ یہ نشست امیر لشکر حسن کے لئے مخصوص تھی۔

حسن کے یہاں پہنچتے ہی تمام افسر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تشریف رکھیں۔" حسن نے از راہ انکساری استدعا کی۔ اور حاضرین دوبارہ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

"یہ کیوں ہے؟" حسن نے سنجیدگی کے ساتھ قالین اور حریری گاؤ تکیہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ اعلیٰ حضرت کے لئے بچھایا گیا ہے۔" عبدل نے دست بستہ عرض کیا۔

"آئندہ یہ امتیاز روا نہ رکھا جائے۔ اسے اٹھا لو۔ ہمارے لئے وہی فرش مناسب

ہے جس پر دیگر معززین تشریف فرما ہیں۔"

"ایسا ہی ہوگا میرے آقا۔" عبدل نے سرِ تسلیم خم کیا اور جلدی سے فائلیں وغیرہ سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

حسن نے جمی ہوئی نگاہ سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک سپاہی "کارِ خصوصی" کے انداز میں اندر داخل ہوا اور آداب شاہی کی بجاآوری کے بعد بولا۔

"چند گھوڑ سوار جو خود کو معززینِ سسلی ظاہر کرتے ہیں۔ شرفِ ملاقات کے امیدوار ہیں۔"

"انھیں عزّت کے ساتھ یہاں لے آؤ۔" حسن نے حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی حاضرین کی نفسیات میں انقلاب سا برپا ہو گیا ـــــ "کون ہیں یہ ـــــ اس وقت ـــــ کس مقصد سے"ـــــ ان کے اذہان میں اس قسم کے سوالات گردش ہی کر رہے تھے کہ بیس افراد کا ایک گروہ جو شکل و صورت اور وضع قطع سے امتیازی شان و شکوہ کے حامل معلوم ہوتے تھے۔ محترمانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ حسن کے حضور میں آ کھڑے ہوئے۔ حسن نے رسمی مزاج پُرسی کے بعد انھیں اگلی صفوں میں بٹھا کر محبت کے ساتھ دریافت کیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ بہر نوع باشندگانِ سسلی میں سے چند نے یہاں تک آنے کی زحمت گوارا کی۔ فرمائیے ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

نوواردوں میں سے ایک نے جس کے نورانی چہرے پر لمبی سی سفید داڑھی اس کی بزرگی و معتبری کی غمازی کر رہی تھی۔ کھڑے ہو کر احترام شاہی کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

"ہم سسلی کی اُس اکثریت کے نمائندے ہیں جو ہر حال میں مرکزی حکومت کی تابع و فرمانبردار رہنا چاہتی ہے۔ لیکن دوسری جانب اپنی عزّت و ناموس کے لئے ان باغیوں سے بھی خائف ہے جو ہمہ وقت ہماری تباہی و بربادی کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس وقت

سسلی کا کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں ان کا جال نہ پھیلا ہو۔ حکومت سے اعلانیہ مخالفت کے بعد۔ ان کا یہ وطیرہ رہا ہے۔ کہ جو بھی بارسوخ اور معتبر شخص انکی ریشہ دوانیوں کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھے۔ اسے یا تو ختم کر دیا جائے۔ یا پھر اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ وہ چار شریفوں میں بیٹھ کر بات کر سکے۔ اس سلسلہ میں بطور مثال میں ایک تازہ ترین واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ممکن ہے یہ آنجناب کے گوش گزار ہو چکا ہو۔ لیکن ہم ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں اس حادثہ جانکاہ کو بچشم خود دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔

ملّا عین الدین مازر کے نامور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ ان کا خاندان پورے شہر میں اپنی شرافت و نجابت کے لئے مشہور تھا۔ ایک خاص گروہ کے علاوہ یہاں کا ہر شخص ان کی عزت و احترام کرتا تھا۔ ان کی زندگی باطل کے لئے مسلسل جہاد تھی۔ لہذا وہ سسلی کی اسلامی حکومت میں ان تخریبی کارروائیوں کو برداشت نہ کر سکے۔ خصوصیت کے ساتھ جب سابق والئ سسلی ابو عطاف کو سخت توہین و تذلیل کے بعد یہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ تو ان کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔ اگر وہ چاہتے تو کم از کم مازر میں اس فتنہ کا بآسانی سر کچل دیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ان لوگوں کو اپنے مکان پر بلا کر ایک شفیق باپ کی طرح انھیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے خدا اور رسول کے واسطوں سے انھیں مرکز کا وفادار رہنے کی تلقین کی ـــــ بس یہی ملّا عین الدین صاحب کا وہ قصور تھا جس کی پاداش میں ان کے تمام مال و متاع کو لوٹ لیا گیا۔ ان کی تین جوان بیٹیاں۔ جن کا لباس تک غیروں کے ہاتھ نہ چھُلا تھا۔ سرِ عام برہنہ کی گئیں۔ اور ان کا دامنِ عصمت۔ بیسیوں شیطانوں کے ہاتھوں تار تار ہوا۔ اس قدر بے رحمی و سفاکی کے ساتھ کہ وہ موقعہ پر ہی دم توڑ گئیں۔ طرفہ ستم یہ کہ ان معصوموں کا باپ۔ جو اس منظر کو دیکھنے کی نسبت لاکھ بار مرنا بھی قبول کر لیتا۔ اسے زبردستی اس شرمناک نظارے کو دیکھتے رہنے پر ـــــ"

"بس کرو۔" حسن دیوانہ وار چیخ اُٹھا۔ جوشِ غضب سے اس کے جسم کا عضو عضو کانپ رہا تھا۔ سُرخ آنکھوں سے چنگاریاں سی اُڑتی معلوم ہو رہی تھیں۔ وارفتگی کے عالم میں اس کا ہاتھ اپنے گریبان پر جا پڑا۔ اور وہ کپڑا۔ جو اس کی گرفت میں آ رہا مسلے ہوئے کاغذ کی صورت اختیار کر گیا۔ جیسے اس کی مٹھی میں گریبان کی بجائے اس کا تڑپتا ہوا دل تھا۔ جسے اس نے دوبارہ اصلی حالت پر لانے کی کوشش کی تھی۔

"میں خاموش ہو سکتا ہوں والیٔ سسلی! لیکن جب آپ مازر میں قدم رکھیں گے تو وہاں کا بچہ بچہ دُہائی دے گا۔ معصوم بچیوں کی لاشوں کا وہ تعفن جو آج بھی یہاں کی گلیوں میں رچا ہوا ہے۔ آپ سے انصاف کی بھیک مانگے گا۔ ملّا عین الدین کا وہ سر جو اُن کے متبرک تن سے جدا ہو کر چھ روز تک باغیوں کے پیروں کی ٹھوکریں کھاتا رہا اور ملّا موصوف جیسی ہستیوں کو خائف کرنے کے لئے آج شام تک صدر دروازے پر لٹکا رہا تھا۔ اپنی وفاشعاری کی اس بے آبروئی کا مداوا چاہے گا۔

یہ ذکر ہے۔ ان بے شمار واقعات میں سے ایک کا۔ جو لاوارث سسلی میں آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور جنھوں نے ہم جیسے لاکھوں حق پسندوں کو دل کی بات زبان تک لانے سے معذور کر دیا ہے۔ ہمارے جذبۂ وفاداری کا اندازہ ہمارے اس اقدام سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم مذکورہ مظالم کی پروا کئے بغیر۔ اپنے نئے والی کی قدمبوسی کے لئے یہاں تک آ پہنچے ہیں۔"

احمد۔ جو وفادارانِ حکومت کی اس تباہ حالی پر فرطِ غم سے بے قابو ہو گیا تھا۔ اور جس کے نوجوان عربی خون میں عفو و کرم کی نسبت انتقامی مادہ زیادہ تھا۔ بے چینی کے ساتھ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ باپ کی زبان سے اپنے جذبات کی ترجمانی کا متوقع تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حسن فی الفور یہ اعلان کر دے کہ وہ ان ظالم باغیوں کو ہرگز

معاف نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا۔ جب تک سسلی کو ان کے ناپاک وجود سے بالکل پاک نہ کردے۔ وہ ان کے زن و بچّہ کو کولھو میں پلوا دیگا وہ انھیں زمین میں گڑھوا کر ان پر خونخوار کتّے چھڑوائے گا۔ اور ان کی لاشیں بھی یہاں کے گلی کوچوں میں اسی طرح سڑیں گی۔ جس طرح ہمارے حامیوں کی سڑی ہیں۔ ان کے سر بھی اسی طرح شہر پناہ کے کنگروں پر لٹکائے جائیں گے۔ جس طرح ہمارے حامیوں کے لٹکائے گئے ہیں۔ لیکن ــــ

"عزیز رفیقو!" حسن نے نوواردوں کو خطاب کیا۔ "اگر وہ سب کچھ سچ ہے جو آپ نے کہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یقیناً سچ ہوگا۔ تو بھی یہ خیال کرنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ بغاوت مسلمانوں کی طرف سے نہیں۔ بلکہ شیاطین کی طرف سے رونما ہوئی ہے۔ اور ان کو قرار واقعی سزا نہ دینا۔ انسانیت کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ لیکن یہ میری کمزوریٔ فطرت سمجھئے۔ یا افراطِ حلم۔ کہ میں ٹھوکر کھائے ہوئے آدمی کو از خود سنبھلنے کا ایک موقعہ ضرور دینا چاہتا ہوں۔ اگر وہ لوگ سنبھل گئے تو خیر۔ ورنہ اگلی لغزشوں کے ساتھ ہی ان سے پچھلی زیادتیوں کا بھی پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ مرکزی حکومت سے ان کا مطالبۂ ولایت رد ہونے۔ اور ہمارے یہاں آنے کی بابت ان کے کیا خیالات ہیں۔"

"جی بندہ نواز۔ ہمیں معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر انہوں نے جنگی اعتبار سے اپنے آپ کو کمزور پایا۔ تو پھر وہ آپ کے دوست بن کر۔ خدانخواستہ ــــ"

"کیا آپ کو یقین ہے۔" حسن نے بات کی تہہ کو پہنچ کر گفتگو کا رُخ تبدیل کیا ــــ "کہ اہالیانِ سسلی واقعی طور پر باغیوں کے حامی و ہمنوا نہیں ہیں۔ اور ان کی یہ ہم آہنگی محض اس لئے ہے کہ وہ ان کی ظالمانہ حرکات سے خائف ہیں۔"

"جی اعلیٰ حضرت! اگر آج یہاں کے مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ بنیا والی باغیوں کی شکست و سرکوبی کے لئے خاطر خواہ طاقت رکھتا ہے تو کل ہی وہ آپ کے سایۂ عاطفت میں جمع ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ اور ایسے لوگوں میں ہمارا شمار سرِ فہرست ہو گا۔"

"تو پھر ایسے تمام مسلمانوں کو مطلع کر دیجئے کہ حسن مرکز کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ سسلی کی اسلامی حکومت کو ان برائیوں سے پاک کر دے۔ جو کچھ عرصہ سے ایک مطہر جسم پر کوڑھ کی طرح محسوس ہو رہی ہیں۔ اور حسن وہ ہستی ہے۔ جو یہاں پیوندِ خاک تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ابو عطاف کی طرح ناکام نہیں لوٹ سکتا۔۔۔ آج شام سے۔ جب کہ ہمارا قدم ساحلِ سسلی پر پڑا ہے۔ ہم اس ملک کی ہر برائی کے پوری طرح ذمّہ دار ہیں ہمارا دروازہ شب و روز کھلا ہوا ہے۔ ہر اس شخص کے لئے۔ جو ظلم و بے انصافی کا شکار ہو۔ یہ صورت صرف اس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ ہم دارالخلافہ بلرم تک نہ پہنچ جائیں۔ اس کے بعد ہمارا انصاف آپ کے دروازوں پر آپ کے حقوق کی نگرانی کرے گا۔ اور اس کے لئے آپ زیادہ وقت انتظار نہیں کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ روز۔ صبح ہمارا کوچ ہے۔ ہم آپ سے امید کرتے ہیں کہ ہمارا یہ پیغام کسی بھی طور اہالیانِ سسلی تک پہنچا دیں گے۔ اب آپ کو فکر و تشویش کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مازر میں اس قدر عملہ چھوڑ رہے ہیں کہ وہ وفادارانِ حکومت کی بخوبی نگرانی کر سکے۔"

"ہم اس دادرسی اور گرم گستری کے لئے حضور والا کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور یقین دلاتے ہیں کہ حسب الحکم یہ فرمان ان تک پہنچا دیا جائے گا۔ جو اس خوش خبری کا مدّت سے انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں انتہائی مسرّت ہو گی اگر ہم ایسی ناچیز

حسینوں کو مزید خدمات کے لائق سمجھا گیا۔"

"دعا کیجیے ۔ کہ خدا اس ملک کو دشمنوں کی نگاہِ بد سے محفوظ رکھے۔"

"آمین!"

اس کے بعد حسن نے بڑی محبت کے ساتھ ان سے بغلگیر ہو کر انھیں اپنے دستۂ خاص کی نگرانی میں رخصت کیا۔ چند منٹ کے بعد حاضرین کی توجہ پھر حسن پر مرکوز ہو گئی

"ان معلومات کے پیشِ نظر جو ابھی حاصل ہوئی ہیں۔" احمد نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا "میری خواہش ہے کہ مجھے اپنے نکتۂ نگاہ کی وضاحت کا موقعہ دیا جائے۔"

"اجازت ہے۔" حسن نے اپنی جگہ احمد کے لئے خالی کر دی۔

محترم حاضرین!

میری رائے میں آج کل سسلی کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم ظالم و غاصب باغیوں کے حق میں ذرا بھی نرم ثابت ہوں۔ یہ درست ہے کہ ایک عالی حوصلہ اور پُر اعتماد شخص نامناسب حالات سے مشتعل ہونے کی بجائے انھیں درگزر کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ یہ فراخدلانہ" طرح" یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ لیکن جو صورتِ حالات اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے پیشِ نظر مجھے خوف ہے کہ والیٔ سسلی کی یہ "اعلیٰ ظرفی" ہماری کمزوری پر صاد بن کر ہمیں اُس نازک وقت سے دوچار نہ کر دے جس سے بچنے کے لئے اس فراخدلی کو مناسب خیال کیا جا رہا ہے۔ باغی عنصر جانتا ہے کہ اس کے وہ تمام روح فرسا مظالم جو جائز اسلامی حکومت کی وفادار رعایا پر ڈھائے گئے ہیں۔ نئے والی کے علم میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے چنانچہ آج اسے سخت خوفزدہ ہونا چاہیئے کہ اس کے ان وحشیانہ افعال کی

باز پرس کا وقت آپہنچا۔ اور اگر ہمارے مقابلہ پر وہ اپنے آپ کو کمزور پاتا ہے تو اسے فرار بھی ہو جانا چاہیئے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ بے خوف و خطر اپنی جگہ برقرار ہے۔ اور شاید۔ اسے یہ گمان بھی ہے کہ ابوعطاف کے انجام کو دیکھتے ہوئے آنے والا حاکم خود اس سے مرعوب و مغلوب ہو گا۔ ٹھہریئے۔ اس جملہ کے ساتھ "شاید" کا لفظ استعمال کر کے میں نے ایک زندہ حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو آج سسلی کے اس ساحل پر۔ وہ شرم و ندامت سے گردنیں جھکائے ہوئے ہم سے معافی کا خواستگار ہوتا۔ اور آئندہ کے لئے ہمارا وفادار رہنے کی ضمانت دیتا۔ ان حالات میں۔ ہمارا یہ عزم کہ ہم ٹھوکر کھائے ہوئے اس موذی کو اپنی شفقت کا سنبھالا دیں۔ ایک عظیم خطرے کو دعوت دینا ہے۔ جب کہ یہاں کے راست باز مسلمان ہمارے پُرزور سہارے کی آس لگائے بیٹھے رہیں ــــ

اس سے پیشتر کہ آپ حضرات کسی خاص نتیجہ پر پہنچیں۔ میں احساس دلانا چاہتا ہوں۔ اپنے ان زخم خوردہ بھائیوں کا۔ جن کے آباد گھروں کو کھنڈروں اور قبروں میں بدلا گیا۔ جن کی گردنوں پر بے دریغ تلواریں چلائی گئیں۔ اور جن کی معصوم بچیوں کو سر بازار بے آبرو کیا گیا۔ آپ کو باغیوں کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے پہلے ان مظلوموں کی دھڑکتی ہوئی چھاتیوں پر ہاتھ رکھنا ہوگا۔ ان کے دلوں پر جو گھاؤ لگے ہیں۔ انھیں انصاف کے مرہم کی سخت ضرورت ہے۔ اور ــــ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کی بجائے۔ بامر مجبوری اپنے ظالموں ہی کو مسیحا سمجھ بیٹھیں۔

احمد نے جس جوش اور ولولہ کے ساتھ اپنے والد کے صالحانہ نظریات کی مخالفت کی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لئے پورے مجمع کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس وقت حاضرین میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو احمد کے خیالات سے متفق نہ ہو۔ لیکن ایک شخص کے علاوہ۔ اور کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کی تائید کر سکے۔ اور وہ جرأت مند نوجوان۔ جو احمد کے بیٹھتے ہی اس کی تائید کے لئے کھڑا ہوا۔ احمد کا چچا زاد بھائی ابنِ عمار تھا۔ جس نے بچپن سے ہی ایک سپہ سالار کی عملی تربیت پائی تھی۔

"بزرگ و برتر ہستیو!" ابنِ عمار نے پُرجوش لہجہ میں کہنا شروع کیا —— "میں برادرم احمد کے نظریات سے کامل اتفاق کرتا ہوں۔ اس موقعہ پر باغیوں کی بہیمیت و درندگی سے چشم پوشی کرنا۔ اور ان ستم خوردہ بیکسوں کی شکایات کی تلافی نہ کرنا۔ آئینِ اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔ اور ساتھ ہی ہماری اُس ہر دلعزیزی کے بھی۔ جو ہمیں یہاں حاصل ہونی چاہیئے۔ لہذا میں اسلامی مفاد کے نام پر پُر زور اپیل کروں گا کہ ہمارے عالی مقام امیر مجوزہ دستور پر نظرِ ثانی فرمائیں۔

اتنا کہہ کر ابنِ عمار بیٹھا ہی تھا کہ حسن اپنے مخصوص جذباتی ٹھہراؤ کے ساتھ کھڑا ہوا اور طمانیتِ قلب کے ترجمان لہجہ میں بولا۔

مجھے بہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے درمیان کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جنھیں آئینِ اسلام کی اعلیٰ ساکھ کا مجھ سے بھی زیادہ فکر ہے اور جو اس کے احترام و تحفظ کے لئے نہ مصلحتِ وقت کو خاطر میں لانا چاہتے ہیں۔ اور نہ اس عظیم خطرہ کو۔ جو بہر نوع تخریبی ہوگا۔

بحیثیت امیر۔ مجھ پر لازم آتا ہے کہ میں آپ کے جذبات و احساسات کا

تابع رہوں۔ اور آپ کا حسن آپ کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ کسی بھی حال میں آپ کے جائز ملی احساسات سے منکر نہ ہو سکے گا۔ اور اس وقت بھی اگر آپ سب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہم سب سے پہلے باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچائیں تو بسم اللہ۔ میری شمشیر بے نیام ہے۔

بولئے! کیا چاہتے ہیں آپ۔ باغیوں کو اپنے حسنِ اخلاق سے متاثر کرنا۔ یا بزورِ شمشیر راہ راست پر لانا۔ ہاتھ بلند کیجئے۔ حسنِ اخلاق کے لئے۔

اور حسن کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس کا نظریہ بھاری اکثریت سے شکست کھا رہا ہے۔ گنتی کے صرف چند ہاتھ بلند تھے۔

"اور اب شمشیر کے لئے"!

اس آواز کے ساتھ بے شمار ہاتھ بلند ہو گئے۔

بحمداللہ کہ یہ معاملہ آپ کے ایما پر مختتم ہوا۔ اب دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ہمارا نصف لشکر ان مقامات کا دورہ کرے جہاں باغیوں کے مورچے قائم ہیں۔ اور باقی نصف دارالخلافہ بلرم میں پہنچ کر نظامِ حکومت کی از سر نو تشکیل عمل میں لائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم ہر طرف سے بے پروا اپنی متحدہ طاقت کے ساتھ پہلے اپنی مضبوط ترین اسلامی حکومت کا وجود تسلیم کرائیں اور اس کے بعد باغیوں کی خبر لیں۔ میری ذاتی رائے میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ پہلے ہماری تمام تر طاقت و توجہ حکومت کی اعلیٰ تعمیر پر صرف ہو۔ اور اس کے بعد باغیوں پر۔

"ہم آپ کی رائے سے متفق ہیں"۔ احمد نے اعلان کیا

"اور"۔ حسن نے چاروں طرف نگاہ کی۔ "بہتر یہ ہے کہ اس موقعہ پر بھی آپ ہاتھ بلند کرنے کی زحمت گوارا کریں"۔۔۔ جواب میں کوئی ہاتھ ایسا نظر نہ آیا جو بلند نہ ہو!!

نئی چال

آج ـــــــ

سسلی کا اسلامی دارالسلطنت پلرم - جو ساتھ ہی "دارالبغاوت" بھی بنا ہوا تھا اور کسی والی کے دم قدم سے محروم - سوگوار سوگوار سا نظر آتا تھا - ایک عظیم الشان انقلابی کروٹ کی لپیٹ میں ہے - پورا شہر جس پر کل تک نزع کی سی کیفیت طاری تھی - آج پُر اُمنگ زندگی کی ہیجانی دھڑکنوں سے ہمکنار ہے - عوامی گروہ سیلاب کی طرح شہر پناہ کے صدر دروازے کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں - صدر دروازے سے ملحقہ حصار پر لوگوں کا اس قدر ہجوم ہے کہ "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" لیکن لوگ پھر بھی بڑھے چلے آ رہے ہیں - ہجوم کے دونوں سرے صدر دروازے سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کو اپنے اشتیاق کی تسکین ناممکن معلوم ہو رہی ہے - لیکن اپنی جگہ چھوڑنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے - بالکل یہی عالم حصار کے زیرِ سایہ اژدہام کا ہے - اس عظیم اجتماع میں جہاں شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی - کچھ ایسے باشعور شہری بھی اسی ہنگامہ کے شریک ہیں جو اس "تاریخی اجتماع" کو "طلسمِ خیال" سمجھ رہے ہیں - جی ہاں - یہ کیونکر ممکن تھا کہ قبیلۂ بنو طبری ایسے دبنگ باغیوں کا سردار غلیل اپنے گروہ کے ساتھ سسلی کے نئے والی کا استقبال کرنے کے لئے نہ صرف یہاں موجود ہو بلکہ

مختلف سکوں کے کئی تھال اس کے غلاموں کے سروں پر دھرے ہوں۔ جنھیں یہ اپنے ہاتھ سے نئے والی پر نچھاور کرنے کا انتظار کر رہا ہو۔ ایک طرف بیسیوں بڑے بڑے ٹوکرے تازہ بتازہ پھولوں کے گجروں سے بھرے رکھے ہوں۔ ان کے گلوں کے لئے جنھیں وہ اپنی تلوار کا حق سمجھتا ہے۔ سجے ہوئے دروازے پر "خوش آمدید" کا جو طغریٰ آویزاں وہ بھی منجانب بنو طبریٰ ہی ہے۔ اور آگے آیئے۔ یہ سپاسنامہ۔ یہ نادر و نایاب تلوار۔ یہ قیمتی چڑھاوے۔ جو نئے والی کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی شرفِ قبولیت کے امیدوار ہیں۔

آج سورج نکلتے ہی نئے والی کا پیش رو دستہ بلرم پہنچ چکا تھا۔ گو اہالیانِ بلرم کو دو روز قبل ہی نئے والی کی آمد کا پتہ لگ چکا تھا۔ مگر مصدقہ اعلان اسی دستہ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ پیش رو دستہ کی اطلاع کے مطابق نیا والی دوپہر ڈھلے یہاں پہنچ رہا تھا۔ آٹھ نو بجے تک شہر والوں پر نئے والی کی آمد کے اعلان کا کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ ان کے تیور اُلجھے ہوئے تھے۔ جیسے انھیں گرد و پیش کی خوفناکیوں نے نگل رکھا ہو۔ اور وہ اس کے اظہار کی بھی مجال نہ رکھتے ہوں۔ پھر اچانک انھیں معلوم ہوا کہ قبیلۂ بنو طبریٰ نئے والی کی پیشوائی کے لئے عالیشان تیاریاں کر رہا ہے۔ اس خبر کا پھیلنا گویا اس بند کا ٹوٹ جانا تھا جو عوامی سیلاب کو حسن کی طرف بڑھنے سے روکے ہوئے تھا۔ اور اس کے بعد شہر کے باہر شاہانہ استقبال کا وہ منظر دیکھنے میں آیا۔ جو بلرم کی تاریخ میں اب تک دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

منتہائے نظر پر گرد و غبار کے بادلوں کو دیکھ کر اہالیانِ بلرم میں۔ جو اس وقت ہمہ تن انتظار بنے شہر کے صدر دروازے کے گرد و پیش پر چھائے ہوئے تھے۔ جوش و خروش اور تازگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ بیک وقت ہزاروں اُنگلیاں غبارِ کارواں کی طرف اُٹھ گئیں اور مشتاقانِ دیدار ایک جذبۂ بے اختیار کے ساتھ "والیٔ سسلی۔ زندہ باد" پکار اُٹھے۔

بالآخر وہ وقت آ گیا۔ جس کے لئے پورا شہر اس حصۂ زمین پر سمٹ آیا تھا۔ فوجی اصولوں پر مرتب۔ والیٔ سسلی حسنؔ کا یہ عظیم الشان جلوس۔ بصد کرّ و فر صدر دروازے پر آ لگا۔ یہاں سب سے پہلے قبیلۂ بنو طبری کا سردار خلیل، حسنؔ پر سکّے نچھاور کرتے ہوئے پوری آواز سے چلاّیا۔

" والیٔ سسلی حسن بن علی بن ابی الحسن !"

" زندہ باد۔" اس کے حواریوں نے فضا کا سینہ دہلا دیا۔

" مملکتِ اسلامی سسلی !"

" پائندہ باد !!"

" ہم اہالیانِ بلرم۔ اپنے نیک خُو اور ہما آثار والی کو روحانی مسرّت کیساتھ خوش آمدید کہتے ہیں۔" خلیل نے حسن کے گھوڑے کے سامنے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کہنا شروع کیا۔ جیسے وہ فرشِ راہ ہو جانا چاہتا ہے۔ " اور کامل تعاون و جاں نثاری کا یقین دلاتے ہوئے باری تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کے دورِ حکومت کو حیاتِ جاوید عطا فرمائے۔"

بعد ازاں اسی عالم میں کہ حسن اور اس کے جاں نثار دروازے کے سامنے گھوڑوں پر سوار آگے بڑھنے کے منتظر تھے۔ خلیل نے تحائف کے خوان گزارنے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد سپاسنامہ کی باری تھی —— جب یہ بھی پڑھا جا چکا۔ اور ان لوگوں کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا تو معززینِ شہر اور حکومت کے پُرانے عمال کو آگے آنے کا موقعہ ملا۔ اب حسن کے لئے گھوڑے پر سوار رہنا ممکن نہ رہا۔ اس کے گھوڑے سے اُترتے ہی اس کے خاص الخاص رفیق بھی اپنے گھوڑوں سے کود پڑے۔ حسن نے فرداً فرداً سب سے ہاتھ ملایا۔ اور جب خلیل کی باری آئی تو بجائے ہاتھ ملانے کے اس سے بغلگیر ہو کر مسکراتے ہوئے بولا۔

" آپ میری توقعات سے کچھ زیادہ مختلف ظاہر نہیں ہوئے۔ اور انشاء اللہ آپ جیسے پُرخلوص لوگ مجھے بھی اپنی توقعات کے عین مطابق پائیں گے۔"

حسن کے اس چبھتے ہوئے جملہ نے خلیل کو اُلجھا سا دیا۔ وہ نہ سمجھ سکنے کے انداز میں حسن کا منہ تکنے لگا۔

" کوئی بات نہیں۔" حسن پھر بولا۔" ہم ایک دوسرے کو بہت جلد سمجھ سکیں گے کل شام ہماری طرف سے دعوتِ عام ہے۔ آپ کا نام ہمارے خصوصی مہمانوں میں ہوگا اور اس وقت ہم اطمینان کے ساتھ گفتگو کر سکیں گے۔"

اتنا کہہ کر جواب کا انتظار کئے بغیر حسن اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ اور اس کے بعد یہ شاہانہ جلوس باشندگانِ بلرم کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں شہر کے بازار سے گزرتا ہوا قصرِ شاہی پر پہنچ کر منتشر ہو گیا۔

اگلے روز

جب کہ حسن اپنے سرکردہ رفیقوں کے ساتھ سر جوڑے سسلی کے پانچوں صوبوں میں نئی روح پھونکنے کے طریقۂ کار پر غور و خوض کر رہا تھا۔ بلرم کے گلی کوچوں میں دو سرکاری اعلان بڑی تیزی سے گشت کر رہے تھے۔ پہلا پیغام اس شتر سوار سے سنئیے جو بازار کے پُررونق حصّہ میں ایک بہت بڑے ہجوم سے خطاب کر رہا ہے۔

" آج بعد غروبِ آفتاب۔ والیٔ سسلی کی طرف سے۔ ساکنانِ بلرم کی دعوتِ طعام کا انتظام کیا گیا ہے۔ لہٰذا بلا امتیاز مذہب و ملّت آج شام کا کھانا باغِ شاہی میں تناول فرمائیں۔ اور رابطۂ اتحاد کی اس کوشش کو کامیاب بنانے کا موقعہ دیں۔ کھانے کی تیاری میں ہر مذہب کے لوگوں کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ اس موقعہ پر آپ کو اس بات کی کھلی اجازت

ہو گی کہ آپ اپنی شکایات اور انصاف طلب مسائل حکومت کے مقرر کردہ پرچہ نویسوں سے تحریر کرا کے۔ یا خود تحریر کر کے۔ اس مقفل صندوق میں ڈال دیں جسے سوائے والیٔ سسلی کے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔
حکومت آپ کی ہر جائز شکایت ایک ہفتہ کے اندر اندر رفع کرنے کا اعلان کرتی ہے۔ مملکتِ اسلامی کی رعایا اللہ کی امانت ہے۔ جو ایک حاکم و خادم کو سونپی گئی ہے۔ اگر اس امانت میں ظالمانہ یا غاصبانہ خیانت کی گئی ہے۔ تو آپ کے ہاتھ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حاکم کے گریبان تک پہنچے۔ آج حاکم کا گریبان آپ کے سامنے ہے۔ اگر آپ کا ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتا تو یہ آپ کی کمزوری ہے۔ مملکتِ اسلامی کی رعایا کو کمزور نہیں ہونا چاہیئے۔"
دوسرا سرکاری اعلان اس موڑ پر سنیئے۔ جو کاشانۂ خلیل سے ڈیڑھ دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔
ایک خطرناک شاہی قیدی۔ جس نے مازریں والیٔ سسلی عزت مآب حسن بن علی پر زبردست قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ کل شام کے ہنگامۂ قیام و قرار میں سپاہیوں کی نگرانی سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کے غائب ہوتے ہی شہر پناہ کے تمام دروازوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔ لہذا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اب تک شہر سے باہر نہیں جا سکا ہے —— دراز قد۔ گٹھا ہوا جسم۔ گورا رنگ۔ عمر لگ بھگ اٹھائیس سال۔ نام اسمٰعیل بتاتا تھا۔ میلے کچیلے سفید کپڑوں میں ملبوس ہے۔ جو بھی اس مجرم کو گرفتار کرائے گا۔ اسے ایک صد اشرفیاں بطور انعام دی جائیں گی۔ اس کے برعکس جو شخص

اسے اپنے گھر میں پناہ دے گا۔ یا اس کی پوشیدگی میں تعاون کا مرتکب ہو گا۔ اسے غداری کے جرم میں سخت سزا دی جائے گی۔

یہ اعلان جہاں وفاداران حکومت نے بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ سنا وہاں بلرم کے باغی عنصر پر بجلی بن کر گرا۔ مجرم کا مسلمان ہونا اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ وہ بنو طبری کے باغی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا یہ فعل باغیوں کی حالیہ کروٹ کے سخت منافی تھا۔ نیز اس سے ان کے سارے کیے دھرے پر پانی پڑ جانے کا خطرہ درپیش تھا۔ چنانچہ ان کی فکر و تشویش حد سے متجاوز ہو کر "تلافی کی خواہش" میں بدل گئی۔ آج رات ویسے بھی انھیں سرکاری دعوت میں شریک ہونا تھا۔ فوراً ہی چند مدبر قسم کے باغیوں کا ایک جلسہ کاشانۂ خلیل کے بند کمرے میں ظہور پذیر ہوا۔ اور اور اپنے دامن سے اس تازہ کثافت کو دھولنے کی فنکارانہ کوششوں پر غور و فکر کیا جانے لگا۔

رات کو

باغ شاہی کے طویل و عریض سبزہ زار میں ہزاروں قندیلوں نے رات کی سیاہیوں کو اس قدر بھلے انداز میں قابو کیا ہوا تھا کہ دیکھنے والے عش عش کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے چاند کا کوئی حصہ ٹوٹ کر زمین پر آپڑا ہو۔ اس اُجلی اجلی فضا میں پچاس ہزار سے اوپر مہمان حسب مراتب سینکڑوں صفوں میں تقسیم کھانے میں مصروف تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سفید پوش خدام اپنے مہمانوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہوئے انھیں باصرار شکم سیری کی دعوت دے رہے تھے۔ ایک صف فارغ ہو کر اُٹھتی ہی تھی کہ دوسری آبیٹھتی تھی۔

وسط باغ میں بارہ دری کے فرش پر معززینِ شہر کی صفیں قائم تھیں۔ اور ان سے متصل ہی والیٔ سسلی حسن اپنے عزیز و اقارب اور چند خاص الخاص مہمانوں کے ساتھ

مصروفِ طعام تھا۔ خلیل اپنے رفیقوں کے ساتھ معززینِ شہر کی صفوں میں نظر آ رہا تھا۔ خلیل کو اپنی امید کے خلاف معززین شہر کی صف میں جگہ ملی تھی۔ اور یہ حیثیت اس کے جذبۂ انانیت کیلئے اس قدر مایوس کُن تھی کہ اگر اسے یہ بات یہاں آنے سے پہلے معلوم ہو جاتی تو وہ ہرگز ہرگز شریکِ طعام نہ ہوتا۔ وہ حسن سے کچھ کم ثابت ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسے اپنی نسبتی اہمیت۔ باغیانہ شہرت و ناموری اور کل کے مظاہرہ خلوص کے پیشِ نظر پختہ یقین تھا کہ جس طرح کل حسن اس سے بغلگیر ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آج بھی اسی طرح بغلگیر ہو کر اسے اپنے برابر جگہ دے گا۔ لیکن آج کا حسن کل کے حسن سے بالکل مختلف ظاہر ہوا۔ آج اس کی توجہ کا جھکاؤ ان لوگوں کی طرف تھا جنھوں نے باغیوں کی سرگرمیوں کے باوجود مملکتِ اسلامی سسلی کے نظامِ حکومت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ لوگ۔ جن کی وفاداری مشکوک تھی نیز جو ماضیٔ قریب میں حکومت کے لئے بہتر ثابت نہ ہو سکے تھے۔ اپنے اثر و رسوخ اور دولتمندی کے باوجود حسن کی سرد مہری کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔

خلیل نے ان ناخوشگوار لمحات کو ان کی اصلیت سے کہیں زیادہ ذلّت انگیز سمجھا اور اپنے احباب کے روکنے تھامنے کے باوجود ناسازیٔ طبع کا بہانہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوا سب سے پہلے اس نے حسن کی طرف دیکھا۔ جو اس کی طرف سے پیٹھ کئے کھانے میں مصروف تھا۔ کچھ سوچا۔ اس کی طرف قدم بڑھایا۔ دو قدم چلا۔ ٹھہرا۔ اور پھر ایک دم پیچھے مُڑ کر تیز قدمی سے باغِ شاہی کے صدر دروازے کی راہ اختیار کر لی۔ احمد جو خلیل کی اس اضطراری کیفیت کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ اپنے چچا زاد بھائی ابنِ عمار سے گویا ہوا۔

"حالانکہ اسے معززینِ شہر کی صفوں میں جگہ ملی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ باغیوں کے سردار کا درجہ اس کی نگاہ میں حاکم ملک سے بھی اونچا ہے۔"

"اس کے جانے کا انداز تو کچھ ایسا ہی ہے - میری رائے میں اس کی اطلاع ـــــ"

"نہیں -" احمد نے پیش گوئی کی -" یہ صرف خبر ہی نہیں - ایک بہت بڑا مسئلہ بھی ہے اور اس کے لئے یہ وقت کسی بھی لحاظ سے موزوں نہیں "

" اور ہاں " - ابنِ عمار نے تشویشناک لہجہ میں کہا -" جو لوگ خلیل کے ہمراہ آئے تھے انہیں بھی اس کے ساتھ ہی اُٹھ جانا چاہیئے تھا - لیکن ـــــ"

" ہاں - ان کا یہاں بیٹھے رہنا خالی از مصلحت نہیں ہو سکتا "

" میری رائے ـــــ" ابھی ابنِ عمار کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ ہاتھ دھولنے کی گردشی سلفچی ان کے قریب آ گئی - پوری صف کھانے سے فارغ ہو کر ایک ساتھ اُٹھنے کی منتظر تھی -

دوسری طرف

سرکاری پرچہ نویسوں کے گرد فریادیوں کے جھمگٹ لگے ہوئے تھے - اَن پڑھ مدعی پرچہ نویسوں سے شکایت نامے تحریر کرا کے مقفل صندوق میں ڈال رہے تھے - خواندہ مدعی اپنی عرضیاں گھروں سے ہی لکھ کر لائے تھے - چنانچہ اس وقت صندوق کے چاروں طرف کافی بھیڑ تھی ـــ بالفاظِ دگر ـــ لوگوں میں اس قدر جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ باغیوں کے اثر سے نکل کر اپنا ہاتھ انصاف کے گریبان کی جانب بڑھائیں - اس مجمع میں خلیل کے بھی کئی مخبر موجود تھے - اور ان کا بس نہ چلتا تھا کہ کس طرح اس صندوق کو آگ لگا دیں - کیونکہ اس میں نوے فی صد شکایت نامے بنو طبری کی بدسلوکیوں اور سفاکیوں پر مشتمل تھے ٭

اِشتہاری مجرم

رات کے گیارہ کا عمل ہے۔ عام حالات میں اس وقت پلرم کی اکثر گزرگاہیں
سنسان پڑی ہوتی ہیں۔ لیکن آج سرکاری دعوت کی وجہ سے اب تک سڑکوں پر
چہل پہل ہے۔ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹتے ہوئے لوگوں کو حسن کے وہ جملے رہ رہ
کر یاد آ رہے تھے۔ جو اس نے کھانے کے بعد اپنی تقریر کے دوران کہے تھے۔ کتنے شیریں
پُرخلوص۔ اور حسین تھے وہ جملے۔

میری نگاہ میں سب برابر ہیں۔ میں سب کے ساتھ محبت اور فیاضی کا سلوک
کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ پر حاکم بن کر نہیں آیا۔ آپ کا خادم بن کر آیا ہوں
جن لوگوں پر ظلم ہوا ہے۔ ان کا میں مقروض ہوں۔ اور اس قرض کو اُتارنا میرا
فرض ہے۔ میں اس سے اوّلین فرصت میں سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ
میری مدد کرے۔

میرا گھر انصاف کا دروازہ ہے۔ اور انصاف کے لئے کوئی خاص وقت مقرر
نہیں ہوتا۔ جب بھی آپ کو اس کی ضرورت ہو آپ بلا پس و پیش اس پر
دستک دے سکتے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ حسن کی اس تقریر نے اہلِ پلرم کے دلوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ اور

حسن کی ذات انھیں اپنے بھلے دنوں کی بشارت معلوم ہونے لگی تھی۔

باغ شاہی سے لوٹنے والوں میں۔ ایک شخص جو ایک میلے سے لبادے میں سر سے پیر تک لپٹا ہوا تھا۔ بڑی سڑک چھوڑ کر" کاشانۂ خلیل" کی طرف ہو لیا۔ اب اس کی رفتار پہلے کی نسبت دُگنی تیز ہو گئی۔ کاشانۂ خلیل کے بڑے دروازے پر پہنچکر اس نے چاروں طرف محتاط نگاہ ڈالی۔ اور پھر آہستہ آہستہ دستک دینے لگا۔ یہ ایک بہت بڑا پھاٹک تھا۔ اس کے داہنے کواڑ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ جو دروازہ بند ہو جانے پر آمد و رفت کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اندر کی جانب اس سے بالکل ہی قریب دربان کا پلنگ تھا۔ چونکہ کاشانۂ خلیل کے کچھ اور باشی بھی ابھی ابھی سرکاری دعوت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تھے۔ اس لئے دربان اب تک جاگ رہا تھا۔ دستک کی آواز سن کر اُٹھا۔ اور کھڑکی کھول کر باہر سر نکالتے ہوئے بولا۔

"کون ہو تم ——"

"میں —— میں ہوں"۔ دستک دینے والے نے گھبراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "پہلے مجھے اندر آنے دو۔ اس کے بعد جو جی چاہے پوچھنا"۔ اور دربان کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ جھٹ سے اندر کُود گیا۔

دربان کے لئے یہ جسارت بڑی حیرت انگیز ثابت ہوئی۔ اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اجنبی کا ہاتھ پکڑ لیا اور ترش روئی کے ساتھ بولا۔

"یہ کونسی شرافت ہے کہ اجازت حاصل کئے بغیر ہی اندر گھس آئے —— کون ہو۔ اور اس طرح آنے کا کیا مطلب ہے"۔

"تمیز سے بات کرو"۔ اجنبی نے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے ڈانٹ بتائی۔ "اور چھوڑو ہاتھ"۔ اس نے ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ آزاد کرا لیا۔

"میں وہ ہوں جس نے ـــــ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔ جاؤ اپنے مالک کے پاس۔ اور اطلاع دو کہ آپ کا مازری سرفروش آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

اجنبی کو اس درجہ زعم انانیت میں پا کر دربان نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اجنبی نے ایک جھاڑ اور بتائی۔

"ان کپڑوں کی طرف کیا دیکھتے ہو۔ سنا نہیں۔ میں نے کیا کہا تھا۔"

"سن لیا جناب۔ وہ نچلی منزل میں کسی سے بات چیت کر رہے ہیں" دربان نے کسی فیصلہ پر پہنچے بغیر ہی ہار مان لی۔ حاکمانہ تخاطب پر سرنگوں ہو جانا اسے ورثہ میں ملا تھا۔ "آپ یہاں ٹھہریں۔ میں آپ کے پیغام کا ابھی جواب لاتا ہوں۔" دربان اندرون خانہ کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے جاتے ہی اجنبی کے چہرے پر کامیابی کا تاثر عود کر آیا۔ اس نے کثیف لبادے کو قدرے ڈھیلا کر کے کپڑوں کو درست کیا۔ پھر دونوں ہاتھ پشت کی طرف ملا کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد کسی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ جہاں تھا وہیں کھڑا ہو گیا۔

"سرکار آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔ تشریف لے چلئے۔" یہ کہہ کر دربان اجنبی کے آگے ہو لیا۔ طویل ترین صحن اور دالان کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دربان ایک منقش دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

"اندر تشریف لے جائیے۔" اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا

اجنبی نے، جس راہ سے وہ یہاں تک لایا گیا تھا۔ پلٹ کر اس کا بغور جائزہ لیا اور پھر مثبت قدموں کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی گاؤ تکیے کا سہارا لئے خلیل بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ لوگ اس کے ارد گرد کسی الجھن سے چھٹکارا پائے بیٹھے تھے۔

"اسمٰعیل تو نہیں ہو تم؟" خلیل نے اسے دیکھتے ہی اپنی ذہانت کا امتحان لینا چاہا۔

"جناب کا خیال درست ہے۔ زہے نصیب کہ حضور والا نے ایک بندۂ ناچیز کو یاد رکھا۔ حالانکہ آپ کے دورۂ مازر میں صرف ایک دو بار ہی حضوری کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔"

گو خلیل نے اسمٰعیل کو اعلانچی کے بیان کردہ حُلیہ کی مدد سے پہچانا تھا۔ لیکن اس نے اپنی یادداشت کی برتری تسلیم کرانے کی غرض سے کہا۔

"اگر ایسا نہ ہو۔ تو پھر ہماری اور ایک عام شخص کی نگاہ میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ آگے آجاؤ — یہاں" اس نے اپنے ساتھیوں کے قریب ایک خالی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

اسمٰعیل ادب کے ساتھ آگے بڑھ کر خلیل کی نشست سے چند قدم کے فاصلے پر دوزانو ہو بیٹھا۔

"لیکن یہ تم نے کیا کیا" خلیل نے تشویشناک لہجہ میں پوچھا۔ "ہماری طرف سے تو کوئی ایسا حکم جاری نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ حملہ کیوں کیا گیا؟"

"بجا ہے۔ آپ کی جانب سے ہمیں جو اطلاعات موصول ہوئی تھیں ان کی رو سے ہمیں نئے والی کی آمد پر بالکل خاموش رہنا چاہیئے تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ملاّ عین الدین کا ایک قریبی عزیز جو میرا بہت گہرا دوست تھا۔ اپنے دیگر عزیزوں کے ہمراہ نئے والی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے ملاّ عین الدین کے قتل کی تفصیلات سُناتے ہوئے والی سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلوں سے قصاص دلائے۔ اس کے جواب میں والی نے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ بلرم پہنچ کر سب سے پہلے باغی گروہ کے سرغنہ کو دار پر کھنچوائیں گے۔ اور اس کا سر بھی ملاّ عین الدین کی طرح گلی کوچوں میں ٹھوکریں کھائے گا —— یہ باتیں مجھے اسی دوست کی زبانی معلوم ہوئیں۔ اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اپنے سردار کی بے عزتی

کے تصوّر نے مجھے بالکل اندھا کر دیا۔ اور میں نے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر نے والی پر عین اس وقت حملہ کیا۔ جب کہ وہ مازر کے ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ لیکن افسوس کہ وار خالی گیا۔ ورنہ آج اس دعوت کی بجائے جو اس کی جانب سے دی گئی ہے۔ اس کے عزیزوں کی طرف سے اس کے سوئم کی رسم ادا ہوتی۔"

"لیکن ہو غضب کے آدمی۔" خلیل نے گویا تعریف کی۔ "بیسیوں آنکھوں میں دھول جھونک کر صاف نکل آئے۔"

"اللہ تعالیٰ کو کچھ عرصہ اور جناب کی خدمت کرانا تھی۔" اسمٰعیل نے تجدیدِ وفا کی۔

"اچھا ہوا کہ تم ہم سے ایک ایسے وقت پر ملے جب کہ ہماری آنکھیں کھل چکی ہیں۔ ورنہ ممکن تھا کہ تمہارے معاملہ میں کوئی غلط قدم اُٹھ جاتا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ وقت ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ ہمارے حق میں سازگار رکھے۔"

"اب کیا چاہتے ہو۔" خلیل نے دریافت کیا۔

"یہی کہ جس سردار کی وفاداری کا حلف اُٹھایا ہے۔ اپنی بقیہ زندگی اسی پر قربان کردوں"

"کیا تمہیں اپنے متعلقین کا بالکل خیال نہیں ہے۔"

"میں وہ بدقسمت شخص ہوں جو بچپن ہی سے ان تمام شفیق ہستیوں سے محروم کر دیا گیا جنھیں ماں باپ اور بہن بھائیوں کے پیارے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے میں اپنا کہہ سکوں۔ سوائے آپ کے۔ ویسے میرا تعلق مازر کے ایک ایسے خاندان سے ہے جو کسی زمانہ میں اپنے اقتدار کے لئے دُور دُور مشہور تھا۔ میری مراد خاندانِ اغالبہ سے ہے۔" اسمٰعیل نے بے تکان بولنا شروع کر دیا۔ "جیسا کہ جناب کے علم میں ہے۔ افریقہ کے موجودہ خلیفہ نے دولتِ اغالبہ کے ہر نقشِ اقتدار کو

ختم کرنے کے لئے کیا کچھ تباہیاں روا نہیں رکھیں۔ حد یہ ہے کہ وہ خاندانِ اغالبہ کی خوشحالی کو بھی برداشت نہیں کر سکے۔ اور آج۔ مجھ جیسے ہزاروں لوگ کوڑی کوڑی کو محتاج دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان حالات میں میرے لئے سوائے اس کے اور کیا رہ جاتا ہے کہ یا تو اپنے ستارۂ اقبال کو درخشاں بنانے کی کوشش کروں۔ یا پھر اس ذلت بھری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاؤں۔ اور اس ضمن میں آپ سے بہتر رہنما اور کون ہو سکتا ہے۔ خدا آپ کی کامیابی کے ساتھ مجھے بھی سرخرو کرے۔"

اسمٰعیل کے ان مکالموں نے خلیل پر اس کی اصلیت کو پوری طرح واضح کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص کیوں اپنی جان پر کھیلے پھرتا ہے۔ اور یہ سوچ کر اسے بڑی مسرت ہوئی کہ اس کے ساتھیوں میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہو رہا ہے۔ جو کسی وقت بھی اس کے اشارے پر اپنی زندگی کی حدیں پھلانگ سکتا ہے۔ اور جو اس جرأت مندانہ فعل کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ وہ دنیا میں کیا نہیں کر سکتے۔

"اب تو تمہارا مازر جانا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔" خلیل نے اپنا رنگ جمانا شروع کیا۔ "کوئی اور ایسا مقام ہے جہاں تم ان بھیڑیوں سے محفوظ رہ سکو۔"

"فی الوقت تو سوائے آپ کے قدموں کے اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر میں یہ فخر حاصل نہ کر سکا۔ تو پھر اٹلی کی طرف نکل جاؤں گا۔"

"تم ایسے شخص کو کیونکر مایوس کیا جا سکتا ہے۔ موقعہ پڑا تو ہم تمہارے لئے سطوتِ شاہی سے بھی ٹکر لینے کو تیار رہوں گے۔ کاشانۂ خلیل اتنی بڑی جگہ ہے کہ تم یہاں رہ کر اپنے آپ کو کسی محدود ٹکڑے میں محسوس نہ کر سکو گے۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کی ان مہربانیوں کو دائم و قائم رکھے۔ اور مجھے توفیق دے کہ میں آپ کے جذبۂ فداکاری کے معیار پر پورا اتر سکوں۔"

"سہارا"! خلیل نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے غلام کو آواز دی۔ جو فوراً ہی حاضر ہوگیا۔
" ان کے لئے کھانے۔ کپڑے اور بستر وغیرہ کا انتظام کرو۔ فی الحال یہ سامنے والے کمرے میں قیام کریں گے۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ جاؤ جلدی کرو"۔ "آپ کو"۔ اس کا روئے سخن اسمٰعیل کی طرف ہوگیا۔ "جس چیز کی ضرورت ہو۔ بلا تکلف طلب کر لیا کریں۔ اب آپ ہمارے مہمان نہیں۔ بلکہ خاندان کے ایک رُکن ہیں"۔
" کاش میں ان الفاظ کا انتخاب کر سکتا۔ جو ان نوازش ہائے بیکراں کے مطابق ہوتے"۔
" اس کی ضرورت نہیں ہے"۔ خلیل نے خاکسارانہ لہجہ میں کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "اب میں اجازت چاہوں گا۔ کل صبح ملاقات ہوگی۔ شب بخیر!"
" شب بخیر!" حاضرین بھی خلیل کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔
" آپ یہیں ٹھہریں"۔ خلیل اسمٰعیل سے مخاطب ہوا۔ "کھانے سے فارغ ہوکر برابر کے کمرے میں تشریف لے جائیے گا۔ وہاں بستر وغیرہ تیار ملے گا"۔
" بہتر جناب"! اسمٰعیل نے جواب دیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے پہلی بار اس کمرے کی وسعت وسجاوٹ کا جمی ہوئی نگاہ سے مشاہدہ کیا۔ اور اطمینان بخش سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر عود کر آئی ⁂

شعلۂ عشق

اسمٰعیل کا مختصر سا تعارف تو خلیل کے زنانخانہ میں اسی وقت ہو گیا تھا جب کہ رات کو یہاں سے ناوقت کھانا اور بستر وغیرہ بھیجا گیا تھا۔ صبح کو اسمٰعیل کا مکمل تعارف نیز اس کا مستقل طور پر یہیں قیام پذیر ہونا بھی مذکور ہو گیا۔ صہبا۔ جس نے اسمٰعیل کے کالے کارنامے کو سرکاری (اہلکاروں) کی زبانی اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ اور جس کے فرار کی خبر سُن کر اسے خاصہ دُکھ پہنچا تھا۔ اب یہ معلوم کر کے کہ وہ نہ صرف ہمارے گھر میں پناہ گزین ہے۔ بلکہ مستقل طور پر یہیں رہے گا۔ ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گئی۔ یہ اس کی فطرت سے بعید تھا کہ وہ غلط آدمی کے لئے۔ خواہ وہ اس کا محسن ہی کیوں نہ ہو۔ اپنے دل میں ہمدردی و غمگساری کے جذبات پیدا کر سکتی۔ حالانکہ خلیل نے اسمٰعیل کے یکہ و تنہا ہونے۔ اور قبیلۂ بنو طبری کی وفاداری کا دم بھرنے کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا تھا کہ خلیل کے متعلقین کو اس پر ترس آجانا چاہیئے تھا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ لیکن صرف ایک صہبا ایسی تھی۔ جو اس زد میں نہ آئی۔ اور اپنے والد کی تاکید کے باوجود اس کے کسی کام نہ آنے کا تہیہ کر لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ معاملہ براہِ راست خلیل کی عزت و آبرو سے متعلق نہ ہوتا تو وہ کسی نہ کسی طرح حکام تک خبر پہنچا کر اسے گرفتار کرا دیتی۔ خلیل، صہبا کے تیوروں سے بھانپ گیا کہ وہ اسمٰعیل کے

قیام سے متفق نہیں ہے۔ اور یہ چیز چونکہ اس کی توقع کے خلاف نہیں تھی۔ اس لیے چپ ہو رہا۔

اسی روز دوپہر کو جب کہ خلیل گھر میں موجود نہیں تھا اور اسمٰعیل نچلی منزل کے صحن میں دالان کے قریب بیٹھا کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق تھا۔ صہبا اپنی عادت کے خلاف درمیان کے عقبی دریچہ پہ آ کھڑی ہوئی۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی شخص جنگل میں پھنکارتے ہوئے سانپ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے باوجود۔ کہ وہ اسے بہرحال موذی ہی سمجھتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس بات کا بھی خواہشمند ہوتا ہے کہ خدا کبھی اس سے سابقہ نہ ڈالے۔

یہاں نفسیات کا تقاضہ تھا کہ خواہ اسمٰعیل کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہوتا۔ صہبا کو اپنی ناپسندیدگی کی روشنی میں مکروہ ہی نظر آنا چاہیئے تھا۔ مگر اس موقعہ پر نفسیات کا یہ اصول بے معنی ہو کر رہ گیا۔ اور بیک نگاہ وہ صہبا کو ایسا نظر نہ آیا۔ جیسا اس کے تصورات نے جنم دیا تھا۔ اس کا پُر وقار سراپا اور چہرے کا بھولا پن —— ان مجرمانہ کثافتوں سے بالکل پاک تھا جو اس کی ذات پر تھُپی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی دیر تک اسمٰعیل کے دلنواز نقوش میں اس کی ان لغزشوں کو تلاش کرتی رہی۔ جو اسمٰعیل ایسے شکیل و وجیہہ نوجوان کو "ابلیس نما" بنائے ہوئے تھیں۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ وہ کسی کے بارے میں برُے نظریات قائم کر چکنے کے بعد بھی اس کو واقعی طور پر بُرا سمجھنے میں پس و پیش سے کام لے رہی تھی۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے —— کیوں ! اس محویت کے عالم میں اسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی ماں کمرے میں داخل ہو کر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی ہے

"کیا دیکھ رہی ہو بیٹی ؟" ماں نے نہایت نرمی کے ساتھ صہبا کو مخاطب کیا۔ اس

غیر متوقع آواز سے صہبا چونک اٹھی، اور کچھ ایسے انداز سے گویا وہ چوری کرتے ہوئے موقعہ پر پکڑی گئی ہے۔ اب بے ربط لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"میں دیکھ رہی تھی کہ یہ مردود صورت سے تو ایسا معلوم نہیں ہوتا۔ دیکھئے نا۔ کیسا معصوم معصوم نظر آرہا ہے۔ یہ والی ٔسسلی پر قاتلانہ حملہ کرنے کی جسارت سمجھ میں نہیں آتا کس طرح کر گزرا۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" صہبا کی ماں نے آگے بڑھ کر اسمٰعیل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "صورت شکل سے تو پرلے درجے کا نازک مزاج معلوم ہوتا ہے۔ کچھ بھی ہو۔ غریب الوطن ہے۔ اور ہمارا جان نثار بھی۔ ہمیں اس کی خبر گیری میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔"

"لیکن۔" صہبا نے پینترا بدلا۔ "کسی قاتل پر اس لئے ترس نہیں کھایا جا سکتا کہ وہ بظاہر قاتل معلوم نہیں ہوتا۔ میں ایسے جرائم پیشہ شخص کی مددگار بن کر اپنی عاقبت خراب نہیں کر سکتی۔"

"حالانکہ نہ وہ بیچارا قاتل ہے، اور نہ مجرم۔" ماں نے اس کی پاسداری کی۔

"یہ والی ٔسسلی کی خوش بختی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ سے بچ نکلا۔"

"دیکھو بیٹی!" ماں نے سنجیدگی کے ساتھ ناصحانہ انداز میں کہا۔ "تمہیں قدرت کی اس ستم ظریفی سے کہ تم اپنے باپ کے بالکل برعکس پیدا کی گئی ہو — کم از کم اس وقت تک کے لئے بہت محتاط رہنا چاہیئے۔ جب تک تم اس گھر میں موجود ہو۔ تمہیں اپنے باپ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے موت کے دروازے پر دستک دینے سے بھی نہیں ہچکچاتا — اس نے اپنی راہیں ہموار کرنے کے لئے جو کہرام برپا کیا ہے۔ اور مخالفین کو جس بری طرح کچلا ہے۔ وہ بھی تمہارے علم میں

ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ یہ سب کچھ جائز ہے یا ناجائز۔ وہ اللہ کی طرف سے ہماری کشتیٔ حیات کا ناخدا مقرر کیا گیا ہے۔ اگر ہم اس کی موافقت نہیں کر سکتے۔ تو ہمیں مخالفت بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ کس دل سے تمہاری ان باتوں کو برداشت کر گیا۔ جس کے لئے اس نے ملک کے طول و عرض میں خون کی ندیاں بہا ڈالی تھیں۔ تم اب بچہ نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کسی روز تمہارا یہ رویّہ کسی بدمزگی کا باعث نہ بن جائے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو یہ زندگی بھر کے لئے ہوگا۔ کیا میں اپنی بیٹی سے یہ امید کر سکتی ہوں کہ وہ آئندہ ایسی باتوں سے محتاط رہے گی جو ہماری طبیعتوں سے مطابقت نہ رکھتی ہوں"۔

صہبا کی والدہ نے آج پہلی بار ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور کچھ اس عاجزانہ لب و لہجہ میں کہ صہبا ایسی حسّاس لڑکی اپنی بیباک صداقت پسندی کے باوجود اپنے رویّہ پر نظرِ ثانی کے لئے مجبور ہو گئی۔

"اپنی فطرت کے خلاف جہاد کرنا" صہبا نے تسلیم و رضا کے لہجہ میں جواب دیا۔ "انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ ہاں وہ گونگا بہرہ بن سکتا ہے۔ اور آج سے میں بھی ایسا ہی بننے کی کوشش کروں گی"۔

"چلو یونہی سہی۔ لیکن صرف انہیں معاملات میں"۔

صہبا نے ماں کی اس بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ اور دونوں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل کر اپنے مخصوص کمروں کی طرف ہو لیں۔

"کس قدر احمق ہے یہ شخص"۔ صہبا نے سِلائی کی چوکی پر پہنچ کر اپنے ادھورے کُرتے کو جسے وہ سینے سینے چھوڑ کر چلی گئی تھی، دوبارہ ہاتھ میں لیتے ہوئے سوچنا شروع کیا۔ حالانکہ وہ ابھی ابھی اپنی ماں سے ان معاملات میں گونگی بہری ثابت ہونے

کا وعدہ کر کے آئی تھی۔" اگر یہ حاکمِ سسلی کو ہلاک کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتا تو کیا مل جاتا اسے۔ حکومت؟ —— سپہ سالاری —— زر و جواہر —— پاگل کہیں کا —— اس وقت تو اس کی حیثیت اور بھی مخدوش ہو تی۔ کم از کم سسلی میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہ بیٹھ سکتا۔ کہتا ہے کہ میں نے اس لئے والی کو قتل کرنا چاہا تھا کہ وہ باغیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد رعایا کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ یعنی والی کی یہ منصفانہ روش قابلِ گردن زدنی تھی —— اور یہ بھی تو بنایا تھا اس نے کہ وہ والیانِ سسلی کی ان تباہ کاریوں سے بہت متاثر ہے جو خاندانِ اغالبہ کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے انتہائی بیدردی کے ساتھ روا رکھی گئیں۔

خاندانِ اغالبہ —— جس نے ایک سو گیارہ سال افریقہ پر اور چوراسی سال جزیرۂ سسلی پر انتہائی رعب و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی —— جنھوں نے اسلام کی سرفرازی کے لئے سینکڑوں لڑائیاں لڑیں۔ سسلی کو دارالاسلام قرار دے کر یہاں کی عیسائی حکومتوں کو نیست و نابود کیا۔ یہاں کے ماحول کو اسلامی طرزِ معاشرت کے لئے سازگار بنایا۔ چپّہ چپّہ پر مسجدیں۔ قدم قدم پر علوم شرقیہ کی درسگاہیں —— کون ہے جو اس دورِ حکومت کی تاریخی اخادیت سے انکار کر سکے۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ ان کے ذکر پر ہماری گردنیں احترام سے جُھک جاتی تھیں۔ لیکن اس وقت جب کہ افریقہ اور سسلی کی حکومت ان کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے قبیلہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے۔ تو محض اس اندیشہ کے ساتھ کہ کہیں یہ اپنے اثر و اقتدار سے دوبارہ تختِ خلافت کے وارث نہ بن جائیں۔ انھیں چُن چُن کر تباہ و برباد کیا گیا۔ ان کے معتبر و معزز گھرانے۔ جو سسلی کی تقدیر کے مالک تھے۔ سسلی کے گلی کوچوں میں بھیک مانگنے لگے۔ اور یہ نئی خلافت کے ایما پر نہیں، بلکہ ان لوگوں کی بدولت ظہور میں آیا۔ جو

اعلیٰ عہدوں کے امیدوار تھے۔ حالانکہ وہ باغیوں کے ہاتھوں پہلے ہی والی کے ساتھ تھک ہار کر بیٹھ رہے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے ——— اور آج جب کہ مرکز سے نہایت نیک اور دیانتدار افسر بھیجے جا رہے ہیں۔ جو شاید خاندانِ اغالبہ کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتے۔ تو خود خاندانِ اغالبہ ناپید ہے۔ کس قدر المناک حقیقت ہے یہ" ——— اور پھر جیسے صہبا نے کوئی اہم مورچہ فتح کر لیا ہو ——— "ہو نہ ہو اسمٰعیل کا یہ قاتلانہ حملہ خاندانِ اغالبہ کی اسی مظلومی کا انتقام ہے ——— اور اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ "اس ذلت انگیز زندگی سے تو مر جانا بہتر ہے"۔ باغی کی حیثیت میں تو ذلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے بنو طبری کی حمایت کا ڈھونگ اپنے نازک حالات کی وجہ سے رچایا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید تختۂ دار پر ہوتا"۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر صہبا کے اُس اسمٰعیل نے دم توڑ دیا جسے خلیل کے تعارف نے صہبا کے ذہن و فکر میں متشکل کیا تھا۔ اور اس کی بجائے ایک ایسا اسمٰعیل تشکیل پانے لگا جو خاندانِ اغالبہ کے ایک ممتاز گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے زخم خوردہ شیر کی طرح اپنے شکاری پر حملہ کیا تھا۔ اور جو اپنی مظلومی و بیکسی کے لئے ہمدردانہ سلوک کا مستحق تھا۔

"اوہ!" شدتِ تکلیف سے اس نے کپڑا ایک طرف پھینک کر شہادت کی انگلی کو دوسرے ہاتھ سے دبوچ لیا۔ بے خیالی میں سوئی کی نوک اس کی جلد میں اُتر گئی تھی۔ دباؤ پا کر ہلکے سرخ رنگ کا ایک قطرہ اُنگلی سے ٹپک کر دوسرے ہاتھ کی ڈھیلی ڈھالی آستین پر آ گرا ——— "کون جانے یہ قطرۂ خوں کن حوادث کا پیش خیمہ ہو"۔

تھوڑی دیر کے بعد صہبا کے دل میں ایک بار پھر اسمٰعیل کو دیکھنے کی خواہش

پیدا ہوئی۔ جیسے اس سے پہلے وہ واہموں کے دھندلکوں میں اسے صاف طور پر نہ دیکھ سکی ہو۔ اور اب — جب کہ یہ دھندلکے پورے طور پر چھٹ چکے ہیں' وہ اُسے اس کے صحیح خدوخال کے ساتھ دیکھنا ضروری سمجھتی ہو۔ لیکن چونکہ اب سے کچھ دیر پہلے اس کی ماں اسے دریچہ پر کھڑا دیکھ چکی تھی اس لئے اس نے مناسب نہ سمجھا کہ وہ اسے دوبارہ اسمٰعیل کو دیکھتے ہوئے دیکھے — درمیانی کمرہ جہاں سے اس نے پہلے اسمٰعیل کو دیکھا تھا' اس مکان کا وسطی کمرہ تھا جس کی عقبی دیوار پر نچلی منزل کی طرف دو دریچے کھُلتے تھے۔ وسطی کمرے کے دائیں بائیں جو دو کمرے تھے' ان میں بھی ایک ایک دریچہ اس جانب کھلتا تھا۔ دایاں کمرہ صہبا کی والدہ کے لئے مخصوص تھا اور بایاں خود صہبا کے لئے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں کمرے مستورات کے مصرف میں رہتے تھے اس لئے ان کے دریچوں کو مستقل طور پر بند کرکے پردے ڈال دیئے گئے تھے — صہبا ایک جذبۂ بے اختیار کے ساتھ آگے بڑھی اور کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرکے دریچے کی طرف لپکی ہی تھی کہ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔ جیسے وہ گرتے گرتے سنبھل گئی ہو۔

"میں اسے کیوں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیوں" — اور فوراً ہی پلٹ کر دروازے کو پہلے کی طرح کھولا اور چوکی پر آ بیٹھی — "میں اس کی ذات سے اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی ہوں۔ کیا چیز ہے وہ۔ جو مجھے اس کے بارے میں سوچنے سمجھنے پر آمادہ کر رہی ہے — وہ بانئی اسمٰعیل نہ سہی۔ خاندانِ اغالبہ کا کوئی شہزادہ ہی سہی۔ مجھے کیا۔ میں کیوں دیوانی ہوئی جا رہی ہوں۔ لاحول ولاقوۃ!" ؎

لرزہ خیز قربانی

والیٔ سسلی حسن کے بے شمار ذاتی خادم تھے۔ جنھیں وہ افریقہ ہی چھوڑ آیا تھا۔ صرف عبدل ایک ایسا غلام تھا جسے وہ وفاداری و جاں نثاری کے لئے اپنی اولاد کے برابر عزیز رکھتا تھا اور جس کی جدائی اس کے بس کی بات نہ تھی۔ حسن نے اسے کافی عرصہ سے اپنے زنانخانہ کا نگراں مقرر کر رکھا تھا۔ اور یہ اتنا عظیم اعتماد تھا جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ عبدل، حسن کی خاندانی روایات میں پہلا مرد تھا جو حرم سرا کے دروازے پر بجائے خواجہ سرا تعینات ہوا، اور مدت مدید تک کسی قسم کی شکایت کا ہدف نہ بن سکا۔ یہ اعزاز اس نے اپنی بھرپور جوانی میں حاصل کیا تھا، جب کہ کسی کا بغیر ٹھوکر کھائے، اوقات گزارنا اس کے فرشتہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

راستی، خداترسی اور ایثار و خلوص کا مجسمہ عبدل اس وقت بلرم کے پُر رونق بازار میں اپنی ضروریات کی اشیاء خرید رہا تھا۔ اس کا امتیازی لباس اور عقال پر سرکاری نشان اس کے عہدیدار ہونے کی غمازی کر رہے تھے۔ ویسے بھی وہ بڑا حسین و جمیل شخص تھا۔ اس پر قیمتی لباس کی پھبن۔ جو دیکھتا۔ دیکھتا ہی رہ جاتا۔ وہ دُکان سے چیزیں خرید خرید کر اپنے نوکر کو دیتا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد آگے آگے عبدل اور پیچھے پیچھے اس کا لدا پھندا ملازم بازار سے نکل کر ایک گلی کی طرف ہو لئے جو قصرِ شاہی کو

جاتی تھی۔ راستہ میں ایک بڑھیا نظر آئی جو ایک بوسیدہ سے مکان کے دروازے پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔ عبدل کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اتنے آنے جانے والے اس کے بالکل قریب سے گزر رہے ہیں لیکن کوئی بھی چند لمحے ٹھہر کر اس کی گریہ و زاری کا سبب دریافت نہیں کرتا۔ انسانی ہمدردی سے مغلوب وہ بڑھیا کے پاس پہنچ کر انتہائی تسلی بخش لہجہ میں گویا ہوا۔

"کیا بات ہے بڑی بی! کیوں رو رہی ہو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ اور بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اگر ہمارے امکان میں ہوا تو ہم اسے رفع کیئے بغیر یہاں سے نہ ٹلیں گے۔"

"کیا بتاؤں بیٹا!" بڑھیا نے اپنی متعفن چادر سے آنسو پونچھ کر سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میں تباہ ہو رہی ہوں۔ میری امیدوں کا تارا۔ میرا عزیز از جان فرزند۔ مدت سے بیمار ہے۔ آج تیسرا دن ہے کہ اسے ہوش نہیں آیا۔ میں جو کچھ کر سکتی تھی۔ کر چکی۔ ہائے میرا چاند۔ کیسے ہوش میں لاؤں اسے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔ پریشان نہ ہو۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کروں گا" —— "تم یہ چیزیں لے کر گھر چلے جاؤ۔" وہ ملازم سے مخاطب ہوا۔ "اور ہمارے طبیب کو ساتھ لے کر جلد از جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"کہاں ہے تمہارا بیٹا!"

"اللہ تمہیں اس کارِ خیر کا اجر دے۔ آؤ میرے ساتھ۔" بڑھیا مستعدی کے ساتھ اُٹھ کر اندر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولی۔

عبدل بڑھیا کے پیچھے پیچھے کئی شکستہ کمروں کو طے کرتا ہوا ایک تنگ و تاریک کمرے میں پہنچا۔

"یہ ہے میری ضعیفی کا سہارا۔" بڑھیا نے ایک پلنگ کی طرف اشارہ کیا جس پر کوئی سر

سے پیر تک سفید چادر میں لپٹا ہوا بے حس وحرکت پڑا تھا۔ "خدا کے لئے اسے ہوش میں لاؤ ورنہ اس کے ساتھ ہی میں بھی جان دیدوں گی"۔

"کتنی بُری جگہ انتخاب کی ہے بیمار کے لئے"۔ وہ بڑبڑایا۔

"آپ اسے دیکھیں۔ میں آپ کے بیٹھنے کو چوکی لاتی ہوں"۔ بڑھیا یہ کہہ کر پیچھے پلٹی اور چشم زدن میں کمرے کے کواڑ بند کر کے اسے باہر سے مقفّل کر دیا۔

عبدل بڑھیا کی اس حرکت سے خوفزدہ ہو کر دروازے کی طرف لپکا اور کواڑوں کو زور زور سے پیٹنے لگا۔

"دروازہ کیوں بند کر دیا۔ دروازہ کھول دو — بڑی بی — بڑی بی —" لیکن بجائے اس کے کہ اسے باہر سے کوئی جواب ملتا۔ اندر چادر میں لپٹا ہوا بیمار ایک حسین و جمیل نوجوان لڑکی کی شکل میں اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ یہ خوبصورت لڑکی یقیناً ہزاروں میں ایک تھی مگر عبدل کے لئے کسی جن سے کم ثابت نہ ہوئی۔ ڈر کے مارے اس کی چیخ نکل گئی اور سارے بدن پر رعشہ سا طاری ہو گیا۔

"کون ہو تم۔ یہ سب کیا ہے"؟

"ابھی معلوم ہو جائے گا"۔ حسینہ نے جواب دیا۔ "لُچے — بدمعاش۔ کتے —" یہ کہتے کہتے لڑکی نے ایک مجنونانہ وارفتگی سے اپنے لبادے کو تار تار کر ڈالا۔ بالوں کو نوچ نوچ کر ڈائن کی سی صورت بنا لی۔ اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے خوبصورت چہرے کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔

عبدل جو ڈرا سہما کمرے کے کونے کی طرف سمٹا جا رہا تھا یہ نقشہ دیکھ کر اور بھی حواس باختہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ حقائق کی دنیا میں ہے یا جنون کی معاً اس کی آنکھوں نے ایک ایسا نظارہ دیکھا کہ شرم وحیا سے اس کا سارا جسم

پسینہ میں نہا گیا۔ اس خوبصورت ناگن نے اپنے کُرتے کا گریبان چاک کر ڈالا تھا۔ اور پائے جامہ اس کی ٹانگوں سے دور ایک کونے میں جا پڑا تھا۔ اب وہ برہنہ تھی۔ مادرزاد برہنہ۔ عبدل نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گھگھیائے ہوئے لہجہ میں آیت الکرسی کا وِرد کرنے لگا۔ اِس طرف یہ عالم تھا۔ اور اُدھر——

بڑھیا نے وحشیانہ چیخ پُکار سے اپنے دروازے پر ہزاروں آدمیوں کو جمع کر رکھا تھا۔ اس مجمع میں قبیلہ بنو طبری کا سردار خلیل اور اس کے سینکڑوں ساتھی پیش پیش نظر آ رہے تھے۔

"ہائے میں مر گئی"۔ بڑھیا بدستور سینہ کوبی کے ساتھ بین کر رہی تھی۔ "میری بیٹی کی عصمت پر ڈاکہ پڑ گیا۔ اس کی آبرو لوٹ لی گئی۔ ہائے لوگو میں تباہ ہو گئی۔ دہائی ہے پاک پروردگار دہائی ہے۔ اگر ہماری عصمتوں کی یہی قیمت ہے تو ہمیں پیدا ہی کیوں کیا تھا تو نے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں بچپن ہی میں اس کا گلا گھونٹ دیتی۔ مار ڈالتی۔ ہائے لوگو میں کہیں منہ دکھانے کی نہ رہی۔ اب کون اسے پلّے باندھے گا۔"

لوگ احوال پُرسی کرتے رہے۔ اور بڑھیا ہر طرف سے بے خبر بین کر کر کے سینہ پیٹتی رہی۔ لوگ جیسے جیسے اصرار کرتے۔ وہ اتنی ہی شدّت کے ساتھ آپے سے باہر ہو کر اپنے سر کو دروازے پر پٹکنے لگتی۔ آخر کار جب ہجوم سے پوری گلی لبریز ہو گئی اور لوگ بھی پوچھتے پوچھتے عاری آ گئے تو بڑھیا اپنے دروازے سے ایک طرف ہو کر بولی۔

"آؤ دیکھو۔ غریبوں کی بہو بیٹیوں کا کیا بھاؤ ہے۔ اگر صاحبِ اولاد ہو تو اپنی چھاتیوں پر ہاتھ رکھ کر میرے اس جہنّم کو محسوس کرو جو مجھے خاکستر کئے دے رہا ہے۔ آؤ دیکھو تمہاری بہو بیٹیوں کے ساتھ کیا پیش آ رہا ہے۔ میری بیٹی بلرم کی بیٹی ہے۔ اور——"

بڑھیا کی آواز ہجوم کے ان پُرشور ریلوں کی نذر ہو گئی جو ایک ہی جست میں موقعہ پر پہنچ جانا چاہتے تھے۔ بڑھیا لوگوں کے ہجوم کو چیرتی پھاڑتی اس کمرے تک پہنچی جس میں اس ڈرامہ کا انتہائی ہیجان انگیز سین اپنے تاثر کے نکتۂ عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے دروازے کی زنجیر کھول کر دونوں پٹوں کو اندر کی طرف دھکا دیا۔ اور اس کے فوراً بعد ہی دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے ——— وہ خوبصورت لڑکی مادر زاد برہنہ، اوندھے مُنہ فرش پر پڑی زور زور سے کراہ رہی تھی۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر عبدل اپنے مسلے کچلے اور جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے لباس کے ساتھ کچھ اس صورت میں کھڑا تھا۔ جیسے ابھی ابھی کشتی لڑ کر ہٹا ہو۔ گو یہ حالات ایسے نہ تھے کہ انھیں زیادہ دیر تک برقرار رکھا جا سکتا۔ مگر خلیل اور اُس کے حواریوں نے عوام میں اشتعال کی آگ بھڑکانے کے لئے اِسے اُس وقت تک قائم رکھا جب تک کہ اس کی نمائش ہزاروں تماشائیوں میں نہ ہو گئی۔ بجلی کی طرح کوندتی، کڑکتی اس خبر نے سارے شہر میں کہرام سا برپا کر دیا اور لوگ دور دور سے چل کر اس غیر معروف گلی میں جمع ہونے لگے۔ برائے تشہیر لڑکی کو اس کے تار تار لبادے سے ڈھانپ کر دروازے پر کھڑا کر دیا۔ ساتھ ہی نیم مردہ عبدل کی مُشکیں کس کے اور اس کے گلے میں کتّے کی طرح ایک رسّہ ڈال کر لڑکی کے برابر لا کھڑا کیا۔ اس طرح کہ دیکھنے والے ظالم و مظلوم کو ایک ہی نگاہ میں دیکھ سکیں۔

"سسلی کے بے غیرت باشندو!" خلیل نے نتھنے پُھلا کر گنجان ہجوم کو خطاب کیا۔

"تف ہے تم پر کہ جو لوگ تمہاری فلاح و بہبود کے خواہاں ہیں۔ انھیں تم باغی کے نام سے یاد کرتے ہو۔ اور وہ پاگل کتّے جو تمہاری بہو بیٹیوں کی عصمتوں کو شکار کر رہے ہیں ——— بڑے متقی۔ بڑے پرہیزگار اور جائز وارثِ سسلی ہیں ——— تم ان کے ہمنوا نو نہ

بن سکے جو تمہاری بہتری کے لئے کوشاں تھے۔ مگر ان کے وفادار بننے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہو جو تمہاری غیرت و آبرو کو اپنے پیر کی دھول تک نہیں سمجھتے۔ اگر تمہاری رگوں میں خونِ شرافت کا ایک بھی قطرہ موجود ہے تو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ اور والیٔ سسلی پر ثابت کر دو کہ یہ افریقہ نہیں سسلی ہے۔ جنھیں اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت اسی قدر عزیز ہے جتنی کہ تمہیں اپنی حرمین کی ——— یہ تمہارے جائز والیٔ سسلی کا چہیتا خدمت گار ہے ——— یہ وہ ہیں جنھیں یہاں آئے ابھی پورے آٹھ روز بھی نہیں گزرے اور ہماری پارسا بیٹیاں ان کے جذباتِ خبیثہ کی قتل گاہ پر قربان ہونے لگیں۔ غور کرو۔ اگر ان کے قدم مضبوطی کے ساتھ یہاں جم گئے تو ہماری عزت و آبرو کا کیا حشر ہوگا۔"

خلیل کی اس تقریر کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر شخص بجائے خود آتشِ انتقام کا جہنم بن کر پھٹ پڑا۔

"ہم اس ذلیل کی لاش کو بلرم کے گلی کوچوں میں کتّے کی طرح گھسیٹیں گے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔"

"ہم اِس واقعہ کی تاریخ اس کی کھال پر لکھیں گے۔"

"ہم اس کی ———"

"لیکن یہ سب کچھ بے معنی ہے۔" خلیل نے لقمہ دیا۔ "ہمیں اس واردات سے والیٔ سسلی کا بھی امتحان لے لینا چاہیئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ بھیڑیا اپنے مالک کو بہت عزیز ہے اور اسے وہ سزا نہ دے سکے گا جو ایسے مجرم کو ملنا چاہیئے۔"

"اگر ایسا ہوا تو ہم والیٔ سسلی کو بھی مجرم سمجھنے میں دیر نہ کریں گے اور اسے اس کمزوری کا وہ سبق دیں گے جو اس کی کئی پشتیں فراموش نہ کر سکیں گی۔"

"خدا کے غضب سے ڈرو۔" عبدل کا پیمانۂ صبر لبریز ہو کر چھلک پڑا "مت بھولو کہ تمہیں خدا کے حضور بھی پیش ہونا ہے۔"

"اس کے منہ میں گھوڑے کی لید بھر دو۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"اگر اب منہ کھولا۔ تو شاید تم زندگی بھر بات کرنے کے قابل نہ رہو۔" خلیل نے ڈانٹ بتائی "چوری اور سینہ زوری — حرام کار — کتے۔"

جواب میں عبدل نے اپنی فریادی نگاہیں نیلی چھتری کی طرف اٹھا دیں۔ "یہ کس گناہ کا خمیازہ ہے مرے معبود۔"

معاً اس کے گلے میں پڑی ہوئی رسی کو ایک ایسا زوردار جھٹکا لگا کہ وہ اوندھے منہ زمین پر آ پڑا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی ہی تھی کہ دوسرے جھٹکے نے اس پر نیم بیہوشی کی سی حالت طاری کر دی۔ اس نے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ جیسے اس نے اپنی موت کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

خلیل نیم برہنہ لڑکی کو آگے لایا۔ اس کی ماں کو برابر کھڑا کیا۔ ان کے پیچھے وہ لوگ ترتیب دیئے گئے جو عبدل کے گلے میں پڑی ہوئی رسیوں کے سرے تھامے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے ہزاروں تماشائی۔ اس طرح یہ طویل جلوس قصرِ شاہی کی طرف چل پڑا۔

قصرِ شاہی میں

یہ وحشت ناک خبر اپنے وقوعہ سے چند منٹ بعد ہی پہنچ گئی تھی۔ اور اس سلسلہ میں صحیح حالات کی فراہمی کے لئے بھی اپنے ذرائع اختیار کر کے ان تمام سے استفادہ حاصل کر چکا تھا۔ حسن عبدل کے ملازم کے بیان کی روشنی میں جو عبدل کو موقعہ پر چھوڑ کر طبیب کو بلانے گیا تھا، اپنے صلاح کاروں سے بڑی دیر تک الجھتا رہا لیکن کسی خاص فیصلہ پر نہیں پہنچ سکا۔ سوائے اس اندھے یقین کے کہ عبدل وہ ہرگز نہیں ہو سکتا جو اسے ثابت کیا جا رہا

ہے۔ عبدل دو چار سال سے نہیں۔ بچپن سے اس کے تجربے میں تھا۔ اس طویل مدت میں۔ اُن آسانیوں کے باوجود جو عبدل کو حاصل تھیں، وہ آج تک اس کے بارے میں کوئی بُری بات نہ سُن سکا تھا۔ بلکہ وہ تمام لوگ جن کو عبدل سے سابقہ پڑتا رہتا تھا حسن کے اندازہ سے زیادہ وہ اس کے بلند کردار کے معترف تھے۔

"میری رائے میں تو۔" احمد نے مزید بحث و تمحیص سے عاجز ہو کر کہا۔ "یہ سوائے اس کے کہ باغی ہماری حکومت کو بدنام کرنا چاہتے ہیں، اور کچھ نہیں ہے۔ اور اگر اس موقعہ پر ہم ان کی سازش کا شکار ہو کر کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے تو پھر آئے دن اسی قسم کی سازشوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ جس ہستی پر انہوں نے یہ الزام تھوپا ہے۔ وہ اپنی جگہ اتنی معتبر ہے کہ اسے مشکوک نظر سے دیکھنا انسانیت کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ ہم اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ آج سورج بجائے مشرق مغرب سے طلوع ہوا ہے۔ لیکن یہ نہیں مان سکتے کہ عبدل ایک مکان میں گھس کر کسی دوشیزہ کی عصمت پر حملہ آور ہوا — ہرگز نہیں۔ ہمارے لئے ایسا سوچنا حقیقت کے گلے پر کُند چھری چلانا ہے۔۔۔"

ابھی احمد یہیں تک کہہ پایا تھا کہ بتدریج آگے بڑھتا ہوا شورِ قیامت یہاں کی پختہ عمارت میں گونجنے لگا۔

"قبلہ گاہی!" احمد مچل سا پڑا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے ضمیر مصلحتِ وقت پر قربان ہو جائیں۔ شیطانوں کا قافلہ ہماری دیوار سے آلگا ہے۔"

حسن نے قدرے ناگواری کے ساتھ احمد کو دیکھا اور خاموشی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی دیگر رفقا بھی کھڑے ہو گئے۔

"دہائی ہے! دہائی ہے!!" قصرِ شاہی کے پھاٹک پر طوفانی صداؤں نے

قرب و جوار کی عمارتوں کو متزلزل کر دیا —— خلیل مجمع سے نکل کر عوامی نمائندہ کی حیثیت سے آگے کھڑا ہو گیا۔ اس نے پیروں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ دیکر ہاتھ کمر پر رکھے اور سینہ تان کر زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔

"دختر بلرم کی لٹی ہوئی عصمت۔ لٹیروں کے سرپرست سے فریادی ہے۔ انصاف کے بلند و بانگ دعوے کرنے والو۔ باہر آؤ" —— اس نے حکومت کے ذمہ دار اصحاب کی عدم موجودگی کے سہارے عوام میں اپنی ہمت و جرأت کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی۔ "تم اس شور و غوغہ سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ تمہیں اس لرزہ خیز واقعہ کی بہت پہلے اطلاع مل چکی ہے۔ تمہارا فرض تھا کہ تم اس انصاف طلب گروہ کی پیشوائی کرتے۔ کیا تم بھی کسی دوشیزۂ سسلی کے خونِ عصمت سے رنگ رلیاں منا رہے ہو۔ باہر نکلو —— جلدی نکلو —— ورنہ تمہاری یہ مجرمانہ تاخیر"

—— خلیل کی زبان تالو میں چپک کر رہ گئی۔

حسن اپنے مقربین کے درمیان ایک باوقار ماحول کو جنم دیتا ہوا ہجوم کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خلیل کے مدِ مقابل آ کر حسن اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایسا دلخراش منظر دیکھا کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خصوصاً احمد اور ابنِ عمار غصہ سے آگ بگولا ہو کر —— اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ اس غیض و غضب کے عالم میں ان سے کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد نہ ہو جائے —— الٹے قدموں قصرِ شاہی کی طرف لوٹ گئے۔

تابِ نظارہ کو جھنجھوڑ پھینکنے والا یہ منظر عبدل کا خاک و خون میں لتھڑا ہوا وہ جسم تھا جو اپنے گرد و پیش سے بے خبر ایک لاش کی صورت میں زمین پر پڑا تھا۔ اس کے منہ سے تازہ تازہ لہو ابل رہا تھا۔ گلے میں پڑی ہوئی رسّی —— پے در پے بے رحمانہ جھٹکوں سے گردن کی کھال میں اتر چکی تھی۔ اور یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ

رسّی مونجھ سے نہیں بلکہ عبدل کی رگوں سے بٹ کر تیار کی گئی ہے۔ یہ اس نیک نام ہستی کا انجام تھا جسے حسن اور اس کے قریبی عزیز و اقارب اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ جو حسن کی بیس سالہ خدمات میں ایک بار بھی غفلت و بددیانتی کا سزاوار نہ ہوا تھا ــــ حسن کی زندگی میں اس جیسا صبر آزما وقت پہلے کبھی نہ آیا تھا اور نہ اس قدر بیچارگی و بے بسی سے پالا پڑا تھا، جو اس وقت درپیش تھی ــــ ضبطِ غم سے اس کا کلیجہ خون بن کر آنکھوں میں تیرنے لگا۔

"یہ ہے وہ معصوم لڑکی۔ جس کے دامنِ عصمت کو جبراً تار تار کیا گیا"۔ خلیل نے غضب ناک تیوروں کے ساتھ اس خوبصورت ناگن کی طرف اشارہ کیا۔ اور پھر اس کی اُنگلی عبدل کی طرف مرکوز ہو گئی ــــ اور یہ ہے وہ مردود۔ جو اس بھیانک فعل کا مرتکب ہوا۔ سُنا ہے یہ آپ کا محبوب ترین خادم ہے۔ اگر اسی سرشت کے لوگ آپ کے معیارِ شرافت پر پورے اُترتے ہیں تو ہمیں افسوس ہے کہ جزیرہ سسلی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں نکل سکے گا جسے آپ کی "محبوبیت" کا شرف حاصل ہو سکے۔ اہالیانِ سسلی میرے اس خیال کی تائید کریں گے"۔

"بیشک! بیشک!!" عوام خلیل کی جرأت کا سہارا پا کر چیخے۔

خلیل کی یہ بدکلامی حسن کی سماعت پر انگاروں کی بارش کر گئی۔ تلملا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے ہی لمحہ جیسے کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"بلاشبہ ــــ یہ شخص ہمارا پسندیدہ خادم ہے"۔ حسن نے رقّت انگیز پیرایہ میں کہنا شروع کیا۔ اور خدا گواہ ہے کہ جن خصوصیات کی بنا پر اس شخص نے ہمارے دل میں گنجائش پیدا کی۔ وہ اس کا بلند پایہ کردار تھا۔ اس کی وہ بے پناہ محبت تھی جو خدا اور رسول کے بعد یہ ہمارے خاندان سے کرتا تھا۔ اس کا وہ دیانتدارانہ چلن تھا

جو بیس سالہ آزمائش کے دوران ایک بار بھی نہ ڈگمگایا۔ اس کی وہ عبادت و پرہیزگاری تھی جس نے اسے ہمارے زنانخانہ پر لا بٹھایا۔ اور جسے اس اہم خدمت پر کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ میں آپ حضرات سے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس حقیقت پر غور کرنے کی اپیل کروں گا کہ اگر اس شخص کا چلن ذرا بھی مشکوک ہوتا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ ہم اسے اپنی عزت و آبرو کا محافظ بنا کر حرم سرا کے دروازے پر بٹھا دیتے۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ شرفائے عرب جو اپنی حرم سراؤں پر پرندوں کو بھی گوارا نہ کر سکتے ہوں، ایک ایسے شخص کو گوارا کر لیں گے جو اپنی بدکرداری کے لئے صاحب حرم کی نگاہ میں آ چکا ہو۔

قسم وحدہٗ لاشریک کی۔ تمہارا حسن تمہاری ماں بہنوں اور تمہاری بہو بیٹیوں کو بھی اسی قدر قابلِ احترام سمجھتا ہے جتنی کہ اپنی مستورات کو۔ اور وہ تمہاری حرمین کی عزت و آبرو کا اسی طرح ذمّہ دار ہے جس طرح کہ اپنی حرمین کا۔ یاد رکھئے — میری عدالت ایک ضمنی عدالت ہے۔ مسلمانوں کی اصلی عدالت اللہ تعالیٰ کی عدالت ہے۔ جہاں نہ کسی کی جھوٹی شہادت کام آ سکتی ہے۔ نہ کسی بے گناہ کو مجرم ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اُس عدالت کا خیال رکھئے اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیئے کہ آپ میں سے کتنوں نے بچشم خود اسے گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حسن کے اس سوال پر لوگ ایک دوسرے کو یوں تکنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں "ہم نے تو دیکھا نہیں۔ تم نے دیکھا ہے؟"

"میں نے دیکھا ہے۔" آفت کی پرکالہ بڑھیا نے آگے بڑھ کر سینہ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"اور میں نے بھی۔" خلیل کے اندر کا شیطان جاگ اُٹھا۔

اتنے بڑے مجمع میں ان دو کے علاوہ اور کوئی آگے نہ آیا۔ یہ بات حسن کے علاوہ

خود اس مجمع کے لیئے بھی نعجب انگیز تھی جو ان کا حامی و مددگار بن کر یہاں تک آیا تھا۔
حسن بارعب انداز میں متثبت قدم بڑھاتا ہوا بڑھیا کے عین مقابل جا کھڑا ہوا۔ اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

" یہ جاننے کے بعد کہ تم نے اپنی آنکھوں سے عبدل کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہے ہمیں سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس نیم مردہ شخص کی گردن مار دی جائے۔ اور یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اس فیصلہ کو صادر کرتے ہوئے ہماری روح لرز اُٹھے گی۔ کیونکہ یہ فیصلہ ایک ایسے شخص کے لیئے ہوگا جو اپنی نیکیوں کی وجہ سے ہمارے علاوہ اللہ تعالیٰ کو بھی عزیز تھا۔ ہم جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارے گھر کا پروردہ ہے۔ تم اپنی عمر کی جس منزل پر پہنچی ہوئی ہو۔ اس کے پیشِ نظر۔ تمہیں یہاں کے چند روزہ عیش و آرام پر اُس زندگی کو ترجیح دینا چاہیئے۔ جو ہمیشہ کے لیئے ہے۔ اور جہاں دنیا کی کوئی ہستی اپنے آپ کو وہ تسلیم نہیں کرا سکتی۔ جو درحقیقت وہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ بندہ کی کونسی بات اس کی بخشش کا سامان بن جائے —— پھر سوچ لو کہ تمہیں خدا کو منھ دکھانا ہے —— اور بہت جلد —— اپنی قبر کا تصوّر کرو۔ اس جہنّم کا خیال کرو جو بُرے لوگوں کے لیئے دہک رہی ہے۔ اور ایک بار پھر کہو کہ تم نے اپنی آنکھوں سے عبدل کو اس لڑکی کی عصمت دری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

حسن کی ان باتوں سے بڑھیا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی ڈھلان سے اپنی قبر کی طرف لڑھک رہی ہے —— اور وہ قبر —— قبر نہیں بلکہ دہکتا ہوا جہنم ہے جو اسے آناً فاناً راکھ کے ڈھیر میں بدل دے گا —— اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔ وہ اس خوفناک کھیل کو جن عروجی مدارج سے گزار کر یہاں تک پہنچی تھی، اس کے پیشِ نظر

یہ آسان نہ تھا کہ وہ یکبارگی حق بات کہہ دے۔ کیونکہ اس طرح ہجوم کی برہمی اسے فوراً ہی اُس قبر میں دھکیل دیتی جس کی جہنم خیزیوں کے تصوّر سے خوفزدہ ہو کر یہ اعترافِ حقیقت کی طرف مائل ہو رہی تھی۔

"چپ کیوں ہو —— سعدی!" حسن نے اپنے غلام کو آواز دی —"تلوار بنیام سے نکال کر عبدل کی گردن کو نشانہ بنا لو" —— اور وہ پھر بڑھیا کی طرف مخاطب ہوا۔ "اب ہم تمہاری خاموشی سے بھی یہی مراد لیں گے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ سچ ہے —"

ان الفاظ کے ساتھ جب بڑھیا نے دیکھا کہ سعدی ننگی تلوار ہاتھ میں لئے عبدل کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس کا سر چکرا یا۔ اور دھڑام سے زمین پر آ پڑی۔

اسی اثنار میں عبدل کے ساکت جسم میں حرکت سی پیدا ہوئی۔ اس کی خون آلود آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنی شروع ہوئیں اور ڈوبے ڈوبے انداز میں اپنے گردو پیش کا مطالعہ کرتی ہوئی اپنے آقا کے چہرہ سے ٹکرا کر۔ جیسے ایک دم بیہوش ہو گئیں۔

"پانی!" اس کی زبان خشک ہونٹوں کو چاٹنے لگی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے آقا کے قدموں کی طرف گھسٹنے لگا۔ حسن اس یاس انگیز منظر کی تاب نہ لا کر آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کے قدم منوں وزنی ہو کر اسی جگہ جم گئے۔

اس وقت ہجوم کی نفسیات پورے طور پر عبدل کے حق میں سازگار ہو چکی تھی۔ اور بڑھیا کی گھبراہٹ و بکھلاہٹ نے انھیں یقین دلا دیا تھا کہ اس نے یہ ڈرامہ خلیل کے ایماء پر کھیلا ہے۔ اب وہ نیم عریاں لڑکی بھی جو اب سے کچھ دیر پہلے مظلومی کی بھیانک تصویر معلوم ہو رہی تھی، چھٹی ہوئی غنڈی نظر آ رہی تھی۔

"لیکن!" خلیل نے ہجوم کے بسرعت بدلتے ہوئے رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "مجھے انتہائی قلق ہے کہ میری شہادت کو اس قدر اہمیت نہیں دی

جارہی جتنی کہ دی جانا چاہیئے۔"

اُدھر رینگتے ہوئے عبدل کو ہجوم کے کچھ لوگ اس تباہ حالی ہیں نہ دیکھ سکے۔ کچھ نے آگے بڑھ کر اسے اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ ایک شخص دوڑا ہوا گیا اور آبخورہ میں پانی لاکر اس کے منہ کو لگا دیا۔ لیکن جاں بلب عبدل نے اپنے بے جان ہاتھ سے اس آبخورہ کو اپنے منھ سے علیحدہ کر دیا۔ اور اپنے آقا کو کچھ ایسی نگاہوں سے تکنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو۔" کیا میں واقعی اتنا بُرا ہو گیا ہوں کہ آپ کی طرف سے دو بوند پانی کا بھی مستحق نہ ہوسکوں"۔۔۔ اور پھر اس کی نظر سعدی کی برہنہ شمشیر کی طرف پلٹ گئی۔ جو اس کی گردن کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے تھی۔

"مجھے اپنے مالکِ مجازی۔۔ کے قدموں۔۔۔ تک تو ۔۔۔ پہنچ لینے ۔۔۔ دو۔۔۔ سعد۔۔!" یہ اس کے شعور کی آخری آواز تھی ۔۔۔ اس کی آنکھیں مُندنے لگیں۔۔۔ لوگوں نے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے ۔۔۔ اور اس کے فوراً بعد ہی ایک خفیف سے جھٹکے نے اُسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرد کر دیا ۔۔۔ جس شخص کی گود میں اس وقت اس کا سر تھا، اس کی گردن بھی ایک دم نیچے آپڑی ۔۔۔ اور اب وہ وقت آپہنچا جب کہ حسن کے جسم میں خون کی بجائے تیزاب سا دوڑتا محسوس ہوا۔۔۔ اس کے دماغ نے دہکتی ہوئی بھٹی۔ اور دل نے آتش فشاں کی صورت اختیار کر لی۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اور تیوروں سے خون اُبلنے لگا۔ اور یہ ردِ عمل تھا اِس کے اُس صبر و تحمل کا۔ جس پر بہت کم انسان ثابت قدم رہتے ہیں۔ اس کا جسم تیر کھائے ہوئے پرند کی طرح پھڑپھڑا کر عبدل پر آ گرا۔ اس نے ہاتھ کے سہارے عبدل کے چہرے کو اوپر اُٹھایا اس کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی پیشانی کو ایک طویل مشفقانہ بوسہ دیا؛ اور پھر آہنی ستون کی طرح جم کر کھڑا ہو گیا۔

" بڑھیا کو ہوش آنا چاہیئے " اب اس کے لہجہ میں وہ شاہانہ رعب و جلال پوری طرح کارفرما تھا جس سے حاضرین کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔

دوسرے لمحے طبیب شاہی اور اس کا عملہ بڑھیا کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا — چند ثانیے بعد بڑھیا کو ہوش آگیا۔

" بوڑھی عورت! اب تو ہماری حفظ و امان میں ہے۔ حاکمِ وقت تیری سلامتی و سرپرستی کا وعدہ کرتا ہے — اور اس لڑکی کے لئے بھی۔ جو کسی نہ کسی طرح بُرے راستے پر ڈال دی گئی — بے جھجک بولو — کیا یہ سب کچھ درست تھا "

" نہیں عالی جاہ! " بڑھیا یکدم راہ راست پر آگئی ۔ " یہ آپ کی حکومت کو بدنام کرنے کے لئے اس شخص کی ایک چال تھی " ۔ اس نے خلیل کی طرف اشارہ کیا۔

" جھوٹ! بالکل جھوٹ!! " خلیل دہاڑا۔

" احترامِ شاہی ملحوظ رہے ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس ناپاک زبان کو تمہارے حلق سے باہر کھینچ لیا جائے ۔ تمہارے سامنے ابو عطاف نہیں۔ حسن ہے ۔ جس کی شمشیرِ بے امان نے بربرا ایسے باغیوں کو مسجدوں میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ۔ ہمارے خلوص کو بزدلی پر محمول کرنے والو — سُن رکھو ۔ کہ ہم تم ایسے ناہنجار لوگوں کو ان ذلیل کیڑے مکوڑوں میں بھی شمار کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے جو ہماری سپاہ کے پیروں میں رُندتے رہتے ہیں — آج کے بعد سسلی کے امنِ عامہ پر تمہارے شر و فساد کا کوئی جادو کارگر نہ ہوسکیگا کل طلوعِ آفتاب سے قبل ہی تم بلرم سے دفع ہو جاؤ ۔ اور اگلے تین دن کے اندر اندر جزیرہ سسلی سے بھی ۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ کی کوتاہی تمہارے خاندان کی مکمل تباہی و بربادی کا سبب بن سکتی ہے — جاؤ — دور ہو جاؤ ہماری نظروں سے — "

حسن کی شخصیت کا دوسرا رُخ ۔ اس قدر خطرناک ہو سکتا ہے ۔ یہ بات خلیل کے

وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ اور نہ یہ کہ وہ کبھی اس درجہ ذلیل و رُسوا بھی ہو گا۔ اس کی نفسیات پر عوامی مخالفت کا پہلے ہی کیا کم دباؤ تھا کہ حسن نے روئی کی طرح دُھن ڈالا۔ شرم وندامت سے لرزاں وخیزاں ڈھلکی ہوئی گردن کے ساتھ وہ پیچھے مڑا اور ہجوم کے بنائے ہوئے راستے میں غائب ہو گیا۔

"عزیز بھائیو!" حسن کی طبیعت اعتدال کی طرف لوٹنے لگی۔" یہ لاش میری آنکھوں کے لئے ایک ایسا منظر ہے۔ کہ جب بھی میری نظروں میں گھومے گا۔ آنکھیں تر کئے بغیر نہ رہے گا۔ مجھے اس کی موت کا اتنا ہی صدمہ ہے جتنا اپنے جوان بیٹے کی موت پر ہو سکتا تھا۔ بہر حال یہ ایسا ہی ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا —— لڑکی!" اس نے اپنا لبادہ اُتارا اور نیم برہنہ دوشیزہ کی طرف پھینکتے ہوئے بولا —" اس سے اپنے جسم کو پوری طرح ڈھانپ لو اور ہمارے یقین کو تقویت پہنچانے کے لئے عبدل کے سرہانے کھڑے ہو کر وہ سب کچھ کہہ ڈالو جو سچ ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔"

لڑکی۔ جو ابھی ابھی عتاب شاہی سے لرزہ براندام ہو چکی تھی۔ کمال اطاعت گزاری کے انداز میں جسم کو لبادے سے چھپاتی ہوئی عبدل کے سرہانے جا کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ تمام لوگ جو دوری کی وجہ سے اس کے بیان کو اچھی طرح نہ سُن سکتے تھے اس سے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

"چند روز ہوئے میری والدہ نے مجھے بتایا کہ اسے پانچسو اشرفیاں حاصل کرنے کی پیش کش کی گئی ہے۔ کام صرف اتنا ہے کہ ایک شخص کو دھوکے سے اندر لا کر اس پر یہ الزام عائد کرنا ہو گا کہ وہ بری نیت کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوا۔ ہم چونکہ بیحد غریب آدمی ہیں اور میری ماں کو میری شادی کے لئے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ لہذا ہم اس بات کے لئے تیار ہو گئے۔

آج اس واقعہ سے کچھ دیر پہلے میری ماں کو ایک سواری کے ذریعہ بازار لے جاکر ایک شخص کو دکھایا گیا۔ واپسی پر ماں نے مجھے اچھے اچھے کپڑے پہنا کر پچھلے کمرے میں ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ اور سر سے پیر تک چادر میں چھپا کر گلی کے دروازے پر جا بیٹھی خلیل کے بہت سے آدمی راہ گیروں کے بھیس میں اِدھر اُدھر آجا رہے تھے تاکہ موقعہ واردات پر فوراً جمع ہو سکیں۔ جب یہ شخص ہماری گلی میں داخل ہوا تو میری ماں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ اور ـــــ اور ـــــ" لڑکی کی آواز لاعلمی کے موڑ پر ٹھوکریں کھانے لگی۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں آگے بڑھی۔ اور آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو چادر کے کونے سے خشک کرتے ہوئے بولی۔

"اور جب یہ بھلا آدمی میرے قریب پہنچا۔ اور مجھے گریہ و زاری کرتے دیکھا تو جذبہ ہمدردی سے بیتاب ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ میں نے خلیل کے سکھائے کے مطابق اس سے یہ بہانہ کیا کہ میرا جوان بیٹا کئی دن سے بے ہوش پڑا ہے۔ اِس نے مجھے تسلّی وتشفی دی اور اپنے ہمراہی کو اس بات کی تاکید کر کے کہ وہ فوراً طبیب کو لے کر یہاں پہنچے، میرے ساتھ اس کمرے میں آگیا۔ جہاں میری لڑکی چادر اوڑھے لیٹی تھی۔ میں جلدی سے دروازہ باہر سے بند کر کے باہر آئی اور شور و پکار سے لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا ـــــ" یہاں پہنچ کر اس کی ماں سانس لینے کو رُکی ہی تھی کہ ـــــ

"خلیل کی تاکید کے مطابق" لڑکی نے بولنا شروع کر دیا۔ "میں نے اپنے کپڑوں کی دھجیاں اُڑانی شروع کر دیں۔ اور پھر اس بیچارے سے لپٹ گئی ـــــ اور جب دروازہ کھلا ـــــ تو لوگوں کا اژدہام ہمارے سامنے تھا۔ اور ہماری حالت اس قدر مشتبہ تھی کہ دیکھنے والوں کو ایک ہی نگاہ میں اس کے گنہگار

ہونے کا یقین ہو گیا "——"

"بس کرو" حسن نے ہاتھ بلند کیا۔ "عبدل کی تجہیز و تکفین کا شاہانہ بندوبست کیا جائے۔" اس نے اپنے اہلکار کو حکم دیا —— "اور" اس کی بھیگی بھیگی نگاہوں کا رُخ مجمع کی طرف ہو گیا —" اب میں یہاں زیادہ دیر نہ ٹھہر سکوں گا۔ خدا حافظ!" وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو یہیں چھوڑ کر محل کی طرف مُڑ گیا ؛

طوفانی عزائم

عبدل کے خونِ ناحق نے بلرم کے عوام کو ہی نہیں، بلکہ ان خاص خاص لوگوں کو بھی خلیل سے متنفر کر دیا تھا جو اسے حق و راستی پر سمجھ کر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ اور یہ نفرت و حقارت ایسی نہ تھی جسے معاملہ فہم حضرات بآسانی ضبط کر لیتے۔ عبدل کی موت کے بعد ہزاروں اشخاص مختلف گروہوں کی شکل میں "کاشانۂ خلیل" پر جمع ہو گئے اور اپنے مخالفانہ نعروں سے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اس کے دروازے کے سامنے اس کی مصنوعی نعش تیار کی گئی۔ اور اس پر اس قدر تھُوکا گیا کہ اسے دیکھ کر گھن آنے لگی۔ ایک اور گروہ چند بازاری کتّوں کو پکڑ لایا اور ان کے گلوں میں خلیل کے نام کی تختیاں ڈال کر انھیں کاشانۂ خلیل میں ہنکا دیا۔ خلیل گھر میں موجود تھا اور اس خوف و خطر سے لرزہ براندام کہ کہیں یہ مشتعل ہجوم اس کے مکان میں نہ گھس پڑے۔ اس وقت وہ زنانخانہ میں بیٹھا تھا اور چاہتا تھا کہ آنے والی کل کے بارے میں غور کرے، کہ اس مصیبت نے دل و دماغ کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ مستورات کا یہ عالم تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ لیکن صہبا ان سے کچھ مختلف نظر آ رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ یہ قیامت اس کے خلاف توقع نہ تھی اور اس نے خلیل کی ناجائز باغیانہ سرگرمیوں کے پیش نظر پہلے سے ہی اس بُرے وقت کو نگاہ میں لے رکھا تھا۔ اس کے چہرے کی فاتحانہ سنجیدگی پر

ناگزیر سے تعاون کرنے کا بہادرانہ جذبہ کارفرما تھا۔ اور وہ پورے کاشانۂ خلیل میں اکیلی لڑکی تھی جس کے ہوش و حواس مکمل طور پر درست تھے۔ اور اس شورِ قیامت کے درمیان بھی ان مسائل پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھی جن کے لئے اب بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا۔

خلیل عالمِ اضطراب میں اپنے کمرے کے چکر کاٹنے لگا۔ کچھ دیر بعد نچلی منزل میں کتوں کی آوازیں سن کر وہ دریچہ پر پہنچا اور کھڑکی کھول کر جو نیچے دیکھا تو اسے بے شمار کتے اِدھر اُدھر دوڑتے نظر آئے۔ جن کے گلے میں پڑی ہوئی تختیوں پر مختلف عبارتیں تحریر تھیں۔ اسمٰعیل ہاتھ میں برہنہ شمشیر لئے صحن میں ہانفتا ہوا کھڑا تھا۔ کتوں کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا دیکھ کر اسمٰعیل نے دربان کو للکارا۔

"احمق آدمی۔ دروازہ بند کیوں نہیں کر دیتا۔"

دربان۔ جو خوفزدہ سا ایک طرف کھڑا ہوا تھا۔ ایک زوردار جست کے ساتھ اسمٰعیل کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"اس وقت ان کے سامنے آنا۔ موت سے مقابلہ کرنا ہے۔ میں تو اتنی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میں کر سکتا ہوں۔" اسمٰعیل نے تنک کر کہا۔ اور آگے بڑھا ہی تھا کہ اوپر سے خلیل چلّایا۔

"آگ سے کھیلنے کی کوشش مت کرو۔"

خلیل کی آواز سن کر اسمٰعیل ایک لحہ کے لئے ٹھٹکا۔ اور اس کے قدم پھر دروازے کی طرف لپکنے لگے۔ دروازے کے دونوں پٹ پہلے ہی بند تھے، صرف کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ شاید ہجوم نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ شہر کے تمام کتے اندر پہنچا دیئے جائیں۔

اندر کتوں کی ریل پیل جاری تھی کہ اسمٰعیل مردانہ وار یہاں پہنچا اور انتہائی پھرتی کے ساتھ کھڑکی بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ اور فوراً ہی لوٹ کر صحن میں پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا" خلیل نے اوپر سے پوچھا۔

"کھڑکی بند کر دی ہے۔ کم از کم کتوں کی لعنت سے تو چھٹکارا ملا"

یہ سلسلہ۔ جو سرِ شام جاری ہوا تھا کہیں مغرب کے بعد ختم ہوا۔ اور خلیل کے گھر والوں کو یوں معلوم ہوا جیسے وہ ایک تباہ کن طوفان کی زد سے نکل آئے ہوں۔

خلیل نے محل سے لوٹتے ہی "کاشانۂ خلیل" میں آباد قبیلۂ بنو طبری کے تمام مردوں کو بعد نماز مغرب نچلی منزل میں جمع ہونے کی اطلاع کرا دی تھی تاکہ باہمی صلاح و مشورہ سے کوئی بہتر راستہ اختیار کیا جا سکے۔ چنانچہ وقت مقررہ تک "کاشانۂ خلیل" کے تمام مرد نچلی منزل میں جمع ہو گئے۔ آخر میں جب خلیل اپنی رہائش گاہ سے یہاں پہنچا تو اسے دیکھ کر بعض کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ خلیل حکومت کے لئے خواہ کتنا ہی بُرا تھا مگر اپنے قبیلہ کی بہبود اور نظم و اتحاد کے سلسلہ میں اس کی خدمات کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ یہ خلیل کا ہی دم تھا کہ اس نے "کاشانۂ خلیل" ایسی عظیم الشان عمارت تعمیر کرا کے اپنے قبیلہ کو متحد و یکجا کر رکھا تھا۔ آج سالہا سال کے بعد اچانک ہی ان کا قیام معرضِ خطر میں آگیا تھا۔ اس وقت ہر شخص "اب کیا ہو گا" کی تصویر بنا ایک دوسرے کا منھ تک رہا تھا۔ ندامت سے نڈھال و زار خلیل نے حاضرین کے درمیان بُجھے بُجھے لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"جو بھی ہوا۔ اور جو بھی ہو گا۔ فی الحال اس پر تنقید و تبصرہ کرنا بیکار ہے۔ آج ڈھلتی رات مجھے بلرم کی حدود سے نکل جانا ہے۔ اس راہ پر میری پہلی منزل مسینا

ہو گی۔ اور دوسری ۔۔ جنوبی اٹلی ۔ جہاں صوبہ کلبریہ میں ہمارا حلیف سرد غوس بر سر اقتدار ہے۔ اس سفر میں میرے ہمراہ صرف چند آدمی ہوں گے۔ آپ سب کو یہیں رہنا ہے۔ میرے جانے کے بعد کاشانۂ غلیل " آپ کی ملکیت ہو گا۔ اور اسے انھیں مقاصد کے لئے استعمال ہونا چاہیئے جن کے لئے اس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ غلیل کے نصب العین نے ٹھوکر کھائی ہے ۔ دم نہیں توڑا۔ اس کا یہ نصب العین اس کے ساتھ جا رہا ہے۔ اور وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب کہ آپ کا یہ مجروح نصب العین سسلی میں ایک ایسا طوفان بن کر واپس آئے گا کہ اس کی زد میں آنا، قبر میں اترنے کے مترادف ہو گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اس دن کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ اگر میرا کام یہ ہے کہ میں عیسائیوں کو آمادۂ جنگ کر کے سسلی پر چڑھائی کروں۔ تو آپ کا یہ کام ہے کہ آپ اس انقلاب کے لئے یہاں کی زمین کو پوری طرح ہموار کر رکھیں۔ اگر آپ نے عقلمندی اور تندہی سے کام لیا۔ تو یقین رکھیئے کہ بالآخر۔ سسلی پر آپ ہی کی حکومت ہو گی۔ میں کوشش کروں گا کہ مستقبل کے دستور العمل سے متعلقہ معلومات آپ کو بروقت پہنچتی رہیں۔

اس مختصر سی تقریر کے بعد میں آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہوں گا۔ کیونکہ کام جتنا زیادہ ہے، وقت اتنا ہی کم ہے ۔۔ خدا حافظ!"

اس کے بعد غلیل اپنے خاص خاص احباب سے بغل گیر ہو کر اپنے زنانخانہ کی طرف چل دیا ۔۔ صہبا ۔ جو دریچے کے پیچھے کھڑی باپ کی یہ زہریلی تقریر سن رہی تھی۔ اس کی ڈھٹائی اور پختہ کاری پر عش عش کر اٹھی۔ اس نے کھڑکی کی درز سے غلیل کو گھر کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ لہذا جلدی سے پلٹ کر کنیزوں کو ہدایات دینے لگی۔

آج قصرِ شاہی میں عبدل کے چہلم کی فاتحہ ہے۔ چونکہ یہ تقریب بہ نفسِ نفیس حسن کی طرف سے عمل میں آئی تھی لہٰذا اس میں معززینِ شہر کے علاوہ قبیلۂ بنو طبری کے ان تمام مقامی و غیر مقامی سرداروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جو اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے لئے سرِ فہرست تھے۔

عبدل کا چہلم ایک ایسا موقعہ تھا کہ قبیلۂ بنو طبری کا اس میں شرکت نہ کرنا حکومت کی نگاہ میں اپنی وفاداری کو شک و شبہ میں ڈالنا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے سو کام چھوڑ کر اس میں شامل ہوئے اور فاتحہ خوانی میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا

حسن کو سسلی آئے آج پورے پچپن روز ہوئے تھے۔ اس قلیل سے عرصہ میں اس نے اپنے حسنِ تدبّر اور شب و روز کی لگاتار محنت سے سسلی کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ وہ صحیح معنوں میں "مملکتِ اسلامی" کہلانے کی مستحق ہو گئی تھی۔ حسبِ سابق سسلی کو پانچ صوبوں میں تقسیم کر کے اس کے انتظامی امور ایسے لوگوں کے سپرد کئے تھے جو خلفائے راشدین کی پیروی کے لئے مشہور تھے۔ محکمہ شرطہ (پولیس) محکمہ جیوش (فوج) اور محکمہ قضاۃ وہ شعبے تھے جن پر بیت المال کے دروازے حیرت انگیز طور پر وا تھے ـــ خصوصاً محکمہ شرطہ کو تو اتنا قوی تر بنا دیا گیا تھا کہ ان کی تعداد ہر پانچویں شہری پر ایک کے تناسب سے نظر آتی تھی۔ حالانکہ واقعی طور پر ایسا نہ تھا۔ فوج جس تعداد میں وہ افریقہ سے اپنے ہمراہ لایا تھا، اب اس سے چار گنا زیادہ تھی۔ جسے سسلی کی مشہور جنگجو قوموں سے مرتب کیا گیا تھا اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ خاص خاص شہروں میں جاسوسوں کا وسیع ترین جال پھیلا ہوا تھا۔ جو باغیوں کی ریشہ دوانیوں اور عوامی رجحانات سے حکومت کو وقت کے وقت مطلع کرتا رہتا تھا ـــ غرض یہ پچپن روز۔ تعمیری اعتبار سے بجائے خود ایک "معجزہ" تھے۔ جس پر قرب و جوار کی غیر مسلم حکومتیں

انگشت بدنداں تھیں۔ عام خیال کے مطابق سسلی میں ایک اچھی حکومت کا قیام چار پانچ سال کے عرصہ سے کم مدت میں ممکن نہ تھا۔ اہالیانِ سسلی کو ایک عرصہ کی پرآشوب زندگی کے بعد یہ دور دورۂ امن و سکون حاصل ہوا تھا۔ بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار جو غیر یقینی حالات کے پیش نظر اپنے کاروبار کو التوا میں ڈالے ہوئے تھے اب پھر نئے سرے سے کام کاج کرنے لگے تھے۔

عبدل کی فاتحہ خوانی سرِ شام سے شروع ہو کر رات گئے تک جاری رہی۔ تقریب کے خاتمہ پر حسن نے سب سے پہلے معززینِ شہر کو رخصت کیا۔ اس کے بعد بنو طبریٰ کی باری تھی۔ یہ لوگ ایک گروہ کی شکل میں حسن سے مصافحہ کر کے باہر نکلے اور احاطہ کے دروازے کو پار کر کے اپنی اپنی راہوں پر منتشر ہونا ہی چاہتے تھے کہ ایک فوجی دستہ نے جو نیزوں کا حلقہ بنائے پہلے سے تیار کھڑا تھا، پورے گروہ کو اپنے حصار میں لے کر انھیں بوریوں کی طرح ان گھوڑا گاڑیوں میں پھینکنا شروع کر دیا جو چاروں طرف سے بند ان کے انتظار میں قطار وار کھڑی تھیں۔ اور اس سے پہلے کہ یہ باغی گروہ معاملہ کی نوعیت کو سمجھتا، کرشمۂ طلسم کی مانند زمین کا یہ ٹکڑا وجودِ انسانی سے یکسر خالی ہو گیا۔ جیسے یہاں کوئی موجود ہی نہ تھا۔

اس واقعہ کا پس منظر باغیوں کی وہ سرگرمیاں تھیں جو جنوبی اٹلی میں سکونت پذیر خلیل کے رشتۂ بغاوت سے عنقریب ایک انقلابِ عظیم کی صورت میں رونما ہونے والی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ سینکڑوں سرگروہوں کا ایکا ایکی اس طرح گرفتار کر لیا جانا خصوصاً ایسی شکل میں جب کہ وہ بظاہر ایک وفادار شہری معلوم ہوتے تھے، عوام کی تشویش کا سبب بن سکتا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں خلیل کی ارسال کردہ دستاویزات۔ اور سسلی کے باغیوں کی جوابی تحریریں خصوصی ذرائع سے حسن کی تحویل میں آچکی تھیں۔ اور یہ

پیغامات ایک بار تو باغیوں کو قابلِ گردن زدنی تصوّر کرانے کے لئے بھی کافی تھے۔ حسن نے تو انھیں صرف گرفتار ہی کیا تھا۔

اگلے روز

جب کہ عبدل کی فاتحہ خوانی میں شرکت کرنے والے بنو طبری کے سردار صبح تک اپنے گھروں کو نہ پہنچے تو ان کے متعلقین کو فکر و تشویش ہوئی اور وہ انھیں تلاش کرنے کے لئے نکل پڑے۔ چونکہ انھیں حکومت کی نیت پر پہلے ہی شبہ تھا۔ لہٰذا اس یقین کے ساتھ کہ اچانک اتنے زیادہ آدمیوں کا غائب ہو جانا کسی منظم سازش کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے اپنے نعروں سے پورے شہر میں کھلبلی مچا دی۔

دوسری طرف حکومت کے لئے ان کا یہ اقدام خلاف توقع نہ تھا۔ لہٰذا علی الصباح سرکاری ایلچی بے شمار سپاہیوں کی نگرانی میں خلیل اور سسلی کے باغیوں کی دستاویزات کی تشہیر کے لئے نکل پڑے۔ تمام دستاویزیں ٹین کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر چپکی ہوئی تھیں، جنھیں بانسوں میں باندھ کر سپاہیوں نے علم کی طرح اُٹھایا ہوا تھا۔ ان سے ذرا آگے ایلچی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ٹھہر کر سرکاری پیغام کو دُوہرا رہے تھے ان سے آگے کئی خچروں پر دونوں طرف بڑے بڑے نقارے تھے جو لوگوں کو جمع کرنے کے لئے زور زور سے پیٹے جا رہے تھے۔ نقاروں کی آواز سُن کر لوگ جمع ہونے لگتے۔ اور جب یہ اجتماع جمِ غفیر کی شکل اختیار کر لیتا تو نقاروں پر ضربیں پڑنی بند ہو جاتیں اور ایلچی اپنا کام شروع کر دیتے۔

امن پسند بھائیو

ہمارا اور آپ کا یہ خیال غلط نکلا کہ عبدل کی لرزہ خیز قربانی کے بعد۔ قبیلۂ بنو طبری کے لوگ اپنی باغیانہ روش سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ ان

کا سردار خلیل آج کل جنوبی اٹلی میں اسلام دشمن عیسائیوں کا مہمان ہے
اور نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کو سسلی کی اسلامی حکومت پر حملہ آوری کی
ترغیب دے رہا ہے بلکہ سسلی میں موجود قبیلۂ بنو طبری کے سرداروں سے
بھی متقاضی ہے کہ وہ یہاں کے امن و امان کو تباہ و برباد کر کے ان کے
خوفناک عزائم کو سہولت پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ محض افواہ نہیں ہے۔
خلیل اور اس کے وفادارانِ سسلی کی جملہ خط وکتابت ان کی اپنی تحریروں
میں برائے ثبوت موجود ہیں جو ہر شخص بچشم خود ملاحظہ کر سکتا ہے ——
گرفتار شدگان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے سسلی کے حق پسند عناصر
پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے تھے۔ یہ شکایات حکومت کو پہلی دعوتِ
عام میں موصول ہوئی تھیں "۔

اعلان سننے کے بعد لوگ ان دستاویزات پر لوٹ پڑتے جو باغیوں کے ظاہرہ چلن
کے پیش نظر ان کے لئے انتہائی حیرت انگیز تھیں۔

اس طرح ابھی اس سرکاری جلوس نے نصف شہر کا دورہ بھی مکمل نہ کیا تھا کہ باغیوں
کے متعلقین۔ حقائق کے اس انکشاف سے بھیگی بلیوں کی طرح اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے
اور حسن کی اس حکمت عملی نے سسلی میں پیدا شدہ اس لعنت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا
جو مملکت اسلامی کی راہِ ترقی میں پہاڑ کی طرح حائل تھی۔

دِل گدازیاں

جزیرۂ سسلی مشرق و مغرب کے درمیان حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جنوبی سمندر مشرقی ممالک کے ساحلوں کو چومتا ہے۔ اور شمالی سمندر۔ صرف دو ہی میل کی دوری پر جنوبی اٹلی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ سسلی کے شمال میں یہاں کا مشہور شہر مسینا ہے۔ اور دو میل چوڑی سمندری لکیر کے اُس طرف جنوبی اٹلی کا پہلا شہر ریو آباد ہے۔ ریو کے پیچھے مغربی طاقتوں کی حدیں ایک دوسرے سے ہم آغوش، مغربی برّاعظم پر محیط ہیں۔

کسی زمانہ میں سسلی کے پرجوش مجاہدوں نے۔ مسینا کے سامنے بہتی ہوئی اس سمندری لکیر کو ایک ہی جست میں عبور کر کے ریو پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس کے محدود رقبہ پر مسلمانوں کی گرفت اس قدر سخت رہی تھی کہ نہ تو یہاں کسی گھریلو بغاوت نے سر اُٹھایا اور نہ وہ عیسائی حکمراں ہی کچھ بگاڑ سکے جو ان کے پہلوؤں میں بیٹھے چھیڑ چھاڑ کے بہانے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ خصوصاً حاکمِ کلبریہ سرد غوس۔ جو سات ہزار مربع میل کے صوبہ میں خودمختار فرمانروا کی حیثیت سے جما ہوا تھا۔

ریو۔ صوبہ کلبریہ ہی سے چھینا ہوا ایک شہر تھا جو ایک بار پھر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں پہنچ چکا تھا۔ لیکن آج بھی یہاں کافی مسلمان آباد تھے۔

سِسلی سے نکالا ہوا خلیل پچھلے تین ماہ سے سرد غوس کا مہمان تھا۔ اور حکومتِ سِسلی کی تباہی و بربادی میں اس شدومد کے ساتھ مصروف رہا تھا کہ اسے اپنے وجود کا احساس بھی نہ رہا تھا۔ اس کی تجاویز کے مطابق تین ماہ کے اختتام پر کلبریہ کی فوجیں سسلی کی طرف کوچ کرنے والی تھیں۔ لیکن اب ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ قبیلہ بنو طبری کی سازشوں کا وہ جال جو اس کی ہدایات پر سسلی میں بچھایا گیا تھا، حسن کے علم میں آچکا تھا۔ اور آج سرزمینِ سسلی ان تمام زہریلے باغیوں سے پاک تھی، جو یہاں خلیل کے معاون و مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ اس جھٹکے نے خلیل کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ اب اس نے اپنے جنگی زاویۂ نگاہ میں حالات کے مطابق تغیر و تبدل کر کے از سر نو تیاریاں شروع کی تھیں۔

اسمٰعیل۔ جو خلیل کے خاندان کے ایک رکن کی حیثیت سے اس کے ہمراہ یہاں تک پہنچا تھا۔ ان تین مہینوں میں اپنے وفادارانہ برتاؤ، مافوق الفطرت عادات اور اعلیٰ ترین جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے آج خلیل کا دستِ راست تھا۔ نیز وہ واحد شخصیت، جسے خلیل سب سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اپنی بیٹی صہبا سے بھی زیادہ۔ شاید اس لئے کہ وہ اس کے رشتۂ خون کے باوجود اس کے خیالات سے متفق نہ تھی۔ اور اسمٰعیل ایک غیر شخص ہوتے ہوئے بھی اس کے جذبات و احساسات کا عکسِ مثنیٰ ثابت ہو رہا تھا۔ خلیل کئی بار گھر میں بیٹھ کر کہہ چکا تھا۔

"اسمٰعیل نے اپنی اطاعت و جاں نثاری سے میری اس خواہش کو ختم کر دیا ہے جو ایک بیٹے کے لئے تھی۔"

خلیل۔ اسمٰعیل کی ذہانت و ذکاوت سے اس درجہ متاثر تھا کہ کوئی اہم معاملہ اس کی اصلاح و مشورہ کے بغیر انجام نہ پا سکتا تھا۔ نیز وہ اس کے ساتھ ہر وہ سلوک

روا رکھنا چاہتا تھا، جو اپنے بیٹے کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ خلیل سے اس قدر قریب ہو جانے کے بعد یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کی گھریلو دنیا سے اجنبی رہ سکتا۔ خلیل کا گھر اس کا اپنا گھر تھا۔ شروع شروع صہبا کی طرف سے آڑ موڑ کا پردہ حائل رہا، جو آگے چل کر اسمٰعیل کی بڑھتی ہوئی قدر و منزلت کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔۔۔ اور پیمانہ حسن و جوانی میں چھلکتی ہوئی صہبا۔۔۔ بیک نگاہ۔۔۔ اسمٰعیل کے ساغرِ دل میں سما گئی۔ اسمٰعیل کی اُداس تنہائیاں صہبا کے تخیلی جلوؤں سے جگمگانے لگیں۔ اس کے خشک و تلخ شب و روز فردوسی بہاروں میں لہرانے لگے۔۔۔ ایک کیف زا تصور۔۔۔ ایک خوشگوار ماحول۔۔۔ اور ایک حسین ترین مقصد حیات نے اس کی اصلیت کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ جہاں زندگی ہی زندگی تھی۔ حسن ہی حسن تھا۔ محبت ہی محبت تھی۔ لیکن اس کی نفسیات کے برعکس۔۔۔ صہبا کی زندگی اُسی نہج پر برقرار تھی، جس پر اس کا لڑکپن استوار ہوا تھا۔ اس کی نوجوانی آج بھی نیک مقاصد کی علمبردار تھی۔ اور انھیں مصروفیات پر مرکوز۔ جو اس کی عاقبت کو سہارا دے سکتی تھیں۔ یہاں اس کی منہ بولی بہن آمنہ۔ اس کی دلچسپیوں میں ایک نیا اضافہ تھی۔ چونکہ یہ دونوں بلرم میں اپنے متضاد سیاسی خیالات کا مظاہرہ کر چکی تھیں۔ لہذا اب طرفین کی طرف سے اس بات کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ان کی دوستی پر سیاسی نظریات اثر انداز نہ ہو سکیں۔۔۔ جیسا کہ پچھلے ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ آمنہ اسلام دشمنی میں اپنے باپ سرد غوس سے کئی ہاتھ آگے بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس صہبا۔۔۔ ایک باغی باپ کی بیٹی ہو کر بھی ان لوگوں کے لئے ہمیشہ دست بدعا رہا کرتی تھی جو صحیح معنوں میں اسلامی مفاد کے وفادار تھے۔ وہ مذہب اسلام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں سرخرو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے خیال میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب تھا جو حیاتِ انسانی کو روحانی قدروں

سے مالامال کرکے ان کے تحفظ و سلامتی کا ضامن ہو سکتا تھا۔ اور بالکل یہی خیالات عیسائی مذہب کے لئے ایئی کے تھے ـــــ بالفاظ دگر ـــــ صہبا اور ایئی کی دوستی آگ اور پھونس کی دوستی تھی۔ جو کسی بھی مرحلے پر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ لوگ اپنی اس نازک حیثیت سے بے خبر نہ تھے۔ اور یہی سبب تھا کہ دورانِ گفتگو میں یہ دونوں ضرورت سے زیادہ احتیاط برتتے تھے۔

صہبا کے مقابلہ میں ایئی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ اپنے ان جذبات سے عاری نہیں تھی، جو کسی جوانی کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اسے اپنی ادھوری زندگی کا شدید احساس تھا۔ اور یہ سب کچھ گلبرٹ کا رہینِ صحبت تھا جو اپنی محبت کی پے در پے یقین دہانیوں سے، بجائے اس کے کہ ایئی کو اپنے حق میں ہموار کر سکتا۔ اسے صرف اس قدر احساس دلا سکا کہ " یہ زندگی۔ جو وہ گزار رہی ہے۔ مکمل نہیں۔ اور اگر وہ چاہتی ہے کہ زندگی کی حقیقی راحتوں سے لطف اندوز ہو۔ تو اسے جلد از جلد ایک ساتھی منتخب کر لینا چاہیئے " ـــــ بظاہر گلبرٹ کی ذات میں ایئی کو کوئی خامی نظر نہ آتی تھی جس کے لئے وہ اس کے معیار سے گر سکتا۔ سوائے اس کے کہ کسی زمانہ میں وہ ایک مسلمان رئیس کی لڑکی پر عاشق ہو کر اپنا مذہب تک چھوڑنے پر تیار ہو گیا تھا یہ الگ بات تھی کہ لڑکی کے والدین نے محض شادی کے لالچ میں اپنے مذہب سے دستبردار ہونا اس کی اخلاقی کمزوری خیال کیا۔ اور حالات جہاں تک بڑھے تھے وہیں ختم ہو رہے۔

ان دنوں پُرشباب ایئی عجیب کشمکش میں مبتلا تھی ـــــ اس نے خلیل کے گھر میں جو شاہی محل کے احاطہ ہی میں واقع تھا، ایک خوش جمال نوجوان کو دیکھا۔

ـــــ بارے میں اسے معلوم ہوا کہ ـــــ

"وہ خاندانِ اغالبہ کے حکمران طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ خاندانِ اغالبہ عیسایئوں کا محسنِ اعظم تھا۔"

اِس نے سُنا کہ ــــ

"وہ سسلی کے موجودہ والی حسن کو قتل کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ اور گرفتار کر لیا گیا۔"

حسن کے بارے میں ایِنی کو معلوم تھا کہ وہ ایک بیدار مغز اور بہادر شخص ہے۔ چنانچہ ایسے مسلمان کی موت ایِنی کے لئے ہزاروں عیدوں کی ایک عید تھی۔ اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ خود بھی ایسا ہی کرتی جیسا کہ اس شخص نے کیا۔

اس نے سُنا کہ

"وہ حسن کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے انتہائی کوشاں ہے۔"

اگر آج ایِنی سے یہ دریافت کیا جاتا کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے۔ تو اس کی جانب سے جواب ملتا "سسلی میں حسن کے اقتدار کا دیوالہ۔"

اس نے سُنا کہ

"وہ صرف ایک شکیل و وجیہہ سورما ہی نہیں۔ ایک ماہرِ فن سپہ سالار بھی ہے۔ اور حاکمِ سسلی کے خلاف لڑی جانے والی جنگ میں اس کے لئے تیسرا بڑا عہدہ مخصوص ہوچکا ہے۔ نیز وہ اس خفیہ معاہدہ کی رو سے بھی ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے۔ جو خلیل اور سردغوس کے درمیان طے پایا ہے۔"

آج ایِنی کے لئے ہر وہ شخص قابلِ احترام تھا جو حصولِ سسلی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینا چاہتا ہو۔

اس شخص کا نام اسمٰعیل تھا ــــ اسمٰعیل ــــ جو گزرتے وقت کے ساتھ ایِنی کی رگ و پے

ہیں رچا جا رہا تھا، اس سے پیشتر ہی کہ وہ اس سلسلہ میں کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ سکتی۔ دوسری طرف اسمٰعیل اس کے ان وسوسوں سے اسی طرح بے پروا تھا۔ جس طرح اس کی اپنی محبت سے صہبا۔ اپنی کو کئی بار اسمٰعیل سے ہمکلام ہونے کا موقعہ ملا تھا۔ اور اپنی آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے وہ سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی جو اس کے دل پر بیت رہی تھی۔ مگر ایک انجانے جذبہ کے تحت وہ اس جرأت کی سزاوار نہ ہو سکی۔

"کہیں وہ صہبا کی حق تلفی تو نہیں کر رہی ہے۔" یہ خیال ابتدا میں کئی بار اس کے ذہن میں گونجا۔ لیکن صہبا کی طرزِ روش اور دونوں کے متضاد خیالات کے پیش نظر اس کا یہ وہم جلد ہی دور ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے یوں محسوس ہوا گویا اسمٰعیل ازل سے اس کے حق میں محفوظ ہے۔ اور حالات خواہ کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں۔ اس کی زبان اظہارِ محبت سے کتنی ہی قاصر کیوں نہ رہے۔ ایک روز ایسا ضرور آئے گا جب کہ وہ اسمٰعیل کی بساطِ زندگی کا ایک اہم ترین مہرہ ہو گی۔

بے مثال جنگی جنون

وقت کا پہیّہ

اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ گھومتا رہا — گھومتا رہا — اور اس کے ساتھ۔ ان لوگوں کی رفتار بھی تیز تر ہوتی گئی۔ جو زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اب جنوبی اٹلی کا صوبہ کلبریہ۔ جو خلیل کے اشتراکِ عمل سے سسلی کی اسلامی حکومت پر قیامت کی طرح ٹوٹنا چاہتا تھا۔ اپنے اندازہ سے کئی گنا زیادہ جنگی استحکام حاصل کر چکا تھا۔ کلبریہ کے تمام خوش حال باشندوں کی دولت — مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ آلاتِ حرب میں ڈھل رہی تھی۔ متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ بھی ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ نہ تھے ہر شخص کی کمائی کا آٹھواں حصّہ خزانۂ شاہی کی ملکیت تھا۔ اکثر خاندان ایک وقت کی روٹی پر گزارہ کر رہے تھے۔ حکومت کا یہ اقدام اس قدر سنگین تھا کہ اس سے فوراً بغاوت کی آگ بھڑک سکتی تھی۔ لیکن حاکمِ کلبریہ سردغوس نے اس بغاوت کے امکانات کو بڑی خوبصورتی سے دبایا ہوا تھا۔ اس کا اعلان تھا۔

"آپ کی دولت عمالِ حکومت کے عیش و آرام پر نہیں۔ سسلی کی خرید پر صرف ہو رہی ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ آپ دنیا کے بازار میں اپنے مشترک سرمایہ سے ایک ایسی

دُکان کا سودا کر رہے ہیں جو چند ہی روز میں آپ کی اداشدہ رقوم واپس کر دیگی اور اس کے بعد جو مستقل منافع ہوگا اس سے آپ کی پشت ہا پشت فائدہ اُٹھائے گی سسلی کے ذرائع آمدنی لامحدود ہیں۔ سونا اُگلنے والی زمین۔ جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے۔ معدنیات کی بیش بہا کانیں۔ کروڑوں کا مال کھپانے والے تجارتی مراکز۔ بیسیوں زرخیز بندرگاہیں ـــ بحیثیت فاتح۔ یہ سب کچھ آپ کا ہوگا۔ آپ کے بلند ترین معیارِ زندگی کو دیگر ممالک رشک کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس کے علاوہ اگر ہم دُکانِ سسلی کے حصول میں ناکام بھی رہے۔ تو حاکمِ کلبریہ آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ دس سال تک ان واجبات کو طلب نہیں کرے گا جو ہر رعایا کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں ـــ آج جی کھول کر دیجئے۔ اور کل جی بھر کر لیجئے۔"

اپنے اس اعلان کا حکومت نے صوبہ کلبریہ میں اس قدر پرچار کیا تھا کہ یہاں کے باشندوں کو یہ جملے حفظ ہو گئے تھے۔ اور یہی مستقبل کے وہ سنہرے خواب تھے جن کی للک نے اہلِ کلبریہ کو اپنی ہر شے جنگی داؤ پر لگا دینے کی توفیق عطا کی تھی۔ وہ ایک وقت روٹی کھا کر۔ اور اپنے بچوں کو بھوک سے روتا دیکھ کر بھی خوش تھے۔ شاید اس لئے کہ اس افلاس سے ان کا جذبۂ امارت تسکین پا رہا تھا۔ انھیں ان تکالیف میں اپنے بچوں کے شاندار مستقبل کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔

اس طرح کلبریہ کا جنگی جنون ایک ان دیکھی "نوعیت" اختیار کر گیا۔ کل تک کلبریہ کے جن قلعوں میں چوپائے بندھتے تھے۔ اور جن کی شکستہ حالی سالہا سال سے فریادی تھی ـــ آج وہ ہر جنگی مصلحت سے آراستہ۔ انتہائی شان و شکوہ کے ساتھ سربفلک تھے۔ ان کی مرمت و استحکام پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ اور اب عمّالِ حکومت ان کی طرف سے یوں مطمئن تھے گویا وہ ان کی بنیادوں میں

پگھلا ہوا سیسہ اُتار چکے ہیں۔ گھریلو استحکام محض حفظ ماتقدم کے طور پر تھا۔ ورنہ وہ یہاں سے کوچ کر کے سسلی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ہر قلعہ میں دس پانچ ہزار فوج جنگی مشقوں میں مصروف اہلِ سسلی کے لیے ملک الموت ثابت ہونے کے درپے تھی۔ مغربی ممالک میں شاید ہی کسی فوج کی اتنی خاطرداری و ناز برداری ہوئی ہو گی۔ جتنی کہ اس زمانہ میں افواج کلبریہ کی ہوئی۔ انھیں اعلیٰ ترین ملبوسات اور مجرّب و مرغن غذاؤں کے علاوہ ہر وہ شے مہیّا کی جارہی تھی۔ جو سپہ سالاروں کی طرف سے ضروری خیال کی جائے۔ اس سلسلہ میں جائز و ناجائز خواہشات کی تمیز بھی روا نہ رکھی گئی تھی۔ چنانچہ جن قلعوں میں سپاہیوں کے دستے جدید اسلحہ جات پر ہاتھ صاف کرتے پائے جاتے تھے۔ وہاں کبھی کبھی مہ وشانِ کلبریہ اپنی دلنواز جمال آرائیوں کے ساتھ —— سپاہیوں میں خم لنڈھاتی۔ اور اپنے برق پاش جلوؤں سے ان کے دلوں کو گرماتی دکھائی دینے لگتی تھیں۔ سرد غوس کو یہ سب کچھ معلوم تھا۔ اور یہ احساس بھی تھا کہ لوگوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو اس لہو ولعب پر صرف نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب کہ سپاہیوں کی ذراسی دل شکنی اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر سکتی تھی۔ چنانچہ وہ ان باتوں کو کڑوے گھونٹوں کی طرح گوارا کر رہا تھا۔ اور اس وقت کو قریب سے قریب تر لانے کی کوشش بھی۔ جب کہ وہ ان بدعنوانیوں کو حکماً بند کرا سکتا تھا۔

اِن دنوں سرد غوس کی طرف سے یہاں کے گلی کوچوں میں ہر روز نئے نئے اعلانات سُننے میں آرہے تھے۔

"اگر دشمن نے کلبریہ پر حملہ کیا۔ تو آپ کیا کریں گے۔"

"اگر کسی وقت کلبریہ فوج اور پولیس سے پوری طرح خالی ہو جائے۔ تو آپ

حالات کو معمول پر رکھنے کے لئے کیا رویہ اختیار کریں گے۔"

"دشمنوں کی پھیلائی ہوئی افواہوں پر ہرگز کان نہ دھریے۔ صحیح وہی ہے جو ہماری طرف سے کہا جائے۔"

"عورتیں زخمیوں کی بہترین خدمات انجام دے سکتی ہیں۔ جو بہنیں اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہیں۔ اپنے نام محکمہ "خدمتِ خلق" کے رجسٹر میں درج کرادیں۔ لباس و خوراک کا انتظام حکومت کے ذمہ ہوگا۔"

اور آج کا تازہ ترین اعلان۔ کلبریہ کے دارالخلافہ جراجہ کے سب سے بڑے چوک میں سُنیئے۔ سرکاری اعلانچی ہزاروں کے اجتماع میں بکھلایا ہوا کھڑا ہے۔

"سرفروش عیسائیو!

وہ وقت آپہنچا۔ جس کا تم مدت سے انتظار کر رہے تھے۔ آج سے صرف اکیس روز بعد ہماری پرشکوہ فوجیں سسلی کی طرف روانہ ہو جائیں گی — یہ غنیمت ہے کہ اس وقت ہمارے پاس دشمن سے کئی گنا زیادہ فوج ہے۔ لیکن پھر بھی۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمارے جنگی وسائل زیادہ سے زیادہ امید افزا ہوں۔ چنانچہ ہم۔ ہر اس شخص سے جس کی عمر اٹھارہ سے چالیس سال تک ہے۔ ملک و قوم کے نام پر پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی خدمات "نوآموز فوج" کے لئے وقف کردے۔ ہر شہر کے بڑے قلعہ میں جنگی تربیت کے لئے مراکز قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اکیس روزہ تربیت کے بعد۔ یہ نوآموز کلبریہ کی فوج کا وہ حصہ ہوں گے۔ جو اشد ضرورت کے وقت ہی میدان میں اُتارا جا سکے گا۔ کھانا کپڑا حکومت دے گی۔ نیز اس کے متعلقین کے لئے مناسب اخراجات بھی — آپ کی

سرفرازی۔ آپ کے اپنے عمل پر منحصر ہے۔ بیش از بیش تعداد میں شامل ہوکر اپنے مستقبل کو تابناک بنائیے۔"

آپ کا پُرخلوص خادم۔ سردغوس

یہ اعلان حکومت کی طرف سے ایک ایسے وقت پر جاری کیا گیا تھا جب کہ یہاں کے لوگوں کا معیارِ زندگی انتہائی پست ہوچکا تھا۔ اور بعض خاندانوں کو ایک وقت کی روٹی کے بھی لالے تھے۔ لہٰذا ایسے تمام لوگ بھوکے بھیڑیوں کی طرح تربیتی مراکز کی طرف دوڑ پڑے۔ اور پانچویں روز جب ایسے لوگوں کا شمار کیا گیا تو وہ کلبریہ کی فوج کا نصف حصّہ تھے۔ واضح ہو کہ کلبریہ کی فوج ان دنوں ہر مغربی ملک سے زیادہ تھی۔

ان عظیم الشان جنگی تیاریوں نے پورے یورپ کو حیرت زدہ کردیا۔ اور وہ مغربی حکومتیں جو سردغوس کے ان عزائم کو "ہوائی قلعے" سے زیادہ اہمیت نہ دیتی تھیں، پوری دلچسپی کے ساتھ وقت سے پہلے ہی جزیرۂ سسلی کو ان کی ملکیت سمجھنے لگیں ——— اب وہ خوش حال مغربی حکومتیں جنھوں نے سردغوس کو جنگی تیاریوں کے لیے قرض دینے سے انکار کردیا تھا، ایک معقول منافع سے محروم ہوجانے پر سخت متاسف تھیں۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ سردغوس اپنی جناتی کوششوں سے اس قدر یقینی حالات پیدا کرلے گا۔ تو شاید یہ لوگ سردغوس کی پیش کش سے بھی کم منافع پر اس کی مالی امداد پر تیار ہوجاتے اب سردغوس نے خود اپنے ملک سے اس قدر دولت حاصل کرلی تھی کہ وہ ایک سال تک بغیر کسی مزید مدد کے مصروفِ جنگ رہ سکتا تھا۔ حالانکہ سسلی کی جنگ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں اپنے انجام کو پہنچ سکتی تھی۔

اُدھر اینی کے شیدائی، گلبرٹ کو نہ جانے کس طرح یہ معلوم ہوگیا کہ اسٹیل اپنی بہادری و

جانبازی کے لئے اینی کے دل میں گھر کرچکا ہے۔ لہذا اس نے اپنی شجاعت و جوانمردی
کا شاندار مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے چنیدہ فوجی دستے کے ساتھ محاذِ سسلی پر
معرکہ آرائی کا خاص طور پر انتظام کیا۔ اور اس بیان کے ساتھ کہ وہ اس جنگ میں اپنے
مذہبی جذبات کی تسکین کے لئے حصّہ لے رہا ہے — اپنے طور پر یہ اعلان بھی کر گزرا کہ
جو شخص والی سسلی حسن کا سر کاٹ کر لائے گا ——— " اسے نہ صرف ملک
کا بہادر ترین انسان سمجھا جائے گا" بلکہ ایک ہزار اشرفیوں کا انعام بھی حاصل کرے گا۔
اس اعلان سے گلبرٹ کی مراد یہ تھی کہ اس مقابلہ میں خود کو کامیاب ثابت کر کے
اینی کے دل سے اس اثر کو زائل کردے، جو اسمٰعیل کی طرف سے قائم ہے۔ اس مقصد کے
لئے وہ تاربینا میں اپنا قائمقام چھوڑ کر کلبریہ کے دارالسلطنت جراجہ میں پہنچ چکا تھا۔
سسلی کی اسلامی حکومت کے خلاف دشمنوں کی طاقت کا اس درجہ زور پکڑنا، کچھ ا
ظاہر کر رہا تھا۔ گویا خدا کو سسلی پر حسن کی حکومت پسند نہیں ہے۔ اور جن لوگوں کو وہ ا
کا اہل سمجھتا ہے۔ انھیں اپنی برکتوں سے فیضیاب کر کے آگے بڑھا رہا ہے۔ جراجہ سے
چوبیس میل کے فاصلہ پر ریّو میں بیٹھے ہوئے مسلمان، عیسائیوں کی ان بے پناہ طوفا
تیاریوں سے اس قدر مرعوب و خوفزدہ تھے کہ اگر انھیں حسن کی طرف سے تسلّی بخش پیغام
نہ پہنچتے، تو یا تو وہ ریّو کی سکونت ترک کر کے سسلی میں پہنچ جاتے۔ یا پھر غلیل کے ہمنو
بن کر اس طوفان کا ایک حصّہ بن جاتے جو عنقریب سسلی کو اپنی لپیٹ میں لینے والا تھا۔
اس موقعہ پر مناسب ہوگا کہ غلیل اور سردغوس کے اشتراکِ عمل کی نوعیت پر
روشنی ڈال دی جائے۔
یوں تو اس خفیہ معاہدہ کی تفصیلات کافی طول و طویل ہیں۔ لیکن مختصر طور پر یوں سم
لیجئے کہ۔ غلیل نے اپنے آپ کو سسلی کے ایک حقیر سے ٹکڑے پر فروخت کر دیا تھا۔

ٹکڑا شکلہ نامی ایک ساحلی شہر پر مشتمل تھا۔ جس کی آبادی بیس پچیس ہزار کے لگ بھگ اور سالانہ آمدنی ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ تھی۔

یہ معاہدہ سسلی میں قبیلۂ بنو طبریٰ کے سرداروں کی گرفتاری کے بعد دوسری بار قرار پایا تھا۔ اس سے پہلے جب کہ خلیل کے ہزاروں حامیوں نے کلبریہ کے عیسائیوں کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا، تو خلیل کامیابی کی صورت میں صوبۂ سیراکیوز کا واحد حکمران تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن سرداروں کی گرفتاری۔ اور قبیلۂ بنو طبریٰ کی حکومت سے حلفیہ پیمانِ وفاداری کے بعد پہلا معاہدہ برقرار نہ رہ سکا اور خلیل کو اپنی اور اسمٰعیل کی جنگی خدمات کے صلہ میں محض شکلہ پر اکتفا کرنا پڑا۔

اعلانِ جنگ

یہ مملکت اسلامی سسلی کا دارالخلافہ بلرم ہے۔

آج

حسن اور اس کے جواں سال بیٹے احمد کا وقت اہم ترین مصروفیات میں گزرا ہے
صبح ان لوگوں نے اپنے عزیز و اقارب کے درمیان چند ضروری امور پر صلاح
مشورہ کیا۔

دوپہر کو سسلی کے وہ تمام بڑے بڑے عہدیدار جنھیں فوری طور پر طلب کیا گیا
تھا، ایک جلسۂ خاص کی صورت میں ان کے سامنے تھے۔ اور حسن اور احمد یکے
بعد دیگرے عصر کے وقت تک انھیں آئندہ دستورالعمل کے بارے میں اپنے جدید
احکامات تحریر کراتے رہے۔

اب مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر انھیں ایک جلسۂ عام کو خطاب کرنے
کے لئے وسطِ شہر کے ایک میدان میں پہنچنا تھا۔

اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ کل صبح اسلامی فوج جنوبی اٹلی کی طرف کوچ
کرنے والی تھی۔

سسلی میں آنے کے بعد حسن کی یہ پہلی عوامی تقریر تھی۔ اور وہ بھی ایک ایسے

موقعہ پر جب کہ اس کی ہر دلعزیزی کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ لہٰذا جلسہ گاہ کی وسعت سامعین کی کثرت کا دباؤ نہ سہہ سکی۔ اور منتظمین کو مزید گنجائش پیدا کرنے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر بھی بہت سے افراد مناسب جگہ نہ پا سکے اور جلسہ کا وہ خوبصورت نظم جو بڑی محنت سے قائم کیا گیا تھا تہہ و بالا ہو گیا۔

حسن اور احمد کے یہاں پہنچتے ہی نواحی بستیاں "والیٔ سسلی۔زندہ باد" کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ تھوڑی دیر بعد جب یہ شور کم ہوا اور حسن، احمد اس کے رفقاء اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو کلبلاتا ہوا اجتماع دم بخود ہو کر حسن کی عجیب و غریب شخصیت میں کھو گیا۔

اس وقت حسن جو لباس زیب تن کئے ہوئے تھا، اس کی مجموعی قیمت ایک مزدور پیشہ کے لباس سے کچھ زاید نہ تھی۔ موٹے سوت کے ڈھیلے ڈھالے کُرتے میں کندھے پر لگا ہوا پیوند لوگوں کی حیرانی میں اور بھی اضافہ کر رہا تھا۔ معمولی عقال، اور تنگ گھیر کا اُٹنگا پائجامہ۔ یہ تھی کُل کائنات اس جسم کی جو بارِ حکومت کو سہارے ہوئے تھا۔ احمد کی ہیئت بھی اپنے باپ سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ان معمولی کپڑوں میں بھی ایک بارُعب و دل نشین شخصیت کا مالک تھا۔

جلسہ کی ابتدا حسبِ معمول کلام پاک کی ایک آیت سے ہوئی۔ ہزاروں میں انتخاب سرکاری قاری نے اپنے مخصوص طرزِ تلاوت سے وہ سماں باندھا کہ لوگوں کی قوّتِ سامعہ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ اور جب تلاوت ختم ہو گئی تو یوں محسوس ہوا گویا تشنگی دور ہوئے بغیر ہی پانی کا کٹورا ان کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا ہو۔

بعد ازاں — حسن اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور چند قدم آگے بڑھ کر اپنی مخصوص پُروقار متانت کے ساتھ بولنا شروع کیا —

برادرانِ ملک و ملّت!

آج ایک مدّت ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے تجربہ میں آئے ہوئے۔ جب میں۔ ایک اجنبی کی حیثیت سے۔ مازر کی بندرگاہ پر اُترا تھا۔ تو میں نے کہا تھا کہ میں آپ پر حکمرانی کرنے نہیں۔ آپ کی خدمت کرنے آیا ہوں اور میرا مقصد حصولِ امارت نہیں۔ بلکہ ایک اعلیٰ مملکتِ اسلامی کا قیام ہے۔ آج میں آپ کے پیشِ خدمت ہوں۔ اور آپ کو اس بات کی پوری آزادی ہے کہ آپ۔ میرے اس قول کی روشنی میں میرا محاسبہ کریں۔ میں یہ تو کہہ سکتا ہوں۔ کہ میں نے اپنے اس قول کو۔ اپنی تمام تر امکانی کوششوں کے ساتھ نباہنا چاہا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔ کہ میں نے جو کچھ کہا تھا۔ اُسے پورا کر دکھایا ہے۔ انسان اپنی ذات کے لئے اچھا مصلح ہوسکتا ہے۔ لیکن اپنا اچھا نقّاد نہیں ہوسکتا۔ لہذا اس اُمید پر کہ میری خادمانہ اولوالعزمیوں کے ساتھ کچھ کمزوریاں بھی ضرور سرزد ہوئی ہوں گی

میں آپ سے پُرزور درخواست کروں گا
کہ اگر آپ کے علم میں ایسی کوئی بات
ہو۔ تو اُسے میرے سامنے لائیں ۔ اگر
آپ نے ایسا نہ کیا ۔ تو خدا کی قسم۔
مجھے سخت افسوس ہوگا ۔ مجھے سخت افسوس
ہوگا کہ آپ اپنے ایک مخلص خادم کے
ساتھ ۔ انصاف نہیں کر سکے ۔ میری نگاہ
میں وہ بہتر نہیں ہے ۔ جو میری خوبیوں
ہی کو شمار کرتا ہے ۔ بلکہ صحیح معنوں
میں بہتر وہ ہے ۔ جو میری خوبیوں سے
زیادہ میری خامیوں پر دھیان دیتا ۔ اور
اس سے مجھے مطلع کرتا ہے ۔ میں جاننا
چاہوں گا کہ اتنے بڑے اجتماع میں ۔ کتنے
لوگ ہیں جو میرے حق میں بہتر ثابت
ہونا چاہتے ہیں ۔

اس جملے کے بعد حسن خاموش ہوگیا۔ اس نے جلسہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک، کئی بار نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن ایک بھی ایسا نہ نکلا۔ جو اسے اس کی کسی خامی سے روشناس کراسکتا۔

"مگر حسن آپ کی عدم توجہی سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوسکتا "۔ اس نے مسکراتے ہوئے

کہا۔ "شاید آپ اس کے لئے پہلے سے تیار نہیں تھے۔ آئندہ کے لئے مجھے امید ہے کہ آپ میرے احتساب سے بے خبر نہیں رہیں گے۔

اب میں اس موضوع کی طرف آتا ہوں جو اس اجتماع کا رُوحِ رواں ہے۔

میری رائے میں اس کی ابتدا حاکمِ کلبریہ کے اس پیغام سے ہونا چاہیئے جو کل ان کے قاصدوں کی طرف سے ہمیں دستیاب ہوا ہے۔"

اتنا کہہ کر حسن نے اپنی جگہ اپنے نوجوان بھتیجے ابنِ عمار کے لئے خالی کردی جو الف لیلیٰ کے شہزادوں کی روایات کا حامل نظر آتا تھا۔ اس نے گولائی میں لپٹے ہوئے ایک لمبے کاغذ کا تھوڑا سا حصّہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

حاکمِ کلبریہ سردغوس

اور

اس کے حلیف خلیل بن حنان کی طرف سے

غاصبِ سسلی۔ حسن کے نام

بعد تاکید، بغور مطالعۂ پیغامِ ہٰذا۔ واضح ہو کہ۔

ا۔۔۔ آپ نہ تو اہالیانِ سسلی کی جانب سے پسندیدہ ہیں۔ اور نہ ان مسلمانوں کی طرف

سے - جو وہاں اکثریت میں آباد ہیں - اگر
آپ جملہ حالات سے با خبر ہیں - تو آپ
کو معلوم ہوگا کہ سسلی کے ہزاروں خاندان
آپ کی جابرانہ حکومت کی بدولت - قرب و
جوار کے ملکوں میں منتقل ہو چکے ہیں - اور
یہ سلسلہ تاحال جاری ہے - اس نقلِ
سکونت سے جس صوبہ کو سب سے زیادہ
معاشی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے - وہ
صوبۂ کلبریہ ہے - اور اس حیثیت سے
ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم اِن بدعنوانیوں
کا سدِباب کرنے کی کوشش کریں -
۲ --- سسلی کے مختلف علاقوں (خصوصاً ٹاربینا)
سے جو عیسائی خاندان یہاں پہنچے ہیں - اور
انہوں نے آپ کے انسانیت سوز مظالم کی
جو داستانیں ہمیں سُنائی ہیں - ان کے
مدِ نظر ہم اپنے مسیحی بھائیوں کو ایک
روز کے لئے بھی آپ کے رحم و کرم
پر نہیں چھوڑ سکتے - اور نہ اس وقت
تک چین سے بیٹھ سکتے ہیں - جب تک
کہ ان پر کئے گئے جور و استبداد کا

منصفانہ بدلہ نہ لے لیں۔

۳ —— قبیلۂ بنو طبری کے سرداروں کو جس بزدلی و غدّاری کے ساتھ گرفتار کیا گیا ہے۔ وہ اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ خلیل کی ہر دلعزیزی اور حاکمانہ اہلیت سے بیحد خائف ہیں۔ اور بجز مکر و فریب آپ کے پاس اور کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جس سے اس کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن خلیل کا حق اتنا بودا نہیں ہے کہ اس پر آپ کی مکّاریاں غالب آسکیں وہ اپنی صحیح حیثیت میں ظاہر ہونے کا عہد کر چکا ہے۔

۴ —— ہمیں تمہارے اس ناپاک ارادے کا بھی علم ہو چکا ہے کہ تم سسلی سے عیسائیوں کو نکال کر ان کی جگہ افریقہ کے نو مسلموں کو بسانا چاہتے ہو۔ نیز تمہاری خواہش ہے کہ اس جزیرہ کو... جو صدیوں عیسائیوں کی تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ عیسائیوں کے وجود سے پاک کر دیا جائے۔ تمہاری یہ متعصبانہ ذہنیت، اور تنگ نظری ہمارے جذبۂ قومی پر

کس قدر گراں گزری ہے ۔ یہ تمہیں بہت جلد معلوم ہوجائے گا۔

ہم نہ تو مذکورہ بالا الزامات کی تردید چاہتے ہیں ۔ اور نہ شرائطِ صلح ۔ ہمارا اور مسلمانانِ سسلی کے ہیرو خلیل کا ایک ہی مطالبہ ہے ۔ اور وہ یہ کہ تم تین روز کے اندر اندر ۔ اپنے ان تمام حاشیہ نشینوں کے ساتھ ۔ جو افریقہ سے تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ سسلی کی حدود سے باہر ہوجاؤ ۔ اور اس طرح ان لوگوں کو جینے کا موقعہ دو ۔ جو جیتے جی جینے کو ترس رہے ہیں۔

ہمارے اس مطالبہ پر غور کرتے ہوئے تمہیں مخلوقِ خدا کی قتل و غارت گری کے اس منظر کو نظر میں رکھنا چاہیئے ۔ جو سو فیصد تمہاری اپنی فوج کے حصہ میں آنے والا ہے ۔ اس موقعہ پر ہم اپنی جنگی تیاریوں کا ہلکا سا نماکہ پیش کرتے ہیں ۔ خدا کرے ہمارا یہ اقدام تمہیں ہوش میں لے آئے ۔

پیدل فوج ———— ایک لاکھ

سوار ———— پچیس ہزار

قدیم وجدید آلاتِ حرب ———— آٹھ عدد - فی نفر

سنگبار و آتش بار کلیں ———— چوبیس عدد

صف شکن ———— بیس عدد

دیوار شکن ———— دس عدد

تیر کش ———— ایک سو سے اوپر

ذخائر خور و نوش ———— باندازِ ایک سال

علاوہ ازیں اس جنگ میں تمہیں کچھ ایسے نادر و نایاب جنگی ہتھیار بھی دکھائی دیں گے جن سے اس سے قبل تمہیں کبھی واسطہ نہ پڑا ہوگا - تمہاری زندگی میں یقیناً یہ پہلا موقعہ ہوگا - جب کہ مقابل دشمن نے اپنی رازداریوں کا اس دلیرانہ طریق پر انکشاف کیا ہو - اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں تم اس انکشافِ حقیقت کو "جنگی چال" تصوّر کر کے اُسی نیا ہی کا شکار نہ ہو جاؤ جس کے لئے ہم اس رازداری کو طشت از بام کرنے پر تیار ہوئے ہیں -

ہماری اس صادق القولی کا مظاہرہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ تم کوئی تاریخ مقرر کرکے ریو کے مقام پر آجاؤ اور یہاں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ ہمیں یقین ہے کہ اس نظارہ سے تمہاری ساری جرأت و بہادری موقعہ پر ہی دم توڑ دے گی۔ یہ پیشکش از راہِ ایثار ہے۔ محض اس لئے کہ تمہاری پردیسی فوج اپنے بال بچوں سے دور لقمۂ گور نہ ہو۔

یاد رکھو!

اگر تم ہمارے حکم کے مطابق تین روز کے اندر اندر سسلی کی حدیں پار نہ کرگئے تو چوتھے روز صبح ہماری فوجیں سسلی میں ہوں گی۔ اور اس کے بعد سوائے جنگ کوئی اور چارہ کار نہ ہوگا۔

سسلی سے نکل جاؤ۔ یا اپنی قبریں کھود کر ہمارا انتظار کرو۔ کیونکہ اس وقت تمہیں اس قدر مہلت نہ مل سکے گی۔

ہمارے قاصدوں کو ایک روز سے زیادہ نہ روکا جائے۔ تاکید ہے۔

پیغام ختم کر کے ابنِ عمار اپنی جگہ آ بیٹھا۔ اور دوسرے ہی لمحہ اس کی جگہ احمد نے لے لی۔ سردغوس کے گستاخانہ پیغام نے عوام کے دل و دماغ پر جو اثرات مرتب کئے تھے۔ وہ اس قدر اشتعال انگیز تھے کہ بعض غیور مسلمان تو فرطِ غضب سے تھر تھر کانپنے لگے۔ اور اس فرعونی اندازِ تخاطب پر بے اختیار "انتقام انتقام" پکار اُٹھے۔ معاً جلسہ کی بگڑی ہوئی فضا میں ایک پُر جوش آواز تیر گئی۔

" اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ اپنے بندوں سے بے انصافی نہیں ہونے دیگا۔ ہرگز نہیں "۔ احمد نے ہنگامی حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔

" یہ ٹھیک ہے۔ کہ اس جیسی ذلت انگیز تحریر۔ ہماری آنکھوں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اور نہ اتنا بڑا جھوٹ۔ جو ان کی طرف سے بولا گیا ہے —— اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اللہ کی رضا جوئی کے ساتھ۔ ہم ان کی حرکتِ نازیبا کا محاسبہ کئے بغیر نہ رہیں گے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم مغلوب الجذبات ہو کر اپنی صحیح الدماغی کو صدمہ پہنچائیں۔ غم و غصّہ کو صبر و شکر میں بدل ڈالئے۔ اور موقعہ دیجئے کہ میں آپ کے پُرسکون دل و دماغ سے مخاطب ہو سکوں "۔

احمد کے ان فقروں کا کافی اچھا اثر پڑا۔ اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو شعلوں کی لپیٹ میں محسوس کر رہے تھے، صبر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو بیٹھے۔

" سردغوس "۔ احمد نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔" اپنے پیغام میں صرف ایک بات سچ لکھ سکا ہے۔ اور یہ وہ تفصیل ہے جو اس نے اپنی جنگی تیاریوں کے بارے میں پیش کی ہے۔ بالکل یہی تفصیل ہمیں اپنے مخصوص ذریعۂ اطلاعات سے بھی موصول ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں اس پیغام میں اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جسے معقولیت کے ساتھ زیرِ بحث لایا جائے۔

سردغوس کے قاصد آج دوپہر کو ہمارے جواب کے ساتھ رخصت ہو چکے ہیں۔ اس جواب کی نقل آپ کے علم میں لانا ضروری ہے"

احمد نے لبادے کی بغلی جیب سے ایک کاغذ نکال کر باآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

سرشارِ توحید۔ ابوالغنائم حسن بن علی کا جواب

بسلسلۂ پیغام

عزت مآب سردغوس والیٔ کلبریہ

اور

ان کے حلیف خلیل بن حنان

بعد دعائے خیر و سلامتی۔ عرض گزار ہوں کہ آپ کی تاکید کے بموجب آپ کے پیغام کا ایک ایک لفظ بڑے غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا گیا۔

آپ نے میری ذات پر جو الزامات عائد کئے ہیں۔ میں اپنے آپ کو خدا کے حضور متصوّر کر کے جوابدہ ہوں کہ۔

سسلی ان مسلمانوں کی امانت ہے۔ جنہوں نے اسے حاصل کرنے کے لئے ہزاروں قیمتی جانیں قربان کیں۔ اور اسے بزورِ شمشیر فتح کیا۔ یہ سب افریقہ کی اسلامی حکومت کے بھیجے ہوئے تھے۔ اور ان تمام اخراجات

کے کفیل بھی ۔ جو تسخیرِ سسلی کیلئے ضروری تھے ۔ ہیں اسی دربارِ خلافت کا ارسال کردہ والی ہوں ۔ اور اس انتخاب کے لئے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے "جائز و ناجائز" ہونے پر قیاس آرائیاں کرے ۔
سوائے ان باغی عیسائی اور مسلمانوں کے ۔ جنھیں آپ کی اور خلیل کی ذات سے بشرطِ اقتدار سلوکِ خاص کی توقع ہے ۔ سسلی سے اور کسی نے ترکِ سکونت نہیں کی ۔ اور ایسے باغیوں کی تعداد بھی دو چار سو سے زیادہ نہیں ہوسکتی ۔ شاید آپ کے لئے یہ حقیقت موجبِ حیرت ہو کہ سسلی کی پُر امن اور بلند زندگی ۔ دیگر ممالک کے جن باشندوں کو یہاں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دے رہی ہے ۔ ان میں عیسائیوں کی اکثریت ہے جس کا مشاہدہ سسلی کے بازاروں میں بیک نگاہ کیا جاسکتا ہے ۔

۲ — خدا گواہ ہے کہ نہ تو میری جانب سے کسی عیسائی کو اذیت پہنچائی گئی ہے اور نہ میں اس درجہ بُرا ہوسکتا ہوں کہ

کسی غیر مذہب کے پیرو کو اس لئے تکلیف
دوں کہ وہ میرے مذہب سے تعلق نہیں
رکھتا۔ میرا مذہب دوسرے مذہبوں کا احترام
کرنا سکھاتا ہے۔ ان کو پریشان کرنا نہیں۔
حسنؑ کے بارے میں ایسا سوچنا۔ اس کے
مذہب پر شبہ کرنا ہے۔

۳ــــ قبیلۂ بنو طبری کے گرفتار شدہ سردار
آپ کی اعانتِ جرم کے ساتھ جس سزا
کے مستحق تھے۔ وہ "گردن زدنی" تھی۔ لیکن
میری غیوّر طبیعت نے یہ پسند نہ کیا کہ
ایک جیسی حیثیت رکھنے والے کچھ تو اس
لئے قتل ہوجائیں کہ انصاف کا ہاتھ ان
کے گریبان کے قریب ہے۔ اور کچھ اس
لئے بچے رہیں کہ وہ انصاف کی دسترس
سے دور ہیں۔ اگر وقت نے وفا کی۔ اور
اللہ کو منظور ہوا تو ان کا مقدمہ پورے
گروہ کی دستیابی کے بعد عدالت میں لایا
جائے گا۔

مکر و فریب کے علاوہ میرے پاس اور
کیا کچھ ہے ــــ یہ جلد ہی آپ کے

سامنے آجائے گا ۔ اور آپ بآسانی اندازہ لگائیں گے کہ حسن کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں ہے ۔

۴ــــ حقیقت یہ ہے کہ میں تاریخی یادگاروں کی حفاظت کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کرنے پر غور کر رہا ہوں ۔ قطع نظر اس سے کہ "کیا ہے ۔ اور کس کی ہے ۔" میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے معلوماتی ذرائع کو معتبر بنانے کی کوشش فرمائیں۔ آپ نے مطالبہ کیا ہے کہ ہم تین روز کے اندر اندر سسلی سے نکل جائیں۔ دوسری جانب ہمارے عزائم کا تقاضہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ کر کے تین دن کے اندر اندر آپ کو کلبریہ سے باہر نکال پھینکنے کی کوشش کریں ۔ لہٰذا آپ کی جنگی تیاریوں کو اصل سے دوچند ــــ تسلیم کر لینے کے بعد ــــ ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اپنے عزائم کے تقاضہ کو لبیک کہیں ـــــ"

"مرحبا!" سامعین چیخ اُٹھے۔

"جزاک اللہ!!"

"بہت خوب!" سامعین سے شور اُٹھا۔

"یہ وہی ہے۔ جو ہمارے دل میں تھا"

احمد نے مطالعہ جاری رکھا۔

"اور چونکہ ہم آپ کی نو گوئیوں اور فرعونی ارادوں کو امنِ عامہ کے سخت منافی خیال کرتے ہیں۔ اور اس فیصلہ کے ساتھ کہ ہم حق پر ہیں۔ اپنی پیشقدمی کا اعلان کرتے ہیں۔ سہ شنبہ کی صبح کو ہماری فوج کلبریہ کے لئے کوچ کرے گی اور اس کے بعد آپ سے جہاں بھی ملاقات ہو۔"

احمد نے جواب کی نقل کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے اپنے مخصوص لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"ہمیں آج سے بہت پہلے ہی حاکمِ کلبریہ اور خلیل کے ناپاک ارادوں کا پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ جس حد تک ممکن ہوا۔ ہم نے اپنے آپ کو مضبوط کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید ہم انہیں اس قدر جلد دنداں شکن جواب نہ دے سکتے ۔۔۔ کل علی الصباح آپ کی فوج میسنا کی طرف کوچ کر رہی ہے۔ آپ کے جو ذمہ دار خادم ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔ ان کی جگہ موزوں ترین قائمقام مقرر کر دیئے گئے ہیں جو حسبِ سابق آپ کی خدمت کرتے رہیں گے ۔۔۔"

"جنابِ والا!" ایک نوجوان نے جو اپنے لباس سے عیسائی معلوم ہوتا تھا۔

کھڑے ہو کر احمد کی توجہ کو ٹہوکا دیا ——

"فرمائیے!" احمد نے تسلی آمیز لہجہ میں دریافت کیا۔ "کیا کہنا چاہتے ہیں آپ! آگے آجائیے —— آئیے!!"

نوجوان اتنے بڑے جلسہ کی توجہ کا مرکز بن کر کچھ سٹ پٹا سا گیا۔ احمد کا اشارہ پاکر چند منتظمین اس کے قریب پہنچ گئے اور لوگوں کے درمیان راستہ بنا کر اسٹیج کے قریب لا کھڑا کیا۔

"بیدھڑک بولئے۔ آپ کی تشفّی ہمارا فرض ہے۔ احمد نے سہارا دیا۔

"جناب والا" —— اس نے رُک رُک کر کہنا شروع کیا —— "میں ایک وفادار عیسائی کی حیثیت سے —— یہ شکایت کرنا چاہتا ہوں کہ —— اس جنگ میں۔ جو جھوٹ اور سچ کے نام پر لڑی جارہی ہے۔ آپ نے ہمیں —— کسی بھی خدمت کے لائق نہیں سمجھا۔ اس بات سے ہمیں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے —— کہ حکومت کو ہم پر بھروسہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد —— سابقہ والیوں کے دوش بدوش اکثر جنگوں میں حصّہ لیتے رہے ہیں۔"

یہ سُن کر حسن آگے بڑھا۔ اور منصفانہ لہجہ میں گویا ہوا۔

"آپ کی حبّ الوطنی اور وفاشعاری قابلِ ستائش ہے۔ ہم اپنی اس عدم توجہی کے لئے آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔ اور استدعا کرتے ہیں کہ آپ اپنے لئے جو بھی خدمت مناسب خیال کریں۔ اُسے اختیار کر لیں۔ اس ضمن میں ہم آپ کو مسلمانوں سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائیں گے۔"

"ہم جنگ میں حصّہ لینا چاہتے ہیں۔" جلسہ کے ہزاروں افراد عیسائی نوجوان کے ہمنوا بن کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر عیسائی نوجوان احساسِ

سرخروئی سے ایک دم کھِل اُٹھا۔

"لیکن اب اس کا صحیح وقت گزر چکا ہے"۔ حسن نے کہا۔ "صرف آج کی رات باقی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ چھوٹے چھوٹے دستوں میں میسینا پہنچتے رہیں۔ وہاں اس مقصد کے لئے ایک مرکز قائم کر دیا جائے گا۔ یہ محاذِ جنگ سے قریب تر جگہ ہے جہاں سے ہم آپ کو حسبِ ضرورت بُلاتے رہیں گے۔ کیا آپ لوگوں کو یہ طریقہ پسند ہے"۔

"بیشک!" عیسائیوں نے رضامندی ظاہر کی۔

"ہم آپ کی اس معاونت کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے — اور کچھ؟"

"حاکمِ سسلی ابوالغنائم حسن بن علی!" نوجوان عیسائی نے نعرہ لگایا۔

"زندہ باد!!" فضا تھرّا اٹھی۔

"سسلی کی اسلامی حکومت!"

"پائندہ باد!!"

"جھوٹا سرد غوس!"

"تباہ و برباد ہو!!"

"ایسا نہ کہیئے"۔ احمد چیخا۔ "کہیئے — حق کی — فتح ہو"۔

"حق کی!" عیسائی نوجوان نے احمد کے الفاظ دُہرائے۔

"فتح ہو!!"

میدانِ جنگ

پیر کلبریہ ہے

جراجہ کے دیوانِ شاہی میں سردغوس اپنے خصوصی رفقار کے ساتھ جنگی منصوبہ بندی میں مصروف ہے۔ حسن کا جواب آج چراغ جلے موصول ہوا تھا اور اس کے فوراً بعد ہی ایک گشتی چھٹی کے ذریعہ یہ اجلاس طلب کر لیا گیا۔

جوبؔ۔ اینیؔ۔ گلبرٹؔ۔ خلیلؔ اور اسمٰعیلؔ اس اجلاس کی نمایاں شخصیات تھیں۔

"جہاں تک میں سوچ سکی ہوں" اینی نے گلبرٹ کی اس تجویز کو کہ ہمیں جراجہ کی حدوں پر مورچے قائم کرنے چاہئیں ___ رد کرتے ہوئے کہا۔ "جراجہ کی حدوں کو میدانِ جنگ بنانے کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہم اپنے اس خوبصورت شہر کو کھنڈر بنانے کے اسباب پیدا کر رہے ہیں۔ جراجہ کو کیوں معرضِ خطر میں ڈالا جائے۔ جب کہ ہم بآسانی ریو کی سرحد کو جنگی اکھاڑہ بنا سکتے ہیں۔ بلکہ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہمارا ٹکراؤ سسلی کے ساحلی شہر مسینا پر ہو۔"

"یہ صورت خارج از بحث ہے"۔ سردغوس نے ٹوکا۔ "اسلامی فوج چل پڑی ہے۔ اور حالیہ اطلاع کے مطابق۔ اگر اس نے کوچ جاری رکھا تو آدھی رات تک وہ مسینا آ لگے گی۔ البتہ ابھی اتنا وقت ہے کہ ہم ریو کی سرحد پر

مورچے جما سکیں"۔

"میں کافی سوچ چکا ہوں"۔ اسمٰعیل پُر اعتماد لہجہ میں بولا "اور میرے خیال میں اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہے کہ اس جنگ کا فیصلہ جراجہ کے دروازے پر رونما ہو"۔

ایمی اسے حیرت سے تکنے لگی۔ گویا پوچھ رہی ہو "کیا کہہ رہے ہو تم"۔

"آپ یہ کیوں بھولے جا رہے ہیں"۔ اسمٰعیل نے بیان جاری رکھا "کہ سسلی بجائے خود زمین کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور زمین کا ٹکڑا جنگ نہیں کر سکتا۔ جنگ وہ کرے گا جو سسلی کی ملکیت کا دعویدار ہے — اور یہ دعویدار — خواہ کسی بھی مقام پر شکست کھائے — سسلی اپنی جگہ فاتح کا حق ہو گی — اگر آپ جراجہ کے محاذ پر سسلی کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر کر اس کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ تو جراجہ سے سسلی کے جنوبی ساحل تک آپ کی پیشقدمی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔ اطمینان سے سسلی پہنچئے۔ اور اپنا حق سنبھال لیجئے۔ ہمارا نصب العین حکومتِ سسلی کو پچھاڑنا ہے۔ خواہ یہاں پچھاڑیں۔ یا بلرم میں۔ انجام وہی سسلی کی فتح۔

جراجہ کے دروازے پر لڑنے میں ہمیں بے شمار فوائد حاصل ہوں گے۔ مثال کے طور پر ہم اپنے وسائل سے بالکل متصل ہوں گے۔ رسد کے لوٹنے کا کوئی امکان نہ ہو گا۔ چوطرفہ جنگ کی بجائے صرف ایک ہی رُخ پر کامیابی سے جنگ کر سکیں گے۔ فوج سفری تکان سے محفوظ رہے گی۔ تازہ دم دستوں کو حسبِ ضرورت میدان میں اُتارا جا سکے گا۔ اور ان سب پر بالا یہ کہ دشمن پر فتح پانے کے بعد۔ سسلی کی حکومت ہنگامی حالات کی بجائے۔ بڑے امن واطمینان کے

ساتھ معرضِ وجود میں لائی جا سکے گی ۔۔ اس قدر ۔۔ کہ ہم اس ڈھانچہ کو یہیں سے تیار کر کے لے جا سکتے ہیں ۔۔ بالفاظِ دگر ۔۔ جنگ برائے جنگ حدِ براجہ پر ۔۔ اور حکومت برائے حکومت سسلی پر ۔۔ آگے آپ حضرات کو اختیار ہے ۔

اسٹیل کے خاموش ہوتے ہی اینی ایک بار پھر کھڑی ہوئی ۔

"مسز اسٹیل نے اپنی تجویز کے ساتھ جن سہولتوں کا ذکر کیا ہے ۔ وہ یقیناً ایسی ہیں کہ انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ لہٰذا اس اعتراف کے ساتھ ۔ کہ میری تجویز سے یہ تجویز زیادہ بہتر ہے ۔ میں حاضرینِ کرام سے درخواست کروں گی کہ وہ اس موضوع پر مزید وقت خراب کرنے کی بجائے مورچہ بندی کے احکام صادر فرمائیں ۔ وقت کم ہے ۔ اور بہت ہی کم ۔"

اینی کے یہ الفاظ گلبرٹ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئے ۔ گلبرٹ نے جو تجویز پیش کی تھی ۔ بالکل وہی ۔ قدرے وضاحت کے ساتھ اسٹیل نے دُہرائی تھی ۔ مگر گلبرٹ کی مخالفت ہوئی ۔ اور اسٹیل کی اس درجہ موافقت کہ فوری طور پر قابلِ عمل قرار دے دیا ۔

"کیا خیال ہے ؟" سر دغوس کی نگاہ حاضرین کے چہروں کا طواف کرنے لگی ۔

"ٹھیک ہے ۔"

"تو پھر مورچہ بندی کا کام اسی لمحہ سے شروع ہو جانا چاہیئے ۔" سر دغوس نے تاکید کی ۔

اور نصف شب کے عمل میں

براجہ سے ۔ ریو جانے والے راستہ پر تین میل تک ۔ مشعلیں ہی مشعلیں نظر آنے لگیں ۔۔ دن جیسی رات میں ۔ کم و بیش پچیس ہزار آدمی مورچوں کی تیاری پر

ڈٹے ہوئے تھے ۔ سر دعوس ۔ خلیل ۔ اسمٰعیل ۔ گلبرٹ اور اینی ادھر اُدھر دوڑے پھر رہے تھے ۔ ان کے پیچھے چھوٹے بڑے افسروں کا ایک غول غبار کی مانند گردش میں تھا ۔ جو نہی کوئی مناسب تجویز سمجھ میں آتی ۔ ان میں سے چند کو طلب کرکے تعمیلِ حکم کے لئے چھوڑ دیا جاتا ۔ مقررہ میدان جنگ کے جس ٹکڑے کو اپنے لئے منتخب کیا تھا ۔ وہ کہیں کہیں سے خطرناک حد تک ناہموار تھا ۔ چنانچہ سینکڑوں مزدور کدالوں کے ساتھ اس پر جُٹے ہوئے تھے ۔ بڑے مورچے پانچ ۔ امدادی دس ۔۔ میدان کا اگلا حصہ قدرے نیچا ۔ عقب میں چار فٹ اونچی مٹی کی منڈیر ۔ جس کی چوڑائی میدانِ جنگ کی چوڑائی کے مطابق چھ فرلانگ تھی ۔ اس کے پیچھے فوجی پڑاؤ ۔ پڑاؤ میں ڈیرے خیموں کا تناؤ ۔ عارضی رسد گاہیں ۔ مطبخ ۔ جھنڈوں کے ستون ۔ اصطبل ۔ مویشیوں کا احاطہ ۔ یہ تھے وہ کارہائے نمایاں جو پچیس ہزار افراد کے ہاتھوں دوپہر کے قریب تمام ہوئے ۔ اس کے بعد دوسری ٹکڑی نے دیگر ضروریاتِ جنگ کو چراغ جلے تک پورا کر دیا ۔ اور سرکاری حکم کے مطابق تمام فوج جو مختلف قلعوں اور فوجی چھاؤنیوں میں مقیم تھی ۔ ایک نہ ٹوٹنے والے سلسلہ کے ساتھ پڑاؤ کی طرف پہنچنی شروع ہو گئی ۔

اگلے روز

جب سورج طلوع ہوا تو جراجہ کے مقابل سرفروشانِ مسیح کا ایک نیا شہر آباد تھا ۔ ایک ایسا شہر ۔ جہاں زندگی کا جماؤ بھی تھا ۔ اور موت کا رچاؤ بھی ۔ امیدوں کے جھمگٹے بھی تھے اور خوف و ہراس کی جھلکیاں بھی ۔ جس طرف نگاہ کیجئے ۔ ہنگامہ ہی ہنگامہ ۔ حرکت ہی حرکت ۔ مورچوں پر آگ ۔ تیر اور پتھر پھینکنے والی کلیں قائم کی جا چکی ہیں ۔ اس وقت بغلی مورچوں پر مزدوروں کا بے پناہ ہجوم ہے ۔ ان

مورچوں پر تین تین نوا ایجاد کلیں لگائی گئی ہیں۔ جو تیزابی مادوں کی بارش کرنے میں ایک مہلک ترین ہتھیار ثابت ہوئی تھیں۔ ان تیزابی مادوں کے کنوئیں یہاں اچانک ہی دریافت ہوئے تھے۔ اور ان کی نکاسی کا انتظام اس قدر بہتر طریق پر عمل میں لایا گیا تھا کہ کلیں خواہ کتنی ہی تیزی سے چلیں ان کے قریب رکھے ہوئے تیزابی مادوں کے کڑھاؤ خالی نہ ہو سکتے تھے۔ عیسائیوں کو اپنے اس مہلک ہتھیار پر بڑا ناز تھا۔ اور اس بات کا پورا یقین۔ کہ دشمن کو شکست دینے میں اس کا خاص حصّہ ہوگا۔

جب میدانِ جنگ میں جا بجا کلیں قائم ہو چکیں۔ تو یوں معلوم ہوا۔۔۔ گویا ملک الموت کے لئے بساطِ شطرنج تیار کر کے مہرے وغیرہ چُن دیئے گئے ہیں۔ کھلاڑیوں کا انتظار ہے۔ وہ آئے اور کھیل شروع ہوا۔

سہ پہر کو ایک بار پھر سردغوس اور اس جنگ کے خاص خاص عہدیدار میدانِ جنگ کا معائنہ کرنے کے لئے یہاں آ پہنچے۔ ان کے آتے ہی پورے لشکر میں کھلبلی سی مچ گئی۔ ہزاروں زندہ دل سپاہی جو مختلف گروہوں کی شکل میں گپیں مار رہے تھے، چشم زدن میں منتشر ہو کر جنگی تیاریوں کے حصّہ دار بن گئے۔

سردغوس نے نقشۂ جنگ کو اصلی صورت میں دیکھنے کے لئے حکم دیا کہ تمام فوج جس قدر جلد ہو اپنے مقررہ مقامات پر اس طرح پہنچ جائے گویا غنیم پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ اور اس نظارے کو دیکھنے کے لئے وہ اپنے تیز رفتار گھوڑے کے ساتھ سامنے کے حصّہ پر دور جا کھڑا ہوا۔

"جلدی! بہت جلدی!!" سردغوس چلّایا

"میں سمجھتی ہوں۔" ایبی نے خیال ظاہر کیا۔ "خواہ یہ کتنی ہی جلدی کیوں نہ کریں

انھیں کافی دیر لگے گی ۔ سوا لاکھ آدمیوں کا ۔۔۔۔۔"

"لیکن فوج کو اتنا مستعد ہونا چاہیئے کہ وہ آناً فاناً منظم ہو جائے ۔" خلیل نے ایبی کی بات کاٹی ۔

"دراصل فوج نے مختلف ٹکڑیوں میں تربیت پائی ہے ۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ یہ ایک ہی مقام اور ایک ہی ساتھ تربیت پاتی ۔" اسمٰعیل نے کہا ۔

"میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتی ہوں ۔" ایبی بول پڑی ۔ اور اس کے ساتھ ہی گلبرٹ کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا ۔ وہ کئی روز سے اس بات کو شدّت سے محسوس کر رہا تھا کہ ایبی اسمٰعیل کی ہر بات پر خواہ وہ تائید کی متقاضی ہو یا نہ ہو جھٹ تائید کرنے لگتی ہے ۔ اور اب تو اسے اس بات کا بھی یقین ہو چلا تھا کہ ایبی اسے جلانے کی غرض سے ایسا کرتی ہے ۔

"میری رائے ہیں ۔" گلبرٹ نے جملہ کسا ۔ "ہمارے درمیان اسمٰعیل سے بہتر رائے رکھنے والا اور کوئی نہیں ہے ۔"

یہ سُنتے ہی خلیل اور سردغوس چونک سے پڑے ۔ اسمٰعیل بھی حیران ہو کر اس کا منھ تکنے لگا ۔

"شاید اس لئے ۔" سردغوس نے ناخوشگوار تیور کے ساتھ کہا ۔ "کہ اسمٰعیل کی تجویز کے مطابق ہم نے جراجہ کے دروازے پر لڑنے کا فیصلہ کیا ہے ؟"

"نہیں جناب !" گلبرٹ نے رُخ بدلا ۔ "یہ تو معقولیت کا تقاضہ تھا ۔۔۔ اس لئے کہ میں نے اب تک ان کے کسی خیال اور کسی تجویز کو رد ہوتے نہیں سُنا ۔"

"بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے ۔" ایبی نے طمانچہ سا رسید کیا ۔ "کہ وہ بولنے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لیتے ہیں ۔ اور یہ اچھی عادت ہے ۔"

سرد غوش چند لمحات کے لئے غوطہ میں پڑگیا۔ اور پھر اس طرح۔ گویا کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ فوج کی طرف دیکھنے لگا۔ پیادہ فوج بھاگم بھاگ اپنی جگہ سنبھال رہی تھی۔ گھوڑ سواروں کی جگہ اب تک بالکل صاف پڑی تھی۔"

"جلدی کرو۔ جلدی۔" سرد غوس کے ایما پر ایک سردار چلایا۔ "گھوڑوں پر زینیں کسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی۔ جلدی کرو۔"

اور اب تھوڑی ہی دیر میں پورا نقشہ جنگ نوک پلک کے ساتھ ان کے پیش نظر تھا۔ اپنے سامنے سپاہیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر ناپیدا کنار دیکھ کر سرد غوس اور اس کے ساتھیوں کا خون خوشی سے اُچھالے لینے لگا۔

"ناممکن!" سرد غوس نے فرط مسرت سے بے قابو آواز میں کہا۔ "اس جنگی دیو کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ سوائے ان احمقوں کے جو خودکشی کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا۔" اسٹیل نے مشورہ دیا۔ "کہ لڑنے سے پہلے ہم ایک بار دشمن کو اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ کرادیں۔ شاید ان کی سمجھ کام کر جائے اور وہ مفت میں اپنی جانیں گنوانے سے باز آجائیں۔ اس صورت میں ہماری یہ تیاریاں محاذ افریقہ پر کام آسکتی ہیں۔ کیا خیال ہے۔"

"نہایت معقول مشورہ ہے۔" ابی نے دھڑلے سے تائید کردی۔

"ہم انھیں اس چیز کی پیشکش کر چکے ہیں۔" سرد غوس نے جواب دیا۔ "عملی طور پر بھی سہی۔ ممکن ہے موت کو سامنے دیکھ کر ہیسج جائیں۔"

"ہمیں ایسا ضرور کرنا چاہیئے۔" خلیل نے زوردار لہجہ میں اتفاق کیا۔

مگر گلبرٹ؟ —— وہ بیچارا کچھ نہ کہہ سکا۔ سچ یہ ہے کہ اس کا وہ جنگی جوش وخروش

جو ابتدائی مرحلے میں تھا۔ ایبی کے پے در پے مایوس کُن جھٹکوں کی تاب نہ لاکر دم توڑنے لگا تھا۔ صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ آج ایبی سے اپنے بارے میں کھُل کر بات چیت کرے گا — اور اسمٰعیل؟ وہ اسے بھی اچھی طرح سمجھ لے گا۔

"اور یہ تیزابی کلیں" — اسمٰعیل نے مشورہ طلب انداز میں کہا۔ دیگر مورچوں کی سیدھ میں ہونے کی بجائے دائیں بائیں کناروں پر آگے بڑھا کر رکھی جائیں تو کیسا رہے۔ میرا مطلب ہے اس طرح دشمن تین اطراف سے اس کی زد میں آسکے گا۔ درمیان میں ایک کافی ہے۔"

"بالکل ٹھیک" — سردغوس کو اسمٰعیل کی یہ تجویز بیحد پسند آئی۔ اس قدر کہ اس نے کسی کی صلاح و مشورہ کے بغیر ہی ایک افسر کو بُلا کر تیزابی کلوں کو مجوزہ مقام پر قائم کرا دیا۔

"کچھ اور سوچئے" — ایبی نے مسکراتے ہوئے اسمٰعیل کی طرف دیکھا۔ اور پھر گلبرٹ کی طرف رُخ کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ آپ بھی —"

"اسمٰعیل ایسے سپہ سالارِ اعظم کی موجودگی میں —" گلبرٹ بھنّا گیا۔ اور اس طرح کہ آواز ایبی تک ہی پہنچے، بولا — "ہم ایسے کوڑھ مغزوں کو لب کشائی کی کیا ضرورت ہے۔"

"لیکن میں تو آپ کو وہ سمجھے بیٹھی ہوں جو حسن کا سر کاٹ کر لائے گا" — ایبی نے بھی گلبرٹ ایسی راز داری سے جواب دیا۔

"کس قدر مسرت بخش ہے ہماری سعیِ پیہم کا یہ نتیجہ" — سردغوس نے خوش آیند

لہجہ میں کھوتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ فوج ہمیں فتح سسلی کی مبارکباد دے رہی ہے" خلیل بولا۔ اور پھر اس کا لہجہ اثباتی زور پکڑ گیا — "یہ خودستائی نہیں۔ اظہارِ حقیقت ہے کہ اتنے بڑے اور اتنے اچھے سامانِ جنگ سے مسلح لشکر کو مشرق و مغرب کی کوئی طاقت تسخیر نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ سسلی۔ جو زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس ہزار سپاہیوں کو میدان میں لا سکتی ہے۔"

"اگر ہم سسلی سے آگے بڑھ کر افریقہ پر بھی چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اچھا ہوگا کہ اس عظیم الشان لشکر کا کچھ حصہ جنگ سے علیحدہ کر دیں۔" اسمٰعیل نے ایک اور سبق پڑھایا۔

"میں آپ کے اس خیال کی پُر زور مخالفت کرتا ہوں۔" گلبرٹ نے اپنے غم و غصہ کو معقولیت کا رنگ دیتے ہوئے کہا۔ "اس سے جنگ کے طویل ہو جانے کا امکان ہے۔ جب ہم اپنی پوری طاقت سے دشمنوں کا ایک ہی ٹکر میں تیا پانچہ کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ اسے کمزور کر کے پے در پے ٹکروں کی زحمت برداشت کریں۔"

"لیکن ہماری بہادری کا تقاضہ ہے۔" اپنی سے نہ رہا گیا — کہ ہم متوازن طاقت سے دشمن کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی ہمیں مصلحتِ وقت کا بھی پاس کرنا ہے — اپی تا پاپا —" اس کا رُخ سردغوس کی طرف پھر گیا۔

"اگر ہم اپنی فوج کی ایک تہائی طاقت محفوظ کر لیں۔" سردغوس نے رائے دی "تب بھی دشمن سے دوچند طاقت کے مالک ہوں گے۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ ہم جنگی ضروریات کا تقاضہ فوری طور پر پورا کر سکتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر ایک تہائی کو میدانِ جنگ کی بجائے حصارِ شہر پر بٹھا دیا جائے۔"

" بڑا ہی موزوں فیصلہ ہے یہ "۔ اینی کے چہرے سے خون چھلک پڑا۔ " اس طرح ہم دشمن پر اپنی بہادرانہ ساکھ بھی قائم کر سکیں گے۔ اور پھر افریقہ کے محاذ پر فوج کا یہ تازہ دم حصہ ہمیں بڑی مدد دے گا "۔

" کیوں نہیں "۔ سردغوس نے کہا۔

" مگر میں آپ کے اس اقدام سے اتفاق نہ کر سکوں گا "۔ خلیل نے مخالفت کی۔ " فوج کا تازہ دم ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ایک ہفتہ کا وقفۂ راحت پوری کی پوری فوج کو دوبارہ تازہ دم کر سکتا ہے۔ ہمیں اس محاذ پر " جوا " کھیلنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے سامنے اس وقت سسلی کی فوج کو شکست دینا ہی نہیں بلکہ آگے بڑھ کر سسلی کی حکومت کو سنبھالنا۔ اور اس کے بعد خلافتِ افریقہ کا بھی تختہ اُلٹنا ہے "۔

سردغوس سوچ میں پڑ گیا۔

" بلاشبہ یہ اوقات انتہائی قیمتی ہیں "۔ گلبرٹ نے شوشہ چھوڑا
اینی نے اسمٰعیل کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ اس انداز میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ جیسے اس کے بلند عزائم کی تذلیل ہو رہی ہو۔

" چلیئے یونہی سہی "۔ سردغوس نے خلیل کی بات مان لی۔ اور اس کے ساتھ ہی گھوڑے کو ایڑ لگا کر فوج کی طرف بڑھ گیا۔ تمام ساتھی بھی اس کے پیچھے ہو لئے۔

" برخواست "۔ فوج کے مدِمقابل پہنچ کر سردغوس نے حکم دیا۔ اور سپاہی کیڑوں کے ڈھیر کی طرح کلبلانے لگے ٭

محبّت بھپرپڑی

سردغوس نے خلیل کی رہائش کے لئے جو عالیشان مکان مخصوص کیا تھا۔ وہ اس کے محل کے احاطہ ہی میں واقع تھا۔ اور خلیل کی اکثر شامیں سردغوس کے ساتھ محل کے پائیں باغ میں گزرا کرتی تھیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی دلچسپ موضوع زیرِ بحث آجاتا اور یہ لوگ رات گئے تک اس میں اُلجھے رہتے۔ خلیل کے علاوہ اور بھی کئی اُمرا اس نشست میں حصّہ لیتے۔ اسمٰعیل کی بھی اکثر شامیں یہیں گزرتی تھیں۔

اوران دنوں جب کہ ان کی جنگی تیاریاں اپنے آخری مرحلہ سے گزرنے والی تھیں۔ یہ نشستیں کافی طوالت اختیار کر گئی تھیں۔

حسبِ معمول آج بھی جنگی مظاہرہ کے بعد تھوڑی دیر گھر پر گزار کر خلیل سردغوس کے پاس چلا گیا تھا۔ معمول کے مطابق اسمٰعیل بھی اس کے ہمراہ تھا۔ مگر آج وہ یہاں زیادہ دیر نہ بیٹھ سکا اور دردِ سر کا بہانہ کر کے گھر چلا آیا۔

اس وقت اسمٰعیل پر وحشت سی طاری تھی۔ وہ گھر کے لوگوں کو اپنی آمد کی اطلاع دے کر اپنے مخصوص کمرے میں آ لیٹا۔ اس کی مضطرب نگاہیں رہ رہ کر دروازے کی طرف اٹھتیں اور نا امیدی کا شکار ہو کر گرتی پڑتی اس کتاب پر آ ٹھہرتیں جو اس

نے محض دکھاوے کے لئے اپنے سامنے رکھ چھوڑی تھی۔

آج اس کی صبر آزما محبّت ایک نئی کروٹ کی منتظر تھی۔ ایک ایسی نئی کروٹ کی — جو اس کی خاموش اور گھٹی گھٹی محبت کے لئے فیصلہ کن اقدام پر مبنی تھی۔

اسمٰعیل کی بے پناہ محبّت مختلف ادوار سے گزر کر آج ایک ایسے مقام پر آ لگی تھی۔ جہاں ایک طرف نشیب تھا۔ انتہائی یاس انگیز اور بھیانک — دوسری طرف فراز تھا۔ انتہائی خوشگوار۔ فردوس بداماں — اس کے علاوہ تمام راہیں مسدود تھیں۔ اور آج کا دن اس نشیب و فراز کی رونمائی کا آخری دن تھا۔ جو خود اسمٰعیل کی طرف سے قرار پایا تھا۔

ابتداً اس کی بے پایاں محبّت صہبا کی لاعلمی کا شکار رہی۔ اس لاعلمی کو دور کرنے کے لئے اس نے جذباتی زبان کا سہارا لیا۔ کئی بار وہ سرتاپا محبّت بن کر صہبا کے حضور پیش ہوا۔ لیکن صہبا کے رویہ میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہ ہوسکی۔ اب وہ لاعلمی کی بجائے تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہی تھی۔ اسمٰعیل کے لئے صہبا کا یہ چلن اس کی لاعلمی سے زیادہ اذیت ناک ثابت ہوا۔ آخرکار اس نے اپنے آپ کو ہر بُرے انجام کے لئے تیار کر لیا اور ایک خط کے ذریعہ اسے اپنے جذبات و احساسات سے مطلع کرتے ہوئے پیمانِ وفا کی بھیک مانگی۔ یہ خط بھی صدائے بازگشت کی طرح مایوسی میں تحلیل ہو گیا۔ اُن ہی دنوں خلیل نے اپنے مشفقانہ برتاؤ اور صہبا کی کڑی نگرانی کو ڈھیل دے کر اس ارادے کی وضاحت کی کہ وہ اسمٰعیل کو صہبا کا اہل متصور کر سکتا ہے۔ خلیل کی اس عزّت افزائی کا سہارا پا کر اسمٰعیل نے یکے بعد دیگرے اسے کئی خط لکھے۔ پھر ایک بار وہ خود اس کے روبرو ہو کر اپنی تمناک محبّت کے ساتھ منکشف ہو گیا۔ لیکن صہبا کی خاموشی کا طلسم نہ ٹوٹ سکا۔ اور وہ اسے

ایک عجیب سی شے کی طرح دیکھتی ہوئی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

آج صبح عام خیال یہ تھا کہ دوپہر تک اسلامی لشکر جراجبہ کی حدود پر آ پہنچے گا۔ اور پھر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آتشِ جنگ کب بھڑک اُٹھے۔ اس لئے اسمٰعیل نے قبلِ دوپہر صہبا کے نام ایک رقعہ لکھا تھا اور فوج کے معائنہ پر جاتے ہوئے صہبا کو دے گیا تھا۔ لکھا تھا۔

شریکِ ازل!

اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی کہ میں آپ کی سنگدلی کا مقابلہ کر سکوں اگر میں آپ کے نصیب سے بعید ہوں۔ تو میری زندگی ایک بے مقصد ڈھونگ ہے۔ دیوانگی ہے۔ المیہ ہے۔ جسے یہیں ختم ہو جانا چاہیئے اب تک میں آپ سے اپنے خطوں کے جواب کا پُرزور مطالبہ کرتا آیا ہوں۔ لیکن اس خط میں ایسا نہ ہوگا۔ اگر میری محبّت آپ کے دل میں جگہ نہیں پا سکتی تو آپ بدستور خاموشی اختیار کئے رہیں۔ اب آپ کا اسمٰعیل میدانِ جنگ سے واپس نہ آ سکے گا۔ کس قدر عجیب بات ہے یہ کہ کسی کی محبت میں۔ ایک جان سے گزرنے والا۔ یہ بھی نہ جان سکے گا کہ اسے اپنی کن خطاؤں پر جان سے گزرنا پڑ رہا ہے۔

مسافرِ عدم
اسمٰعیل

یہ مختصر سا خط۔ صہبا کی متوحش نگاہوں سے کئی بار گزرا۔ کئی بار کسی فیصلہ پر پہنچی کئی بار قلمدان سنبھالا۔ کھولا۔ اور پھر کچھ ایسی جھجک کے ساتھ۔ گویا قلم کی بجائے کسی زہریلے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی طرف سے ہاتھ کھینچ کھینچ لیا۔

اسمٰعیل کا معاملہ۔ صہبا کے لئے بالکل ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ خلیل کا۔ وہ خلیل کی باغیانہ سرگرمیوں۔ اور مملکتِ اسلامی کی سعیٔ بیخکنی سے سخت نالاں تھی۔ اسے افسوس تھا کہ وہ ایک ایسے گھر میں کیوں اُتاری گئی جو اس کی فطرت کے بالکل برعکس ہے۔ وہ خدا سے دعائیں مانگا کرتی تھی کہ یا تو وہ اسے اس گھر سے کسی قبر میں منتقل کر دے۔ یا پھر اس کے سرپرست کو اتنی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر سکے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اور خلیل اس کی طبیعت پر روز افزوں گراں سے گراں تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اور صہبا ان حالات میں بھی خلیل کی گھریلو زندگی کا ساتھ دے رہی تھی۔

خلیل کا گھر — اور اسمٰعیل کا دل — صہبا کے لئے بالکل ایک جیسا مسئلہ تھا۔ وہ اسمٰعیل کی اعلیٰ نصبی اور وجاہت و قابلیت کا اثر روزِ اوّل سے قبول کئے ہوئے تھی۔ ایک انجانا سا جذبہ اس کے ذہن و فکر کو اسمٰعیل کی طرف متوجہ کرتا رہتا تھا۔ اور صہبا نے اس جذبہ کو دبانے کے لئے جس قدر کوشش کی۔ وہ اتنا ہی قوی تر ہوتا گیا۔ وہ کئی ماہ تک اس اعصابی جنگ کا شکار رہی۔ اور بالآخر اس پر غلبہ پا کر ہی دم لیا — یہ سچ ہے کہ اگر اسمٰعیل ان خامیوں سے مبرّا ہوتا۔ جو صہبا کی فطری ضد تھیں۔ تو صہبا کی معصوم و بے ریا دنیا میں ایک زبردست انقلاب اُٹھ کھڑا ہوتا۔ ایک ایسا انقلاب — جس کے تھپیڑے بڑے بڑے پاکبازوں اور پارساؤں کا منھ پھیر دیتے ہیں۔ اور عین ممکن تھا کہ اس کے یہ رجحانات اس کے سرپرستوں کی حمایت حاصل کر کے اسے اسمٰعیل کے رشتۂ ازدواج سے وابستہ کر دیتے۔ لیکن اس نے انتہائے صبر و تحمل کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے مخصوص مقام پر سنبھالے رکھا۔

"کاش اسمٰعیل ان برائیوں کا ہدف نہ ہوتا۔" یہ حسرت ناک خیال ہزاروں ہی بار

اس کے دماغ میں گونجا تھا۔

اور اب جب کہ اس کی ذات اسمٰعیل ایسے شخص کی خودکشی کا سبب بن رہی تھی تو اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ اور اس کوشش کے باوجود کہ وہ جلد ہی اس مخدوش مسئلہ کا کوئی مناسب حل دریافت کرے۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ رہا تھا۔

"کاش اسمٰعیل ایسا نہ ہوتا" لے دے کر وہی ہزاروں بار دُہرایا ہوا جملہ اس رواروی میں بھی اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ دوسری جانب جو خیال اسے بدحواس کیئے ہوئے تھا۔ وہ اسلامی لشکر کی آمد۔ اور پھر میدانِ کارزار کا غیر یقینی وقفہ تھا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سوچتی ہی رہ جاؤں اور ——— اور ———"

اسمٰعیل کی نگاہیں ہر آہٹ پر دروازے سے ٹکراتی رہیں۔ اس وقت اس کی حالت ایک ایسے مجرم کی سی تھی جو پھانسی۔کے تختہ کی جانب لے جایا جا رہا ہو۔ وہ سچ مچ تختہ دار کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ لیکن اس امید کے ساتھ۔ کہ شاید اسے راستہ ہی میں پروانۂ رہائی حاصل ہو جائے ——— معاً دروازے کے قریب آہٹ ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل بے ربطی کے ساتھ زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"کھانے پر جناب کا انتظار ہو رہا ہے ———" یہ کنیز تھی۔ جو اس وقت اسمٰعیل کو اپنی عزتِ نفس پر "ضرب کاری" سی محسوس ہوئی۔

"کہدو۔ طبیعت ناساز ہے۔ کھانا نہیں کھائیں گے"۔

"بہتر جناب!" کنیز چلی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اسمٰعیل کی وہ امید بھی، جو

پروانۂ رہائی کے لئے اسے دروازے پر مرکوز کئے ہوئے تھی۔ اس نے کتاب کو ایک طرف پٹکا۔ اور پلنگ پر دراز ہو کر دروازے کی طرف سے کروٹ بدل لی۔

"طبیعت ناساز ہے ——؟" اس آواز کے ساتھ اسمٰعیل بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ صہبا کی آواز تھی۔

اسمٰعیل کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لے۔ اسے جھنجھوڑے۔ اتنا جھنجھوڑے کہ اس کے اعصاب اس کی امیدوں کی طرح ٹوٹ جائیں۔ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور پھر یہ کہے۔

"پہلے اپنے وجود کا ثبوت دو۔ مجھے یقین دلاؤ کہ تم اسمٰعیل کی وہی صہبا ہو۔ جو عرصہ دراز کی تلاش و جستجو کے باوجود نظر نہ آئیں" —— لیکن وہ ایسا نہ کر سکا —— صہبا جو دروازے کے عین وسط میں کھڑی اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی —— اسمٰعیل کو وحشیوں کی طرح اپنی طرف گھورتا دیکھ کر بولی۔

"زیادہ ناساز ہے؟"

اسمٰعیل اب بھی خاموش رہا۔ لیکن اس کی یہ خاموشی۔ خاموشی نہ تھی۔ ضبط خوردہ محبت کی بے تابانہ چیخ تھی۔ آتش فشاں تھی۔ روحانی درد و کرب اور دلسوز فریاد تھی ایک لبِ گورِ زندگی کی —— اور یہ سب کچھ اس قدر واضح تھا کہ شاید اسمٰعیل اپنی زبان سے اس درجہ وضاحت کے ساتھ بیان نہ کر سکتا۔

صہبا نے پیچھے پلٹ کر ایک سرسری سی نگاہ کی اور پھر آگے بڑھ کر لبادے میں چھپایا ہوا ایک خط اسمٰعیل کے سامنے پھینک کر ایک دم نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اسمٰعیل نے الجھے ہوئے اضطراب کے ساتھ جلدی سے وہ خط اٹھا لیا۔ اور اندر سے دروازہ بند کر کے پڑھنا شروع کیا۔

"آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ میں اپنے والد کی اسلام دشمنی کے سخت خلاف ہوں۔ لیکن والدہ کی خواہش پر میں نے عرصہ دراز سے اپنی اس نفرت و مخالفت کو سینے میں دفن کر رکھا ہے —— مجھے صدق دلی کے ساتھ یہ اقرار کر لینا چاہیئے کہ میں ذاتی طور پر آپ کو بُرا نہیں سمجھتی۔ اور اگر آپ اس بات کا وعدہ کریں کہ آئندہ اسلامی مفاد کے خلاف صف آرا نہیں ہوں گے۔ بلکہ حتیٰ الامکان اس کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہیں گے تو میں آپ کے ہر نیک ارادے کا ساتھ دینے کو تیار رہوں۔

آپ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ تباہ کاریاں جو اسلامی لشکر کے لئے منہ کھولے کھڑی ہیں۔ میرے لئے کس قدر تکلیف دہ ہیں۔ کاش میں ساحرہ ہوتی۔ اور ان ہولناک تیاریوں کو اسی دم خاکستر کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی لشکر پر اپنا فضل و کرم کرے۔ آمین

اگر آپ اتنا لکھنے کو ناکافی سمجھتے ہیں۔ تو سُنیئے۔ صہبا آپ کی ہے —— اگر آپ اسلامی مفاد کے ہیں —— اور صہبا آپ کی ہرگز نہ ہو سکے گی۔ اگر آپ اسلامی مفاد کے نہ ہو سکیں گے۔

یہ خط میری عزّت ہے۔ جسے میں آپ کی سپردگی میں دے رہی ہوں۔ اور یہ وہ اعتماد ہے جو اب تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔"

یہ چند سطور گھومتے ہوئے پہیئے کی طرح لگاتار چھ سات بار اسمٰعیل کی نگاہ سے گزر گئیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خلیل کی بیٹی کی طرف سے اس قسم کا خط موصول ہو سکتا ہے۔ خط اس کی نگاہ کے سامنے تھا اور دماغ ان بعید از قیاس منزلوں میں جہاں صہبا کے خط کا مرکزی تصوّر بھٹک رہا تھا۔ یہ محویت بڑی دیر تک

قائم رہی۔ اس کے بعد وہ کسی اہم مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں مستغرق ہوگیا۔ اور آدھی رات گزر جانے کے باوجود کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ اس اُدھیڑ بن میں سب کچھ فراموش کر چکا ہے۔ بھوک۔ پیاس۔ نیند۔ آرام وہ نئی نئی راہوں پر نئی نئی منزلوں کو ترتیب دیتا۔ ان کے قیام و استحکام پر غور کرتا — آگے بڑھے جا رہا تھا — بڑھتا رہا — بڑھتا رہا — یہاں تک کہ فجر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اور وہ اس طرح چونک اُٹھا جیسے یہ وقت خلافِ معمول آ پہنچا ہو — اس نے قلمدان اُٹھایا اور صہبا کے خط کی پشت پر لکھنا شروع کیا۔

"اگر اسلامی مفاد کا تحفظ ہی میری محبت کا امتحان ہے۔ تو جراجہ کی جنگ سے میری محبت کا اندازہ کر لیجیئے گا — اور آپ واقعی ساحرہ ہیں — یقین نہیں آیا؟ — اچھا تو باقی جنگِ جراجہ کے بعد۔

تمہارا اپنا

اسمٰعیل

اس نے خط تکیہ کے نیچے رکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

پُر اسرار حملہ

اگلے روز قبل از دوپہر
جب کہ کلبریہ کی فوج اور جراجہ کے شہری اسلامی لشکر کی آمد پر کان لگائے بیٹھے تھے۔ نیز عیسائی مخبر قصرِ جراجہ اور مجاہدین کے درمیان زمین کا گز بنے۔ سردغوس کو اسلامی لشکر کی تفصیلات سے مطلع کر رہے تھے۔ چار عیسائی نوجوان حکومت بیزنطی کی افسرانہ وردیوں میں ملبوس۔ شاہی محل کے پھاٹک پر پہنچ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے۔

"ہم حاکم کلبریہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ انھیں اطلاع دو کہ حکومت بیزنطی[1] کے قاصد ان سے ملنا چاہتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے باوقار لہجہ میں کہا۔

"بہتر جناب"۔ دربان نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اور شاہی محل کے دائیں کمرے کی طرف چلدیا۔ جو مردانہ نشست کا کام دیتا تھا۔ یہاں پہنچکر وہ اپنا پیغام دوسرے دربان کو سونپ کر مڑا ہی تھا کہ

"جواب لے کر جانا"۔ کمرے کے دربان نے کہا۔ اور اس بات کی تسلی کر کے کہ مخاطب کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ اندر داخل ہوا۔ جہاں سردغوس کا مخصوص عملہ مخبروں کی اطلاعات پر تبصرہ کر رہا تھا۔ جونہی یہ اندر داخل ہوا سب کی توجہ اس طرف

[1] مرکزی حکومت جسکا اس وقت صوبۂ کلبریہ کے ساتھ محض رسمی تعلق تھا۔

مبذول ہو گئی۔

"حکومتِ بیزنطی کے چند قاصد خداوند کی حضوری کے طالب ہیں"۔

"حکومت بیزنطی کے قاصد؟" سرد غوس اُچھل سا پڑا۔ "انھیں عزت کے ساتھ لے آؤ"۔ اس نے حکم دیا۔

چند ثانیے بعد چاروں کڑیل نوجوان۔ حکومت بیزنطی کے فوجی نشانوں سے مرصّع وردیوں میں ایک امتیازی شکوہ کو جنم دیتے کمرے میں داخل ہوئے ۔۔۔ اور سردغوس کی حاکمانہ تعظیم بجالا کر ایک طرف کو بیٹھ گئے۔ اسی دوران ہانپتا کانپتا ایک مخبر آپہنچا اور آداب شاہی کی بجاآوری کے بعد بولا۔

"اب دشمن ہمارے مورچے سے صرف چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ پیش قدمی جاری ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے مورچے سے متصل ہی پڑاؤ کرے گا"۔

"آپ لوگ"۔ سردغوس نے ذمہ دار افسروں اور ان کے نائبین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "فوج کو کیل کانٹے سے لیس کر کے میدان میں لانے کی تیاری کریں۔ اسلامی لشکر کل صبح سے پہلے جنگ کے لئے تیار نہ ہو سکے گا۔ لیکن یہ ان کی نہیں۔ ہماری مرضی پر منحصر ہے"۔

یہ سن کر دیگر افسروں کے ساتھ اسمٰعیل بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ ۔۔۔" سردغوس نے اسمٰعیل کو روکنے کی کوشش کی۔

"فوج کی ترتیب کو میری ضرورت ہے"۔ اسمٰعیل نے بات کاٹی۔

"اچھا! اچھا!!" سردغوس متفق ہو گیا۔

دوسرے لمحے کمرے میں نوواردوں کے علاوہ صرف چار شخص باقی رہ گئے۔

سرد غوس۔ اینی۔ خلیل اور گلبرٹ۔

دشمن کا دروازے پر آپہنچنا۔ خصوصاً سرد غوس کے لئے بڑی ہیجان انگیز خبر تھی پھر بھی اس نے اپنے اعصابی نظام کی جھنجھناہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہماری اس جنگ کے متعلق حکومتِ بیزنطی کی کیا رائے ہے —— لیکن پہلے وہ سنائیے جو آپ لے کر آئے ہیں۔"

"آپ کی فتح کا کامل یقین ہے۔ اور ——"

سا ایسا معلوم ہوا جیسے کمرے میں بھونچال آگیا ہو۔ نو وارد کمر سے خنجر نکال کر بیک لحہ خلیل۔ گلبرٹ اور سرد غوس کی چھاتیوں پر چڑھ بیٹھے۔ ایک ہاتھ نے ان کے ہونٹوں کو گرفت میں لے لیا۔ اور دوسرے ہاتھ نے فضا میں لہرا کر خنجر ان کے کلیجوں میں اتار دیئے۔ ایک نے اینی کے منھ کو دبائے رکھا۔ گلبرٹ کے سرد ہوتے ہی اس کے قاتل نے جست لگا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور اس کے بعد وہ دونوں کھڑکیاں بھی۔ جو عقبی دیوار پر کھلی ہوئی تھیں۔ جب تینوں مقتول پوری طرح سرد ہو گئے تو ایک نے تلوار سے ان کے سر جدا کر کے ایک چرمی تھیلے میں ڈال لئے۔ جن کے کپڑے خون کے چھینٹوں کی زد میں آگئے تھے۔ انھیں اتار کر مسہری کے نیچے پھینکا۔ اور ایک دوسرے کا جائزہ لینے کے بعد جب یہ اطمینان ہو گیا کہ کوئی مشکوک چیز باقی نہیں ہے۔ تو ایک جوان باہر نکلا اور دربان کو اپنے پاس بلا کر اسے بھی اندر گھسیٹ لیا۔ تلوار کوندی۔ اور اس کا سر بھی فرش پر آپڑا۔ بعد ازاں وہ جلدی جلدی کھڑکیوں کی راہ کود کر کمرے کے دروازے کا رُخ اختیار کر کے اصطبل کی جانب ہو لئے۔ یہاں ان کے گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ دربان نے انھیں

جھک کر تعظیم دی۔ اور جب اس نے سر اوپر اٹھایا تو میدان صاف تھا۔

عین اس وقت

جب کہ اسلامی لشکر دشمن کے مدمقابل اپنے جنگی استحکام میں مصروف تھا جراجہ کا قصرِ شاہی سناٹے میں آیا ہوا تھا۔ سر دغوس۔ خلیل اور گلبرٹ کے تہلکہ خیز قتل کی خبر۔ اسمٰعیل کی بروقت کوششوں سے تاحال محل کی حدود نہ پھلانگ سکی تھی۔

"یاد رکھو!" اسمٰعیل نے محل کے ان باشیوں کو جو اس وقت اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے تھے۔ اور اپنے برابر کھڑی ہوئی اینی کو تنبیہہ کی۔" اگر اس موقعہ پر آپ لوگوں نے پوری رازداری سے کام نہ لیا۔ اور قتل کی یہ خبر ہماری فوج یا دشمن کے کان تک پہنچ گئی۔ تو کل کا سورج ہماری ذلت انگیز غلامی کا پیغام لے کر طلوع ہوگا۔ دشمن ہمارے دروازے پر پڑا ہوا ہے۔ اس نازک وقت میں میدانِ جنگ سے توجہ ہٹا کر ہمارا اس بحث میں اُلجھنا کہ یہ قتال۔ کن لوگوں کی طرف سے عمل میں لایا گیا ہے۔ قطعی بسود ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ـــــ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم قاتلوں کو معاف کر رہے ہیں ـــــ جنگی ذمہ داریوں سے فارغ ہوتے ہی ہمارا پہلا کام ان موذیوں کی تلاش ہوگی۔ یہ واردات یا تو مسلمانوں کی طرف سے ہوئی ہے یا ٹیکسوں سے گھبرائے ہوئے اہلِ جراجہ کی طرف سے۔ جو بھی ہو ـــــ ہم انھیں کیفرِ کردار تک پہنچائے بغیر نہ رہیں گے ـــــ اس موقعہ پر ہمیں اشتعال کی بجائے مصلحت کا ساتھی بننا ہے۔"

"درست ہے۔" اینی نے گلوگیر آواز سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ـــ "لیکن میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ اس قتل میں اہلِ جراجہ کا ہاتھ ہے۔"

"مانے لیتا ہوں" — اسمٰعیل نے تائیدی انداز میں بات کاٹی — "مگر جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ یہ وقت قیاس آرائیوں کا نہیں ہے۔ آپ فوری طور پر اپنی فوج اور اہلِ جراجہ میں یہ مشہور کرا دیں کہ حاکمِ کلبریہ یہاں کے محاذ کو اسمٰعیل کے سپرد کر کے اٹلی کی طرف گئے ہیں۔ تاکہ مغربی طاقتوں سے مدد حاصل کر کے فوراً افریقہ پر چڑھائی کر سکیں۔ صرف یہی ایک ایسا طریقہ ہے جسے اختیار کر کے ہم کامیابی کا منھ دیکھ سکتے ہیں۔ خلیل اور گلبرٹ کو ان کا ہم سفر بتا دیجئے۔"

"اینی آپ کی اس ہمدردی و وفاداری کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ اور یقین دلاتی ہے کہ وہ کسی وقت بھی آپ کی صلاح و مشورہ سے باہر نہ ہو گی۔"

"یہ عزّت افزائی میرے لئے باعثِ فخر ہے — اس خبر کو جلد از جلد فوج تک پہنچا دینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کی بروقت غیر موجودگی فوج میں بددلی پیدا کر دے۔"

"ایسا ہی ہو گا۔"

اور اُسی رات

عیسائی لشکر کے خیمہ سالار میں تمام افسران ایک جلسہ کی شکل میں جمع تھے۔ یہ جلسہ اینی کے پیامِ خاص پر عمل میں آیا تھا۔ اس وقت وہ کمہلائے ہوئے پھول کی مانند افسروں کے درمیان نظر آ رہی تھی۔ اس سے کچھ فاصلہ پر اسمٰعیل گھوڑ سوار دستہ کے افسرِ اعلیٰ مسٹر جوتب کے پاس یوں بیٹھا تھا۔ جیسے وہ اس بے موقعہ اجلاس طلبی پر تشویش میں مبتلا ہو۔

"مسیحی شیرو! اینی نے کہا

اسلامی لشکر جس تعداد میں ہمارے مقابلہ کو نکلا ہے۔ وہ اس وقت آپ

کے سامنے ہے۔ والدِ بزرگوار کے اندازے کے مطابق ہماری تعداد ایک پر بارہ سے بھی متجاوز ہے۔ اس کے علاوہ جس اعلیٰ ترین جنگی سازوسامان سے ہم آراستہ ہیں۔ اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس یقین کے ساتھ کہ اسلامی فوج ہمارا ایک حملہ بھی نہ سہار سکے گی۔ اور اس کے بعد ہی ہمیں دوسرا محاذ افریقہ کی اسلامی حکومت کے خلاف قائم کرنا ہوگا۔ والد محترم جناب اسمٰعیل صاحب کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے اور جناب جوتب صاحب کو ان کا نائب بنا کر مغربی حکومتوں کے دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ خلیل اور گلبرٹ کے کئی مغربی حکمرانوں سے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے انھیں بھی ساتھ لے گئے ہیں۔ اس دورے کا مقصد بحری بیڑے کی فراہمی ہے۔ کیونکہ افریقہ کی مہم اس کے بغیر سر نہیں کی جاسکتی۔ دعا کیجئے کہ خدا انھیں کامیاب و کامران واپس لائے چلتے وقت انہوں نے اپنی فوج کو جو پیغام دیا ہے وہ یہ ہے "— اینی نے مخملی تھیلی سے ایک کاغذ نکال کر بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

میں — حاکمِ کلبریہ سرد غوس اپنی فوج کو یہ حکم دیتا ہوں کہ وہ میرے مقرر کردہ سپہ سالار کے احکام و ہدایات کا خاص طور پر خیال رکھے۔ اس نے ہمارے سامنے جنگ کا جو نقشہ پیش کیا تھا۔ وہ اتنا اچھا ہے کہ دشمن میدانِ جنگ میں زیادہ دیر تک نہ جم سکے گا۔ جنگ کا آغاز اسی نقشہ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

ایبی کی حیثیت ہمارے قائم مقام کی ہے۔
وہ میدانِ جنگ میں موجود رہے گی۔ تصفیہ
طلب امور میں اس کی رائے کو مقدم رکھا
جائے۔ میدانِ جنگ میں اس کی حفاظت
تمہارا سب سے بڑا فریضہ ہے۔
ہمیں امید ہے کہ ہماری فوج فتحیاب ہو گی
خدا تمہارے ساتھ ہو۔

ایبی کے خاموش ہوتے ہی مسٹر جوب کھڑے ہو گئے۔ اور جب ایبی اپنی جگہ بیٹھ گئی تو اطمینان بخش لہجہ میں بولے۔

"میں اپنے محبوب ترین آقا کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ ناچیز کو نائب سپہ سالاری کے اعلیٰ مرتبہ پر سرفراز فرمایا۔ اور فوج کی طرف سے اس بات کا یقین دلاتا ہوں۔ کہ وہ اپنے سالارِ اعظم کے احکامات کی تعمیل پر اپنی جانیں قربان کرنا باعثِ فخر خیال کرے گی۔"

کوتاہیٔ وقت کے احساس نے اسمٰعیل کو بے اختیار کھڑا کر دیا۔ اور اس طرح مسٹر جوب جو بہت کچھ کہنے کے ارادے سے کھڑے ہوئے تھے۔ دل مسوس کر بیٹھ رہے۔

"انقلابی سورماؤ!

عالی جناب حاکمِ کلبریہ کا اچانک سفر۔ اور اہم ترین جنگی ذمہ داریوں کا میرے ذمہ پڑنا۔ ایک عجیب اتفاق ہے۔ اس وقت ہم جس ماحول میں سانس لے رہے ہیں۔ وہ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ رسمی تکلفات میں وقت

خراب کیا جائے ـــــــ"

ابھی اسمٰعیل یہیں تک کہہ پایا تھا کہ چار عیسائی جوان مشعلیں ہاتھ میں لئے خیمہ میں داخل ہوئے۔ اور اسمٰعیل کی جواب طلب نگاہوں پر ان میں سے ایک نے ادب کے ساتھ آگے بڑھ کر عرض کیا۔

" اسلامی لشکر کے قاصد اپنے امیرِ لشکر کا پیغام لے کر حاضر ہوئے ہیں۔"

" انہیں عزت کے ساتھ اندر لے آؤ ۔" اسمٰعیل کی شہ پا کر ایبی نے حکم دیا

نوجوان پلٹ گئے ـــ چند منٹ کے بعد پانچ قد آور جوان ڈھیلے ڈھالے سفید لباس میں مثبت و بیباک قدم بڑھاتے خیمہ میں داخل ہوئے۔ اور رسمی تعظیم کے بعد اسمٰعیل کا اشارہ پاکر کرسیوں پر جا بیٹھے۔ جس قاصد کے پاس پیغام تھا۔ وہ دوسرے ہی لمحے کرسی سے اٹھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اور جیب سے ایک منقش طلائی خول نکال کر اسمٰعیل کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

" یہ اسلامی امیرِ لشکر احمد بن حسن کی جانب سے ہے۔ عالی جناب حاکم کلبریہ کے لئے ۔"

اسمٰعیل نے خول لے کر ایبی کو دیدیا ۔ جو احمد کا نام سُن کر حیران سی ہو گئی تھی۔

" لیکن ہم نے تو سُنا تھا کہ اس فوج کے امیرِ لشکر والیٔ سسلی حسن بن علی ہیں۔" ایبی خول کا ڈھکن کھول کر خط نکالتے ہوئے بولی۔ حالانکہ اسلامی قاصدوں سے اس قسم کا سوال ایک بے معنی بات تھی۔

" شاید انہیں یہ معلوم ہو گیا ۔" اس نے خط کھولتے ہوئے کہا ۔" کہ جنابِ حسن کے سر کی قیمت مقرر ہو چکی ہے ـــ"

ایبی بے محابہ بولے چلی گئی ـــ وہ ان غیر ذمہ دارانہ الفاظ کی ماہیت سے بے بہرہ

نہ تھی۔ لیکن باپ کے سفاکانہ قتل نے اس کے دماغ کو بالکل ماؤف کر رکھا تھا۔ اور یہ اسمٰعیل ہی کا دم تھا جس نے اسے ان ہنگاموں کا حصہ دار بنایا ہوا تھا۔

قاصد سے اینی کی یہ باتیں برداشت نہ ہو سکیں۔ اس نے سینہ تان کر جرأت مندانہ لہجہ میں جواب دیا۔

"والیٔ سسلی حسن بن علی اس عیسائی لشکر کی تسخیر اتنی مشکل نہیں سمجھتے کہ اس کے لئے اپنے فنِ جنگ کو بروئے کار لائیں۔ چنانچہ وہ اس مہم کو اپنے نوآموز فرزند احمد کے ہاتھوں سرانجام دلانا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ ــــ اور جو لوگ ان کے سر کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ فوج کے درمیان موجود ہیں۔ اور شاید دورانِ جنگ میں سب سے نمایاں نظر آئیں گے۔"

"بہت کہہ چکے"۔ اسمٰعیل نے متانت کے ساتھ کہا۔

اینی جو قہر آلود نگاہوں سے قاصد کو گھور رہی تھی۔ اسمٰعیل کی اس تنبیہہ سے منضبط سی ہو کر پیغام دیکھنے لگی۔ جو عربی میں تحریر تھا۔ اینی عربی سے زیادہ واقف نہ تھی۔ لہٰذا مطالعہ کا فرض اسمٰعیل کو تفویض ہوا۔ مضمون کو ایک بار دل ہی دل میں پڑھ لینے کے بعد۔ اس نے از سر نو بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔

امیر لشکر احمد بن حسن بن علی کا پیغام
والیٔ کلبریہ محترم سردغوس کے نام
جناب والا۔

حسبِ وعدہ ہم آپ کے دروازے پر آ پہنچے ہیں۔ اور قطع نظر اس کے کہ آپ نے والیٔ سسلی پر انتہائی بیہودہ تہمتیں لگائی ہیں

نیز مملکتِ اسلامی کے امن و امان کو
تباہ و برباد کرنے کی بزدلانہ کوشش کی۔
ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے دینی
بھائی بن کر مملکتِ اسلامی سسلی کے لئے
ایک نیک ہمسایہ ثابت ہوں۔
اسلام پر اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیاں۔ مسلمانوں
کی حیرت انگیز فتوحات۔ اور روز افزوں
وسعت پذیر حلقۂ اقتدار سے ملاحظہ فرمائی
جاسکتی ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ دین و دنیا
میں انسانی فلاح کے لئے مذہبِ اسلام
ایک عظیم نعمت ہے۔ اور بحیثیت انسان
ہمارا فرض ہے کہ جس شے کو ہم اپنی
ذات کے لئے مفید خیال کرتے ہیں۔ اس
سے دوسروں کو بھی فیضیاب ہونے کا
موقعہ دیں — لہذا
ہم نہایت خلوص اور محبّت کے ساتھ
آپ کو کلمۂ توحید کی دعوت دیتے ہیں
اگر آپ یہ سعادت حاصل کرنے کو تیار
ہیں۔ تو ہم اس مسرّت انگیز تقریب میں
حصّہ لے کر جس طرف سے آئے ہیں۔ واپس

چلے جائیں گے۔ اگر خدانخواستہ آپ کو ہماری یہ پیشکش منظور نہ ہو تو دوسری صورت جزیہ کی ادائیگی ہے۔ جو باہمی رضامندی سے طے ہوسکتی ہے۔ اس عنوان ہم آپ کی جان و مال کے محافظ ہوں گے۔ اور ہر اس نقصان کے ذمہ دار جو ہماری کوتاہیٔ فرائض کا نتیجہ ہو۔ اور خدانخواستہ یہ پیشکش بھی آپ کے لئے ناقابلِ قبول ہو۔ تو کل صبح اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں تشریف لے آیئے جو فاتح ہوگا۔ وہ حالات کو اپنے حق میں سازگار کر لے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی کرے۔ آمین۔

"غالباً یہ مراسلہ پہلے کا تحریر کردہ ہے۔" اسمٰعیل نے سنجیدگی کے ساتھ رائے ظاہر کی۔ "اگر ہماری فوجی طاقت کا نظارہ کرنے کے بعد لکھا جاتا۔ تو یہ مضحکہ خیز الفاظ ہرگز استعمال نہ کئے جاتے۔۔۔ محرّر قلمدان لے کر ہمارے قریب آجائے" وہ باوقار لہجہ میں بولا۔

اگلے لمحہ محرّر اسمٰعیل کے بیان کا منتظر تھا۔

بروئے حاکم گلبریہ سرد غوس

بجواب اسلامی امیر لشکر سسلی جناب احمد بن حسن صاحب

جناب والا

ہم آپ کے پیغام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس فیصلہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کی ہر پیش کش کو رد کرکے آپ سے یہ مطالبہ کریں کہ آپ جزیرۂ سسلی سے دست کش ہوکر شمالی افریقہ کی راہ لیں۔ آپ کی قزاق حکومت نے سسلی کے مسلمانوں۔ اور بالخصوص عیسائیوں پر جو وحشیانہ مظالم ڈھائے ہیں ان کے مدِ نظر ہم یہ مطالبہ کرنے میں اپنے آپ کو بالکل حق بجانب پاتے ہیں۔ اور درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہماری طاقت کا صحیح اندازہ کرکے اپنی فوج کو موت کے اندھے کنوئیں میں دھکیلنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر آپ ہمارے اس ہمدردانہ مشورہ اور حق بجانب مطالبہ کو ماننے کے لئے تیار ہیں تو ہم آپ کو بخیرو عافیت افریقہ تک پہنچانے میں پوری کوشش کریں گے۔ اور اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو آپ نے اپنے

طور پر اپنے لئے "پیغامِ فضا" کا جو
وقت مقرر کیا ہے۔ وہ ہمیں منظور ہے
فقط ـــــ

پیغام مکمل کرنے کے بعد اسمٰعیل نے سب سے پہلے اینی کی طرف دیکھا اور جب اسے "تحسین و آفرین" کے موڈ میں پایا تو ایک سرسری سی نگاہ پورے اجتماع پر ڈالکر یہ پیغام دستخط کے لئے اینی کو پیش کر دیا گیا۔

وسوسے

میدانِ جنگ سے واپسی پر اپنی کو محل میں چھوڑتا ہوا جب اسمٰعیل اپنے گھر پہنچا تو صہبا کی ماں کا گریہ وزاری سے بہت بُرا حال تھا۔ نہ ماں کو بیٹی کی سُدھ تھی اور نہ بیٹی کو ماں کی۔

"یہ کیا ہو گیا اسمٰعیل! — کیا ہو گیا یہ" — اسمٰعیل کو دیکھتے ہی صہبا کی ماں ایک بار پھر پھوٹ پڑی — "میں لُٹ گئی۔ مجھے پردیس نے لوٹ لیا۔ اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ کاش کوئی میرے سینے میں بھی خنجر پیوست کر دے۔ کاش —"

"موت برحق ہے امی جان" اسمٰعیل نے تسلی دی۔ "اور ایک نہ ایک دن سب کو اس جہانِ فانی سے کوچ کرنا ہے۔ جو ہو چکا ہے۔ اسے بدلا نہیں جا سکتا صہبا کی طرف دیکھئے۔ انھیں آپ کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔"

"جانتی ہوں اسمٰعیل!" وہ ایک دلدوز کرب کے ساتھ چیخ اُٹھی۔ "لیکن افتاد سی افتاد ہے — صبر ہو کیسے۔ کلیجہ شق ہوا جاتا ہے" اور وہ ایک بار پھر کندھے کی چادر میں منہ لپیٹ کر زار و قطار رونے لگی۔

اِدھر صہبا کی حالت بھی ماں سے کچھ کم ابتر نہ تھی۔ لیکن اس کے غم و اندوہ کی نوعیت ماں سے مختلف تھی۔ وہ قطرۂ اشک کی طرح خاموش اور ساکت و جامد تھی

جیسے وہ اپنے وجود سے کہیں دُور ــــ بہت دور پہنچ گئی ہو۔ اور ایک ایسا منظر اس کے پیشِ نظر ہو جسے اس نے اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا ہو۔ اس کی پھٹی پھٹی خوفزدہ آنکھیں زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں کہ وہ اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی۔ لیکن اسے دیکھنا پڑ رہا تھا ــــ کنیزیں جو اس کے چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ماں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر اس پر جُھک گئیں۔

اسمٰعیل پہلے ہی ذہنی و جسمانی تکان سے چور چور ہو رہا تھا۔ پھر بھی وہ کافی رات گئے تک دونوں کی نگرانی کرتا رہا۔ اور جب اس نے صہبا کی ماں کی نیم غشی کو غنودگی کی طرف مائل پایا تو دو کنیزوں کو اس کے کمرے میں ہوشیار سونے کی تاکید کر کے صہبا سے بولا۔

"اب آپ کو بھی آرام کرنا چاہیئے۔ میں یقیناً صبح تک آپ کی خبر گیری رکھتا اگر میدانِ جنگ میں میری موجودگی ضروری نہ ہوتی۔"

"شکریہ!" مجسّمہ یاس صہبا بمشکل جواب دے سکی۔

"چلیئے میں آپ کو کمرے تک پہنچا دوں۔"

"نہیں ــــ" وہ کھڑے ہونے کے لئے سنبھلی ہی تھی کہ ایک کنیز جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا سہارا بن گئی۔

صہبا کو اس کی خواب گاہ میں پلنگ پر لٹا کر اسمٰعیل نے "شب بخیر" کہا۔ اور نڈھال و نزار قدم بڑھاتا اپنے مخصوص کمرے میں پہنچا اور پلنگ پر نیم دراز ہو کر کسی گہرے سوچ میں غرق ہو گیا۔ گو نیند میں رُندھی ہوئی آنکھیں پوری طرح نہ کھُل رہی تھیں۔ مگر کچھ دیر کے غور و خوض کے بعد سرہانے رکھی ہوئی تپائی سے کاغذ اور قلمدان بستر پر اُٹھا لیا۔ اور کچھ لکھنے کے ارادے سے قلم سنبھالا ہی تھا کہ کمرے

کے دروازے کو جنبش ہوئی۔ اور تھوڑا سا کواڑ کھُلنے پر دو آنکھوں نے اندر کا جائزہ لیتے ہوئے دروازے کو پوری طرح کھول دیا۔ اسمٰعیل جو دروازے کی جنبش کے ساتھ ہی ادھر متوجہ ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اس کی روح پرور صہبا سامنے کھڑی ہے۔ بھونچکا سا رہ گیا۔ قلمدان کو پھر تپائی پر رکھدیا۔ سرہانے جلتی ہوئی چار موم بتیوں میں سے جلدی جلدی تین کو بجھا کر پلنگ سے اُٹھا۔ اور کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے۔ صہبا کو متحیّر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ ـــــ اس وقت ـــــ؟"

"جی۔ ہیں!" صہبا نے زہر آلود نگاہوں سے جواب دیا۔

"لیکن کیوں ـــــ؟"

"اس پُراسرار تیر کو سینے سے نکلوانے کے لئے۔ جس نے کلیجہ چھلنی کر دیا ہے ـــــ"

صہبا کے لہجہ سے غم و غصّہ کی بُو آنے لگی۔

"میں سمجھ نہیں سکا۔"

"میں سمجھاتی ہوں۔ لیکن اس کے بعد تمہیں مجھے سمجھانا پڑے گا۔"

"بسر و چشم۔ تشریف رکھیئے۔" اسمٰعیل نے قریبی نشست کی طرف اشارہ کیا۔ صہبا یک لمحہ توقف کے بعد بیٹھ گئی۔ مگر یوں۔ جیسے وہ اس کے لئے دل سے تیار نہ ہو۔

"اب فرمایئے۔" اسمٰعیل پلنگ پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا یہی وہ ثبوت تھا جو آپ اپنی محبت کی بے پناہی کے لئے دینا چاہتے تھے۔"

"یعنی آج کے تین قتل؟"

"جی!"

" جی نہیں "۔
" پھر یہ کیا تھا "۔
" اللہ بہتر جانتا ہے "۔
" لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس بارے میں آپ بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہیں "۔
" قریب قریب اتنا ہی۔ جتنا کہ آپ "۔
" میں یہاں زیادہ دیر نہ بیٹھ سکوں گی۔ اُلجھاوے سے کام نہ لیجئے۔ اگر آپ مجھے سچ سچ بتا دیں گے۔ تو یہ ممکن ہو گا۔ کہ میں حتیّ الامکان آپ کا احترام کرتی رہوں لیکن یہ مشکل ہے کہ آپ مجھے غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنے دامِ فریب میں لے آئیں "۔
" اسمٰعیل ۔۔۔ غلط فہمی ۔۔۔ دامِ فریب ۔۔۔ یہ صہبا بول رہی ہے "۔
" جی ۔۔۔ یتیم صہبا ۔۔۔ "
" لعنت ہے اس اسمٰعیل پر۔ جو اپنی صہبا کو احساسِ یتیمی کا شکار دیکھے۔ اور جو اس کی خواہشات پر جان تک کی بازی نہ لگا دے "۔
" ایسی ہی جان کی بازی۔ جس کا آج اظہار کیا گیا ہے "۔
اسمٰعیل صہبا کے یہ الفاظ سُن کر انتہائی بے قراری کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھا اور صہبا کے قدموں سے بالکل قریب فرش پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
" چار دن ۔ صرف چار دن اور ٹھہر جائیے۔ اس کے بعد شاید آپ میرے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں۔ آپ جس رُخ پر سوچ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ غلط نہ ہو۔ لیکن قبل از وقت ضرور ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ان دھندلکوں میں بھٹک بھٹک کر حیران ہوں۔ جو عنقریب خود ہی چھٹ جانے والے ہیں۔ فی الوقت اگر میں زیادہ سے زیادہ کچھ کہہ سکتا ہوں تو صرف یہی کہ آپ مجھے وہ نہیں پائیں گی ۔۔۔ جو

خیال کر رہی ہیں۔ کیا میں امید کروں کہ آپ میری اس التجا کو قبول فرمائیں گی ـــ"
جواب میں صہبا کی خوں ناب آنکھیں اسمٰعیل کی مخمورِ محبت آنکھوں میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔

کچھ دیر یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد صہبا نے اُٹھنے کی نیت سے اپنے آپ کو سنبھالا ہی تھا کہ اسمٰعیل نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ اور مچلتے ہوئے انداز میں بولا۔

"میں نہیں جانے دوں گا۔ جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ جو چیز اس وقت آپ کو یہاں لائی تھی۔ وہ اب ختم ہو چکی ہے۔ یا پھر ملتوی"۔

صہبا نے زبان کی بجائے زبانِ حال سے کہا۔

"اس کے سوا اب اور چارہ بھی کیا ہے کہ جو کچھ تم کہو اسے مان لیا جائے"۔

"کل کی جنگ کے بارے میں کیا رائے ہے"۔ صہبا نے موضوعِ گفتگو بدلا ـــ" میرا خیال ہے ان لوگوں کے قتل کا میدانِ جنگ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکے گا۔ عیسائی بہت طاقتور ہیں"۔

"آپ کا خیال درست ہے۔ لیکن فتح مسلمانوں کی ہی ہوگی"۔ اسمٰعیل نے مختصر سا جواب دیا ـــ" ابھی مجھے اپنی پہلی بات کا جواب نہیں ملا ہے"۔ وہ اُڑ سا گیا۔

"یہ کیونکر ممکن ہے"۔ صہبا نے آخری فقرہ نظر انداز کر دیا۔

"اسی طرح۔ جیسے آپ کے سنگلاخ دل میں میری لطیف تر سچی محبت کا گذر"۔ اسمٰعیل نے کہا۔ جیسے وہ اس موقعہ کی تاک میں ہی بیٹھا ہو۔

غیرتِ حسن سے صہبا کا منہ سرخ ہو گیا۔ اور وہ اسی لمحہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اسمٰعیل نے پہلے کی طرح اس بار بھی اس کا دامن پکڑ لیا۔ اور بڑی لجاجت سے بولا۔

" آخر کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ اب میرے دل میں کوئی وسوسہ نہیں ہے۔ اس جواب کے بغیر مجھے نیند نہیں آسکتی۔ اور کل ـــــ کل مجھے پوری صحیح الدماغی کے ساتھ جنگ میں حصّہ لینا ہے ـــــ میری نیند حرام نہ کیجئے۔"

" مان لیا" ـــــ اپنے مفہوم کی ادائیگی کے لئے اسے اس سے مختصر الفاظ نہ مل سکے۔ اور وہ تیزی کے ساتھ اپنا دامن چھڑا کر کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر صہبا نے وہ سیاہ لبادہ جسے اوڑھ کر وہ اسمٰعیل کے پاس گئی تھی۔ ایک طرف ڈالا۔ اور بستر پر دراز ہو کر پھر اس گتھی پر مرکوز ہوگئی جو اسے اسمٰعیل تک لے گئی تھی۔ مگر اب اس میں چند اور پُر اسرار اضافے ہو چکے تھے ـــــ " یہ قتل یقیناً اسمٰعیل کے ایما پر ہوئے ہیں ـــــ یقیناً ـــــ لیکن کیوں ـــــ جنگی اعتبار سے مقتولین کی حیثیت تین سپاہیوں کے برابر بھی نہ تھی ـــــ سپاہی لڑتے تو ہیں ـــــ ان کی حیثیت تو صرف تماشائیوں کی تھی ـــــ" وہ اپنی ذہنی بساط کے مطابق آگے بڑھتے چلی گئی ـــــ " اور اگر واقعی میدانِ جنگ کو ان لوگوں کی ضرورت تھی۔ تو اس وقت بھی ان سے بہتر لوگ موجود ہیں ـــــ ایمی ـــــ وہ اپنے باپ سے بھی کئی قدم آگے ہے ـــــ پھر جوب ـ ایمرے ـ بُل ـ سلیٹر ـ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ـــــ جیسے میرے سنگلاخ دل میں اس کی لطیف ترمحبت کا گزر ـــــ ناممکن! ـــــ لیکن اسمٰعیل تو یوں پُر امید ہے کہ اِدھر اس نے سحر پڑھ کر پھونکا اور اُدھر عیسائی لشکر تباہ ہوا۔ عیسائیوں کی مسلسل جنگی تیاریاں۔ ایک پر بارہ[12] کا تناسب ـ میرے خیال میں تو وہ مجھے خوش فہمی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے ـ اور کیا معلوم کہ وہ اسلامی مفاد کا دل سے حامی بھی ہوا ہے یا نہیں ـــــ جو شخص اپنی ذاتِ واحد کے بل پر حسن پرقاتلانہ حملہ کر سکتا ہے۔ وہ اتنی بڑی فوج کے سہارے کیا کچھ نہ کر گزرنے کی

کوشش کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ مجھے فریب سے جیتنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ممکن ہے اس کا خیال ہو کہ اسلامی لشکر کی شکست کے بعد اس کی حیثیت ایک ریاستی حکمراں کی ہو گی۔ اور اس کی یہ امارت صہبا کو اس کے قدموں میں لا ڈالے گی۔ لیکن صہبا سے تو وہ اچھی طرح واقف ہے — نہیں نہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا — وہ ایسا نہیں سوچ سکتا — کبھی نہیں — آخر میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں — میں یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اگر وہ اپنے قول کے مطابق عیسائی لشکر کو شکست دے کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا تو — مگر — مگر وہ ہو کیسے سکتا ہے کامیاب۔

انھیں وسوسوں میں غلطاں پیچاں وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی ؎

طلسمی معرکہ

بالآخر قیامت کی گھڑی آپہنچی۔

دن چڑھے تک عیسائی لشکر اسمٰعیل کے نقشۂ جنگ کے مطابق ترتیب پا چکا تھا۔ اسی نقشۂ جنگ کے مطابق۔ جس پر سرد غوس کی جانب سے بھی صاد حاصل کر لیا گیا تھا۔

فوج کا تیسرا حصہ تو راتوں رات جراجہ کے شمال کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب میدان میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو تو یہ حصہ اس افواہ کے ساتھ کہ حکومت بیزنطی کی طرف سے بھی کمک آپہنچی ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں یہاں اس طرح پہنچتا رہے کہ دشمن اسے ایک لامتناہی سلسلہ سمجھ کر جی چھوڑ بیٹھے۔

پندرہ ہزار کا ایک دستہ ریو کے ساحل پر اس غرض سے بھیجا گیا تھا کہ دشمن کو سسلی کی طرف سے رسد و کمک نہ پہنچنے دے۔ علاوہ ازیں وہ تمام کلیں جو ایک سیدھی قطار میں جمائی گئی تھیں۔ دائیں بائیں اس قدر آگے بڑھا کر نصب کی گئیں کہ ان کے اور دشمن کے دونوں بازوؤں کے درمیان معمولی سا فاصلہ رہ گیا۔ دس ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ اسلامی لشکر کی پشت پر ڈال دیا تھا۔ اور اسے سخت تاکید تھی کہ وہ صرف پیچھے ہٹتے ہوئے دشمنوں کو ان کے مخصوص مقام پر دھکیلتا رہے

اس کے علاوہ جب تک اسے اسمٰعیل کا کوئی حکم نہ ملے۔ وہ جنگ میں کسی قسم کا کوئی حصّہ نہ لے۔ یہ تبدیلی اور تقرری اس منطق کے ساتھ عمل میں لائی گئی تھی کہ دائیں بائیں سے آگ۔ پتھر اور تیزاب اُگلنے والی کلیں اسلامی لشکر کو وسط میں سمیٹے۔ ہیں گی۔ اور وقت جب کہ ان کی بے پناہ مار سے دشمن حواس باختہ ہو گا۔ ہم سامنے سے انہیں اپنے تیر انداز دستے کی زد پر لے کر ڈھیر کرنا شروع کر دیں گے۔

اس ہر طرفہ مار سے گھبرا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا تو ان کی مزاج پُرسی کے لئے ہمارے دس ہزار جوان پہلے ہی تعینات ہیں۔

دونوں جانب قیامت آثار تیاریوں کا بازار گرم تھا کہ اسمٰعیل اور امین خوبصورت زرہ بکتر پہنے سرتاپا آہن پوش۔ بڑے بڑے افسروں کے غول میں نمودار ہوئے ان کی آمد سے عیسائی لشکر میں ہلچل سی مچ گئی۔ ان کے گھوڑے۔ جن کے اعضاء میں بجلیاں کوندتی معلوم ہوتی تھیں۔ اپنی فوج کی قطاروں میں ہوا کی طرح گزرنے لگے۔ فوج کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک معائنہ کرنے کے بعد اسمٰعیل قلب کے اس چھوٹے سے چوکور میدان میں آکھڑا ہوا جو اس کے اور امین کے لئے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ تمام افسران تک اس کے ہمرکاب تھے۔ اسمٰعیل نے ان کو ایک طرف کھڑا کر کے پُر امید مدبرانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

"میں یہ خیال نہیں کر سکتا۔ کہ آپ لوگ۔ جو مسلمانوں سے بیسیوں بار لڑ چکے ہیں۔ مسلمانوں کے اصولِ جنگ سے واقف نہ ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شروع میں یہ لوگ مقابل کو پوری قوّت کے ساتھ لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن خود نہیں لڑتے۔ ان کے حملے اس وقت شروع ہوتے ہیں جب کہ مقابل پے در پے کر کر کے چور ہو چکا ہوتا ہے۔ اختتامِ جنگ کے اعلان سے کچھ پہلے ان کے

علے عام طور پر بہت سخت ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے فوج کے تیسرے حصہ کا کچھ حصہ یہاں ایسے ہی وقت پر پہنچنے کے لئے علیحدہ کر دیا ہے۔ ہماری یہ ترکیب کس قدر معقول ہے۔ یہ آپ کو موقعہ پر معلوم ہوگا۔ اس کے علاوہ ——"

اسمٰعیل کی نگاہ ایک گھوڑ سوار پر اُلجھ گئی جو تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھا آرہا تھا۔ اسمٰعیل کے سامنے پہنچ کر وہ گھوڑے سے اُترا اور دایاں ہاتھ اوپر اُٹھا کر سر جھکاتے ہوئے بولا۔

"خداوند کا خیال درست نکلا۔ سسلی کے عام باشندے جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی ہیں، بھاری اکثریت کے ساتھ مسینا میں جمع ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ جمع ہونے والوں کا دو روز اور انتظار کریں گے۔ اور اس کے بعد یہ طوفان آبنائے مسینا کو پار کر کے اِدھر بڑھنا شروع کر دے گا۔"

"یہ خبر آغازِ جنگ کے موقعہ پر یقیناً ایک نیک شگون ہے۔ خدا کے ہاں ہماری فتح مرقوم ہو چکی ہے۔ اور اب ویسے ہی حالات پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مسٹر جوب" —— اس نے جوب کی طرف رُخ کیا —— "ابھی اور اسی وقت۔ سات ہزار گھوڑ سوار۔ اور دس ہزار پیادے۔ جو اعلیٰ تربیت یافتہ ہوں۔ سلیٹر کی کمان میں ریو کی طرف روانہ کر دو۔ پندرہ ہزار فوج وہاں پہلے سے موجود ہے یہ دونوں ٹکڑیاں یکجا ہو کر آبنائے مسینا پر اس طرح چھا جائیں کہ اسے پار کرنا موت کے گھاٹ اُترنا ثابت ہو۔"

جوب نے دایاں ہاتھ بلند کر کے اطاعت و فرمانبرداری کی تجدید کی۔ اور سلیٹر کو ساتھ لے کر چلنے ہی والا تھا کہ اسمٰعیل نے اشارے سے روک لیا۔

"انھیں روانہ کرنے کے بعد آپ کا میرے پاس آنا ضروری نہیں ہے۔ اپنی مقررہ

جگہ سنبھال کر اگلے حکم کا انتظار کریں ـــــ اور" ـــ اسمٰعیل کا رُخ دیگر افسروں کی جانب ہوا ـــ" آپ لوگ بھی اپنے اپنے دستوں میں پہنچ کر انھیں میری جنگی ہدایات سے مطلع کریں ـــــ اگر" ـــ اس کی نگاہ اینی کے چہرے پر لوٹ آئی ـ" اگر مناسب سمجھیں تو آخری بار اپنی فوج کی صفوں کو پھر دیکھ لیں۔ ممکن ہے کوئی مفید پہلو سامنے آجائے ـ"

"ضرور! ضرور!!" اینی نے پُر زور تائید کی ـــــ اور یہ دونوں اپنے برق باد گھوڑوں پر سوار عیسائی لشکر کی صفوں میں دوڑنے لگے۔

یہاں سے صرف تین چار فرلانگ کی دوری پر ـــــ

اسلامی فوج پورے جوش و خروش کے ساتھ صف بندی میں مصروف ہے۔ حسن اپنے اپنے فوجی حصّوں کے سپاہیوں میں خالد و طارق کی فوج پھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یوں تو یہ مختصر سی اسلامی فوج متعدد حصّوں میں تقسیم ہے۔ لیکن چار حصے خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

مقدمہ

یہ حصّہ حسن کے نوجوان بیٹے احمد کی سرکردگی میں تھا۔ کسی فوج کی ہار جیت کا انحصار اسی حصّہ کے مد و جزر سے عمل میں آتا ہے۔ اتنے اہم حصّہ پر احمد ایسے نوجوان کا تعینات ہونا۔ ان کہنہ مشق اور تجربہ کار افسروں کے لئے باعثِ حیرت تھا ـــ جو سینکڑوں جنگوں میں حصّہ لینے کے باوجود خود کو اس ذمہ داری کا اہل تصور نہ کرتے تھے۔ احمد نے گنتی کی چند ہی لڑائیوں میں حصّہ لیا تھا۔ مگر حسن کو احمد کی ذات پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس نے اسے بغیر کسی پس و پیش کے مقدمہ پر متعین کر دیا۔ حالانکہ سپہ سالار کی حیثیت سے اس کا صحیح مقام قلب تھا جو مقدمہ سے قدرے پیچھے ہوتا ہے۔ اور

اپنے وقوعہ کے اعتبار سے فوج کے دیگر دستوں سے زیادہ محفوظ سمجھا جاتا ہے۔

میسرہ

قلب کا بایاں بازو۔ احمد کے چچازاد بھائی ابنِ عمار کے حصّہ میں آیا تھا۔ یہ بھی احمد کی طرح کم عمر۔ مگر شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ جنگی نشیب و فراز کے تقاضوں کو بروقت محسوس کرنے میں بڑا ملکہ رکھتا تھا۔

میمنہ

فوج کا دایاں بازو۔ عمار کی تحویل میں تھا۔ جس کی زندگی کا بیشتر حصّہ راہِ جہاد میں صرف ہوا تھا۔ میمنہ اس کا مخصوص حصّہ تھا۔ اب تک اس نے جتنی جنگیں لڑی تھیں ان تمام میں اس کی حیثیت سالارِ میمنہ کی رہی تھی۔ اور اب وہ اس حصّہ کے فنّی نکاتِ جنگ میں اس قدر ماہر ہو گیا تھا کہ بعض اوقات بجائے اس کے کہ یہ اپنی فوج کے مقدمہ کی پیروی کرے۔ مقدمہ کو خود اس کی پیروی کرنا پڑتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ میمنہ کے ابتدائی نظم و نسق کو آخر تک برقرار رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور اب تک گنتی کی چند ہی لڑائیاں ایسی دیکھنے میں آئی تھیں جب کہ یہ حسب منشا ترتیب کو قائم نہ رکھ سکا ہو ورنہ عام طور پر اس کی طویل تر صفیں گھسان کی جنگ میں بھی آہنی ستونوں کی طرح آگے پیچھے ہوتی رہتی تھیں۔

ساقہ

قلب کا پچھلا حصّہ۔ جو عام حالات میں غیر اہم تصور کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں اس درجہ اہم سمجھا گیا کہ پوری فوج کی اعلیٰ ترین شخصیت حسؔن کو اس کی نگرانی قبول کرنا پڑی۔ بظاہر سوائے اس کے کہ دس ہزار عیسائیوں کی ایک ٹکڑی اسلامی لشکر کی پشت پر مسلط تھی۔ اور کوئی سبب ایسا نظر نہ آتا تھا کہ حسن جیسا دبنگ سپہ سالار

اپنے لئے ایسی جگہ منتخب کرنا۔ لیکن حسن کا ساقہ سے متعلق ہونا بجائے خود اس بات کا اعلان تھا کہ اس جنگ میں ساقہ کو بڑا اہم کردار ادا کرنا ہے۔

تھوڑی دیر بعد جب دونوں لشکر کیل کانٹے سے لیس ایک دوسرے کے مدِمقابل ہو گئے تو حسن ساقہ سے نکل کر مقدمہ کے سامنے آیا اور خطیبوں کی ٹولی کو اپنے اردگرد جمع کر کے۔ اس طرح کہ خطیب اور فوج دونوں اس کی تقریر سن سکیں بولنا شروع کیا۔

آج کے خوش قسمت غازیو! اور شہیدو!!
اس موقعہ پر میں آپ کی توجہ اُن چند حقائق کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو آپکی فتحیابی پر دلالت کر رہے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہراجہ کے مقام پر اسلامی لشکر کو سوا لاکھ عیسائیوں سے برسرِ پیکار ہونا پڑے گا۔ یہ خبر غلط نہیں تھی عیسائی سپاہ یقیناً سوا لاکھ کی تعداد میں موجود ہے۔ لیکن اپنے سامنے نگاہ کیجئے اور جائزہ لیجئے۔ کہ وہ فوج۔ جس سے آپکو اس وقت جنگ کرنا ہے۔ تعداد میں کتنی ہے۔ اگر آپ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ تو سنیئے۔ زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار۔ صرف چالیس ہزار۔ یہاں ضروری

ہے کہ آپ سوا لاکھ عیسائیوں کی حقیقت سے بھی باخبر ہوجائیں۔ بتیس ہزار فوج آبنائے مسینا پر اس لئے ڈال دی گئی ہے کہ سسلی کے وہ چند ہزار عیسائی جنہوں نے جوشِ وطنیت کی رو میں بہہ کر از خود ہمارا ساتھ دینے کی درخواست کی تھی۔ آبنائے مسینا کو عبور کرکے ادھر نہ آنے پائیں۔ غور کا مقام ہے کہ سسلی کے ایک جلسہ میں عیسائیوں کا ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ انھیں بھی اس جنگ کا حصّہ دار بنایا جائے۔ پھر ہماری طرف سے یہ اقدام کہ ان کے جمع ہونے کے لئے مسینا میں ایک چھوٹا سا مرکز قائم کردیا جائے — اور آج اس حقیر سی مدد کا عیسائیوں کی نگاہ میں اتنا اہم بن جانا کہ بتیس ہزار فوج انہیں روکنے پر متعین ہو۔

اور سنئے۔

چالیس ہزار فوج کو یہاں سے چند کوس کے فاصلہ پر اس غرض سے بھیجدیا گیا

ہے کہ جس وقت جنگ پورے زور و شور سے جاری ہو تو وہ بیزنطی لشکر کے نام سے چھوٹے چھوٹے دستوں میں یہاں پہنچنا شروع کردیں۔ اور ہم اس خوف کے ساتھ کہ نہ جانے کس قدر فوج ہے کہ چلی ہی آرہی ہے۔ ان کے سامنے ہتھیار ڈال کر طالبِ امان ہوجائیں۔ میزان بہتّر ہزار ـــــ

اور سنیئے۔

دس ہزار فوج کو ہماری پشت پر اس ہدایت کے ساتھ ڈالا گیا ہے کہ جب ہم پیچھے ہٹیں۔ تب ہی وہ حرکت میں آئے ورنہ مفلوج پڑی رہے۔ کُل میزان بیاسی ہزار۔ میرا ایمان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری سرخروئی منظور نہ ہوتی تو اس وقت ہمیں چالیس ہزار عیسائیوں کی بجائے سوا لاکھ عیسائیوں سے جنگ کرنا پڑتی۔ جو یقیناً ہمیں ایک ہی دن میں تباہ و برباد کرسکتی تھی

اب ذرا میدانِ جنگ کی طرف آئیے۔ وہ تمام کلیں جو ہمارے لئے انتہائی ہلاکت آفریں

نہیں۔ عیسائی سپہ سالار کے حکم سے ہمارے
دائیں بائیں اس قدر منتصل کردی گئی ہیں
کہ ہمارا میمنہ اور میسرہ ایک ہی سرفروشانہ
جست میں ان پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور
پھر انہیں کے ہتھیار انھیں کے خلاف استعمال
ہوں گے۔ یہ خود فریبی نہیں ہے۔ حقیقت
ہے۔ بیک نگاہ محسوس ہونے والی حقیقت۔
اور آج — بلکہ ابھی ابھی عیسائی سپہ سالار
نے اپنی فوج کو متنبہ کیا ہے کہ مسلمان
اپنی تلوار کے جوہر اخیر وقت میں دکھاتے
ہیں۔ لہذا بجائے اس کے کہ تم شروع میں
زوردار حملہ کرکے، آخر وقت پر تھک جاؤ
اور پھر ان کے حملے تمہارے لئے بڑے
بوجھل ثابت ہوں۔ تمہیں بھی شروع ہی سے
ایسا انداز اختیار کرنا چاہیئے کہ آخر وقت
دنداں شکن مقابلہ کرسکو۔
ان معلومات کے پیشِ نظر۔ آج کی جنگ
میں ہمیں شروع ہی سے اپنی پوری طاقت
سے حصہ لینا ہے۔ اور اس بے جگری و
جوانمردی کے ساتھ کہ ہمارے تھکنے سے پہلے

دشمن کا قلع قمع ہو جائے۔
میں دیکھ رہا ہوں کہ میری یہ باتیں آپ لوگ بڑی حیرت سے سُن رہے ہیں۔ آپ کو حیرت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میں نے اپنی فوج میں موجود رہ کر دشمن کی فوج کے چند ثانیے پہلے تک کے واقعات بیان کئے ہیں۔ لیکن اچھا ہوگا اگر ہم حیرت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں یہ سب کچھ اسی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے "
اتنا کہنے کے بعد حسن نے پلٹ کر عیسائی لشکر کی طرف دیکھا۔ ادھر بھی صفوں کے سامنے عسکری خطیب شعلہ نوائی میں مصروف تھے۔
" اب آپ میرا یہ پیغام پوری فوج تک پہنچا سکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی انھیں یہ بھی بتا دیجئے کہ میمنہ اور میسرہ کو ان کے فرائض سے آگاہ کردیا ہے۔ اور یہ ہتھیار جو آپ کے دائیں بائیں دکھائی دے رہے ہیں۔ آغازِ جنگ کے تھوڑی دیر بعد ہی خود آپ کو استعمال کرنا ہیں۔
یہ سلسلہ اس کے گرد و نواح میں کھڑے ہوئے خطیب فوج کی اندرونی صفوں

میں دوڑ گئے۔ اور حسن کا پیغام سُنا لنے کے بعد۔ اسلام کی شاندار روایات سے ان کے سینوں میں جوش جہاد کی بجلیاں بھرنا شروع کر دیں۔

حسن کی واپسی پر اسلامی لشکر کا سپہ سالار احمد۔ اپنے مخصوص جوشیلے انداز میں مقدمہ کو خطاب کر رہا تھا۔

"—— اور—— اور تم دیکھو گے کہ یہ میدانِ جنگ بھی - ہماری ان چند فتوحات میں سے ایک شمار ہوگا - جسے عیسائی مورخ مسلمانوں کے "ساحرانہ عملیات" کے ذیل میں درج کریگا۔
آج جہاں ہمیں اپنے دشمن سے اپنے جوہرِ شمشیر کی داد لینا ہے - وہاں اپنی فوج کے میمنہ سے بھی اپنی "قوت" کا لوہا منوانا ہے - ہماری فوج کا خیال یہ ہے کہ ہم میمنہ کا ساتھ نہیں دے سکیں گے - اور ہماری صفوں کو میمنہ کی پیش قدمی کا تعاقب کرنا پڑے گا - یہ درست ہے کہ اس وقت میمنہ کا افسر ایک ایسا شخص ہے جس کی پوری جنگی زندگی اسی مقام پر گذری ہے - اور جو اپنے اس عہدہ کے لئے قابلِ رشک شہرت حاصل کرچکا ہے — مگر —
تمہارا احمد - جو یقیناً جناب عمار کے مقابلے پر

طفلِ مکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ میمنہ کا
تعاقب کرکے اپنی اور آپ کی غیرت کو
مجروح ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ہم میمنہ
پر پیش نہیں رہ سکتے تو اس کی پیروی
بھی نہیں کریں گے۔ آج اس مرحلہ پر ہمیں
سر دھڑ کی بازی لگا دینا ہے۔ ہمیں تسلیم
کرادینا ہے کہ اس فوج کے مقدمہ میں ہمارا
وجود بھی اسی قدر اہم ہے۔ جتنا کہ میمنہ
میں محترم عمار کا۔ غور سے سنو! جنگ شروع
ہوتے ہی ہمارے دونوں بازوؤں کا بھرپور
حملہ ان کلوں پر ہونا ہے جو بزعمِ طاقت
ہمارے سینوں پر رکھدی گئی ہیں۔ اور
ہمیں اللہ کی ذات سے پورا بھروسہ ہے کہ
ہمارے بازوؤں کی یہ تڑپ کلوں پر قبضہ
کئے بغیر نہ رہے گی۔ اس مقام پر
مقدمہ کا کام یہ ہوگا کہ وہ ان کلوں
سے بہر حال آگے رہے۔ جو دشمن کو
اپنی زد پر لے کر آگے بڑھتی رہیں گی۔
جیسا کہ ابھی ابھی قبلہ والد صاحب نے فرمایا
ہے ـــ دشمن کی عظیم الشان فوج کے بے معنی

حصّے بخرے ہماری فتحیابی کی طرف ایک
واضح تر قدرتی اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
ان کے فرعونی ارادوں کو خود ان کی عاقلانہ
نادانیوں سے موت کے دروازے پر لا کھڑا
کیا ہے۔ اور جنگی اسلوب چیخ چیخ کر کہہ
رہے ہیں کہ اسلامی فوج کی حملہ آوری تو
صرف ایک بہانہ ہے۔ ورنہ اللہ کی جانب
سے ان کا انجام مقدر ہو چکا ہے۔ اور وہ
ہے ان کے غرور و تکبّر کی عبرت انگیز
شکست — گو اس وقت بھی یہ ہمارے مقابلہ
پر زیادہ تعداد میں ہیں۔ اور اس امید پر
بڑے حوصلہ مند۔ کہ دورانِ جنگ میں تازہ
دم فوجی دستے ان کی طاقت میں اضافہ
کرتے رہیں گے۔ نیز اِدھر سے بھی بڑے
مطمئن کہ بوقتِ ضرورت مزید فوج بھی میدان
میں اُتر سکتی ہے — مگر کیا ہم بھول سکتے
ہیں کہ اسی سرزمین پر۔ جو اس وقت ہمارے
پیروں کے نیچے ہے۔ اللہ کے دس دس
ہزار شیروں نے ایک ایک لاکھ دشمنوں کا
مقابلہ کیا ہے۔ اور پوچھ لو اس خون آلود

خاک سے ۔ کہ اُن کی تلوارِ بے امان نے
انھیں سر بھی نہیں اُٹھانے دیا ۔ ان کی
کامیابی و کامرانی کا احوال رَیَو سے پوچھو
جو آج بھی مسلمانوں کے اقتدار کی یاد دہانی کرارہا ہے ۔
ن کے زورِ شمشیر کا اندازہ اس حقیقت سے
دریافت کرو کہ ریو دشمنوں کی چھاتی میں
تیر کی طرح چبھتا رہا مگر وہ مدت مدید تک اس کی
طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہیں کر سکے
اور یقیناً ان میں آج بھی یہ جرأت ہرگز
ہرگز پیدا نہ ہوتی ۔ اگر خلیل ایسے مسلمان
انھیں اُبھارنے پر کمربستہ نہ ہوتے ۔ لیکن
انشاء اللہ العزیز آج کے بعد سے ان پر
خلیل ایسے مسلمانوں کا جادو بھی نہ چل
سکے گا ۔
خدا گواہ ہے کہ ہم اس جنگ پر اس
لئے مجبور ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی
چارہ نہ تھا ۔ میں اپنے بزرگوار والد کی
عادت سے اچھی طرح واقف ہوں ۔ اگر
یہ دیکھتے کہ سسلی کا باغی گروہ حق
پر ہے ۔ اور خلوص و نیک نیتی کے

ساتھ سسلی کو صحیح مملکتِ اسلامی بنانے کی ہم سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا کی قسم ۔ وہ اس گروہ کے لئے خلیفۂ افریقہ سے سفارش کر کے اسے برسر اقتدار لانے کی کوشش کرتے ۔ لیکن جیسا کہ آپ لوگوں نے دیکھ لیا ۔ یہ لوگ خود غرضانہ حصولِ اقتدار کی لعنت میں مبتلا تھے ۔ اور چاہتے تھے کہ سسلی ایک ریاست کی شکل میں ان کی پشت ہا پشت کا ذریعۂ عیش و نشاط بن جائے ۔ جب وہ ان ناپاک ارادوں میں خود کامیاب نہیں ہو سکے ۔ تو ایک چھوٹے سے شہر کی ملکیت کے معاہدہ پر عیسائیوں سے مل گئے ۔ اور آج جو یہ فتنہ آپ کے سامنے سر اُٹھاتے ہوئے ہے ۔ انھیں کا پیدا کردہ و پروردہ ہے ۔ میں نے کہا ہے ۔ ہم جنگ پر مجبور ہیں ۔ اگر ہم سسلی کے بچاؤ کے لئے تلوار نہ اٹھاتے تو پھر یہی فتنہ افریقہ کے ساحل پر آمادۂ پیکار نظر آتا ۔

—اے افریقہ کی اسلامی حکومت تک پرواز

کے لئے پر تولنے والو ـــــ ہم تمہیں اس مقام سے بھی پیچھے دھکیل دیں گے - جہاں بیٹھ کر تم افریقہ کو تسخیر کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو - آج کی جنگ میں یہ الفاظ دشمن کی لاشوں کے انبار سے لکھے جائیں گے - اور ـــــ

حمد یہیں تک پہنچا تھا کہ عیسائی فوج کی طرف سے طبلِ جنگ کی خونیں آواز نے اس کی زبان پکڑ لی - جواب میں اسلامی لشکر کی طرف سے بھی طبل کی آواز بلند ہوئی - اور اس کے ساتھ ہی دونوں لشکر اپنے شکار پر جا پڑنے کے لئے پہلو درست کرنے لگے - جس طرح عقاب اپنے شکار پر گرنے سے پہلے اپنے آپ کو سمیٹ لیتا ہے -

ایک عیسائی علمبردار قلب سے نکل کر اگلی صف کے سامنے آیا - ادھر اس نے جھنڈے کو جنبش دی - ادھر اسلامی لشکر سے تیسرا نعرہ بلند ہوا - اور دونوں فوجیں تیروں کی چھاؤں میں اس طرح ٹکرائیں - جیسے کسی طلسمی طاقت نے دو مہیب پہاڑوں کو ایک دوسرے پر دھکیل دیا ہو - گرد و غبار کے بادل میدانِ جنگ پر یوں چھا گئے - جیسے فرشتۂ اجل نے اپنے پر پھیلا کر شکار کو سایہ میں لے لیا ہو - جنگ کا دیوتا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ٹکراتے ہتھیاروں کے ساز پر دیوانہ وار رقص کرنے لگا - زمین خون اُگلنے لگی -

حسبِ تجویز - اسلامی فوج کے دونوں بازو تیر کی مانند دشمن کی کلوں پر جا پڑے - ان کی یہ جست اپنی تازہ دمی کی آخری درجہ زوردار تڑپ تھی - اور ان

کی امید کے مطابق اس ہلّے میں کلوں والے مورچے ان کے قبضہ میں آجانا چاہیئے تھے۔ مگر عیسائی سورماؤں نے دونوں بازوؤں کے ان قیامت بدوش حملوں کو ناکام بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان ہلاکت آفریں کلوں کا بروئے کار لانا ان کے بس کی بات نہ رہی۔ بالفاظِ دیگر ان کا عدم و وجود برابر ہو گیا۔ صورت یہ تھی کہ ان کلوں سے بالکل قریب ہی گھمسان کا رَن پڑ گیا۔ اور وہ عیسائی جو پتھر۔ تیزاب اور آتش گیر مادوں کو کلوں کے ذریعہ اسلامی لشکر پر پھینکنے کے لئے مقرر تھے تلواریں سونت کر اپنے محافظ دستوں کے ساتھی بن گئے۔ کلوں کا استعمال اب اسی وقت ممکن تھا جب کہ عیسائی سپاہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل کر ان کلوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتی۔ اور فی الوقت ایسا ہونا بہت مشکل تھا۔ خصوصاً میمنہ تو اس مورچہ سے اس قدر متصل تھا کہ اس کے اور کلوں کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ اور عیسائی کلوں کے آگے کم اور پیچھے زیادہ تھے۔

میمنہ کا سالار عمار۔ اپنے برقباد سفید گھوڑے پر ہر طرف کوندر رہا تھا۔ غالباً یہ دیکھنے کے لئے کہ عیسائی ہجوم میں کون سا مقام ایسا ہے جہاں بآسانی شگاف ڈالا جا سکے۔ اس کے چنیدہ چنیدہ جاں نثار پوری مستعدی کے ساتھ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ مگر پھر بھی بعض اوقات عمار سے کافی پیچھے رہ جاتے تھے۔ ہر زاویۂ نگاہ سے جائزہ لینے کے بعد جب عمار نے کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھی تو اپنے پیدل دستے کو دشمن سے برسر پیکار چھوڑ کر گھوڑ سوار جاں نثاروں کے ساتھ تھوڑا سا پیچھے ہٹ آیا اور گرجدار لہجہ میں چلّا یا۔

"ہمیں برچھی کی طرح دشمن کے ہجوم میں پیوست ہونا ہے۔ آؤ ہم ایک ہو جائیں۔ آگے بڑھو — یا علی مدد!" —— اور سواروں کا یہ دستہ اس طرح دشمن کے

غول پر پڑا۔ جیسے زوردار ضرب سے کلہاڑے کی نوک لکڑی میں دو تک اُتر جائے ۔۔۔ اور اس طرح فی الفور پیادوں کو کئی گز آگے بڑھ کر لڑنے کا موقعہ مل گیا عمار کا خیال تھا کہ وہ اس حملے سے کلبوں تک شگاف ڈال دے گا۔ مگر اس بار بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس نے اپنے اس حملہ سے پیادوں کو آگے بڑھ کر لڑنے کی گنجائش تو پیدا کر دی۔ مگر خود اس خونخوار گروہ میں بُری طرح پھنس گیا۔ اس موقعہ پر ذرا سا تساہل اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا تھا۔

اس نے چشم زدن میں نیزہ پھینک کر تلوار نکالی اور اس غضب کا ہاتھ چلایا کہ تلوار تو تلوار ہاتھ کی گردش تک نظر نہ آتی تھی۔ ساتھ ہی گھوڑے کو دو تین چکر دے کر قدرے گنجائش پیدا کی۔ اور اس کے بعد جو اُچھلا ہے۔ تو یوں معلوم ہوا جیسے ربڑ کی گیند زوردار گدّے کھاتی ہوئی دور جا پڑی ہو۔ عمار کی اس چھلاوہ روی نے اس کے جاں نثاروں کی سرگرمیوں میں اور زور پیدا کر دیا۔ جیسے عمار نے زبانِ حال سے کہا ہو۔ ؏

دیکھیوں لڑتے ہیں لڑنے والے

کلبوں والے مورچہ پر جو ہنگامہ آرائیاں میمنہ کے حصّہ میں آ رہی تھیں۔ بالکل وہی صورت میسرہ کی تھی جس کی سالاری کے فرائض عمار کا جواں سال بیٹا ابنِ عمار ادا کر رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ عمار کلبوں سے بالکل قریب پہنچا ہوا تھا اور ابنِ عمار دشمنوں کے پے در پے ریلوں کا زور برداشت نہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتا چلا آ رہا تھا۔ اس قدر کہ اگر یہ تھوڑی دور اور پیچھے آ جاتا تو کلبیں مسلمانوں کو بُری طرح تباہ و برباد کرنا شروع کر دیتیں۔

ابنِ عمار ۔۔۔ جو اپنے پیچھے ہٹتے ہوئے دستے کی اگلی صفوں میں دشمن کو روکنے کی

جان توڑ کوشش کر رہا تھا۔ اپنے مخصوص جاں نثاروں کے ساتھ مقدمہ کی جانب پلٹ پڑا۔ سچ یہ ہے کہ پہلے حملہ کے بعد جو اسے کلوں سے بالکل قریب لے گیا تھا۔ عیسائیوں نے فی الفور سنبھل کر جس طوفانی انداز میں اسے دھکیلنا شروع کیا تھا۔ اس سے اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی کہ صحیح الدماغی کے ساتھ کچھ سوچ سکتا۔ اور اُس وقت سے اب تک یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ وہ دشمن کی زد سے نکل کر حالات کی تبدیلی کے لئے کوشاں ہوا تھا۔

مقدمہ کو گنجان نہ پا کر جو ابنِ عمار نے گرد و پیش پر نگاہ کی تو احمد کو قلب و مقدمہ کے ساتھ دشمن کی حدوں کے اندر لڑتے پایا۔ یہ دیکھتے ہی ابن عمار نے دشمن کے سامنے کا اسلامی زور اور زیادہ کم کر کے اسے اپنی طرف بلا لیا۔ نتیجہ میں عیسائیوں کی پیشقدمی اور زیادہ تیز ہو گئی ادھر ابنِ عمار دو ہزار جوانوں پر مشتمل دستہ لے کر مقدمہ کی راہ پر ہوا سے باتیں کرتا ہوا کلوں کے عقب پر آ نکلا۔ درمیان میں اسے کئی جگہ مزاحمت کا ہدف بننا پڑا۔ جہاں اسے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں کو اُلجھتا ہوا چھوڑنا پڑا اس کے باوجود ایک ہزار سے زائد جاں باز اس کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت عقبی حصہ پر عیسائی طاقت برائے نام تھی۔ ان کی طاقت کا بیشتر حصہ اسلامی لشکر کے میدان کی طرف برابر پیشقدمی کر رہا تھا۔ اور اب اس کے سامنے میسرہ کی سپاہ نہ تھی۔ ساقہ تھا جس کی باگ ڈور حسن ایسے جرار شخص کے ہاتھ میں تھی۔ حسن اس حقیقت سے باخبر تھا کہ ابنِ عمار مقدمہ کی طرف سے کلوں کے عقب پر جا پڑا ہے۔ لہذا اس نے سامنے کے رُخ سے ہٹ کر اپنے دستے کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اور تیزی کے ساتھ آگے اُتر کر بڑھتے ہوئے دشمنوں کو دائیں بائیں سے اپنے میدان کی طرف دبانا شروع کر دیا۔

ابنِ عمار کے سامنے کلوں پر ڈیڑھ دو ہزار کی ایک عیسائی ٹکڑی مسلط تھی۔

"تلواریں نیام میں ڈال کر۔ نیزے ہاتھ میں لے لو۔" ابنِ عمار نے حکم دیا — اور دوسرے لمحہ سب نیزوں سے مسلح ہو گئے۔

"اس مورچہ پر ہم ایک ہی حملہ کریں گے — بس ایک — اور آخری! لہٰذا تمہارے سارے جسم کی طاقت تمہارے ان ہاتھوں میں کھچ آنا چاہیئے جن میں نیزے ہیں۔ یاد رہے تم خالد و طارق کے بیٹے ہو — نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!!"

ہزار سے اوپر نیزے مضبوط کمانوں سے نکلے ہوئے تیروں کی طرح مورچہ پر مسلط دشمنوں میں پیوست ہو گئے۔ عیسائیوں نے انھیں روکنے کے لئے اپنے آپ کو آہنی دیوار کی طرح پیش کیا۔ وہ جتنی بے جگری کے ساتھ جم کر لڑ سکتے تھے۔ لڑے۔ یہ تصادم کلوں سے کافی ادھر ظہور میں آیا تھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی احمد اپنے خصوصی ہمرکابوں کے ساتھ کلوں پر قابض پایا گیا۔ اب اس کی حیثیت بالکل وہی تھی۔ جو کچھ دیر قبل اس مقام پر عیسائیوں کی تھی۔ اور جس طرح پہلے مسلمان کلوں پر قبضہ کرنے کے لئے پیہاں پے در پے حملے کر رہے تھے۔ بالکل اسی طرح عیسائی دوبارہ اس مورچہ کو حاصل کرنے کے لئے پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے یہ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ جیسے کسی نے کلوں کے چاروں طرف مورچہ بنانے کے لئے بوریاں چُن دی ہوں۔ زخمی گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور گھائل سپاہیوں کی دردناک چیخ و پکار نے اس ٹکڑے کو جہنم کا نمونہ بنا دیا — یہ پہلا مورچہ تھا جو عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں پہنچا تھا۔ چنانچہ جہاں جہاں تک یہ خبر پھیلی، عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ سے کٹ کر اس طرف دوڑ پڑے۔ شروع میں تو احمد کو مقبوضہ مقام سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ مگر اس طرف دوڑنے والے عیسائیوں کے ساتھ ہی مسلمان بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے۔ اور دست بدست جنگ

کا جو بازار یہاں گرم ہوا۔ وہ اس میدانِ کارزار میں اپنی مثال آپ تھا۔

ابھی جنگ شروع ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ میدانِ جنگ لاشوں اور زخمیوں سے اتنی گنجان شکل اختیار کر گیا کہ گھوڑے قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے لگے۔ زخمیوں کی وحشیانہ کراہٹوں نے ماحول پر رقت طاری کر دی۔ مردہ گھوڑوں اور خون کے چھڑکاؤ نے خشک مٹی کو غبار بن کر سر پر چھانے سے روک لیا۔

کیونکہ آج مسلمان کی تلوار نے اختتامِ جنگ کی بجائے آغازِ جنگ ہی میں اپنی آبداری کے جوہر دکھانا تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس موقعہ پر مسلمان انجام جنگ کو آغازِ جنگ میں دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ ابتدائی بھرپور حملے ان عیسائیوں پر ناقابلِ برداشت حد تک بھاری ثابت ہوئے، جو اسمٰعیل کی ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو شام کی لڑائی کے لئے چاق و چوبند رکھنا چاہتے تھے۔

رفتہ رفتہ جنگ دوپہر کے مرحلے میں داخل ہوئی۔

دونوں طرف کے سورما اپنی تلوار کا لوہا منوانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ غالباً عیسائی سمجھ گئے تھے کہ اگر انہوں نے اپنی تاب و توانائی کو شام کے لئے محفوظ رکھنے کی کوشش کی تو شاید وہ اس وقت تک کے لئے زندہ ہی نہ رہ سکیں اور اب انہوں نے اپنی بھرپور طاقت سے مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ وہ میدانِ جنگ کے ہر محاذ پر بڑی بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ اتنی شجاعت و سلے جگری سے کہ کہیں کہیں تو اسلامی لشکر کو پیچھے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ اس وقت فوجوں کا سارا زور تین مورچوں پر لگا ہوا تھا۔ دائیں۔ بائیں۔ اور درمیان۔ دونوں بازوؤں کے کلوں والے مورچے عمار۔ اور ابنِ عمار نے فتح کر لئے تھے۔ اور اب عیسائی فوج انھیں دوبارہ اپنی تحویل میں لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ درمیانی حصہ میں ساقہ اور مقدمہ ایک

ہوجانے کے سبب حسن اور احمد اپنے دستوں کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ جنگ پورے شباب پر تھی۔ کٹے ہوئے سر گھوڑوں کی ٹاپوں میں آ رہے تھے۔ لاشوں اور زخمیوں کی کثرت جنگجوؤں کے لئے خطرناک رکاوٹ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

ٹھیک اسی موقعہ پر ——

عیسائیوں کی فوج میں خوشی و مسرت کی حوصلہ افزا لہر دوڑ گئی۔ کچھ فاصلہ پر گرد و غبار کی لپیٹ میں عیسائیوں کا تازہ دم دستہ طوفان کی طرح میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عیسائی نقیبوں کے جسم میں۔ جیسے بجلیاں بھر گئی ہوں۔ وہ چھوٹی بڑی ٹکڑیوں میں بٹ کر جنگ کرنے والے عیسائیوں کے سروں پر پہنچ کر چنگھاڑنے لگے۔

"مژدہ! سرفروشانِ قوم مژدہ!! حکومت بیزنطی کی طرف سے بھیجی ہوئی امدادی فوج میدانِ جنگ کے کنارے آ گئی۔ اب یہ سلسلہ ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ فتح تمہارے نصیب میں لکھی گئی۔ اب دنیا کی کوئی طاقت تمہاری سرخروئی و کامرانی میں حائل نہیں ہو سکتی۔ پچاس ہزار —— پچاس ہزار عیسائی فوج تازہ دم۔ اور جدید ترین آلاتِ حرب سے مسلح —— پچاس ہزار۔ دیکھنا یہ بھگوڑے زندہ نہ جانے پائیں۔ انھیں اس میدان میں اپنی ناکامیوں کے ساتھ آخری نیند سونا ہے۔ خبردار جانے نہ

پانچ ۔ پچاس ہزار ۔ بیزنطی فوج ۔"

اور جہاں جہاں نقیبوں کی یہ آواز عیسائیوں کے کانوں میں پڑی۔ ان کے نڈھال جسم اور تھکے ہوئے ہاتھوں میں بے پناہ قوت عود کر آئی۔ ان کی خون میں لتھڑی ہوئی تلواریں بجلیوں کی طرح کوندنے لگیں۔ اور ایک بار تو واقعی مسلمان اس تذبذب میں پڑ گئے کہ لڑتے رہیں۔ یا ہتھیار ڈال کر طالبِ امان ہو جائیں۔

اسی دوران عیسائیوں کا پہلا تازہ دم دستہ میدانِ جنگ میں آ کودا۔ اسلامی لشکر سے حسن نے اپنے دستۂ خاص کے ساتھ آگے بڑھ کر اُسے اپنی تلواروں پر لے لیا۔ تھوڑی دیر تک اس مقام پر طرفین کی جانب سے زوردار حملے ہوتے رہے۔

"اللہ کے دلیر بندو! راہِ حق میں تمہارے امتحان کا وقت آ پہنچا" حسن نے اپنے مخصوص پُرجوش لہجہ میں کہنا شروع کیا "تمہیں اس دستہ کو پسپا کر کے چھوڑنا ہے۔ تمہارا حسن تمہاری اس کوشش میں برابر کا شریک ہے۔ نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر" —— اور اس کے بعد جو مسلمانوں نے انھیں اپنی پشت پر لے کر ریلنا شروع کیا ہے تو کھدیڑتے ہوئے اپنے خیمے تک لے گئے۔

اِس طرف یہ طوفان برپا تھا کہ اچانک ہی اسلامی خیموں سے چند گھوڑسوار فلک شگاف نعروں کے ساتھ رونما ہوئے۔ ان کے لمبے لمبے نیزوں کی نوکوں پر۔ خلیل۔ گلبرٹ اور سردغوس کے سر رکھے ہوئے تھے۔

ایک گھوڑسوار نے اپنے نیزے کو بلند کرتے ہوئے کہا ۔ "یہ حاکمِ کلبریہ سردغوس کا سر ہے۔"

دوسرا گھوڑسوار چلّایا۔ "اور یہ ہے اس ننگِ ملّت کا سر۔ جسے خلیل کہتے تھے۔" تیسرا چیخا۔ "اور یہ ہے وہ مردود گلبرٹ۔ جس نے ہمارے سپہ سالار کے سر کی

قیمت مقرر کی تھی ۔"

یہ آوازے کیا تھے ۔ ایک طلسم تھا ۔ کہ جو بھی سنتا اور دیکھتا تھا ۔ مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا ۔ سوار بدستور آگے بڑھتے گئے ۔ عیسائیوں کے لئے تو یہ منظر جو کچھ تھا ۔ وہ تھا ہی ۔ خود مسلمان ۔ بالخصوص حسن ۔ عمارہ ۔ اور ابنِ عمار کے لئے بھی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا ۔ اوّل اوّل تو انہوں نے سمجھا کہ مجاہدوں نے اسی معرکہ میں عیسائی سرداروں کے سر قلم کئے ہیں ۔ مگر کٹے ہوئے سروں کی ہیئت اور گھوڑ سواروں کے خیموں کی آڑ سے نکلنے کے پیشِ نظر ان کا یہ خیال جلد ہی بدل گیا ۔ گو اسلامی افسر اس عقل دنگ کر دینے والے کارنامے کے بارے میں فوری طور پر معلومات حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھے مگر وقت کی نزاکت نے انھیں صبر و تحمل سے کام لینے پر مجبور کر دیا ۔

جس سوار کے نیزے پر سردغوس کا سر تھا ، اب وہ وسطِ میدان میں برسرِ پیکار مجاہدوں کو خطاب کر رہا تھا ۔

"فتح مبارک ہو ! سردغوس ۔ خلیل اور گلبرٹ کے سر اُڑا دیئے گئے ۔ عیسائی لشکر کا دورِ خرابی آ پہنچا ۔ یہ دیکھو ۔ ان تینوں کے سر ۔۔۔ یہ دیکھو !! تمہاری شاندار فتح کا ناقابلِ تردید ثبوت ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تازہ دم دستے کے ساتھ ہمیں تباہ کرنے کے لئے آئے تھے ۔۔۔ یہ دیکھو !"

آن کی آن میں یہ خبر اسلامی نقیبوں کی زبانی میدانِ جنگ کے چپّہ چپّہ پر پھیل گئی اور عیسائیوں کو یوں معلوم ہوا جیسے ان کے خرمنِ ہوش و حواس پر بیک وقت ہزاروں

بجلیاں آ پڑی ہوں۔ ان کے ایکا ایکی مبہوت ہو جانے۔ اور گرد و پیش سے بے خبر ان سروں کی طرف دیکھتے رہنے سے مسلمانوں نے بڑی سرعت کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہزاروں سر چشم زدن میں تن سے جدا ہو کر زمین پر آ پڑے۔ نیزوں کی نوکوں میں لگے ہوئے یہ تینوں سر ذرا سی دیر میں سارے میدان میں تشہیر پا گئے۔ اور اس کے بعد جیسے مسلمانوں کی رگ و پے میں خالد و طارق کا خون گردش کرنے لگا ہو۔ وہ نعرۂ تکبیر کے غلغلوں میں اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کرتے ہوئے۔ اس بے پناہی کے ساتھ حملے کر رہے تھے کہ ان کا سنبھالنا۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو حاکم کلبریہ اور اپنے دیگر سربراہوں کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر پہلے ہی مردہ ہو چکے تھے ممکن نہ تھا۔ غرض کٹے ہوئے سروں کے مظاہرے نے کم و بیش ہزاروں ہی عیسائی سروں کو زمین پر لا ڈالا۔ گویا یہ سر کیا تھے۔ ایک طلسم تھا۔ جس نے دیکھتے دیکھتے جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ دیا۔ ایک جانب تو عیسائی لشکر میں انتہائی بد دلی اور مایوسی پھیل رہی تھی اور دوسری جانب مسلمان فاتحانہ جوش و خروش کے ساتھ حملے کر رہے تھے۔

سہ پہر کے قریب تک مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ اور اس کے بعد میدانِ جنگ یوں معلوم ہونے لگا۔ جیسے دم توڑ رہا ہو۔ عیسائیوں کے تازہ دم دستے۔ جنھیں اسمٰعیل نے بیزنطی فوج کا روپ دیا ہوا تھا۔ شہر پناہ کی اوٹ سے نکل نکل کر برابر میدانِ جنگ میں پہنچ رہے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ تازہ کمک کی مسلسل آمد عیسائیوں کے اندر جرأت و حوصلہ پیدا کر کے مسلمانوں کے لئے ناقابلِ عبور رجحان ثابت کرتی۔ وہ لحہ بہ لحہ دبتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ احمد کو ان کی طرف سے بھاگ چھوٹنے کا شبہ ہونے لگا۔ اس وقت مسلمان ہر مقام پر حاوی تھے۔ لہٰذا احمد ڈیڑھ ہزار جوشیلے مجاہدوں کے ساتھ دائیں بازو سے نکل کر تیر کی طرح گھستا ہوا دشمن کے عقب پر جا پڑا۔ اور اس

طرح میدانِ جنگ اور شہر کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی ہو گئی۔

احمد کی یہ روش ان عیسائیوں پر واقعی بہت گراں گزری جنھیں اور امیدوں کے ساتھ ایک امید یہ بھی تھی کہ وہ بوقت ضرورت شہر میں محصور بھی ہو سکتے ہیں ــــ معاً احمد کی نگاہ عیسائی لشکر کے عقبی خیموں کے درمیان ایک اجتماع پر پڑی۔ اور پھر جیسے اسے کوئی غیبی پیغام مل گیا ہو۔

"فتح سے ہمکنار مجاہدو! میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ عیسائیوں کا وہ ہجوم جو ہمیں ان خیموں کے درمیان نظر آ رہا ہے یقیناً ذمہ دار لوگوں پر مشتمل ہے اور وہ اس جنگ کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اگر ہم انھیں اپنے نیزوں کے گھیرے میں لے کر کسی طرح بھی اپنے خیموں تک لے جائیں تو شاید یہ جنگ اسی مرحلے پر ختم ہو سکتی ہے۔ دو سو جوان بڑھ نکال کر نصف دائرہ کی شکل میں آگے بڑھیں اور اس مجمع کو اپنے حصار میں لینے کے علاوہ کسی بھی طرف دھیان نہ دیں۔ ہم اس حصار کی سلامتی کے لئے چاروں

طرف ایک مورچہ سا بنالیں گے۔ اور
پھر ہم جس راہ سے یہاں تک پہنچے
ہیں۔ اسی راستے سے لوٹنے کی کوشش
کریں گے۔ دو سو بلّم بردار آگے
آجائیں — جلدی کریں۔ جلدی ہو"

چند ثانیے بعد احمد کا دستہ اس کی خواہش کے مطابق مرتب ہوگیا۔ اور یہ بیک جنبش یہاں سے یوں آگے بڑھا جیسے اس کے پر لگ گئے ہوں۔ یہ مجاہد جوں جوں اس اجتماع سے قریب پہنچتے گئے، صفوں کی چوڑائی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور جب یہ لوگ خیموں کی آڑ سے اس اجتماع کے بالکل ہی نزدیک پہنچ گئے تو گرد و غبار اور گھوڑوں کی چیخ و پکار نے انھیں بروقت مطلع کر دیا۔ دوسرے ہی لمحہ فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے یہ تمام احمد کے محاصرہ میں تھے۔

محصور لوگوں میں اسمٰعیل۔ اینی۔ جوب اور دیگر کئی نامی گرامی افسران شامل تھے۔

"میدان ہمارا ہوگیا" ۔ احمد نے فرطِ مسرت سے چہک کر نعرہ لگایا۔ "اگر ہم ان لوگوں کو اپنے میدان تک لے جانے میں کامیاب ہو گئے"۔

اینی اور اسمٰعیل کچھ اس طور پر، جیسے وہ ہتھیار ڈال چکے ہیں، بلّم برداروں کے اشارے پر چل نکلے۔

"مزاحمت فضول ہے"۔ اسمٰعیل نے عیسائی افسروں کو مخاطب کیا۔ "اس طرح شاید ہم اپنی جانیں بچا سکیں۔ اور —!"

دیگر افسران جو بیس پچیس سے زائد نہ تھے۔ اسمٰعیل کے مشورہ سے راضی برضا ہو کر حلقہ کی رہنمائی میں تیز قدمی کے ساتھ چلنے لگے۔

احمد معاملہ کی تہہ کو پہنچ کر علَم برداروں کے حلقہ میں داخل ہوا۔ اور ایبی کو ہاتھ سے گھسیٹ کر مالِ غنیمت کی طرح اپنے گھوڑے پر ڈال لیا۔

"تمہاری نزاکت دوسروں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔" اس نے بے پروا انداز میں ایبی سے کہا۔ اور اپنے گھوڑے کا رُخ اگلے حصّے کی طرف موڑ دیا۔

کسی کے اشارے پر احمد کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے جس عورت کو اپنے گھوڑے پر لادھا ہوا ہے وہ حاکم کلبریہ کی ایک ممتاز ترین ہستی ہے۔ لہٰذا اس خیال سے کہ راستے میں کہیں عیسائیوں کی مزاحمت شدّت اختیار نہ کر جائے، اس نے کڑک کر کہا۔

"اسی رفتار سے بڑھے چلے آؤ — میں آگے چلتا ہوں — چند لمحوں بعد پھر تمہارے ساتھ ہوں گا" —— اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدانِ جنگ سے دور ہی دور اپنے خیموں کی طرف ہوا ہو گیا۔

خونِ انسانی میں شرابور احمد۔ جس کا گھوڑا ابھی نہ صرف خون میں نہایا ہوا تھا — بلکہ بیسیوں چھوٹے بڑے زخم کھا چکا تھا۔ بالآخر اپنے خیمۂ خاص تک پہنچ گیا — ایبی کو گھوڑے سے اُتار کر اسے خیمہ کے نگہبان سپاہیوں کے حوالے کرتے ہوئے احمد بولا۔

"انھیں باعزّت مہمان کی طرح خیمہ میں نظر بند کر لو — قیمتی شے ہے — کھونے نہ پائے"۔

اس عجیب سے اندازِ گفتگو پر ایبی نے احساسِ ناگواری کے ساتھ احمد کو دیکھا۔ احمد نے چہرے کے خود کو اوپر کی طرف سرکا کر پہلی بار اپنی نقاب کشائی کی۔

"کہئے۔ کچھ کہنا ہے آپ کو!" اس نے ایبی سے دریافت کیا۔

"کچھ بھی نہیں"۔ ایبی جھڑکی کے انداز میں بولی۔

"تو پھر آرام کیجئے"۔ احمد نے چہرے کے خود کو پھر نیچے کھینچ لیا۔ اور گھوڑے کو

ایڑ لگا کر اسی راہ پیچھے لوٹ گیا۔ جس سے یہاں تک پہنچا تھا ــــ ابھی تھوڑی دور ہی چلا ہوگا کہ ٹھٹھک کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا اندیشہ رنگ لے آیا تھا۔ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم حصار کے سامنے حائل ہوکر زور شور کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ احمد اس راہ سے ہٹ کر مقدمہ میں پہنچا۔ جس کی عارضی کمان اس کے باپ حسن کے ہاتھ میں تھی اور جو اپنی فوج کو انتہائی دلیری و دانشمندی کے ساتھ لڑا رہا تھا۔

"آپ!" احمد نے اپنے باپ کے پاس پہنچ کر بعجلت کہنا شروع کیا ــ "تھوڑی دیر کے لئے اپنے مخصوص دستے کے پانچسو مجاہد مجھے عنایت کر دیں۔ اس وقت جنگ کی اہم ترین مہم وہ ہے ــــ وہ!" اس نے میدانِ جنگ سے ہٹ کر لڑتے ہوئے سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"تم یہاں ٹھہرو۔" اس کے باپ نے کہا "میں خود وہاں پہنچتا ہوں۔"

"اس کے لئے تفصیلات کی ضرورت ہے اور وقت اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وہاں کے بارے میں مجھے بہتر معلوم ہے۔"

حسن نے اپنے دستۂ خاص کی ایک ٹکڑی کو جنگ سے گھسیٹ کر احمد کے حوالے کر دیا۔

احمد حسن کے دستے کو ساتھ لیئے ہوئے حصار پر حملہ آور عیسائیوں کے سر پر جا پہنچا۔ اور غضب سے انھیں تلوار کی طرح گردش کرتے ہوئے نیزوں کی لپیٹ میں لیکر میدانِ جنگ کی طرف سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس موقعہ پر احمد کی کوشش یہ تھی کہ وہ عیسائی فوج اور حصار کے درمیان اپنے لئے جگہ بنا لے۔ ایسا ہونے پر۔ حصار کو آگے بڑھنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو للکارا۔

"آہنی مجاہدو! اس حصار کا ہمارے حصّہ

میں آجاتا ہے۔ اور بس! جنگ درحقیقت
ختم ہو چکی ہے۔ تازہ دم دستے بجائے
میدانِ جنگ میں آنے کے شہر کی
جانب ڈگمگا رہے ہیں۔ اسلامی فوج ہر
مقام پر فتحمندانہ حملے کر رہی ہے۔ اس
جنگ کا خاتمہ تمہاری اپنی جرأت و
بہادری پر منحصر ہے۔ آگے بڑھو اور
بکریوں کے اس گلّے کو میدانِ جنگ
کی طرف ہنکا دو!

اس مختصر سی تقریر کے بعد احمد اندھا دھند عیسائیوں کے درمیان جا کودا — اور ساتھیوں کے دوش بدوش لمبے لمبے بلّموں کو لاٹھی کی طرح اس تیزی و طراری سے گھمایا کہ ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا۔ اور احمد کو اپنی توقع کے خلاف جلد ہی وہ مقام حاصل ہو گیا جس کے لئے اس نے اپنے ساتھیوں سے اس حملے کی اپیل کی تھی — اب صورت یہ تھی کہ حصار اپنی راہ آگے بڑھ رہا تھا۔ احمد کی پشت حصار کی طرف تھی۔ اور سامنے عیسائیوں کا لشکر تھا۔ جس نے شاید یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی جان سے تو جا سکتے ہیں۔ مگر اس مقام سے نہیں جا سکتے۔ وہ نہ صرف احمد کے تابڑ توڑ حملوں کو جوانمردی کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔ بلکہ موقعہ مصلحت کے ساتھ جوابی حملے بھی کرتے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ پُرجوش عیسائی حصار کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ اس محاذ کی اہمیت کا اندازہ پوری عیسائی فوج کو ہو گیا اور اب وہ اپنے آپ کو مخالف

ہنگامہ آرائیوں سے چراتے ہوئے اِدھر دوڑے چلے آرہے تھے۔

احمد کی زبانی حسن کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اس وقت انتہائی اہم مہم پر اُلجھا ہوا ہے لہذا جب اس نے دیکھا کہ عیسائی میدانِ جنگ سے کٹ کٹ کر اُس مہم کو اپنے حق میں سازگار بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ تو اس سے بھی نہ رہا گیا۔ اور وہ مقابلہ پر ڈٹے ہوئے عیسائیوں کے لئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر بقیہ مجاہدوں کے ساتھ اس محاذ کی طرف دوڑ پڑا۔ اور یہ جانے بغیر کہ معاملہ کی نوعیت کیا ہے۔ عیسائیوں کے عقب پر جا گرا۔ نتیجہ میں عیسائیوں کو دو حصّوں میں منقسم ہو کر ایک طرف حسن سے اور دوسری طرف احمد سے معرکہ آرا ہونا پڑا۔ حسن کے یہاں پہنچتے ہی طرفین کے جذبۂ جاں نثاری میں طوفان سا برپا ہو گیا۔ اور اس غضب کی دست بدست جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ جاں بازی و فداکاری کی یہ دوڑ اس قدر تیز ہوئی کہ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ جیسے جنگ کا انجام اسی معرکہ سے وابستہ ہو گیا ہو۔ تھوڑی دیر میں میدانِ جنگ کے اس ٹکڑے کو مرکزی اہمیت حاصل ہو گئی۔ دونوں طرف کے سورما جو مختلف مقامات پر فرشتۂ اجل کو زندگیوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔ کسی نہ کسی طور حصار کے مورچہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ انھیں میں سے ایک ابنِ عمار بھی تھا۔ جو اپنے مورچہ کو تسلی بخش حالات میں چھوڑ کر اپنے چُنیدہ جنگجو محافظوں کے ساتھ یہاں اس تاک میں چاروں طرف چکّر لگا رہا تھا کہ حصار کا راستہ صاف کرنے کے لئے کس رُخ پر حملہ کارگر ثابت ہو گا۔ معمولی سی دوڑ دھوپ کے بعد یہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ حصار کو جس رُخ پر آگے بڑھنا ہے۔ اُسی جگہ حملہ کر کے عیسائیوں کو پیچھے دھکیلنا چاہیئے۔ گو اس کے ساتھ دو اڑھائی سو سے زائد مجاہدین نہ تھے۔ مگر شوقِ شہادت کی تڑپ نے انھیں ہزاروں سے گراں تر بنا رکھا تھا۔ ابنِ عمار اس ہنگامہ سے کچھ دور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور

یہاں سے فلک شگاف نعرۂ تکبیر لگاتا ہوا اپنے نشانہ پر اس تیزی و پُرزوری کے ساتھ ٹکر ماری کہ دشمنوں کے وہ قدم، جو ہلائے نہ ہل رہے تھے۔ پندرہ بیس گز پیچھے جا پڑے۔ احمد نے دوسرے ہی لمحہ حصار کو یہ فاصلہ طے کرا دیا۔ احمد کو ابنِ عمار کی یہ تدبیر بے حد پسند آئی۔ ابنِ عمار نے یہ ٹکر حصار کے دائیں جانب سے ماری تھی۔ احمد اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس خونخوار ہجوم سے نکل کر حصار کے بائیں جانب دوڑ گیا اور بالکل ابن عمار کی طرح بے تحاشہ دوڑتے ہوئے سدِ راہ عیسائیوں سے اس بُری طرح ٹکرایا کہ وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اُدھر دائیں سے پھر ابنِ عمار نے پچھلا عمل دُہرایا۔ عیسائی ابنِ عمار کی ٹکر سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ بائیں سے پھر احمد کی باری آ گئی — اس کے بعد پھر ابنِ عمار کی — پھر احمد — ابن عمار — احمد۔ سامنے کے عیسائی دائیں بائیں کی پے در پے ضربات سے اس قدر پریشان اور حواس باختہ ہوئے کہ ایک دم آگے بڑھ کر حصار کے بائیں رخ پر مصروفِ جنگ عیسائیوں میں شامل ہو گئے۔ اور اس طرح حصار کو خاطر خواہ تیز قدمی کے ساتھ آگے بڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ اس موقعہ پر اسلامی فوج نے آن کی آن میں اپنے دستوں کو کلوں والے مورچے کے عقب کی طرف دوڑا دیا۔ یہ مورچے مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ اور اس وقت یہاں برائے نام جنگ ہو رہی تھی۔ مجاہدوں کا کلوں کے عقب میں پہنچنا تھا کہ ہر دو جانب سے عیسائی لشکر پر آگ۔ تیزاب اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اب تک ان کا استعمال اس لئے نہ ہو سکا تھا کہ اوّل اوّل تو اسلامی لشکر کے بازو ایک ہی نرغہ تنگ میں ان تک پہنچ گئے تھے۔ اور عیسائیوں کے لئے انھیں بروئے کار لانا ممکن نہ رہا تھا۔ علاوہ ازیں جب یہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تب بھی عیسائیوں کا جمگھٹ یہاں موجود تھا۔ اور وسطِ میدان میں عیسائی اور مسلمان ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ اب جونہی میدان

مجاہدوں سے خالی ہوا اور عیسائی آگے بڑھتے ہوئے پائے گئے۔ کلوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور وہ دھواں دھار بارش کی کہ مسلمانوں کے تعاقب میں بازوؤں کی طرف بڑھتے ہوئے عیسائی رسٹ پٹا کر ایک دم پیچھے مڑ گئے۔ ان کا پیچھے مڑنا تھا کہ مسلمانوں نے کلوں کو بھی بتدریج آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ اور کلوں کا یہ تعاقب دشمن کے لئے اتنا دہشت انگیز ثابت ہوا کہ وہ خیمہ و خر کو پیچھے چھوڑ کر بھاگتے ہی چلے گئے۔ اور جب درمیانی رکاوٹوں کی وجہ سے کلوں کا آگے بڑھنا مشکل ہو گیا۔ اور گھوڑ سوار مجاہد ان کے تعاقب میں اڑنے کو پر تولنے لگے تو احمد نے آگے بڑھ کر ان کی راہ میں حائل ہوتے ہوئے کہا۔

"تعاقب بیہودہ ہے۔ دشمن صرف اپنی جان لے کر بھاگ رہا ہے۔ ان کا تمامتر جنگی مال و متاع ہمارے سامنے ہے اور ہمارا ہو چکا۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کا اس میدان سے بچ کر جانا ہمارے لئے مضر ہوتا۔ وہ پہلے ہی گرفتار کئے جا چکے ہیں — اب جراجہ ہمارا ہے۔ اور انشاءاللہ العزیز! کلبریہ بھی آفتاب غروب ہونے کو ہے۔ سجدۂ شکر کی تیاری کرو۔"

یہ سن کر — خاک و خون میں لتھڑے ہوئے — زخموں سے چور — اور تکانِ جنگ سے بدحال مجاہدوں نے — ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا۔ جیسے

مشورہ لے رہے ہوں —" کیا یہ ٹھیک ہو گا" — اور تھوڑی دیر کے بعد۔ وہ احمد سے متفق ہو کر اپنے خیموں کی طرف لوٹنے لگے۔

اور معمول کے مطابق — پیش رو گروہ — جو میدانِ جنگ سے الگ تھلگ راستوں کی صفائی۔ سپاہیوں کی خدمت۔ اور میدانِ جنگ سے لاشوں اور زخمیوں وغیرہ کو اُٹھانے پر مقرر تھا۔ میدانِ جنگ کی طرف دوڑ پڑا۔

"ٹھہرو!" احمد کی گرجدار آواز سن کر یہ گروہ جہاں تھا وہیں کھڑا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحہ احمد گھوڑے کو دوڑاتا ہوا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"عیسائیوں کی لاشیں بھی اسی احترام کے ساتھ اُٹھائی جائیں۔ جس طرح مسلمان شہیدوں کی اُٹھائی جاتی ہیں۔ اور انھیں کسی ایک جگہ جمع کر کے۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے دفنا دیا جائے۔ تمام زخمی خواہ وہ عیسائی ہوں یا مسلمان بصد احتیاط طبّی خیمہ میں پہنچا دیئے جائیں۔ جاں بلب زخمیوں سے ہرگز ہرگز چشم پوشی نہ کی جائے — ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ نہ بچ سکنے والے زخمیوں پر محنت کرنے سے جی چُراتے ہو۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ ایسے زخمیوں کو سب سے پہلے طبّی خیمہ میں پہنچانا — جاؤ! اور پوری دیانتداری سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کرو — ایک بار پھر سُن لو — تھوڑی دیر بعد مجھے میدان میں گشت لگانا ہے۔ اور اگر وہاں کسی زخمی کی کراہ سُنی گئی تو یہ بہتر نہ ہو گا"۔

گروہ کے افسر نے جھک کر تنظیم تعمیل کا یقین دلایا۔ اور اس کے بعد انتہائی تیز قدمی سے پورے میدانِ جنگ میں پھیل گئے۔

احمد۔ یہاں سے حسن کے پاس پہنچا۔ جو تمام بڑے بڑے افسروں کے ساتھ اپنے خیمہ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ احمد کے یہاں پہنچتے ہی مشورت کے لہجہ میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آج کی رات ہماری نصف فوج عیسائیوں کے خیموں میں بسر کرے کیونکہ مال غنیمت مسلمانوں کی امانت بن چکا ہے۔ اور اس کی نگہداشت ــــــــ"

"صرف نگہداشت ہی نہیں حضور والا" احمد نے بات کاٹی ۔ "مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ شبخون مارنے کی جرأت نہ کر بیٹھیں ۔ اس لئے میں تو یہی بہتر جھوں گا کہ ہم سب ادھر رات گزارنے کی بجائے ۔ اُدھر ہی رات گزاریں۔ یہاں کی نسبت ہمیں وہاں زیادہ سہولت رہے گی۔ ادھر صرف پانچسو جوان کافی ہوں گے"۔

"تو پھر ہمارا خیمہ یہاں سے اکھیڑ کر اُدھر نصب کر دیا جائے ۔ ہم اسی میں سونا پسند کریں گے ـــ عمار!ـــ وہ اپنے بھائی کی جانب متوجہ ہوا ـــ یہ سارا انتظام تمہارے ذمہ ہے ۔ ہمارا بازو کا زخم"ـــ اس نے بازو پر ہاتھ رکھ کر ایک دل دوز سسکاری بھری ۔ "ہمیں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہونے دے گا"۔

"اعلیٰحضرت تشویش نہ فرمائیں ۔ تمام کام حسب دلخواہ انجام پذیر ہو گا"۔

"کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ جنگی قیدی یہیں رہیں۔ اور یہاں کے پانچسو جوانوں کی نگرانی میرے سپرد کر دی جائے "۔ احمد نے خیمہ کی طرف پلٹتے ہوئے حسن سے اجازت طلب کی ۔

" اگر تمہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ حسن نے روا روی میں جواب دیا اور اپنے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ جہاں اس کا طبیب خاص مرہم پٹی کے لئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

احمد یہاں سے اپنے خیمہ پر پہنچا جہاں اینی ایسی جمال آفریں لڑکی ـــ مایوسیوں کے تھپیڑوں سے زخم خوردہ ہرنی کی طرح سکڑی سمٹی ایک جانب پڑی تھی ۔ اور جس کے چاروں طرف انتہائی کڑی نگرانی تھی ۔ مردانہ اوصاف کا پیکر احمد چہرہ کا آہنی خود اپنی بغل

میں دبائے ۔ خونین لباس میں جب خیمہ کے اندر پہنچا ۔ تو اینی نے احمد کو یوں دیکھا جیسے اسے کسی کی کوئی پروا نہیں ہے ۔ اور نگاہ کو سامنے کی زمین میں پیوست کر دیا ۔ وہ اس وقت کھجور کی ایک چٹائی پر بیٹھی ہوئی تھی ۔ جسے بجائے قالین یا چاندنی ۔ خیمہ کے اندر بچھایا گیا تھا ۔ احمد کے خیمہ میں کئی اعلیٰ قسم کی کرسیاں موجود تھیں ۔ لیکن نہ جانے کیوں اینی نے ان پر بیٹھنا پسند نہ کیا ۔ وہ خیمہ کے درمیانی سہارے سے ٹیک لگائے گھٹنوں کو ہاتھوں کی آغوش میں لئے ہر طرف سے بے سُدھ ۔ نگاہ کی سیدھ میں دیکھے جا رہی تھی ۔ مشعل بردار اب سے کچھ دیر قبل یہاں ایک مشعل اور چار موم بتیاں روشن کر گئے تھے ۔ جن کی روشنی میں خیمہ کے خد و خال واضح طور پر نظر آ رہے تھے ۔ احمد اینی کو اس انداز میں بیٹھا دیکھ کر فتحمندانہ عاجزی سے بولا ۔

" ہم لوگ جنگی مہم پر ہیں ۔ ایسے موقعوں پر ہمارے ساتھ سامانِ آرائش نہیں ہوتا ۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہاں آپ کو شایانِ شان جگہ نہیں مل سکی ۔ اور جو غنیمت تھا ۔ آپ نے وہ بھی پسند نہیں فرمایا ۔"

" شکریہ ! " اینی نے ڈھیلا سا کھینچ مارا ۔

احمد " جیسی آپ کی مرضی " کے انداز میں گردن جھٹک کر اپنے پلنگ پر آ پڑا ۔ اس کے بیٹھتے ہی دو خادم جو اس کے نجی ملازم تھے ۔ احمد کی جنگی پوشش اُتارنے کے لئے آموجود ہوئے ۔ سب سے پہلے انہوں نے دوہرے زرہ بکتر اتارنے شروع کئے ۔

" آج تو ان کی بہت سی کڑیاں کٹ گئی ہوں گی ۔" احمد نے سرسرے لہجہ میں کہا ۔ " بڑی تلواریں پڑی ہیں ۔"

" آپ کا خیال درست ہے محبوب آقا ۔ اوپر والی زرہ تو کئی جگہ سے شکستہ ہو گئی ہے ۔" فریدی نے جواب دیا ۔ جو طویل عرصہ کی ملازمت سے احمد کے مزاج میں کافی رسوخ

پا چکا تھا۔

زریں اُتارنے کے بعد دونوں اس کے قدموں میں بیٹھ کر پنڈلیوں کی پٹیاں کھولنے لگے "فیتہ بند" جوتے اُتارے۔ بعد ازاں "چرمی کلائی" کی باری آئی۔ فریدی نے بائیں ہاتھ کی کلائی سے جونہی کپڑا اٹھا کر کلائی پر بندھی ہوئی چرمی پٹی پر نگاہ کی۔ اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔ چمڑا کافی موٹا ہونے کے باوجود اس طرح تلوار خوردہ تھا کہ دھار جلد تک اتری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ فریدی کی چیخ سن کر خیمہ میں موجود ہر متنفس حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ لیکن وہ ہر طرف سے بے پروا چرمی پٹی کو بعد احتیاط کلائی سے علیحدہ کرنے میں مُو تھا۔ جب پٹی علیحدہ ہوگئی تو فریدی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"آفرین ہے آقا۔ اتنا گہرا زخم۔ آپ کو اب تک محسوس نہیں ہوا۔"

اینی نے احمد کے چہرے پر تکلیف کی کوئی لکیر نہ دیکھی تھی۔ اور نہ دورانِ گفتگو میں درد و کرب کا کوئی اظہار ہوا تھا۔ لیکن ——

فریدی کہہ رہا تھا ——

" اتنا گہرا زخم۔ اور آپ کو محسوس نہیں ہوا؟

کتنا گہرا زخم ہے —— اینی کو تجسس ہوا۔

"اوہ! —— خون ——" فریدی حواس باختہ۔ کلائی دوسرے خادم کی گرفت میں دے کر دروازے کی طرف بھاگا —— "میں طبیب کو بلا لاؤں۔"

"فریدی ——!" احمد نے پکارا۔ اور فریدی کے قدم جہاں تک پہنچے تھے —— وہیں رُک گئے۔

"طبیب —— قبلہ والد صاحب کی مرہم پٹی کر رہا ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر خود یہاں آئے گا۔ تمہارے وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن عالیجاہ! یہ خون رگ سے نکل رہا ہے۔ بیحد خطرناک ——"

"کوئی بات نہیں۔ آخر اب تک بند ہی رہا تھا۔"

"کلائی بند کی بدولت۔ لیکن اب وہ کھل چکی ہے۔"

"یہاں آجاؤ۔ اور زخم سے اوپر کی جگہ اپنی سخت گرفت میں لے لو۔ خون بند ہوجائیگا۔"
احمد نے ضابطہ کے ساتھ کہا۔

فریدی کو پلٹ کر احمد کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی۔

"ہڈی تک! ——"

"اب چپ بھی رہو" —— احمد نے ٹوک دیا —— تمہارے واویلا کرنے سے یہ بھرتو نہیں جائے گا —— تم" —— اس نے دوسرے خادم کو حکم دیا —— "کوئی کپڑا پانی میں بھگو کر لے آؤ۔ کم از کم چہرے کا گرد و غبار تو صاف کر لیا جائے۔"

اپنی فریدی کی فکر و تشویش کو دیکھ کر۔ بجائے خود بے چین سی ہوگئی۔ جیسے وہ احمد کی پرسان حال نہ بن کر انسانیت سے کترا رہی ہو۔ اس کا ضمیر ملامت کرنے لگا۔ وہ اس کی تاب نہ لا کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ظبیث انسانی فرض کے زیر اثر احمد کے پاس جا کر۔ زخم کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ جو اس وقت فریدی کے ہاتھ کی آڑ میں تھا۔

"ہاتھ ہٹا لو!" احمد نے فریدی سے کہا۔ "شاید آپ دیکھنا چاہتی ہیں۔"

فریدی کا ہاتھ ہٹتے ہی اپنی کے منھ سے سیٹی سی نکل گئی۔ اور جب احمد نے کٹاؤ کے دونوں طرف سے گوشت کو سرکا کر زخم دکھایا۔ تو اپنی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کی خصوصی جرأت عود کر آئی۔ دوڑ کر پلنگ کی چادر سے ایک لمبی سی پٹی پھاڑی۔ اور فریدی کو دیتے ہوئے بولی۔

"ہاتھ کی گرفت خون نہیں روک سکتی۔ اسے کس کر باندھ دو۔ اور طبیب کو بلانے میں

تاخیر سے کام نہ لو۔" آخری جملہ گویا احمد کے لئے تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" احمد نے صلاح کارانہ لہجہ میں کہا۔ طبیب اس وقت والد صاحب کے پاس ہے۔ والد صاحب کے بازو پر بھی زخم آیا ہے اور اس وقت انھیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ اگر یہاں سے طبیب بلانے کے لئے کسی کو بھیجا تو طبیب کے ساتھ ہی والد صاحب کو بھی میرے زخم کا علم ہو جائے گا۔ اور اس صورت میں وہ یہاں آئے بغیر نہیں رہ ——"

احمد کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ طبیب اپنے صندوقچہ بردار ملازم کے ساتھ یہاں آ پہنچا۔ احمد نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ ان کا خاندانی طبیب تھا۔ اور اس قدر ہمدرد و وفا شعار کہ دورانِ جنگ میں بھی حسن سے الگ ہونا پسند نہ کرتا تھا۔ حالانکہ فوج میں اس کے علاوہ دس طبیب اور بھی تھے۔ اور ان میں سے چند یقیناً اتنے قابل تھے جنھیں حسن کے معالجہ کا فخر حاصل ہو سکتا۔ مگر خود اس طبیب کو یہ پسند نہ تھا۔

"فتح مبارک ہو صاحبزادے!" اس نے احمد کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "کوئی خاص چوٹ تو نہیں آئی؟"

"الحمد للہ —— بس ذرا یہ کلائی۔" اس نے کلائی طبیب کے سامنے کر دی۔

"ہیں!" طبیب کی آنکھوں میں حیرت عود کر آئی —— "یہ گھاؤ تو ——" اور پھر جیسے کسی مصلحت نے اسے بولنے سے روک دیا ہو —— "مگر آپ نے اطلاع کیوں نہ دی۔"

"میرا خیال تھا آپ والد صاحب کے معالجہ میں مصروف ہوں گے۔"

"لیکن میدان سے واپسی پر آپ کے بُشرے سے ایسی کوئی علامت ظاہر ——"۔

"جنگ کی گرما گرمی میں احساس نہیں ہونے پاتا —— معلوم تو ہوا تھا کہ کلائی مجروح ہو گئی ہے۔ مگر چونکہ کلائی پر بہت موٹا چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ اس لئے زخم کا احساس نہ ہو سکا۔"

"آج کے شہیدوں کی تعداد کا اندازہ ہے کچھ۔" طبیب نے عمل جرّاحی کی تکلیف کو جنگ کے اہم نکات میں گم کرنے کی خاطر دریافت کیا۔

"تیرہ چودہ سو ——" اور بقیہ فقرہ احساسِ تکلیف کی نذر ہو گیا۔ طبیب جزوِ بدن نہ بن سکنے والے گوشت کو کلائی سے الگ کر رہا تھا۔ اینی اس منظر کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اور دشمن؟" —— طبیب نے ایک تیز اثر سفوف زخم کے شگاف میں چھڑکتے ہوئے پوچھا —— سفوف کے زخم میں بھرتے ہی احمد کی قوتِ برداشت جھنجھنا اٹھی۔ اس نے منہ کو اس طرح بگاڑا جیسے کوئی بڑی ہی کڑوی کسیلی چیز کھالی ہو۔

"یہ کیا بھر دیا تم نے؟" —— احمد نے طبیب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کربناک لہجہ میں پوچھا۔

"یہ سفوف زخم کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ بس ذرا دیر کی تکلیف ہے۔ اس کے بعد تمہیں اس زخم کا احساس تک نہ ہو سکے گا۔"

"گویا آئندہ کی تمام تکلیف کو اسی لمحہ پورا کر دیا گیا۔"

یہ سُن کر طبیب کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"غالباً آپ نے اپنے والدِ بزرگوار کا زخم ملاحظہ نہیں فرمایا۔"

"ہاں —— یہ تو میں پوچھنا ہی بھول گیا۔" —— احمد کا سارا درد و کرب گہری تشویش میں تحلیل ہو گیا۔

"کافی گہرا زخم آیا ہے۔ مگر تشویشناک نہیں" —— اس موقعہ پر طبیب نے بقیہ تکلیف دہ کام بھی پورا کر لیا۔

"مجھے مزاج پُرسی کے لئے جانا چاہیئے۔" احمد بے چین سا ہو گیا۔

" وہ عیسائیوں کے میدان میں جا چکے ہیں۔ اور زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ان کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے "۔ طبیب نے مشورہ دیا۔" آپ ہاتھ گریبان میں ڈال لیں۔ اس کا متوازی سطح پر رہنا ضروری ہے۔ اور —— بہتر یہ ہوگا کہ فی الحال آپ اس سے کوئی کام نہ لیں۔ اچھا اب میں اجازت چاہوں گا ابھی اشتر عمار اور ابنِ عمار کو دیکھنا باقی ہے "۔

" فی امان اللہ "۔ احمد نے گویا اجازت دیدی۔

طبیب کے جاتے ہی۔ ایک خادم کھانے کا طشت لئے آ پہنچا۔

" ایک خوراک اور چاہیئے "۔ احمد نے حکم دیا۔

خادم طشت اسٹول پر رکھ کر اُلٹے پاؤں لوٹ گیا۔

احمد نے کھانے کا اسٹول ایک کرسی کے قریب کھسکا کر اینی سے کہا۔ جو نا حال ایک عجیب سے انداز میں احمد کے پیچھے کھڑی تھی۔

" تشریف رکھیں۔ کھانا حاضر ہے "۔

" مہمان نوازی کا شکریہ! " اینی نے کہا۔ لیکن اب اس کے لہجہ میں پہلے جیسی کرختگی نہ تھی۔ " مجھے بھوک مطلق نہیں ہے "۔

" کھا لیجئے —— مہربانی ہوگی —— " احمد نے یہ الفاظ کچھ اس غنائی لہجہ میں ادا کئے کہ اینی اس کی خواہش رد نہ کر سکی۔ اور کرسی پر بیٹھ کر اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ دوسری خوراک بھی آ جائے تو ساتھ ساتھ شروع کریں —— احمد اس تاخیر کا سبب سمجھ کر خاموش ہو رہا۔

" یہ باہر شور و غل کیسا مچ رہا ہے "۔ اینی نے یونہی سے لہجہ میں دریافت کیا۔ جیسے وہ وقت گزاری کا حیلہ تلاش کر رہی ہو۔

"ہمارے سپاہی یہ رات آپ کے میدان میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔ روانگی کا سلسلہ جاری ہے۔"

"کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ مجھے بھی اسی خیمہ میں پہنچا دیا جائے جہاں اسمٰعیل اور دیگر عیسائی افسران نظر بند ہیں۔"

"یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ اس خیمہ میں تو آپ کے لئے شب گزاری ویسے بھی مناسب نہیں ہے۔" احمد نے کہا۔ جیسے اسے زبردستی کہنا پڑ رہا ہو۔ "اپنے ساتھیوں سے علیحدگی۔ خود آپ کی نازک خرامی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ——"

خادم دوسری خوراک لے کر خیمہ میں داخل ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی زیدی بھی۔ جو ضروری کاموں کی انجام وہی کے بعد دروازے پر جا بیٹھا تھا۔ زیدی نے خادم سے کھانا لیکر اپنے آقا کے سامنے چن دیا۔ اور ہاتھ دھلا کر ادب کے ساتھ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"لیکن —— لیکن حکیم صاحب نے تو ہاتھ کو حرکت دینے سے منع کیا ہے۔ اور میں کھانے کے سلسلہ میں دونوں ہاتھ استعمال کرنیکا عادی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا حل ہو سکتا ہے اس مسئلہ کا۔"

اور اس سے پہلے کہ زیدی کچھ کہتا۔ اینی فوراً بول پڑی۔

"میرا کھانا ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ اور میں اس کی عادی نہیں ہوں۔ کیا یہ دوبارہ گرم ہو سکے گا۔"

"کیوں نہیں —— فریدی ——"

"بہتر عالی جاہ ——" وہ اینی کے سامنے سے طشت اٹھا کر خیمہ سے باہر نکل گیا۔

"اگر جناب پسند فرمائیں۔ تو یہ انسانی فریضہ میں بھی ادا کر سکتی ہوں۔" اینی نے متانت کے ساتھ کہا۔

"شکریہ! میں نے مزاحاً بیچارگی ظاہر کی تھی۔ ورنہ جو گھائل ہاتھ میدانِ جنگ

ہیں منوانتر تلوار چلا سکتا ہے۔ وہ نوالہ نہیں اُٹھا سکتا؟

"مگر اس وقت میں اور اُس وقت میں بڑا فرق ہے۔"

"تلوار اور نوالہ میں بھی تو بڑا فرق ہے۔" احمد کی مسکراہٹ اور زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اور اس نے گریبان سے ہاتھ نکال کر بے تکلف کھانا شروع کر دیا ——

"میں بھولا ——" احمد نے اپنا ہاتھ پھر گریبان میں ڈال لیا —"آپ سے پہلے میں کس طرح شروع کر سکتا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ مہمان سے پہلے ——"

ایمی نے احمد کی اس بے ساختگی کو بڑے پیارے انداز میں محسوس کیا۔ لیکن وہ اس کا اظہار نہ کر سکی —— احمد نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور سنجیدہ تھی جیسے وہ اپنے غموں کو ان بے معنی باتوں سے ڈھانپنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اللہ جانتا ہے۔" احمد نے ہمدردانہ پیرایہ میں کہنا شروع کیا۔"کہ ہم آپ سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنی جنگی طاقت کو اس قدر بڑھا لیا تھا کہ اگر ہم آپ کو یہیں نہ روک دیتے۔ تو ممکن تھا یہ طوفان پورے سسلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ آپ اپنے والد محترم کے اس پیغام سے تو ضرور ہی مطلع ہوں گی جو انہوں نے سسلی میں ہمارے پاس بھیجا تھا۔ ہمیں وہ پیغام اپنے حقیر ترین اندازِ تخاطب کے لیئے ہمیشہ یاد رہے گا —— ان تمام حقائق سے قطع نظر —— ہم نجی طور پر آپ کے دُکھ درد میں برابر کے شریک ہیں —— فتح شکست لڑنے والوں کا حصّہ ہوتی ہے۔ ویسے جنگ کی جیت بھی ہار سے کم نہیں ہوتی —— کل رات جو لوگ ہمارے ساتھ کھانا کھا رہے تھے آج اپنے وطن اور عزیز و اقارب سے دور۔ اس اجنبی سرزمین پر خاک و خون میں لتھڑے پڑے ہیں۔ کیا گزرے گی ان کے والدین اور بیوی بچوں پر جب وہ ان کی موت کی خبر سُنیں گے۔ ان جاں بازوں کی جدائی خود ہمارے لیئے بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہے

لیکن میدانِ جنگ میں آنے کے بعد۔ یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ہار کی صورت میں زیادہ۔ جیت کی صورت میں کم — اور —"

فریدی کھانا لئے داخل ہوا۔ اور اینی کے سامنے رکھ کر مودبانہ انداز میں بولا۔

"مطبخ یہاں سے کافی فاصلہ پر ہے۔ اگر خاطر خواہ گرم نہ ہو تو آگ یہیں لے آؤں۔"

"اب ٹھیک ہے۔" اینی نے یونہی سا جائزہ لے کر بے تکلف کھانا شروع کر دیا۔

"کاش —" فریدی نے ڈرتے ڈرتے کہا — "حضور والا کو کھانا کھلانے کا فخر مجھے حاصل ہو سکتا۔"

"ایسا ہو سکتا تھا۔ اگر اس کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔" احمد نے فریدی کا منھ بند کر دیا۔

کچھ دیر بعد جب اینی نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تو احمد بولا۔

"اب آپ کو اپنے ساتھیوں میں پہنچکر آرام کرنا چاہیئے۔ کیا خیال ہے۔"

"درست ہے۔" اینی نے تائید کی۔ "لیکن ان لوگوں میں شامل ہونے کے بعد معلوم نہیں آپ سے دوبارہ ملاقات ہو یا نہ ہو۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ چند باتیں —"

"ضرور ضرور —" احمد بات کی تہہ کو پہنچتے ہوئے درمیان ہی میں بول پڑا۔ "مگر اس کے لئے تھوڑی دیر انتظار کرنا ہوگا۔ اذان ہو چکی ہے —"

"میں خوشی سے انتظار کروں گی۔"

احمد نے ایک نئی سی تاب و توانائی کے ساتھ نماز کی ٹوپی اُٹھائی اور دربانوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کر کے جماعت کی طرف چل دیا۔

"کس قدر عجیب ہیں یہ لوگ!" اینی نے سوچنا شروع کیا۔ گوشت پوست کے تو معلوم ہی نہیں ہوتے۔ کلائی کتنی　　کٹ گئی۔ اور آخر تک پتہ نہ چلا۔ اور پھر اس سے باخبر ہونے کے باوجود۔ جیسے محض پھانس لگ گئی ہو — ہاتھ دھوئے — کھانا کھایا۔

اور جیسے ابھی ابھی ایک طویل وقفۂ آرام کے بعد عبادت کے لئے گیا ہو ــــــ اخلاق ــــ ؟ اس معاملہ میں بھی کسی سے پیچھے تو نہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ یہ مسلمان صرف دو چیزوں کے دیوانے ہوتے ہیں ــــ دولت ــــ اور عورت ــــ ان کی حرم سراؤں میں سینکڑوں عورتیں ان کی ہوس کے لئے سامانِ عیش مہیا کرتی ہیں ــــ خوبصورت عورتوں کے لئے یہ لوگ بڑی بڑی جنگیں لڑ بیٹھتے ہیں" ــــ اور پھر اس نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیا ــــ "میری کنیزیں اور سہیلیاں کہتی ہیں کہ مجھ سے زیادہ حسین لڑکی اب تک کلبریہ کی کوئی ماں پیدا نہیں کر سکی۔ گلبرٹ کہا کرتا تھا۔ میری نگاہ سے مجھ ایسی خوش جمال عورت آج تک نہیں گزری۔ حالانکہ اس کے خاندان میں سینکڑوں کنواریاں موجود ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر خوبصورت ممکن ہے ان دنوں میری خوبروئی ماند پڑ گئی ہو۔ دُکھ انسان کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ کس قدر عظیم انقلابات رونما ہوئے ہیں ان چند دنوں میں۔ لیکن ــــ لیکن ایسا بھی تو نہیں ہو سکتا کہ میری اصلیت ہی پلٹ جائے۔ اور معاً اس کا ہاتھ گلے کے ہار کے درمیان سربند آئینہ کی طرف اٹھ گیا آئینہ کا ڈھکن کھولتے ہوئے وہ شمعدان کے قریب جا کھڑی ہوئی اور چہرے کے ایک ایک خط کو بغور دیکھنے لگی۔

جھوٹے ہیں وہ لوگ جو مسلمانوں کو زن پرست کہتے ہیں ــــ اس کے دماغ میں گونجا ــــ لیکن ــــ لیکن ابھی تو صرف ایک ہی مسلمان سے واسطہ پڑا ہے ــــ پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں ــــ مگر وہ اسمٰعیل ــــ وہ بھی تو مسلمان ہے ــــ اور پچھلے دنوں کافی صاحبِ اقتدار رہا ہے ــــ ظالم ــــ پتھّر ــــ نہیں۔ ہیرا ــــ جو پتھر سے بھی سخت ہوتا ہے ــــ کس قدر عجیب ہے وہ بھی ــــ میں ــــ کہ جسے حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے حکمراں سر توڑ کوشش کر چکے ہیں ــــ بذاتِ خود اس کی طرف بڑھتی

ہوں ـــ بڑھتی چلی جاتی ہوں ـــ مگر وہ ـــ جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔"

اینی اسی اُدھیڑ بُن میں محو تھی کہ احمد نماز کے بعد کی سکون بخش نورانی کیفیات کا مجسمہ بنا اندر داخل ہوا اور بے پروائی سے پلنگ پر نیم دراز ہو بیٹھا۔ اس کے یہاں پہنچتے ہی اینی نے جلدی سے آئینہ بند کر کے گریبان میں محفوظ کر لیا۔ اور جس کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ آہستہ خرامی کے ساتھ پھر وہیں آ بیٹھی۔

"میں حاضر ہوں خاتون!" احمد نے اس کی طرف دیکھے بغیر یاد دہانی کرائی۔

"مجھے علم ہے۔" اینی نے جواب دیا ـــ "درحقیقت یہ پہلا موقع ہے جب کہ میں قدرت کی طرف سے کسی کے رحم و کرم پر ڈال دی گئی ہوں۔ اور نہیں جانتی ایسے معاملات میں ہم ایسے مجرموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے ـــ یہ درُست ہے کہ جو بھی ہوگا۔ ہمارے سامنے آ جائے گا۔ لیکن تشویش و تجسّس انسانی فطرت کا خاصہ ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اپنے انجام سے قبل از وقت باخبر ہو کر اس سے متفق ہو جاؤں کیا ایسا ممکن ہے۔"

"اور ـــ؟" احمد نے دریافت کیا۔ جیسے وہ ہر سوال کا الگ الگ جواب دینے کی بجائے، ایک ہی دفعہ سب کچھ کہہ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"اور یہ کہ جن افسروں کو آپ نے گرفتار کیا ہے۔ آپ کے خیال میں ان میں کون لوگ زیادہ قصور وار ہیں۔ اور ان کی زیادہ سے زیادہ سزا کیا ہو سکتی ہے۔" اس سوال سے اینی کی مراد غالباً یہ تھی کہ وہ اپنے محبوب اسمٰعیل کے بارے میں کسی فیصلہ کُن نتیجہ پر پہنچ جائے۔

"اور ـــ؟" احمد کا پچھلا موڈ برقرار تھا۔

"اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ بھی کہ اب ـــ جب کہ عیسائی شہر پناہ میں محصور ہو بیٹھے ہیں۔ آپ کا جنگی رویّہ کیا ہوگا ـــ بس اتنا ہی کچھ معلوم کرنا ہے۔" اینی نے اپنے

طور پر بات ختم کر دی۔ اور ہمہ تن گوش ہو کر احمد کی طرف دیکھنے لگی۔

" آپ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس بارے میں احمد کوئی قابلِ یقین بات نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں۔ اس کے والد کے ہاتھ میں ہے۔ ویسے اسلامی نکتۂ نگاہ سے اس مسئلہ کے دو ہی خصوصی حل ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ لوگوں کو آئندہ کے لئے باعثِ آزار خیال کر کے تختۂ دار کے حوالے کر دیا جائے۔ دوئم یہ کہ حسبِ حیثیت قیمتیں مقرر کر کے۔ رقم کی وصولی کے بعد آزاد کر دیا جائے ــــ میری ذاتی رائے میں جن لوگوں کو ہم نے گرفتار کیا ہے۔ ان میں اسٹیل کے علاوہ اور کوئی سنگین مجرم نہیں ہے۔"

یہ سُن کر ایمی کے دل پر بجلی گر پڑی۔ جس کا اندیشہ تھا۔ وہی ہوا۔ اس موقعہ پر نہ جانے کیوں۔ احمد نے کن انکھیوں سے ایمی کی طرف دیکھا۔ اور یہ جان کر کہ وہ کسی آتشیں تھپیڑے سے کمہلا کر رہ گئی ہے۔ اپنے بیان کو بدستور جاری رکھتے ہوئے بولا۔

" رہا یہ کہ اب ہمارا جنگی طرزِ عمل کیا ہو گا۔ تو یہ معاملہ بھی والد صاحب کے ایما ر سے طے ہونے والا ہے۔"

" شکریہ!" ایمی نے چلنے کے لئے تیاری شروع کر دی۔

" فریدی!" احمد نے پکارا۔ اور جونہی وہ اندر داخل ہوا اس نے کہنا شروع کیا۔

" آپ کو عزّت کے ساتھ اس خیمہ میں پہنچا دو۔ جہاں عیسائی فوج کے دیگر افسران نظر بند ہیں۔ پہریداروں کو آپ سے روشناس کرا کے خبردار کر دینا۔"

ایمی نے آخری بار احمد کو سر سے پیر تک دیکھا۔ جیسے وہ اسے اپنی آنکھوں میں بھر لینا چاہتی ہے۔ اور فریدی کے ساتھ خیمہ سے نکل گئی ؛؛

اگلا قدم

اگلی صبح کا سورج —— گزشتہ خون آلود شام سے بالکل مختلف حالات میں طلوع ہوا۔ کل اس نے رخصت ہوتے ہوئے میدانِ جنگ میں خون کی ندیاں۔ اور لاشوں کے اونچے اونچے ڈھیر دیکھے تھے۔ اور آج جب پہاڑیوں کی چوٹی سے اس نے اِدھر جھانکا۔ تو میدانِ جنگ کی بجائے۔ اسے گورستان نظر آیا۔ نیز ایک ایسی عبرتناک کہانی بھی۔ جو جان سے گزرنے والوں نے زمین پر اپنے خون سے تحریر کی تھی۔ ہوا کے تیز و تند جھونکے۔ خون آلود زمین پر خاک کی تہیں جما کر بے ثباتیٔ وجود کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ماحول اُن قبروں پر نوحہ خواں محسوس ہو رہا تھا۔ جنھوں نے اس ویرانے میں پیوندِ زمین ہونے کے لئے جنم لیا تھا۔ اور جو اب تک اس لئے زندہ رہے تھے کہ جنگ جراحہ کے کام آئیں۔

اس وقت اسلامی لشکر کی تمام سرکردہ ہستیاں۔ شہیدانِ ملّت کی آخری قیام گاہوں پر مغموم و آبدیدہ۔ فاتحہ خوانی میں محو تھیں۔ ان کے دل منوں مٹی کے نیچے دبے ہوئے ان شہیدوں کو دیکھنے کے لئے بُری طرح تڑپ رہے تھے جنھوں نے اسلامی اقتدار کی شمع کو اپنے لہو کا روغن پیش کیا تھا۔ جنھوں نے اللہ کے نام پر تلوار ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو دنیا کی تمام رشتہ داریوں سے منقطع کر لیا تھا۔

فاتحہ خوانی کے بعد ایک بار پھر شہیدوں کے احترام میں حاضرین کے سر جُھک گئے بعد ازاں حسن اور دیگر افسران اس اجتماع کی جانب چل دیئے جہاں حسن کو آئندہ دستور کی وضاحت کرنا تھی۔ راستہ میں ایک شخص نے ادب کے ساتھ آگے بڑھ کر ایک خط حسن کی خدمت میں پیش کیا۔ اس بے موقعہ مداخلت نے تمام ہمراہیوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لی۔

حسن نے خط کو کچھ اس انداز سے کھولا۔ گویا یہ بات نہ صرف خلاف توقع بلکہ خلاف طبیعت بھی ثابت ہوئی ہے۔ حسن ساتھیوں کے غول سے نکل کر الگ جا کھڑا ہوا۔ اور رقعہ کھول کر خاموشی کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

اعلیٰ حضرت والیٔ سسلی کی خدمت میں

ناچیز عنبر کی طرف سے

مکرم و محترم! فتح مبارک!

جناب کا پیغام۔ بسلسلۂ پیشی موصول ہوا۔ قدمبوسی کا یہ موقعہ میرے لئے انتہائی باعثِ سعادت ہے۔ عزّت افزائی کے لئے تہہ دل سے شکریہ! لیکن۔

بسرعت بدلتے ہوئے حالات متقاضی ہیں کہ فدوی چند روز جراجہ میں قیام کرے جو مسائل خصوصیت کے ساتھ مجھے جراجہ میں ٹھہرنے پر مجبور کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کلبریہ کے ذمہ دار لوگوں کا خیال ہے کہ حکومت بیزنطی کلبریہ کو اپنی تحویل میں لے کر اسلامی لشکر سے جنگ جاری رکھے گی۔

۲۔ قاعدہ کی رو سے سرغوس کی موت کے بعد یہاں کی عنانِ حکومت اس کی بیٹی ایٹی کے ہاتھ میں آنا چاہیئے جو اس وقت آپ کی قید میں ہے۔ ایٹی کی غیر موجودگی میں کلبریہ کی عارضی حکومت سرغوس کے بھتیجے ہارٓلے کے حصّہ میں آسکتی ہے۔ جو اپنی عیاشی و بدکرداری کے سبب سرغوس کے خاندان سے ہمیشہ ہی غیر متعلق رہا ہے اگر اسے برسر اقتدار آنے کا موقعہ مل گیا تو حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوں گے جن کا ہمارے علم میں رہنا ضروری ہے۔

۳۔ حالیہ جنگ نے اہلِ کلبریہ پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ نیز وہ آئندہ جنگی معاملات میں کس حد تک تعاون کریں گے۔

اگر حضور والا کی رائے میں ان مسائل سے متعلقہ معلومات ضروری ہو تو بندہ کو اس مقام سے علیحدہ نہ کیا جائے جہاں

وہ اس وقت موجود ہے۔ اور اگر یہ مسائل
ہمارے لئے غیر اہم ہیں تو بواپسی پیغامبر
مطلع فرمائیں۔ فدوی اسی لحہ شرف باریابی
کے لئے روانہ ہوجائے گا۔

خادم اسلام
عنبر

خط پڑھ کر حسن کسی گہرے خیال میں غرق ہوگیا
"قلمدان!" چند ثانیے بعد اس نے سنبھالا لیا۔
پرچہ نویس نے آگے بڑھ کر قلمدان پیش کیا۔ اور حسن نے کھڑے کھڑے ہی
لکھنا شروع کیا۔

حسن کی طرف سے۔ عنبر کے لئے
ان مسائل کے لئے تمہیں زیادہ سے زیادہ
ایک ہفتہ کی مہلت اور دی جاتی ہے
آج سے ٹھیک آٹھویں روز تمہارا ہمارے
پاس پہنچنا نہایت ضروری ہے۔ چند ضروری
امور تمہاری توجہ کے طالب ہیں۔

یہ خط اس شخص کو دے دیا جو عنبر کا پیغام لایا تھا۔ اور ہمراہیوں سمیت آگے بڑھ
گیا۔ اسلامی پڑاؤ میں پورا لشکر جلسہ کی صورت میں حسن کا انتظار کر رہا تھا۔ نماز فجر
کے بعد سے ہر شخص یہ جاننے کے لئے بے تاب تھا کہ اب ہمیں کس راہ پر
گامزن ہونا ہے۔ حسن کے یہاں پہنچتے ہی حاضرین میں اظہار دلچسپی کی ہنگامی لہر

دوڑ گئی۔ جب وسط میدان میں حسن کے تمام ساتھی باطمینان بیٹھ گئے تو حسن نے دلی رنج و محن سے بوجھل اور اُداس اداس آنکھوں سے گرد و پیش کا سرسری جائزہ لینے کے بعد کہنا شروع کیا۔

فاتح غازیو!

آج جب ہم پیچھے مڑ کر حقائق پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم ایک بے سر و پا خواب دیکھ کر جاگے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ عیسائیوں کی جنگی تیاریاں جو کئی سال سے جاری تھیں۔ اور وہ کلبریہ —— جہاں ہر جنس کو ہتھیاروں میں بدل دیا گیا تھا۔ جس کی جنگی طاقت مغربی برّاعظم میں مثالی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ اور جو لوگ اپنی بے پناہ قوّت اور تسلی بخش وسائل کے بل بوتے پر مہینوں کے جنگی نقشے تیار کئے بیٹھے تھے۔ ہماری کمتر و بے مایہ فوج سے ایک روز بھی ڈٹ کر مقابلہ نہ کر سکے۔ مہینوں کی سعئ پیہم انہیں صبح سے شام تک بھی میدانِ جنگ میں نہ روک سکی۔ اور جب ہم بجائے خود اس حقیقت کو ایک

بے سر و پا خواب سے تعبیر کر رہے ہیں تو اس جنگ کا مورخ ۔ ان حالات پر کیونکر یقین لاسکتا ہے ـــــ مورخ کیسے یقین کرے گا کہ وہ دشمنِ اسلام جنھوں نے مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اُتارنے کے لئے اپنے ملک کو داؤں پر لگادیا تھا اور جن کی طرف سے اسلامی امیر لشکر کے سر کی قیمت مقرر کی گئی تھی ۔ ان سب کے سر مسلمانوں کے نیزوں پر دیکھے گئے ۔ اور اس قدر عجیب حالات ہیں کہ خود ہماری عقل دنگ ہے ۔ اور ہم تاحال اس طلسم کو سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ ہماری تفتیش کے مطابق ۔ جب میدانِ کارزار گرم تھا ۔ چار گھوڑ سوار آئے اور ہمارے سپاہیوں کو یہ سر حوالے کر کے ان کی تشہیر کی تاکید کی اور اُلٹے پاؤں لوٹ گئے ۔ یہ اجنبی کون تھے ۔ فی الحال تو اللہ بہتر جانتا ہے ۔ شاید مستقبل قریب میں کچھ انکشاف ہو ۔ بہرحال کتنی عظیم کامیابی ہے یہ ۔ اور کس قدر خوش نصیب

ہیں وہ مسلمان - جن کے نام نامی اس جنگ سے منسوب ہیں - حق یہ ہے - کہ ہمارے سامنے جو کچھ آیا ہے - وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے - انسانی کاوشوں کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے - کوئی نہیں - کیونکہ جہاں تک انسانی کوشش و کاوش کا تعلق ہے - وہ ہماری نسبت عیسائیوں کی طرف سے زیادہ ہوئی ہے - اور اس لحاظ سے فتح کا سہرا بھی انہیں کے سر ہونا چاہیئے تھا - لیکن جیسا کہ میں نے ابھی کہا - ہماری سرخروئی و کامرانی براہ راست اللہ کی جانب سے ہے - اور اس کے لئے ہم اپنے معبود کے جتنے بھی شکر گزار ہوں - کم ہے - آئیے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سروں کو جھکا کر اس کی مہربانی کا شکریہ ادا کریں -

اتنا کہہ کر حسن سرتاپا مجسمۂ عبدیت بن کر بارگاہِ ایزدی میں خم ہوگیا - ساتھ ہی وہ تمام سر بھی خم ہوگئے جن کی گردنوں کے تناؤ میں کفر و باطل کی بڑی سے بڑی ضرب بھی لوچ پیدا نہ کرسکی تھی -

چند ثانیئے پرعظمت خاموشی طاری رہنے کے بعد حسن کی آواز دوبارہ سنائی دی -

"اس میں کوئی شک نہیں کہ دشمن کا غرور و پندار اس کی ہزیمت کے ساتھ ہی پاش پاش ہوگیا۔ اور اس ذلّت انگیز شکست کے بعد انہیں مدت مدید تک ہمارے گریبان کی طرف ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیئے۔ مگر ان کا مطالعۂ فطرت ہم سے متقاضی ہے کہ ہم ان کی بابت ایسی نیک رائے قائم نہ کریں۔ ان کی فوج کا ایک بڑا حصّہ۔ ریو کے ساحل پر ہمارے اور سسلی کے درمیان دیوار بنا کھڑا ہے۔ اس کے علاوہ کم و بیش تیس ہزار سپاہی اب بھی ایسے موجود ہیں۔ جو کسی نہ کسی بنا پر اس جنگ میں شرکت نہیں کرسکے۔ ان سے بھی قطع نظر۔ ہمیں اپنے خصوصی ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اہلِ کلبریہ کی مدد کے لئے۔ حکومت بیزنطی کی طرف سے عنقریب ہی ایک لشکرِ جرّار یہاں پہنچنے والا ہے۔ بہ کثرتِ فوج۔ امید افزا حالات کا شکار بن کر ایک بار پھر ہمارے لئے باعثِ آزار ثابت ہوگی۔ اس صورت میں ہمارا سسلی کی طرف لوٹنا۔ ایک اہم

ترین کام کو ادھورا چھوڑ کر جانا ہے - اور ہمارا اٹل فیصلہ ہے کہ ہم اس فتنہ کو پوری طرح دفن کئے بغیر اپنے گھروں کو نہیں لوٹیں گے۔

ان فقروں کی ادائیگی کے بعد حسن نے حاضرین کے احساسات کو ان کے چہروں پر پڑھنے کے لئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نگاہ ڈالی اور پھر ایکا ایکی یوں معلوم ہوا گویا اس کے جسم میں سیروں خون کا اضافہ ہوگیا ہو۔ نوجوان اور پُرجوش خون کا۔

بحمداللہ ــــ اس نے دلی مسرت کے ترجمان لہجے میں کہا۔" ہماری فوج میں بڑی برکت و استقامت ہے۔ اتنے لوگوں میں میری نظر سے ایک بھی چہرہ ایسا نہیں گزرا جس پر میرے خیال کا خوشگوار اثر نہ پڑا ہو۔ مبارک ہیں وہ قومیں۔ جن میں ایسے ثابت قدم اور جواں ہمّت افراد موجود ہوں ــــ تاہم میرا فرض ہے کہ میں اپنے خیال پر آپ حضرات کو تنقید کا موقعہ دوں ــــ لہذا اگر کسی صاحب کو میری رائے سے اتفاق نہ ہو تو وہ بلا پس و پیش اس کی وضاحت کر سکتے ہیں۔ میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرسکتا کہ میری طرف سے جو بھی

کچھ سوچا سمجھا گیا ہے۔ وہ قطعی طور پر درست ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کی کسی ایسی رائے کو مسترد کردوں جو مجھ سے بہتر ہو۔

یہاں پہنچ کر حسن پھر چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا۔ جیسے وہ منتظر ہے کسی ایسے شخص کا۔ جو اظہار رائے کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اتنے بڑے اجتماع میں حسن کا ایک بھی مخالف نہ نکل سکا۔

"مگر ــــ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حسن کی آنکھ اپنی فوج کی اس خستگی اور کم مائیگی سے پہلو تہی کر رہی ہے جو اظہر من الشمس ہے۔ ہم حسبِ معمول اللہ کی ذات پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ لیکن خود اللہ کی ہدایت کے مطابق ہمیں اپنے آپ پر بھی بھروسہ کرنا ہوگا۔ اور اس وقت ہم یقیناً ایسی حیثیت میں نہیں ہیں کہ اپنی ذات پر بھروسہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اب سامانِ جنگ کی کوئی کمی نہیں ہے کمی مجاہدوں کی ہے۔ اور ہم اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔

شہر کا محاصرہ کرنے کے لئے مناسب ٹھکانوں کا انتخاب عمل میں آچکا ہے۔ آج ہمارے خیمے جرابیہ کے صدر دروازے کے مقابل نصب ہوجائیں گے۔ ظہر کی نماز کے بعد روانگی کے لئے تیار رہیں۔

جنگی قیدیوں کا مسئلہ اس وقت تک معرضِ التوا میں رہے گا۔ جب تک کہ یہ جنگ فیصلہ کُن مراحل سے نہ گزر جائے۔ اور یہی فیصلہ مالِ غنیمت کے لئے ہے۔

مناسب ہوگا۔ اگر اس موقعہ پر اگلی جنگوں کا۔۔۔ اگر وہ ہوئیں۔۔۔ ہلکا سا خاکہ آپ کے گوش گزار کردیا جائے۔ ربّ العزّت کے فضل و کرم سے وہ اسلام دشمن عنصر جن کی سرگرمیوں نے ہمیں یہ وقت دکھایا تھا۔ کچھ تو ختم ہوچکے ہیں۔ اور باقی ہماری قید میں ہیں۔ اس وقت کلبریہ کے حکمراں خاندان میں ایک بھی ایسا موجود نہیں ہے جو ایک طرف حکومت کو سنبھالے اور دوسری طرف ہمارا مقابلہ بھی کرسکے۔ اس موقعہ پر زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ حکومتِ بیزنطی

کسی لائق آدمی کو صوبۂ کلبریہ کا حاکم بنادے
مگر اس صورت میں سردغوس کے عزیز و اقارب
سخت برہم ہوں گے۔ خصوصاً اس کا نالائق
بھتیجا ہارتے۔ اور کوئی عجب نہیں کہ آپس
ہی میں خانہ جنگی کا بازار گرم ہوجائے۔
بہرحال — حالات کا رُخ ہمارے مفاد کی جانب
ہے۔ آگے جو اللہ کو منظور ہو۔
آئیے آخر میں ہم اس کی بڑھائی کا زوردار
اعلان کریں۔ جس نے ہمیں اس میدان میں
فتح سے ہمکنار کیا۔ نعرۂ تکبیر!
اللہ اکبر!
نعرہ تکبیر۔
اللہ اکبر۔
نعرہ تکبیر۔
اللہ اکبر۔
فوج کی یک جہتی وہمنوائی نے ماحول کا سینہ دہلا دیا۔ فضا تھرّانے لگی۔
اور زمین کا یہ اجنبی ٹکڑا متزلزل سا معلوم ہونے لگا۔

جذب و کشش

صہبا ——— جس نے اسلامی لشکر کی فتح و نصرت پر۔ اپنی محبت کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے تو اپنی شادکامی پر فرطِ مسرت سے دیوانی سی ہوگئی۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اسماعیل اسلامی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوکر۔ قید کر لیا گیا ہے۔ تو اس کی محبت۔ بے اختیار مچل پڑی۔ اسے اپنے ملازم حسام سے میدانِ جنگ کا پورا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ عیسائی فوج کے اتحاد کو۔ کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کرکے۔ اس کی جڑیں کھوکھلی کرنا ——— تباہ کن کلوں کو اسلامی لشکر کے بازوؤں پر رکھوا دینا۔ اسلامی لشکر کی پشت پر پڑی ہوئی عیسائی فوج کو شریکِ جنگ نہ ہونے کی تاکید۔ اسماعیل ہی کا کام تھا۔ کتنے گہرے اور فنکارانہ داؤں لگائے تھے اس نے ——— آخر کیوں؟ ——— صہبا سوچنے لگی ——— یہ وہی شخص تو ہے جس نے مازر کے بازار میں حسن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ جس نے میرے والد سے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ زندگی کے آخری لمحہ تک حسن کی مخالفت کرے گا ——— ایسے کٹر دشمن کی زندگی میں یہ عظیم الشان انقلاب کیسے پیدا ہو گیا ——— کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ بجز اس کے کہ وہ صہبا کا دیوانہ تھا ——— لیکن صہبا ——— وہ اسلامی مفاد کی دیوانی تھی۔ اس نے سمجھ لیا کہ جب تک میں اپنی

ذات کو صہبا کے نظریات کا حامل نہ بنالوں گا۔ اس کی طرف سے سوائے نفرت وحقارت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا — وہ صہبا سے محبت چاہتا تھا — اپنی جیسی محبت۔ اس لئے اپنے پچھلے کردار کو صہبا کی محبت پر قربان کردیا۔ اس نے کہا تھا نا۔

"اگر اسلامی فوج کی کامیابی ہی اسماعیل کی محبت کا امتحان ہے۔ تو وہ ثابت کر کے رہے گا۔ اپنی بے پناہ محبت کو۔"

اور جب میں نے عیسائی فوج کی کثرت کے پیشِ نظر اسلامی لشکر کی کامیابی پر شک و شبہ کا اظہار کیا تھا۔ تو کس قدر اثباتی لہجہ میں کہا تھا اس نے۔

"اسلامی لشکر کی کامیابی اسی طرح ممکن ہے۔ جس طرح صہبا کے سنگلاخ دل میں اسمٰعیل کی لطیف محبت کا گزر۔" اور بھی کچھ کہا تھا — بہت کچھ کہا تھا — اور جو بھی کہا تھا۔ وہ سب سچ نکلا — بالکل سچ — کاش وہ جان سکتا کہ اس کی سنگدل صہبا — آج کس طرح محبت کے سوز و گداز کا پیکر بن گئی ہے۔ کتنی بے قابو ہے اس کے لئے —" اور پھر معاً جیسے کسی نے اس کے دل کو بُری طرح مسل ڈالا ہو — "اسماعیل حسن کے قتل عمد کا ملزم — پھر قید سے فرار ہوجانے کا مجرم بھی۔ اور پھر یہ مخالفانہ سرگرمیاں — اتنے سارے جرموں کا مرتکب ہو کر وہ حسن کے لطف و کرم کا مستحق کیونکر ہوسکتا ہے۔ وہ یقیناً اسے قابلِ گردن زدنی قرار دینگے۔ — یقیناً — انہیں کیسے بتایا جائے کہ اس جنگ کی فتحیابی کا سہرہ اسماعیل ہی کے سر ہے۔ کس طرح بتایا جائے — کس طرح — اب تو باہر نکلنے کے بھی تمام راستے بند ہوچکے ہیں۔ اسلامی فوج محاصرہ کئے پڑی ہے — کس طرح! — کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں اس عظیم کامیابی کا یہ روح رواں فنا کے گھاٹ اُتار دیا جائے — اور اگر ایسا ہوگیا — یا ہو ہی چکا ہو تو؟ — تو مجھے اس دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ صرف میری ہی تو ایک ذات ایسی ہے۔ جو اس کی جملہ رازداریوں سے باخبر ہے۔ جو جانتی ہے کہ اسماعیل۔ اب پہلے جیسا

اسماعیل نہیں رہا۔ آج وہ صہبا کی طرح اسلامی فلاح و بہبود کا حامل ہے۔ دوسرے تو اسے وہی اسماعیل سمجھتے ہیں۔ اسلام دشمن۔ حسن کے خون کا پیاسا — عیسائی فوج کا سربراہ۔ —کس طرح —

صہبا بحرِ خیال میں ایک طویل غوطہ کھا کر ابھری۔

"لیکن کیا ایسا ممکن ہے — اس نے اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کی —" ممکن ہے عیسائی مجھے اس بات کی اجازت دیدیں کہ میں حسن کے پاس جاکر اس سے محاصرہ اٹھا لینے کی درخواست کروں۔ لیکن حسن! کیا وہ میری بات کا یقین کر لے گا۔ اور جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ میں قبیلۂ بنو طبرلی کے سردار خلیل کی بیٹی ہوں — تو — پھر تو وہ ہرگز ہرگز مجھ پر اعتبار نہ کرے گا میرے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں خلیل کی بیٹی ہو کر بھی مملکتِ اسلامی سسلی کی وفادار رہی ہوں — کیا ثبوت ہے — اسماعیل — صرف اسماعیل ہی ایک ایسا شخص ہے جو صحیح معنوں میں مجھ سے واقف ہے۔ لیکن اس کی گواہی پر کون کان دھر سکتا ہے۔ وہ تو خود مجرم ہے — لیکن۔ کیا سچائی اس قدر مفلوج بھی ہو سکتی ہے کہ اپنی اصلیت کو تسلیم نہ کرا سکے۔ کچھ بھی ہو۔ میں یہ کوشش تو کر کے ہی رہوں گی۔ اسماعیل اپنا فرض ادا کر چکا۔ اب صہبا کی باری ہے۔ اور حالات خواہ کیسے ہی ابتر کیوں نہ ہوں۔ صہبا اپنا فرض پورا کر کے ہی رہے گی۔ —لیکن —"

اس کی محتاط روی نے پلٹا کھایا — "کہیں ایسا نہ ہو کہ خلیل کی بیٹی کو بھی سازشی تصور کر کے زنداں نصیب کر دیا جائے — ایسا ہو جانا عین قرینِ قیاس ہے۔ والیٔ سسلی یہ سوچ سکتا ہے کہ اپنی ذات کو خطرے میں ڈال کر۔ اسماعیل کی صفائی پیش کرنے والی میں کون ہوں۔ اگر اس سے کوئی رشتہ داری ہوتی۔ تب بھی ایک بات تھی۔ ایسی صورت میں تو میرے چلن پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔ نہیں۔ مجھے اس غلط اقدام کا ہرگز شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ عقل و دانش کے خلاف ہے

سراسر خلاف ــــ پھر کیا کیا جائے ۔ میں کیا کروں اللہ پاک!" صہبا جھنجھلا پڑی ــ "حقیقت لاعلمی کی آڑ میں بے انصافی کا شکار ہو رہی ہے خداوند ۔ تو عالم الغیب ہے ۔ دلوں کے حال جاننے والا ۔"

آخر وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہو گئی ــــ "ہمیں اتنی توفیق دے کہ ہم ان پردوں کو چاک کر سکیں ۔ جو حقیقت پر پڑے ہوئے ہیں ۔ اے قادرِ مطلق! ہمیں کوئی ایسی راہ سُجھا کہ ہم حق کے ساتھ ناانصافی نہ ہونے دیں ۔ اے پاک پروردگار! ــــــ" اور پھر اچانک صہبا کو یوں محسوس ہوا گویا اس کا دماغ سو گیا ہے ۔ احساسات سُن ہو گئے ہیں ۔ اور خود اس پر بھی غنودگی سی طاری ہو گئی ــــ غنودگی ــــ جو خلیل کے قتل ہوتے ہی اس گھر کے ماحول پر طاری ہو گئی تھی ۔

رات کے گہرے اندھیرے میں ۔ جب کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا ۔ شہر کے پچھلے دروازہ پر ایک سیاہ سا دھبہ حصارِ شہر کے بالائی حصہ پر جلتی ہوئی مشعلوں کی مدھم روشنی میں اُجاگر ہو کر ۔ دروازے کی تاریکیوں میں سمٹ گیا ۔

"کون ہے نیچے!" بالائی پہریداروں میں سے ایک نے زناٹے دار آواز میں پوچھا ــ یہاں سے نصف فرلانگ کے فاصلہ پر اسلامی لشکر کا کچھ حصہ پڑاؤ کئے تھا ۔ پہریداروں کو شبہ ہوا کہ کہیں کوئی سازش تو نہیں کی جا رہی ۔

"آہستہ بولو" سیاہ دھبہ نے کچھ اس انداز سے کہ آواز پہریداروں سے آگے نہ بڑھ سکے ، کہا "میں اسماعیل ہوں ۔ دشمن کی قید سے فرار ہو کر آیا ہوں ۔ دروازہ کھول دو ۔ جلدی کرو ۔ اسلامی لشکر کے ایک پہریدار کو کچھ شبہ سا ہو گیا ہے ۔ جلدی کرو ۔ بہت جلدی ۔"

"اسماعیل؟" پہریدار ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"میری رائے میں تو" ایک نے خیال ظاہر کیا۔ "ہمیں افسر کی اجازت کے بغیر دروازہ نہیں کھولنا چاہیئے۔"

"کیا بکتے ہو" نائب افسر نے عقلمندی کا ثبوت دیا۔ "جس کی کمان میں ہم نے جنگ کی ہے۔ اس کے لئے ایک ادنیٰ افسر کی اجازت کا سوال پیدا کر رہے ہو۔ جلدی سے دروازہ کھول دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکوک پہریدار شور مچا دے۔ لاؤ چابی۔ میں اپنے ذمہ پر کھولتا ہوں۔"

مخالف نے گردن ہلائی۔ جیسے کہہ رہا ہو "تمہاری مرضی" اور چابیاں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔ اور اس کے چند ہی لمحوں بعد سر تا پا سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا اسماعیل شہر کے اندر تھا۔

دروازے سے متعلقہ ضمنی مورچے پر پہنچ کر اسماعیل نے یہاں کے ایک ذمہ دار افسر سے دریافت کیا۔

"عیسائی فوج کس کے تابع ہے"

"مرحوم حاکم کلبریہ کے بھتیجے ہارلے کے"

"لیکن ــــ لیکن وہ تو ان ذمہ داریوں سے کوسوں دور ــــ خیر! اس وقت تو کافی رات گزر چکی ہے۔ صبح ہارلے کو ہماری آمد کی اطلاع پہنچ جانا چاہیئے۔ ہم حسب معمول خلیل صاحب کے مکان پر قیام کریں گے۔ ایک گھوڑا اور ہمراہی کے لئے چار سپاہی مہیا کرو۔"

اسماعیل کے حکم کی فی الفور تعمیل ہو گئی۔ پانچ سوار رات کے پُرہول سناٹے میں جراجہ کی گلیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے۔ قصر شاہی کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اتنی رات گئے ان لوگوں کا یہاں پہنچنا قصر شاہی کے محافظوں کو غیر معمولی بات معلوم ہوئی۔ بیک وقت چاروں محافظ ہاتھوں میں مشعلیں لئے پھاٹک کے قریب پہنچ کر کچھ کہنے ہی والے تھے کہ

ایک کی نگاہ اسماعیل پر پڑ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ یوں حیرت زدہ رہ گیا۔ جیسے اُس نے اسماعیل کو نہیں۔ کسی بھوت کو دیکھا ہو۔

"دیکھتے کیا ہو۔" اسماعیل نے ان کی حس کو جھنجوڑا۔ "دروازہ کھولو۔"

اور اب جو حال پہلے محافظ کا ہوا تھا۔ وہی دوسروں کا بھی ہوا۔ اسماعیل۔ ایبی اور جوب وغیرہ کی گرفتاری کا چرچا شہر میں عام تھا۔ اور محافظوں کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اسماعیل ان کی قید سے چھوٹ کر یہاں کیسے آپہنچا۔ لیکن ان کے سامنے ان کا جانا پہچانا اسماعیل۔ زندہ حقیقت کے روپ میں کھڑا تھا ــــــ قصر شاہی کا دروازہ کُھل گیا۔ اسماعیل نے گھوڑے سے اُتر کر اُس کی باگ ایک سپاہی کو تھماتے ہوئے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔" اور خود باوقار قدم اُٹھاتا ہوا اپنی اقامت گاہ کی جانب ہولیا۔ یہاں بھی خلیل کا وفادار خادم حسام دروازے سے چارپائی ملائے۔ گہری نیند سو رہا تھا ــــ اسماعیل نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجوڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ دروازے پر مدھم سی روشنی تھی۔ سُرخی مائل مٹیالی روشنی میں جب اسے اسماعیل کا چہرہ نظر آیا۔ تو جلدی جلدی آنکھیں ملنے لگا۔ جیسے حالتِ خواب میں ہو۔ اس نے کئی بار آنکھیں ملیں اور کئی بار اسماعیل کو دیکھا۔ لیکن ہر بار۔ گویا اسے یقین ہی نہ آرہا ہو کہ وہ جاگ رہا ہے۔

"یہ خواب نہیں ہے حسام۔" اسماعیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اگر تم اسے خواب ہی سمجھنے پر مجبور ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی خواب میں ذرا اپنی چارپائی دروازے سے علیحدہ کرلو۔ اور دستک دے کر دروازہ کُھلوا دو۔ اس کے بعد تم جب تک اچھا ہو اپنے وہم وگمان سے جنگ کر سکتے ہو۔"

حسام نے اسماعیل کی اس بات کو بھی شاید خواب ہی سے تعبیر کیا۔

"لیکن جناب ــــ آپ تو اسلامی لشکر کی قید میں ہیں ــــ" اس نے گم کردہ حواسی کو

سمیٹنے کی کوشش کی۔

"وقت ضائع نہ کرو۔ کھڑے ہو جاؤ — جلدی۔"

حسام۔ جو ہر حکم پر "لبیک" کا خوگر تھا۔ اسمٰعیل کے کہنے سے کھڑا تو فوراً ہو گیا۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ اسمٰعیل کہتا رہا۔ وہ بھی کئے گیا۔ مگر اس انداز سے۔ جیسے یہ سب کچھ عالمِ خواب میں ہو رہا ہو — کئی بار کی دستک کے بعد دروازے کے پیچھے سے صہبا کی آواز آئی۔

"کون ہے۔"

"میں ہوں حسام۔" خادم نے جواب دیا۔ چھوٹے حضور آئے ہیں۔ پر مجھے تو —"

"چھوٹے حضور!" حسام کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کھٹ سے دروازہ کھل پڑا۔

اس اثناء میں صہبا کی ماں بھی دیوانہ وار دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی کئی کنیزیں بھی۔ جونہی ان سب کی نگاہ اسمٰعیل پر پڑی۔ حیرت و استعجاب سے مجسموں کی طرح۔ ساکت و جامد ہو گئیں۔ اسمٰعیل ان کے "خوش آمدید" کا انتظار کئے بغیر دروازے میں داخل ہوا۔ اور اسے اندر سے بند کر کے سب کو اپنے کمرے میں لے آیا۔

"میرا یہاں تک پہنچنا ایک طویل کہانی ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے۔ کہ میں کسی نہ کسی طور اسلامی لشکر کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"کس قدر عجیب اتفاق ہے کہ آپ — کہ آپ — کہ —" صہبا کی ماں اپنے مفہوم میں کھو گئی۔ شوہر کی موت نے اس کا ذہنی توازن خراب کر دیا تھا۔ وہ تین دن سے بخار میں بھن رہی تھی۔

"جی تو نہیں چاہتا —" صہبا نے رسمی تکلف کا مظاہرہ کیا۔ "کہ آپ سے تفصیلات معلوم کئے بغیر جدا ہو جائیں۔ مگر آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ بے حد تھکے ہوئے ہیں — اس

وقت آرام کیجئے۔ صبح باتیں ہوں گی۔"

"انشاء اللہ۔" اسماعیل نے گویا صہبا کے خیال کی تائید کردی۔

"کھانا تو غالباً ـــــ"

"جی بالکل بھوک نہیں ہے۔" اسماعیل صہبا کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "اور نہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

ان لوگوں کے جاتے ہی اسماعیل نے شب خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ اور پلنگ پر دراز ہو کر ایک غائرانہ نگاہ پورے کمرے پر ڈالی۔ جیسے وہ یہاں کے در و دیوار سے اپنی غیر موجودگی کا حال دریافت کر رہا ہو۔ پھر اس نے اپنے مخصوص سامان کا جائزہ لینا شروع کیا سب کچھ اسی حال میں تھا۔ جس طرح یہ چھوڑ کر گیا تھا۔ لیکن اگر یہاں کے در و دیوار بول سکتے تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اِس کی محبوبہ نے یہاں بیٹھ کر اسماعیل کے لئے روحانی جذب و کشش محسوس کیا تھا۔ اس نے اسماعیل کے حفظ و امان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور پہروں فریاد و فغاں کی تھی۔ اِس نے اُس قلم کو چوما تھا۔ جس سے اسماعیل کے ہاتھوں نامۂ محبت لکھا گیا تھا۔ اور ـــ

معاً کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ اور اسماعیل کا مرکزِ محبت ـــ صہبا ـــ نوشگفتہ پھول کی سی کیف زائیوں کے ساتھ دبے پاؤں دروازہ طے کر کے اسماعیل کے سرہانے آکھڑی ہوئی ـــ اسماعیل جو غنودگی سے گہری نیند کی جانب مائل پرواز تھا۔ بدستور بے خبری کا نشانہ بنا پڑا رہا ـــ جوانی کی ہوشربا "صہبائیت" کا حسین و جمیل مرقع اپنے حبیب کو کچھ اس پُر محبت محویت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ کہ اگر کوئی اور دیکھنے والا ہوتا۔ تو اسماعیل کی خوش نصیبی پر عش عش کر اُٹھتا۔ حالانکہ ماں کی نازک حالت نے اس کی طبیعت پر ایک غبار سا چھا رکھا تھا۔

"خوش آمدید صہبا کے سرفروش دیوانے۔ خوش آمدید!" صہبا کی پُرخمار آنکھیں اپنے جذبات و احساسات کی آماجگاہ بن گئیں۔ "میں جانتی ہوں تمہیں اس اقرار پر اُکسانے والا کون تھا۔ وہی نا — جس کی محبت جیتنے کے لئے تم نے جنگی بہاؤ کے رُخ بدل دیئے۔ کتنے دلیر۔ کتنے نڈر۔ کتنے عاقل — کاش تم جان سکتے کہ آج تمہاری صہبا کو تمہاری محبوبیت پر کس قدر فخر ہے۔ اور — اور اب تمہاری سنگدل صہبا بھی تمہارے بغیر اپنے آپ کو مکمل نہیں سمجھ سکتی — اب ہم تنہا کچھ بھی نہیں ہیں — کچھ بھی نہیں — اور اب وہ وقت آپہنچا ہے۔ جب کہ ہم دنیا سے اپنا "مکمل وجود" تسلیم کرالیں — آنکھیں کھولو میرے سرتاج — اور دیکھو — اپنی اُس صہبا کو۔ جسے تم ظالم۔ پتھر۔ اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہتے تھے دیکھو آج۔ وہ تمہاری محبت میں کیا بن گئی ہے — دیوانی — بالکل ہی دیوانی — وہ جانتی ہے کہ اس کا تمہارے پاس اس طرح تنہائی میں آنا۔ کسی بھی نکتۂ نگاہ سے دُرست نہیں ہے۔ مگر وہ آگئی ہے — وہ جانتی ہے کہ اگر گھر کا کوئی فرد مجھے اس حال میں یہاں دیکھ لے تو اس کی ساری عزّت خاک میں مل جائے۔ اس کی عصمت و عفت مشکوک نگاہوں سے دیکھی جانے لگے — مگر اسے۔ کسی بات کی پروا نہیں — دیوانی جو ہو گئی ہے — اُٹھ بھی جاؤ اب — لیکن — اب سے کچھ دیر پہلے میں نے ہی تو کہا تھا — بہت زیادہ تھکے ہوئے ہیں۔ آرام کرنے دو انہیں — اور اب خود ہی اُٹھانے آگئی۔" صہبا پاگل ہو گئی۔

"اسماعیل!" اس کا جذباتی ہیجان بے اختیار آواز اختیار کر گیا۔

صہبا کی آواز سے اپنا نام سن کر اسماعیل نے یکلخت آنکھیں کھولدیں۔ جیسے اس کی کوئی تمنا واہمہ کی اوٹ میں آنکھ مچولی کھیل رہی ہو — اور جیسے ہی اس کی نگاہ صہبا پر پڑی۔ ہکا بکا ہو کر کبھی صہبا کو دیکھتا۔ کبھی گرد و پیش کو۔ گو صہبا کا یہاں اس طرح آنا۔ پہلی بار نہ تھا وہ اس سے پہلے بھی آچکی تھی۔ مگر اس موقعہ پر اسماعیل کو زیادہ حیرت شاید اس لئے ہو رہی

تھی۔ کہ آج کی صہبا پہلے کی طرح برافروختہ نہ تھی۔ آج اس کی آنکھوں میں غم و غصہ کی بجائے چاؤ کی وہ حیا آمیز چمک تھی۔ جب عورت زبان سے کچھ نہ کہنے کے باوجود یہ کہہ دیتی ہے کہ میں تمہاری تمام خواہشات کے ساتھ تمہیں قبول کرتی ہوں — میں تمہاری ہوں — میری ساری کائنات تمہاری ہے۔

"کب سے کھڑی ہیں آپ ؟" اسماعیل سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی" صہبا نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ نسوانی وقار کی حفاظت کی۔

"کرسی لے لیجئے" اسماعیل نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ جو پلنگ کے قریب ہی لکھنے کی میز سے متعلق تھی۔

صہبا طالب و مطلوب کے فطری تقاضوں کے احساسات سے شرمائی، لجائی۔ کرسی پر بیٹھ گئی۔ دل کی ذراسی جنبش انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ "اسماعیل مجھ سے محبت کرتا ہے" یہ بات صہبا کو بہت پہلے معلوم ہو چکی تھی۔ اسماعیل کے کئی محبت نامے بھی پڑھنا پڑے تھے، جن میں اس سے محبت کی بھیک مانگی گئی تھی۔ لیکن چونکہ اس کا اپنا دل صاف تھا۔ اس لئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اسماعیل سے بات کرتے یا نظر ملاتے ہوئے جھجکی ہو۔ اس کے لئے حسام اور اسماعیل دونوں ایک جیسے تھے۔ لیکن آج۔ جب کہ اس کے اچھوتے دل میں مجبوبانہ خودسپردگی کا جذبہ بیدار ہو گیا تھا۔ تو وہ تمام حجابات جو دوشیزگی کا خاصہ ہیں۔ اس کی کائنات پر چھاتے چلے گئے۔ چنانچہ اس وقت صہبا کی۔ اور ایک ایسی لڑکی کی نفسیات میں کوئی فرق نہ تھا۔ جو دھڑکتے دل کے ساتھ حجلۂ عروسی میں دھکیل دی گئی ہو۔

"ادھر دیکھو صہبا!" اسماعیل اس کی آنکھوں میں جھانکنے کے لئے بے چین ہو گیا — "میں اس جذبے سے روشناس ہونے کے لئے بے قرار ہوں۔ جو ایک بار پھر تمہیں یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ کیا ہے وہ — کیا ہے صہبا!"

صہبا نے چاہا کہ وہ اسماعیل کی التجا کو قبول کر لے۔ لیکن حیا کے زبردست دباؤ نے نگاہ کو جنبش میں نہ آنے دیا۔

"شاید میں اپنی محبت کا یقین دلانے میں ناکام رہا ہوں۔"

صہبا تلملا اُٹھی۔ جیسے کسی نے دل پر چُٹکی بھر لی ہو۔ اور دوسرے ہی لمحہ اس کی بے اختیار نگاہیں اسماعیل کے چہرے سے ٹکرا کر اس کی آغوش میں بھٹکنے لگیں۔ اسماعیل نے جس مقصد سے یہ چُبھتا ہوا فقرہ ادا کیا تھا۔ وہ پورا ہو گیا ـــــ وہ جان گیا کہ عیسائیوں کی شکست پر مسلمانوں کے حصہ میں جو مالِ غنیمت آیا ہے۔ اس میں ایک صہبا کی محبت بھی ہے۔ اور پھر اس احساس کے ساتھ کہ مالِ غنیمت کی سب سے قیمتی اور نادر و نایاب شے اس کے اپنے حصہ میں آئی ہے۔ وہ فخر و برتری کا منہ بولتا مجسمہ بن گیا۔

"اس وقت روئے زمین پر۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔" اسماعیل نے فرطِ مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔ "جو خوش بختی و کامرانی میں میری ہمسری کر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ اس عالمِ رنگ و بو میں صہبا سے زیادہ حسین و جمیل شے موجود ہو۔ لیکن اسماعیل کی نگاہ۔ وہ خاص نگاہ ہے جو صہبا سے آگے کچھ اور دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے میرے چاروں طرف محبت کے فرشتے جمع ہیں۔ اور میری اس معراجِ محبت پر مبارک باد پیش کر رہے ہیں۔ اب مجھے اس دنیا سے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ کچھ بھی نہیں۔"

اسماعیل کے کیفِ محبت میں رچے ہوئے یہ فقرے صہبا پر شراب کی سی کیفیت طاری کرتے چلے گئے۔ وہ جس اعترافِ محبت کے لئے یہاں تک پہنچی تھی۔ اسماعیل کے ذہنِ رسا نے اسے خود بخود چھو لیا تھا۔ اور اب صہبا کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ اپنی اس بے موقعہ آمد کے لئے کس پردۂ معقولیت کی آڑ لے۔ اس وقت نہ جانے کیوں۔ وہ محض اعترافِ محبت کو اپنی غیور فطرت پر ایک بار سا محسوس کرنے لگی۔ غالباً اس نے اس حقیقت کو پا لیا تھا کہ "اقرارِ قبولیت"

کی رو میں اس کا کُھل کر بات کرنا شرم و حیا کے منافی ہو گا۔ لہٰذا اس نے اپنی نفسیات کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہوئے دریافت کیا۔

" یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ کے پاس سلیمانی ٹوپی ہے ـــ پہنی ـــ لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوئے۔ اور جدھر سر سمائی چل کھڑے ہوئے۔"

اس مزاح مائل گفتگو سے صہبا کی مراد بے تکلفانہ ماحول کو جنم دینا تھا۔ لیکن پچھلا رنگ تاحال مسلط تھا۔ اور نگاہیں بدستور فرش پر۔

" تمہاری محبت سلیمانی ٹوپی سے کچھ کم ہے؟ تم مانو یا نہ مانو۔ مگر میرا تو ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر خطرے سے بچایا ہی اس لئے ہے کہ میں صہبا کے اشاروں پر چل کر مسلمانوں کی خدمت کروں۔ اور ـــ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اگر اس جنگ میں حصہ لینے سے پہلے ہی میں نے صہبا کا رنگ اختیار نہ کر لیا ہوتا۔ تو آج ان لوگوں میں سے ایک ہوتا۔ جو میدان جنگ کے بازو میں قبرستان آباد کئے پڑے ہیں۔"

" اب اسلامی لشکر کے کیا ارادے ہیں۔ معلوم ہے کچھ؟" صہبا نے دریافت کیا۔ جیسے وہ یہی کچھ معلوم کرنے آئی ہو۔ اس فقرے کے ساتھ اس کی نگاہ اسماعیل کے چہرے پر ٹھہرنے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن حجابی کیفیت اب بھی پورے شباب پر تھی۔

" سنا ہے کہ بیزنطی لشکر ان کی مزاج پُرسی کے لئے عنقریب پہنچنے والا ہے ـــ ادھر اسلامی لشکر بھی اپنی نبض دکھائے بغیر واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا ـــ لیکن ـــ" اسماعیل چونک سا پڑا ـــ" یہ وہ باتیں ہیں جو ہم گھر والوں کی موجودگی میں بھی کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اس غیر اہم گفتگو کے لئے اس مخدوش یکجائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔"

" کہتے تو آپ درست ہیں۔" صہبا نے کہا۔ اور اگلا فقرہ ضبطیہ مسکراہٹ میں تحلیل ہو گیا۔

"اب میں چلتی ہوں"۔ اس نے کرسی چھوڑ دی۔

"لیکن"۔ اسماعیل نے ٹھہرانے کی کوشش کی۔ "میں یہ تو جان ہی نہ سکا کہ آپ کی اس زحمت کا پس منظر کیا تھا۔"

"مجھے معلوم تھا۔" صہبا کا لہجہ شوخی اختیار کر گیا۔ "کہ محبت کے بہت سے فرشتے آپ کو مبارک باد دینے آئیں گے۔ خیال ہوا کیوں نہ میں بھی ان کی شریک بن کر مبارک باد پیش کردوں۔" ان چند الفاظ میں صہبا نے اپنی دلی کیفیت کا اظہار اتنے پیارے لہجہ میں کیا کہ ـــــ مگر وہ اسماعیل کی نظر سے اوجھل ہو چکی تھی!

ناکامیٔ تدبیر

اسماعیل کے فرار کی خبر۔ اسلامی لشکر میں نمازِ فجر کے بعد ہی عام ہو چکی تھی۔ اور اسماعیل کا دوبارہ فرار جابجا غیر معمولی دلچسپی کا موضوع بنا ہوا تھا۔ اسلامی لشکر سے قطع نظر خود قیدیوں کے کیمپ میں اسماعیل کی غیر معمولی شخصیت پر زوردار قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ قیدیوں کو جہاں اس بات کی خوشی تھی کہ وہ اسلامی لشکر کو چکمہ دے کر صاف نکل گیا۔ وہاں اس بات کا بھی سخت افسوس تھا کہ اس نے اپنے فرار کو اپنے ساتھیوں سے بھی مخفی رکھا۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ ایگنی پر بہت زیادہ گراں گزری۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اسماعیل نے اس کیمپ سے فرار ہو کر اس کی بے پایاں محبت کو اپنی ٹھوکروں میں لے لیا ہے۔

"چلو مان لیا"— ایگنی نے سوچا — "کہ اس ظالم کو مجھ سے کوئی دلی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اسے یہ تو اچھی طرح معلوم تھا کہ مجھے اس کے ساتھ گہرا لگاؤ ہے۔ اور ان آلام و مصائب میں اگر کسی کی ذات میرے لئے دل جمعی کا موجب بن سکتی تھی۔ تو وہ صرف اسماعیل ہی کی ذات تھی۔ محبت سے نہ سہی۔ اخلاقاً ہی اسے ایک ایسی عورت کا پاسِ خاطر کرنا چاہیئے تھا۔ جو آنکھیں بند کر کے اس کی طرف دوڑ رہی ہے۔ اسے احساس ہونا چاہیئے تھا کہ میں نے اس کے لئے گلبرٹ ایسی بلند پایہ ہستی کی کوئی پروا نہیں کی۔ — گلبرٹ — جو مجھے جی جان سے چاہتا تھا جس نے مجھے جیتنے کے لئے جان کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ اور جو صرف میری چاہت کے لئے

دنیا سے چلا گیا — ہاں صرف میرے لئے — ورنہ اسے اس جنگ سے کیا علاقہ تھا۔ کیا بھلائی تھی اس کی۔ جو وہ اس جنگ میں آکودتا — محض میری خوشنودی کے لئے — آہ۔ وہ بیچارہ! وہ میری خوشنودی کے لئے۔ خود میرے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتا رہا۔ مگر میں نے اسماعیل کی خوشنودی کے لئے ہر موقعہ پر گلبرٹ کو نیچا دکھایا۔ خدا مجھے اس کے لئے ہرگز معاف نہیں کرے گا — لیکن جس کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ وہ اتنا بے مروّت۔ دغا باز۔ بلکہ کمینہ نکلا کہ — آخر اس نے مجھے کیا سمجھا ہے — کیا سمجھا ہے اس نے حاکمِ کلبریہ سرد غوس کی بیٹی کو۔"

اس کا دماغ لمحہ بہ لمحہ گرم ہوتا چلا گیا — کیا میں اتنی ہی گری پڑی ہوں کہ ایک معمولی شخص کی نظر تک رسائی نہ کرسکوں۔ اگر وہ اخلاقاً بھی میرے لئے سہارا نہیں بن سکتا تھا تو اسے حاکمِ کلبریہ کی بیٹی کی حیثیت سے میرا خیال رکھنا چاہیئے تھا۔ اسے جاننا چاہیئے تھا کہ اس کی نسبت اہلِ کلبریہ کو اپنی کی زیادہ ضرورت ہے — اور اب — اب وہ اپنی سے غیر متعلق ہوکر کلبریہ میں کوئی خصوصی مقام حاصل نہیں کرسکتا — کتنا غیر ذمّہ دار۔ کتنا بے حس۔ اور کتنا خود غرض ثابت ہوا ہے یہ شخص — ایسا تو وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ یعنی مجھے اس لائق بھی نہیں سمجھا گیا کہ اس بزدلانہ اقدام کے متعلق اطلاع دیتا — لیکن — لیکن میں سرد غوس کی بیٹی ہوں اسماعیل —! اُسی سرد غوس کی کہ اگر وہ دھوکہ سے نہ مار دیا جاتا تو آج میدانِ جنگ کا یہ انجام ہرگز نہ ہوتا۔ میں تم سے اس ذلّت وبے پرواہی کا پورا پورا انتقام لوں گی — میں تم پر ثابت کردوں گی — کہ اسماعیل اس وقت تک اسماعیل تھا۔ جب تک وہ اپنی کی نگاہ پر چڑھا رہا۔ اور اب وہ ایک ادنٰی سپاہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے — میں یہاں سے آزادی حاصل کروں گی۔ میں اسماعیل کو اس خود غرضی کا مزا چکھا کر رہوں گی — اگر وہ کلبریہ میں موجود ہوا — اور — سوائے کلبریہ کے وہ ہو بھی کہاں سکتا ہے۔"

یہ تھا وہ ردِ عمل۔ جو اسماعیل کے فرار سے اپنی پر مرتب ہوا۔ اور اس وقت وہ قیدیوں

کے صلاح و مشورہ سے کوئی ایسا ذریعہ تلاش کر رہی تھی جو اس کی فوری رہائی کو ممکن کر دے۔

"میری رائے ہیں" جوب نے رازدارانہ لہجہ میں مشورہ دیا۔ "ہماری اور خصوصاً آپ کی رہائی کا مسئلہ فی الوقت طے ہونے والا نہیں ہے۔ حسن اس معاملہ کو فیصلہ کن جنگ کے بعد زیر غور لانا چاہتا ہے۔ اگر ہماری جانب سے رہائی کے مطالبہ نے زور پکڑا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں حسن پر اُلٹا اثر نہ پڑے۔"

"اگر اُلٹا اثر پڑتا ہے تو پڑنے دو۔" ایبی کی ہٹ میں بچپن کی جھنجھلاہٹ آگئی۔ "میں اس نامعلوم قید و بند سے مر جانا بہتر سمجھتی ہوں۔ اس وقت کلبریہ کو میری اشد ضرورت ہے میں از سرِ نو فوج کو ترتیب دے کر ایک بار پھر ان سے ٹکرانا چاہتی ہوں۔ یا تو میں اپنی پاک زمین کے ساتھ تمہیں بھی آزاد کرا لوں گی۔ یا پھر ان سے لڑ لڑ کر اپنی جان دیدوں گی۔ مجھے ان نیک عزائم سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرو۔ میری رہائی کے بارے میں سوچو۔ میرا معاملہ۔ ایک عورت کا معاملہ ہے۔ اور وہ مسلمانوں کے لئے اس قدر اہم ثابت نہیں ہو سکتا جتنا کہ تم خیال کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں۔ مسلمان عورتوں کی عزّت کرتے ہیں۔ اور میری رہائی کی درخواست سوائے اس کے کہ عیسائی قیدی ایک عورت کی سلامتیٔ عزت کی کوشش کر رہے ہیں اور کسی خیال کی حامل نہ سمجھی جائے گی۔"

"آپ کو اس بات کا یقین کیونکر ہو گیا۔" جوب نے غیر مرعوب جرأت کے ساتھ یاد دلایا۔ "کہ مسلمان آپ کی صحیح حیثیت سے ناواقف ہیں۔ اگر آپ واقعی حالات سے بے خبر ہیں۔ تو میں یہ بتانے کی سعادت حاصل کروں گا کہ اسلامی لشکر کا ہر ذمہ دار فرد آپ کی تحریری تقریری۔ اور علمی اسلام دشمنی سے بخوبی واقف ہے۔ آپ نے آج تک مسلمانوں کے خلاف جتنی تقریریں کی ہیں۔ جتنے جلسوں میں حصّہ لیا ہے۔ اور جتنے محاذوں پر مردانہ وار لڑی ہیں۔ اس کی پوری تفصیلات ان کے علم میں ہیں — اور — اور جب بات یہاں تک آ پہنچی ہے تو مجھے

کہنے دیجئے کہ ان تمام قیدیوں میں۔ جتنا خطرناک وہ آپ کو سمجھتے ہیں۔ اور کسی کو نہیں سمجھتے۔ اور اگر آنجنابہ نے اپنے فیصلہ پر نظرِ ثانی کی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ تو میرے ان اقوال کی صداقت جلد ہی آپ کے سامنے آجائے گی۔"

جوب کی اس تلخ نوائی سے اینی اور زیادہ چراغ پا ہو گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ مسلمان پہریداروں کی پروا نہ کرتے ہوئے بری طرح چیخ اُٹھتی۔ جوب نے انتہائی ہمدردانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"حاکمِ کلبریہ کی مقدس روح کی قسم۔ جوب نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی مالکہ کی بھلائی کے لئے ہی کہا ہے۔ یہ مخالفت نہیں ہے۔ خیر خواہی ہے۔ اور اگر حضور اس خیر خواہی کو ناپسند فرماتی ہیں تو جوب کو حکم دیجئے۔ اسے حکم دیجئے کہ وہ اپنی تلوار کے سایہ میں آپ کو یہاں سے نکال لینے کی کوشش کرے۔ میں اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت خیال کروں گا۔ اگر میری یہ حقیر سی جان اس کوشش کی نذر ہو گئی۔"

جوب کے ان فقروں نے اینی کی مشتعل مزاجی کا رُخ متانت و سنجیدگی کی طرف موڑ دیا۔ چند لمحوں بعد وہ کسی گہرے سوچ میں ڈوب گئی۔ ساتھ ہی دیگر جاں نثار بھی اس کی رہائی پر غور و خوض کرنے لگے۔ اس وقت کیمپ کے ہر فرد کی زبردست خواہش تھی کہ ان کی مالکہ اس غلامانہ ماحول سے نجات حاصل کرلے۔ لیکن اس ضمن میں وہ جن امکانات کو زیرِ غور لاتے تھے۔ وہ چند ہی لمحوں میں "ناممکنات" کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے۔ اگر اسماعیل راہِ فرار اختیار کر کے پہریداروں کو چوکنّا نہ کر گیا ہوتا۔ تو شاید وہ اس نسخہ کو بھی آزما لیتے۔

"کوئی نہیں — کوئی بھی نہیں۔" جوب کی غیر شعوری بڑبڑاہٹ نے گرد و پیش کے لوگوں کو چوکنّا کر دیا

"لیکن" — اینی اُبھری۔ "اگر میں ناسازیِ طبع کا بہانہ کر کے رہائی کا سودا چکانے کی کوشش

کروں۔ تو اس میں نقصان ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ انکار۔ تو اس کے لئے ہم پہلے سے تیار ہوں گے۔"

"حالات یہ ہیں" جوب پھر پچھلی روش پر آگیا۔ "کہ عیسائی فوج کی وہ اہم شخصیت جس کی ماتحتی میں ہم نے یہ جنگ لڑی تھی۔ پہلے ہی فرار ہو چکا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کلبریہ کو پھر ایک اچھا سپہ سالار میسر آگیا۔ ابھی حسن اس ناخوشگوار واقعہ پر تاؤ پیچ ہی کھا رہا ہے کہ آپ اپنی رہائی کا مسئلہ درپیش کر دیتی ہیں ــــ ایک ایسی ہستی کی رہائی کا مسئلہ جو کلبریہ کے جائز حاکم کی حیثیت رکھتی ہے ــــ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ حسن اتنا نادان نہیں کہ نفسِ مطلب کو نہ سمجھ سکے۔ آپ کہتی ہیں اس میں نقصان ہی کیا ہے۔ اور میں کہتا ہوں خدا آپ کو ہر آفت سے محروم رکھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ خصوصی نظربندی کی زد میں آ کر ہم لوگوں سے علیحدہ کر دی جائیں۔ آپ کا ہمارے درمیان نہ ہونا۔ خود آپ کے لئے بھی بہتر نہ ہو گا۔ آپ مسلمانوں کی قید میں ہیں ــــ مسلمانوں کی قید میں ــــ" آخری جملہ پر جوب نے کچھ اس انداز میں زور دیا۔ جیسے وہ کھلے الفاظ میں یہ کہنا پسند نہ کرتا ہو کہ ان کے دامِ ہوس سے آپ کا بچ نکلنا مشکل ہے۔ بہت مشکل۔

ایمی جوب کے مفہوم کو پاتے ہوئے بولی۔

"یہ دیکھیے ــــ" اس نے درمیانی انگلی کی انگشتری کا مظاہرہ کیا جس میں ایک بڑا سا ہیرا جڑا ہوا تھا۔ "یہ میرے بُرے وقت کا بہترین ساتھی ہے۔ میں اپنی عزت کا بھاؤ جانتی ہوں۔ کڑی نگرانی کا خطرہ اتنا دہشت انگیز نہیں ہے کہ اس پر امیدِ رہائی کو قربان کر دیا جائے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ لوگ میرے ارادوں میں حائل ہونے کی بجائے۔ مجھے سہارا دیں۔ میں آپ کے اس تعاون کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھوں گی ــــ" ایمی کا لہجہ طالبِ رحم عاجزی اختیار کر گیا۔

"ہم اپنا فرض ادا کر چکے۔" جوب نے گویا گھٹنے ٹیک دیئے۔ "آپ اپنی ذمہ داری پر جو کچھ کرنا چاہتی ہیں۔ بصد شوق کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

"شکریہ!" اینی نے جوب کی مخالفت کو پس پشت ڈال کر اپنی رہائی کی درخواست پر غور و فکر شروع کیا۔

یوں تو اسلامی لشکر نے جراجہ کے حصار کو چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ لیکن صدر مقام صدر دروازے کے سامنے کا حصہ تھا۔ اکثر بڑے بڑے افسروں کے خیمے یہیں نصب تھے۔ ان خیموں کے عین وسط میں اسلامی پرچم کے زیر سایہ حسن کا خیمہ تھا۔ اس سے متصل ہی ایک معمولی سے خیمہ میں احمد اور ابن عمار کی رہائش تھی۔ اور اس کے پیچھے عمار کی۔ ان خیموں کے چاروں طرف دیگر افسران کے خیمہ جات تھے۔ اور پھر ان سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے عام سپاہیوں کے گنجان خیمے ایستادہ تھے۔ عیسائی نظر بندوں کا خیمہ یہاں سے کوئی ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک جھیل کے کنارے نصب تھا۔ جہاں مسلمانوں کی فالتو فوج نے پڑے جمائے ہوئے تھے۔ یہ جھیل وادی جراجہ کے نام سے مشہور تھی اور اہل شہر اپنی تمام تر پانی کی ضروریات اسی سے پوری کرتے تھے۔ یہاں سے پیچ و خم کھاتی ہوئی یہ جھیل حصار کے دائیں حصہ سے شہر میں داخل ہوئی تھی۔ گو اس کے ذریعہ کسی کا اندرون شہر پہنچنا قطعی ناممکن تھا۔ لیکن پھر بھی دونوں کناروں سے متعلقہ حصار کے بالائی مورچے کو عیسائیوں نے کافی طاقتور بنایا ہوا تھا۔

ڈھلتی شام کا سنہری وقت تھا۔ مسلمان عصر کی نماز باجماعت سے فارغ ہو کر اپنے خیموں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ انہیں میں ایک حسن بھی تھا۔ جو عام مسلمانوں کا سا سیدھا سادا

لباس زیب تن کئے عمارہ ابنِ عمار۔ الشعر اور احمد کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنے خیمہ کی طرف چ
آرہا تھا۔ خیمہ پر پہنچ کر اس نے ایک گھوڑ سوار کو اپنا منتظر پایا۔ حسن کی دریافت طلب نگاہو
کا سہارا پاکر وہ آگے بڑھا اور آداب شاہی بجالاتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں عیسائی قیدیوں کے نگراں افسر کی طرف سے بھیجا گیا ہوں" اس نے کمر سے ایک رقع
نکال کر حسن کو پیش کیا۔ "یہ عیسائی لشکر کے نائب سپہ سالار جوب کی طرف سے ہے۔"
رقعہ لے کر حسن اپنے خیمہ میں داخل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی احمد اور دیگر ساتھی بھی اندر پہنچکر
حسن کے گردو پیش بکھر گئے۔ حسن، جوب کی درخواست کو دل ہی دل میں اوّل تا آخر پڑھنے کے
بعد سوچ میں پڑگیا۔ اور چند لمحوں کے بعد رقعہ الشعر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"حاضرین کو سنادو۔"

الشعر نے رقعہ لے کر بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

عالی مقام خلیفۂ سسلی حسن بن علی کے لئے
نظر بند نائب سپہ سالار۔ افواج کلبریہ کی جانب سے۔

جناب والا!

اس سے پہلے کہ ہم حرفِ مدعا زبان پر
لائیں — ہر اُس قسم کے ساتھ۔ جو آپ کے
لئے قابلِ یقین ہو۔ ہم یہ کہنے کو تیار
ہیں کہ اسماعیل۔ جو اتفاق سے ہماری فوج
کا سپہ سالار بن گیا تھا۔ ہماری لاعلمی میں
فرار ہوا ہے۔ اور اس کا یہ فعل ہماری اپنی
نگاہ میں آپ سے کچھ کم مذموم و بزدلانہ

نہیں ہے۔ اور اگر وقت نے ساتھ دیا
تو ہم اس کی اس خود غرضانہ و غیر
ذمہ دارانہ حرکت کا بڑی سختی سے حساب
لیں گے۔ اس نے یہ ذلت انگیز راستہ
اختیار کر کے ہمارے حق میں جو دشواریاں
کھڑی کی ہیں ان سے ہم بخوبی واقف
ہیں۔

اسماعیل کے اشتعال انگیز فرار سے ہمیں
عالی جناب کی برہمیٔ طبع کا پورا احساس
ہے۔ اور ہم اس مصلحت سے بھی بے
پروا نہیں ہیں کہ اس موقعہ پر ہمارا
جناب کے حضور پیش ہونا کسی صورت
مناسب نہ تھا۔ لیکن چند مجبوریوں نے
ہمیں اس نامناسب اقدام کے سوا کوئی
اور چارہ کار باقی نہیں چھوڑا۔

صورتِ حال یہ ہے کہ سردغوس کی اکلوتی
بیٹی اپنی پچھلے کئی سال سے ایک
نامعلوم مرض کا شکار ہے۔ بظاہر وہ اچھی
بھلی معلوم ہوتی ہے مگر ایکا ایکی غشی
کا دورہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس دورہ کے

بعد نقاہت و کمزوری اتنی بڑھ جاتی ہے
کہ پہروں یادداشت سے کام نہیں لے سکتی
اس مختصر سے عرصۂ نظر بندی کے بعد
آج اسے تیسرا دورہ پڑا ہے۔ اور اس
وقت اس کی جو حالت ہے۔ وہ صرف
دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان لگاتار دوروں
سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ انقلاب اور
حالیہ نظر بندی نے اس کی طبع پر بہت
بُرا اثر ڈالا ہے۔ جو کچھ ہوچکا سو ہوچکا
لیکن اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ اس
عورت ذات معصوم کے لئے جناب کے
رحم و کرم سے اپیل کی جائے۔ ہمارا
متفقہ فیصلہ ہے کہ اگر یہ لڑکی جلد
ہی سابقہ ماحول میں بحال نہ کی گئی تو
ہمیں اس کی زندگی سے مایوس ہوجانا
پڑے گا۔ اور بحیثیت نمک خوار۔ ایسا
ہونا۔ ہمارے لئے کس قدر افسوسناک ہوگا
یہ وہی جان سکتا ہے جو دل سے اپنے
آقا کا وفادار ہو۔
لہذا۔

ہم انتہائی ادب و احترام سے گزارش
کرتے ہیں کہ ہماری تباہی و بربادی کے
مدِ نظر۔ اس لڑکی کا زرِ فدیہ مقرر کر کے
اسے رہا فرمایا جائے۔ اگر حضور والا کی
طرف سے اس لڑکی کے حالِ زار
پر خاطر خواہ توجہ فرمائی گئی۔ تو ہم زندگی
بھر آپ کے اس احسان کو فراموش نہ
کریں گے۔ یہ درست ہے کہ مارنے اور
جِلانے والا صرف خدا ہی ہے۔ مگر ان
حالات میں آپ کا اپنی پر مہربان ہو جانا
بھی اس کی جان بچانے پر مبنی ہوگا۔
آخر میں ہم معذرت خواہ ہیں کہ جناب
کے قیمتی اوقات میں دخیل ہوئے۔

پیغام ختم ہونے کے بعد۔ اپنی جگہ ہر شخص چند ثانیوں کے لئے کھو سا گیا۔
"ایسی صورت میں۔" حسن نے اظہارِ خیال کیا۔ "جب کہ اسماعیل اندرون شہر پہنچ چکا ہے۔ اپنی کا وہاں پہنچنا مناسب نہ ہوگا۔ اب تک ہمارے علم میں جو حالات لائے گئے ہیں ان کا تقاضہ تو یہی ہے۔"
"گو میں وہ سب کچھ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" احمد نے مشورہ دیا— "جو انہوں نے تحریر کیا ہے۔ لیکن جس انداز میں وہ مستدعی ہوئے ہیں۔ اس پر توجہ نہ کرنا۔ ہمارے لئے بعید از اخلاق ہوگا۔ میری ذاتی رائے میں اپنی کی بیماری کا واحد علاج، یہی نہیں ہے کہ

"اُسے اندرونِ شہر پہنچا دیا جائے۔ یہ درست ہے کہ وہ ایک حکمران گھرانے کی لڑکی ہے اور قیدیوں کے خیمہ میں اسے وہ عیش و آرام حاصل نہیں ہو سکتا جس کی وہ خوگر ہے۔ اگر بیماری کی یہ شدت عدم آسائش و بے آرامی کا نتیجہ ہے تو ہمیں ایسا بندوبست کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے جو اس کے شایانِ شان ہو۔ ایک علیحدہ خیمہ۔ آرام و آسائش کی ضروری چیزیں خاطر خواہ خوراک۔ دلجوئی و خدمت گزاری کے لئے چند کنیزیں۔ اور ہمارے اپنے طبیب کا علاج معالجہ۔ اس کے لئے کافی ہیں — لیکن اگر قیدیوں کی طرف سے اس سہولت کو ناکافی سمجھا گیا۔ اور انہوں نے اس بیماری کے دفعیہ کی واحد تدبیر اس کا جراجہ پہنچنا ہی قرار دیا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ محض ایک سازش ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں ہرگز تیار نہ ہونا چاہیئے۔"

احمد کے اس مشورہ نے حاضرین کو ایک بار پھر غوطہ میں ڈال دیا۔

"صرف یہی ایک طریقہ ہے۔" حسن نے احمد کی تائید کی۔ "جو ہمیں اپنے معیارِ اخلاق پر بحال رکھتا ہے۔"

"تو مناسب یہ ہوگا کہ اسی قاصد کے ہاتھ جواب بھیجدیا جائے۔" احمد نے کہا۔

"بیشک!"

قیدیوں کے کیمپ میں حسن کا رقعہ جوب کے ہاتھوں دھڑکتے دل سے کھلا۔ حاضرین میں ہر شخص یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ اینی کی ہٹ کس انجام کے ساتھ رونما ہوئی ہے۔ ان بے چین لوگوں میں اینی کا حال قابلِ دید تھا۔ امید و بیم کا ایک موضوع۔ اس کے چہرے پر بیسیوں رنگوں میں نظر آرہا تھا۔ جوب نے بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

منجانب خاکسار حسن بن علی ۔ خادمِ سسلی
بجواب مسئلہ رہائی بنت سرد غوس وارثِ کلبریہ
جوب صاحب
اسماعیل کے فرار کا معاملہ ہمارے محافظوں
کی فرض ناشناسی کا نتیجہ ہے ۔ جس کے
لئے ہم خود ذمہ دار ہیں ۔ اس ضمن میں
آپ کا شرمسار ہونا بے معنی ہے ۔ ہمیں
یہ جان کر افسوس ہوا کہ آپ کی مالکہ
سخت علیل ہیں ۔ اگر اس کی اطلاع ہمیں
کچھ پہلے ہوجاتی تو شاید انہیں اس قدر
تکلیف نہ برداشت کرنا پڑتی ۔ کیونکہ ہمارا
طبیب خاص ہمارے ساتھ ہے ۔
ہم آپ کے اس خیال سے متفق ہیں
کہ آپ کی مالکہ اس ماحول میں روبصحت
نہیں ہوسکتیں ۔ جس میں انہیں سانس لینا
پڑ رہا ہے ۔ چنانچہ ہم ایک علیحدہ خیمہ
میں ان کے لئے وہ ساری شاہانہ سہولتیں
مہیا کرنے کو تیار ہیں ۔ جن کی وہ خوگر
ہیں ۔ علاوہ ازیں ہمارا طبیب پوری مستعدی
کے ساتھ ان کا علاج کرے گا ۔ ہماری

طرف سے یہ روش اس لئے اختیار کی
گئی ہے کہ فی الوقت ہم ان کی رہائی
کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن ان کی
صحت ہمیں اسی طرح عزیز ہے۔ جیسی اپنی
امید ہے کہ یہ جواب آپ کے لئے
تسلّی بخش ثابت ہوگا۔

خط پڑھ کر جوب نے یکے بعد دیگرے ہر شخص پر نظر ڈالی۔ سب دم بخود تھے۔ آخر میں اس کی نظر ایمی پر جم گئی۔ جو ناکامیٔ تدبیر پر ضبطِ غم سے زرد پڑی جا رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔" جوب نے پُر ملال لہجہ میں کہا۔ "کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اب مناسب یہی ہے کہ آپ حسن کی پیش کش کو بخوشی قبول کر لیں۔ بصورت دیگر۔ وہ ہماری اس کوشش کو۔ کوئی سازش متصور کرنے میں حق بجانب ہوگا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" حاضرین کی اکثریت جوب کی ہمنوا بن گئی۔ اور ایمی؟ وہ "تن بہ تقدیر" کا مرقع بن کر اپنے بستر پر جا پڑی۔

عشا کی نماز کے بعد۔

ایمی کو قیدیوں کے کیمپ سے نکال کر۔ ایک ایسے خیمہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جو اسلامی لشکر کے تمام خیموں سے خوبصورت۔ طویل و عریض اور قیمتی تھا۔ یہ خیمہ یہیں کے مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اور اس کے اندر جو بیش قیمت ساز و سامان پایا گیا تھا۔ اس کے پیشِ نظر قیاس کیا جاتا تھا کہ یہ حاکمِ کلبریہ کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ یا ممکن ہے خود ایمی کے لئے ہی لگایا گیا ہو۔ باہر سے اس کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ مگر اندر سے تمام و کمال ریشمی تھا۔ اور مختلف گوشوں میں زری کی گلکاریاں فن "زردوزی" کا اعلیٰ نمونہ

تھیں۔ ہر دروازے پر رنگ برنگ اطلسی پردے پڑے ہوئے تھے۔ خوابگاہ کی صندلی مسہری۔ مسہری کا احاطہ کئے ہوئے چھت تک پہنچی ہوئی ریشمی جالی۔ اور دیگر سامانِ آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ خیمے کو سہارے ہوئے تمام بانسوں پر چاندی کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ جا بجا عود و عنبر دان تھے۔ جس شے پر نظر ڈالیے اپنی مثال آپ۔ اگر کسی چیز کی کمی تھی۔ تو وہ صرف کنیزیں تھیں۔ جن کی فراہمی فی الحال مسلمانوں کے لئے مشکل تھی۔ ان کی بجائے چند معمّر ترین خادم مقرر کر دیئے گئے تھے۔

یہ خیمہ احمد کے خیمہ کے عین عقب پر واقع تھا۔ صرف چند گز کا فاصلہ پہریداروں کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

اپنی کو جانے پہچانے لوگوں سے جدا ہو کر رنج تو ہوا۔ مگر یہاں کے مانوس ماحول۔ اور پُر سکون لمحات نے اس رنج کو ایک خوشگوار احساسِ تغیّر میں بدل دیا —— وہ خواب گاہ کی طرف جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ بوڑھا دربان اندر داخل ہوا۔ اور تعظیم کے لئے جھکتے ہوئے بولا۔

" والیٔ سسلی۔ ان کے صاحبزادہ احمد۔ اور شاہی طبیب آپ کی مزاج پُرسی کے لئے تشریف لائے ہیں۔"

احساسِ برتری کے جوش سے اپنی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ استقبال کے لئے دروازے تک آئی۔ اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ مہمانوں کو ساتھ لئے ہوئے خیمہ کے اس حصّہ میں پہنچ گئی جو غالباً ملاقاتیوں کے لئے ہی ترتیب دیا گیا تھا۔ ایک بڑی سی منقّش میز کے چاروں طرف کٹاؤ دار کرسیاں سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں۔ تینوں مہمانوں کو بٹھانے کے بعد اپنی ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ ہلکے گلابی لباس میں سرتاپا گلاب کا نو شگفتہ پھول معلوم ہو رہی تھی۔ گھونگھر یالے سنہرے بال دو حصّوں میں شانوں سے گزرتے ہوئے

سینہ پر چھائے ہوئے تھے۔

"اپنی اس مہربانی اور عزت افزائی کے لئے دل سے شکر گزار ہے۔" اس نے تعظیماً گردن جھکاتے ہوئے کہا — "اور اس مقام پر اگر وہ یہ کہے کہ اسے آپ جیسے دشمنوں پر فخر ہے تو یہ بھی حقیقت سے دور نہ ہوگا۔"

"یہ آپ کا حسنِ ظن ہے۔" حسن نے رسمیہ انداز میں جواب دیا۔ "ہم نے اخلاقی فرض پورا کیا ہے۔ اور نہیں جانتے کہ یہ پورا بھی ہوا ہے یا نہیں۔ اب طبیعت کیسی ہے۔"

"یہاں پہنچ کر میں ایک نئی زندگی سے ہمکنار ہوگئی ہوں۔ شاید علاج معالجہ کا بھی رہینِ منت نہ ہونا پڑے۔"

"بڑی مسرت ہوئی یہ جان کر — غالباً ناسازیٔ طبع محض نامانوس ماحول کا نتیجہ تھی۔" حسن نے چٹکی لی۔

"ہوسکتا ہے جناب کا خیال درست ہو۔ ویسے اس کی ایک وجہ اسماعیل کا فرار بھی ہوسکتی ہے۔ میں فطری طور پر بڑی حساس واقع ہوئی ہوں۔ اگر کوئی بات خلافِ مرضی ہوجائے تو طبیعت میں اک عجب سا گھٹاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور پھر یہ اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا اعادہ نہ ہوجائے۔"

"بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں۔" طبیب نے تصدیق کی۔ دورانِ غشی میں اعصاب کھنچے کھنچے۔ دل کی حرکت تیز۔ اور اعضا میں اینٹھن ——"

"جی ہاں۔ بالکل یہی علامات۔" اینی نے بات کاٹی۔

"مگر —" احمد نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ "دورانِ غشی میں آپ ان علامات کو محسوس کیسے کر لیتی رہیں۔"

اینی اِس سوال سے گھبرا سی گئی۔

"ایسا ہوتا ہے نا" اینی نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "کہ یہ تمام علامات غشی سے
پہلے ہی ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ اور غشی کے بعد بھی۔۔"
"یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا" طبیب نے تائید کی۔ اور اس کے بعد دواؤں کی صندوقچی
سے ایک شیشی نکال کر اینی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دوا صرف دل و دماغ کی طاقت
کے لئے ہے۔ ضرورت سمجھیں تو استعمال فرماتی رہیں"۔
"ضرور استعمال کروں گی۔ شکریہ!" اینی نے شیشی لے لی۔
"ہمارا خیال ہے" حسن نے غمگسارانہ لہجہ میں کہا۔ "آپ کی خدمت و دلبستگی کے لئے
چند عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔ موجودہ حالت میں اس ضرورت کی تکمیل ہمارے اختیار سے
بعید ہے۔ البتہ اگر آپ چاہیں تو اندرونِ شہر سے اپنی کنیزوں کو طلب کر سکتی ہیں۔ ہمیں کوئی
اعتراض نہ ہوگا"۔
یہ سنتے ہی اینی کچھ لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔
"جناب کا" اینی کو فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے ہی بولنا پڑا۔ "یہ مہرو التفات مجھے
سدا یاد رہے گا۔ کنیزوں کی بابتہ پھر کبھی عرض کروں گی۔ فی الحال۔ ایک زبردست خلش
جو شاید آج رات مجھے سونے بھی نہ دے۔ عرضِ حال کے لئے بُری طرح مچل رہی ہے۔
اگر از راہ کرم فرمائے۔۔۔"
"ضرور فرمائیے۔ ورنہ۔۔" حسن نے نفسِ موضوع کو بھانپتے ہوئے مزاحاً کہا۔ "آپ کی
یہ "پرخلش بیداری" ہماری نیند میں بھی خلل ڈالے گی"۔
اینی سمیت ہر شخص کے چہرے پر مسکراہٹ کھل اٹھی۔
"میں اس حیثیت سے لاعلم نہیں ہوں کہ دوری خلش کی یہ کوشش ایک غیر ذمہ دارانہ فعل ہے۔
لیکن بعض اوقات زہر کو امرت سمجھ کر بھی پینا پڑتا ہے۔۔۔ دراصل۔۔" اس مختصر سی تمہید

کے بعد اس نے رُک رُک کر کہنا شروع کیا۔ "میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ میری درخواست کو کن وجوہ پر مسترد کیا گیا۔ اس بارے میں۔ اپنے طور پر میں جن قیاس آرائیوں کا شکار ہوئی ہوں وہ میرے لئے بڑی ہی تکلیف دہ ہیں۔" اینی نے منہ لٹکا لیا۔ جیسے منہ کڑوا ہو گیا ہو۔ "بڑی ہی تکلیف دہ۔"

اینی کے اس خوبصورت پینترے سے حسن کی صاف شفاف پیشانی پر کئی بل ابھر آئے۔ جن میں ناگواری سے زیادہ سوچ کا رچاؤ تھا۔ احمد کا متبسم چہرہ بھی سنجیدگی اختیار کر گیا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں۔" اینی نے معذرت چاہی۔ "میرا سوال ضرورت سے زیادہ اہم متصور کیا جا رہا ہے۔ میں خلش گوارا کر سکتی ہوں۔ مگر یہ صورت گوارا نہیں کر سکتی۔ امید ہے کہ اعلیٰ حضرت مجھے اس جرأت کے لئے معاف فرمائیں گے۔"

"آپ کی طرف سے اس قسم کا سوال اہم تو نہیں۔ ہاں غیر متوقع بیشک ہے۔ بہرحال ہم یہ پسند نہیں کریں گے کہ آپ کی خلش ہم پر منکشف ہو۔ اور اس کے بعد بھی بدستور قائم رہے۔"

حسن کے ان فقروں نے اینی کی کبیدہ خاطری کو پُرامید بشاشت میں بدل دیا۔ اس کے برعکس احمد کی حیرت زدہ نگاہیں بے قراری کے ساتھ حسن کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ حسن ان نگاہوں سے بے خبر اینی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چونکہ اس سوال کا محرک آپ کی دلی خلش ہے۔ اس لئے سخت نامناسب ہوگا۔ اگر ہم نے خلش کی حد سے متجاوز ہو کر بولنے کی کوشش کی۔"

"یقیناً" اینی نے پُرزور تائید کی۔

"تو سنیئے۔ آپ کی رہائی کی درخواست جس مصلحت سے نامنظور ہوئی۔ اس کا تعلق آپ کی ذات سے نہیں۔ بلکہ خود ہمارے حالات سے ہے۔ لہٰذا آپ کی وہ تمام قیاس آرائیاں جنھوں نے اس خلش کو جنم دیا ہے۔ بالکل بے حقیقت ہیں۔ اس علم کے ساتھ۔ آپ کی خلش دور

وجانا چاہیئے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس موضوع کو بھی۔" حسن کا یہ جواب زیرِ بحث موضوع حرفِ آخر کا درجہ رکھتا تھا۔ لہٰذا ابنی کو خاموش ہو جانا پڑا۔

اگلے روز۔ اسماعیل قصرِ شاہی میں ہارلے سے صلاح و مشورہ کے بعد۔ کافی رات گئے گھر پہنچا۔ صہبا اور چند کنیزوں کے سوا باقی سب سو رہے تھے ــــ "خیر باشد؟" صہبا نے تاخیر کی تفصیل چاہی۔

" ابنی کا پیغام آیا تھا۔ اسے اسلامی امیرِ لشکر کی طرف سے اپنے محل کی چار کنیزیں بلانے کی اجازت مل گئی" ــــ اسماعیل نے صہبا کے پاس ایک چوکی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تفصیلات کافی طویل ہیں۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا" ــــ وہ ایک کنیز سے مخاطب ہوا ــــ "تم سب سونے کے لئے جا سکتے ہو۔

اور جب یہاں صہبا کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ تو اس نے راز دارانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

" دراصل عیسائی لشکر کی حالیہ شکست۔ واقعی شکست نہیں ہے۔ یہ صورت محض سردغوس کے قتل کی بوکھلاہٹ سے پیدا ہوئی ہے۔ ورنہ عیسائی لشکر کی طاقت جوں کی توں بحال ہے اور اب صرف یہی نہیں۔ بلکہ حکومت بیزنطی کی امدادی فوج بھی مارا مار کرتی چلی آ رہی ہے۔ اُدھر بے شمار مالِ غنیمت نے مسلمانوں کی طاقت میں بھی کئی گنا اضافہ کر دیا ہے ــــ بات پھر طول پکڑنے لگی" اس نے گویا خود سے کہا۔

" تو چھوڑیئے اسے" صہبا نے تشویشناک لہجہ میں کہا۔ " اصل بات بتائیے"

" میرا خیال ہے کہ اس جنگ کا انجام بالآخر مسلمانوں کی فتح پر منتج ہوگا۔ ایسی صورت میں آپ لوگوں کی بریت کا سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں ہے کہ آپ حصارِ شہر سے باہر نکل جائیں ــــ امی جان! اسماعیل نے صہبا کی ماں کے بارے میں دریافت کیا ــــ" وہ

کہاں ہیں۔"

"آج دوپہر سے ان کی حالت پھر بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ دماغ پہلے ہی بیکار ہوچکا ہے وہ آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکیں گی۔"

"افسوس!" اسمٰعیل کو دلی صدمہ ہوا۔ "یہ حالت کب سے ہوئی۔"

"قتل کے بعد سے ہی سمجھیئے ——— ان کا تو عدم وجود ہی ایک برابر ہوگیا۔"

"جو خدا کو منظور ہو ———" اسماعیل نے کہا۔ جیسے وہ اس قیمتی وقت کا ایک بھی لمحہ ضائع کرنے کو تیار نہ ہو۔ "آج شام اسلامی قاصدوں کے ذریعہ ہارلے کو یہ پیغام ملا تھا کہ وہ اینی کی دلجوئی کے لئے محل سے دو کنیزوں۔ ایک مغنیہ اور ایک قصہ گو کو بھیجدیں۔ ہم نے خیال کیا کہ کیوں نہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ قاصد کو مغنیہ کی عدم موجودگی کے بہانے صبح تک کے لئے روک لیا۔ اس موقعہ پر مجھے آپ لوگوں کا خاص طور پر خیال تھا۔ لہٰذا میں نے ہارلے کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ کنیزوں کے روپ میں بطور جاسوس خلیل صاحب کی بیوی اور بیٹی کو بھی اسلامی لشکر میں بھیجدے۔ ہارلے تمہیں باغی خاندان کا ایک پُرجوش باغی رُکن خیال کرتا ہے۔ اس طرح تمہیں صرف چار پانچ روز اینی کے پاس ٹھہرنا پڑے گا۔ آج سے پانچویں چھٹے روز میں خود بھی کسی نہ کسی طور تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں یہ معلوم کرکے یقیناً خوشی ہوگی کہ میں اپنے بدلے ہوئے خیالات اور رسالہ اسلامی خدمات کے کئی ایک اٹل ثبوت فراہم کرچکا ہوں۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ اپنی ان خدمات کے صلہ میں امیر لشکر کی طرف سے معاف کردیا جاؤں گا۔ اگر ہم اپنے آپ کو اسلامی مفاد سے وابستہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس زرّیں موقعہ کو ہرگز نہ گنوانا چاہیئے ——— منجملہ حالات سے قطع نظر۔ یہ مرحلہ یوں بھی طے ہوسکتا ہے کہ تم ہر قسم کے فکر و تردد سے آزاد ہوکر۔ اپنے آپ کو

مجھ پر چھوڑ دو - جو میں کہوں کرتی جاؤ - میں تمہارے بہترین مستقبل کے لئے پوری طرح ذمہ دار ہوں ۔"

صہبا سوچ میں پڑ گئی۔

" کیا میں اس قدر کٹھن آزمائشوں سے گزرنے کے باوجود آپ کے لئے اس قدر معتبر ثابت نہیں ہو سکا کہ میری بات پر یقین کیا جا سکے ۔" اسماعیل سرتاپا سوال بن گیا۔

" نہیں یہ بات نہیں - میں ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں ۔ جو عرصہ دراز سے ہمارے ساتھ ہیں - یہ غریب کہاں جائیں گے ۔"

" میں کوشش کروں گا کہ انہیں بھی یہاں سے نکال لے جاؤں - آگے جو خدا کو منظور ہو ۔"

اچانک ہی صہبا کی ماں یہاں آ پہنچی۔

" آیئے ۔ آ! صہبا کھڑی ہو گئی اور اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولی۔

" ہم یہاں سے جا رہے ہیں ـــ سمجھیں آپ ـــ کیا خیال ہے ۔"

" بلرم ـــــ اب تو ہم بلرم بھی جا سکتے ہیں - وہاں ہمارا بہت بڑا گھر ہے ـــ "کاشانۂ خلیل" ـــ میری ملکیت - میں وہیں جاؤں گی ۔"

" بیشک !" اسماعیل نے پُر امید بنانے کی کوشش کی ۔" یہاں سے نکلنے کے بعد ہماری آخری منزل بلرم ہی ہو گی ۔"

" اس کا مطلب ہے ۔" صہبا نے قطعی فیصلے کے پیرایہ میں کہا ۔" کہ ہمیں روانگی کی تیاری شروع کر دینا چاہیئے ۔"

" کیوں نہیں ـــ کیوں نہیں ۔" ماں نے کھوئے کھوئے سے انداز میں جواب دیا ۔" وہاں ہمارا بہت بڑا گھر ہے ـــ کاشانۂ خلیل ـــ ہمارے بہت سے عزیز ہیں - پورا قبیلہ ۔"

"خدا کا شکر ہے" اسماعیل نے اطمینان کا سانس لیا۔ "کہ حالات میری مرضی کے مطابق درست ہو گئے۔ ورنہ خدا جانے اس زرّیں موقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہمیں جزائر میں کس قدر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"اللہ تعالیٰ ہمیں آپکی مرضی کے تابع رکھے۔ آپ کے سوا اب ہمارا رہا ہی کون ہے۔" صہبا نے معنی خیز نگاہوں سے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ جو سرتاپا "آمین" بن گیا تھا۔

صہبا اسلامی لشکر میں

صبح چڑھتے سورج کے ساتھ

بڑی احتیاط و اہتمام کے ساتھ جراحہ کا صدر دروازہ چار عورتوں کے سامنے کھلا۔ اور دوسرے ہی لمحہ ان کے پیچھے بند کر دیا گیا۔ یہ چار عورتیں وہی تھیں جنھیں اینی کی خواہش پر محل سے بھیجا گیا تھا۔ گو یہاں سے اینی کا خیمہ کچھ زیادہ دور نہ تھا پھر بھی ایک گھوڑا گاڑی انہیں لے جانے کے لئے پھاٹک سے کچھ فاصلہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے سوار ہوتے ہی دو مسلمان سپاہیوں نے گاڑی کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

"اس قدر آہستہ۔" داہنی ہاتھ والے سپاہی نے کوچبان کو تاکید کی۔ "کہ ہم اس کے ساتھ پیدل چل سکیں۔"

حسب ہدایت گاڑی آہستہ آہستہ اسلامی خیموں کی طرف بڑھنے لگی۔

ان چار عورتوں میں ایک مغنّیہ۔ دوسری قصّہ گو۔ تیسری صہبا اور چوتھی صہبب کی ماں تھی۔ مغنیہ۔ اور قصّہ گو نے آنکھوں سے نچلا حصّہ ایک ریشمی رومال سے چھپایا ہوا تھا۔ وہ اسلامی لشکر کے دور دور تک پڑے ہوئے خیموں کو سہمی سہمی سی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ راہ چلتے سپاہی پر ان کی اچٹتی اچٹتی نگاہیں یوں پڑ رہی تھیں کہ اگر انہوں

نے کسی کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت کی تو یہ خطرناک جانور انہیں فوراً ہی آدبوچے گا۔
ان کے برعکس۔

گو صہبا کو اپنی خیر و سلامتی کا پوری طرح یقین نہ تھا۔ پھر بھی وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان یوں محسوس کر رہی تھی۔ گویا عرصہ دراز کی جدائی کے بعد اپنے وطن کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہ حدِ نگاہ تک خیموں کا پھیلا ہوا سلسلہ۔ اس کے اپنے عزیزوں سے آباد ہے۔ اس کا چہرہ پوری طرح زیر نقاب تھا۔ سیاہ جالی سے گرد و پیش کا سرور کُن جائزہ لیتی ہوئی آنکھوں کو ایک لمحہ کے لئے قرار نہ تھا۔۔۔ اب گاڑی میدانی فاصلہ طے کر کے دو رویہ خیموں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ چونکہ صبح کا وقت تھا اس لئے اکثر خیموں میں قرآن شریف کی تلاوت ہو رہی تھی۔ یہ روح پرور منظر دیکھ کر صہبا کا جوشیلا خون اچھالے لینے لگا۔ اسے "کاشانۂ خلیل" یاد آگیا۔ جہاں یہ اور اس کی ہم عمر سہیلیاں صف بر صف درسِ قرآن لیا کرتی تھیں۔ اس بھولے بسرے ماحول کی وجدانی کیفیات سے محظوظ ہوتی ہوئی جب وہ اسلامی امیرِ لشکر کے خیمہ کے سامنے سے گزری تو ہوا میں سرسراتے ہوئے اسلامی پرچم کو دیکھ کر۔ اس کا سر احترام و عقیدت سے جھک گیا۔ اس وقت اسے یوں معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے مدت مدید کی روحانی پیاس کے لئے بیک وقت سینکڑوں چشمے میسّر آ گئے ہوں۔۔۔ اسلامی امیر لشکر کے خیمے کو پیچھے چھوڑ کر گاڑی نے ایک موڑ کاٹا۔ اور چند قدم آگے بڑھ کر۔ ایک طویل و عریض خیمے کے دروازے پر کھڑی ہو گئی۔

ابنیٰ اپنی کنیزوں کی اطلاع پاتے ہی تیز قدمی کے ساتھ دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ باہر چند پہریداروں کے درمیان داروغہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے مستعد کھڑا تھا جونہی کنیزیں گاڑی سے اُتریں۔ داروغہ نے نہایت ادب کے ساتھ کہا۔

"محترم خواتین! چونکہ میں سرکاری طور پر اس خیمہ کی نظر بندی کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں لہٰذا میرے لئے آپ لوگوں سے روشناس ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس مجبوری کے لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" اینی کی آواز آئی۔ "نمبروار لبادے اتارتی ہوئی اندر آجاؤ۔ اتنا کافی ہوگا۔"

"جی نہیں۔" پہریدار نے ضابطہ کے ساتھ کہا۔ "ان کے نام اور شناختی نشانات کا قلمبند ہونا بھی ضروری ہے۔"

"میرا نام فلورا ہے۔" مغنیہ نے آگے بڑھ کر پہل کی۔ "اور یہ دیکھئے پھوڑے کا نشان!" اس نے دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"آپ جاسکتی ہیں۔"

"میرا نام۔" قصّہ گو سامنے آئی۔ "میریا۔ میرا جسم بے داغ ہے۔ چہرے سے جو چاہو شناخت لے لو۔"

داروغہ کی تیز تیز نگاہیں میریا کے چہرے کو اپنے اندر جذب کرنے لگیں۔ ساتھ ہی قلم بھی چلتا رہا۔

"جاسکتی ہو۔"

صہبا۔ جو اپنی بیماریاں کو کندھے کے سہارے لئے ہوئے تھی، جلدی سے آگے بڑھ کر داروغہ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"میرا نام صہبا ہے۔"

"صہبا۔؟" اینی کی حیرت زدگی اس کی آواز سے مترشح تھی۔ ہوسکتا تھا داروغہ اس موقعہ پر مشکوک ہوجاتا مگر صہبا کے حسنِ ضیا بار نے اسے گرد و پیش سے بالکل بے نیاز کردیا تھا۔

"میرے جسم پر بھی کوئی خاص نشان نہیں ہے۔" صہبا نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "بال سنہرے ہیں۔ اور ---- اور ---- جو بھی آپ مناسب سمجھیں لکھ لیں۔"

داروغہ، صہبا کی خاموشی پر چونک کر جلدی جلدی لکھنے لگا۔

"یہ میری ماں ہیں ---- امت الامین۔ ان کی گردن پر نیلا نشان ہے۔ پتہ نہیں کس چیز کا ہے۔"

ایبی نے دروازے سے باہر جھانکا۔ "اوہ!"

"کیا آپ مسلمان ہیں۔"

"عرب۔" ---- صہبا نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ خود کو بچالیا۔

داروغہ جلدی جلدی پلک جھپکانے لگا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

"تشریف لے جائیں۔" اس نے اجازت دیدی۔

اور جونہی یہ دونوں خیمہ میں داخل ہوئیں۔ ایبی نے انہیں اس قدر تیزی کے ساتھ اپنے نرغۂ سوالات میں لیا کہ صہبا حیران ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

"آئیے اندر بیٹھتے ہیں۔" ایبی کو اپنی احمقانہ بے تابی کا فوراً ہی احساس ہو گیا۔ وہ صہبا کا ہاتھ پکڑ کر ملاقاتی حصہ کی طرف بڑھتے ہوئے بولی ---- "آپ لوگوں کی آمد کا تو وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔ آپ لوگوں سے یوں اچانک مل کر مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے میں نہیں بتا سکتی ---- بابا!" ---- اس نے بوڑھے مسلمان خادم کو آواز دی۔ جو پہلے سے اس کی خدمت کے لئے مقرر تھا۔

"حاضر جناب۔" ---- بابا لپکتا ہوا ایبی کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"آپ لوگوں کے لئے ہاتھ منہ دھونے کے لئے پانی لے آؤ۔ اور اس کے بعد

جلدی سے ناشتہ کا انتظام کر لو۔"

"بہتر!"

"تمہارے لئے وہ کونے والا کمرہ درست کرا دیا گیا ہے۔" وہ فلورا اور میریا کی طرف مڑی۔ "وہاں آرام کرو۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر آ جانا۔"

حفظ مراتب کا تقاضہ پورا کرنے کے بعد ملاقاتی حصہ میں پہنچ کر تینوں برابر برابر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

"دیکھتی ہو — کس قدر عظیم انقلاب رونما ہوئے ہیں ان چند دنوں میں۔" اینی کا متاسف لہجہ ہمنوائی کا خواستگار تھا۔

"اسی کا نام دنیا ہے۔" صہبا نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں کہا۔ "ہمارا تو گھر ہی اجڑ گیا۔ صرف والدہ کا دم رہ گیا ہے۔ سو وہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔"

اینی، صہبا کی ماں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"میں نے آداب عرض کیا تھا۔ جواب نہیں ملا۔ مجھ سے ناراض ہیں کیا۔"

"ہاں —" صہبا کی ماں نے فوراً ہی جواب دیا — "میں بلرم جا رہی ہوں۔ کاشانۂ خلیل میں رہنے کے لئے۔"

اپنی بات کا یہ بے تکا جواب پا کر اینی نے صہبا کی طرف دیکھا۔

صہبا نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھ کر نفی میں ہاتھ ہلایا۔

"بہت افسوس ہوا۔" معاملہ کی تہہ کو پہنچ کر اینی نے گویا پرسہ دیا — "اسماعیل صاحب کا کیا حال ہے۔"

ان کے بارے میں ہمیں کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ ان کا تمام وقت ہارنے کے مسائل گزرتا ہے۔ جو اسلامی لشکر پر حملہ کی عظیم الشان تیاریاں کر رہا ہے۔ کل رات وہ

تھوڑی دیر کے لئے ہمارے پاس آئے تھے۔ اور بحیثیت آپ کی منہ بولی بہن کے مجھ پر زور دیا کہ میں اِس بُرے وقت میں آپ کے کام آؤں۔ اور آپ کی دلجوئی کے لئے جو چار کنیزیں یہاں سے جا رہی ہیں۔ ان میں خود کو بھی شامل کر دوں۔ امّی جان کی حالت ایسی نہ تھی کہ انہیں ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑا جاتا۔ لہذا انہیں بھی ساتھ لانا پڑا۔" صہبا نے اسماعیل کا پڑھایا ہوا سبق دُہرا دیا۔ ایک ایسا سبق جو صہبا کی زندگی میں اس کا پہلا جھوٹ تھا۔

" آخر کار یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ وہ نینوں بزدلانہ قتل حسن کے ایما پر ہوئے تھے۔ اگر اس ظالمانہ رویّہ کے بعد بھی آپ اپنے نظریات میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ تو آفرین ہے آپ پر۔" اینی نے کہا

" جو نظریات دوسروں پر اثر انداز نہ ہو سکیں ان کی بساط ہی کیا۔"

بابا پانی اور سلفچی لے کر آ گیا۔ اور اس طرح دونوں کو خاموش ہو جانا پڑا۔

ہاتھ منہ دھو کر صہبا ناشتہ کی چوکی پر بیٹھ گئی۔ والدہ کی بھوک عرصے سے غائب تھی۔

" اب تمہیں زیادہ تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔" اینی نے بابا سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔" میریا کو میرے پاس بھیجدو۔ اور تم خیمہ کے باہر پہنچ کر آرام کرو۔"

" جو حکم ۔" بوڑھا چلا گیا۔

" معلوم نہیں اس قید و بند کی لعنت سے کب چھٹکارا ملے۔ میں تو تنگ آ چکی ہوں۔ اس زندگی سے۔" اینی نے بیزاری ظاہر کی۔

" گھبرائیے نہیں۔ اسماعیل نے کہا تھا کہ وہ چار چھ روز تک خود بھی اسلامی لشکر میں ہوگا۔ شاید اس نے اس مسئلہ کا کوئی حل ڈھونڈ نکالا ہو۔"

" چار چھ روز تک خود بھی اسلامی لشکر میں ہوگا؟" اینی چونکی۔" کیا مطلب؟"

" مطلب پوچھنے کا وقت ہی کہاں ملا۔" صہبا بڑی خوبصورتی سے دامن بچا گئی۔ دراصل

وہ کم سے کم جھوٹ کے ساتھ مصلحت کا تقاضہ پورا کرنا چاہتی تھی۔ اور یہ بھی اسمٰعیل کی پُرزور سفارش کا دباؤ تھا۔ ورنہ شاید وہ اس کی متحمل نہ ہو سکتی۔

"مگر میں تو اس کی طرف سے بڑی مایوس ہوں"۔

"لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔ وہ آئے گا اور یقیناً ہماری مدد کرے گا"۔

"بڑی پُرامید ہیں آپ!" اینی رقابت کی لپیٹ میں آنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ اس لئے کہ وہ جھوٹ کم ہی بولتا ہے"۔

"ہونہہ!" اینی کی حقارت بے قابو ہو گئی۔ "کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اس نے میرے ساتھ کس قدر خود غرضانہ سلوک روا رکھا ہے"۔

"اسمٰعیل اور خود غرض۔۔۔ عجیب بات سُن رہی ہوں۔۔۔ بہرحال۔ یہ غلط فہمی ہے اور جلد ہی دور ہو جائے گی"۔

صہبا کی ان باتوں سے اینی کو یوں معلوم ہوا گویا اسمٰعیل کا وہ روپ جس کی یہ خود طالب ہے۔ بہت پہلے سے صہبا کے حصّہ میں آیا ہوا ہے۔

"اس قدر بھروسہ؟" اینی نے اپنے وہم کا امتحان لینے کی کوشش کی۔

"شاید آپ بھول رہی ہیں کہ وہ عرصہ دراز سے ہمارا ساتھی ہے۔ ہم سے بہتر طریق پر اُسے اور کون جان سکتا ہے"۔

یہ آنکھ مچولی اینی کے لئے بڑی صبر آزما ثابت ہوئی۔

"ساتھی تو وہ ہمارا بھی کافی عرصہ سے ہے"۔ اینی نے ایک اور تیر پھینکا۔

"تو پھر میں کہوں گی کہ آپ نے اسے صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بات کا دھنی ہے۔ اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی مخلص"۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نے اسے خاص طور پر سمجھنے کی زحمت گوارا کی ہے"۔

اینی کے طرزِ تخاطب نے صہبا کو شبہ میں ڈال دیا۔ ایک بار اسماعیل نے اینی کی نوازش ہائے بیجا کا اشارتاً ذکر کیا تھا۔ لیکن اینی کے متعصب اور غیور عیسائی کردار کے پیشِ نظر اس نے اُس اشارے کو اسماعیل کی غلط فہمی قرار دے کر دل و دماغ سے محو کردیا تھا اس وقت اسماعیل کا وہ اشارہ اس کی یادداشت پر سانپ کی طرح لہرانے لگا —— اور اب اس کی باری تھی۔

"جی ہاں —— اور یہ اس لئے کہ اسے ساری زندگی کے لئے ہمارا ساتھی بننا تھا۔"

اینی آگ بگولا ہوگئی۔

"آپ اپنے والد کی وفات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کررہی ہیں۔ میں ذاتی طور پر جانتی ہوں کہ آپ کے اور اسماعیل کے درمیان مختلف خیالات کی اتنی وسیع خلیج حائل تھی کہ اس کا پاٹا جانا ممکن ہی نہ تھا۔"

"یہ خلیج تو میرے اور میرے والد کے درمیان بھی حائل تھی۔ پر گزارہ ہو ہی گیا۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ آپ اس موضوع سے اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی ہیں۔"

بالآخر صہبا کو براہِ راست سامنے آجانا پڑا۔

اور بجائے اس کے کہ اینی کوئی جواب دیتی۔ وہ صہبا کو بوکھلائی نگاہوں سے یوں گھورنے لگی۔ گویا اس کا بس چلے تو وہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردے۔

"ابھی تو مجھے آپ کے پاس آئے ایک پہر بھی نہیں گزرا اینی بہن —— آخر یہ کس قصور میں؟"

اینی کا غم و غصہ اس کے سیاسی شعور میں تحلیل ہونے لگا۔

"اس نے میرے ساتھ جو دغابازی کی ہے۔" اینی نے آواز کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی بناء پر میں نے عہد کیا ہے کہ میں اس سے انتقام لئے

بغیر نہ رہوں گی۔ میں نے تمہیں بہن بنایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ میں یہ انتقام اپنے بہنوئی
سے نہیں لے سکتی۔"
"شکریہ!" صہبا بے ریا ضرور تھی۔ مگر اتنی بھولی نہیں کہ اینی کی اس کروٹ کو نہ سمجھ
سکتی۔ "پھر بھی میں آپ سے درخواست کروں گی کہ آپ ایک بار اور ٹھنڈے دل سے
معاملہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایسا یقیناً نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ خیال کر رہی ہیں"
"ہو سکتا ہے — اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اسمٰعیل سے انتقام نہ لوں۔ مگر ہے
وہ دغاباز۔"
جواب میں صہبا کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی — ایسی مسکراہٹ۔ جو کسی ناقابلِ یقین
بات پر رونما ہوتی ہے۔
"کل ہم کافی رات گئے سوئے تھے۔ پھر اُٹھے بھی علی الصباح۔ اگر آپ اجازت دیں
تو تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے۔"
"شوق سے۔" اینی اپنی سابقہ حالت پر بحال ہو چکی تھی۔ اس نے دائیں حصّہ کی
جانب اشارہ کیا۔ "میری رائے میں آپ کے لئے وہ گوشہ مناسب رہے گا۔ اندر آرام کا
پورا بندوبست ہے۔"
"شکریہ!" صہبا اپنی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر دائیں کمرے کی طرف بڑھ گئی ؂

حسن قلعہ قتّانہ کی طرف

کئی روز کی جمودی محاصرہ کشی کے بعد آج اچانک ہی حسن کے خیمہ میں افسروں کی آمد کا تانتا بن گیا۔ یہ اجلاس خصوصی چند فوری اغراض کی بناء پر طلب کیا گیا تھا۔ جب تمام افسران ہو گئے تو حسن نے ان کے درمیان کھڑے ہو کر مقررانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

عزیز رفیقو!

مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تیسری منزل پر قلعہ قتانہ میں افواج کلبریہ کا بیشتر حصّہ پناہ گزین ہے۔ ان میں کچھ تو وہ فوج ہے۔ جو یہاں کے میدانِ جنگ سے فرار ہوئی تھی۔ اور کچھ حصّہ اُن دستوں کا بھی ہے جو حکومتِ بیزنطی کی امدادی فوج کے بھیس میں جنگ کا حصّہ دار بنا تھا۔ ان کے علاوہ کلبریہ کے بڑے بڑے شہروں سے نئے تربیت یافتہ سپاہی

بھی صلیبی طاقت میں اضافہ کرنے کے لئے بیش از بیش تعداد میں وہاں جمع ہورہے ہیں۔

علاوہ ازیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حکومتِ بیزنطیٔ صوبۂ کلیریہ کی امدادی فوج کے لئے تیار ہوچکی ہے۔ چنانچہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ امدادی فوج کب ہمارے سروں پر آمسلط ہو۔ قلعۂ قتانہ اس فوج کے راستے پر واقع ہے۔ لہذا کوئی عجب نہیں کہ یہ فوج قلعۂ قتانہ کی فوج کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کرے۔

لیکن اب ـــــ جب کہ اللہ کی مہربانی سے ہمیں عین موقعہ پر یہ سب کچھ معلوم ہوگیا ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان کی اس کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

اس سلسلہ میں کافی غور و خوض کے بعد۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہماری فوج کا ایک حصّہ یہاں بدستور محاصرہ قائم رکھے۔ اور دوسرا حصّہ آگے بڑھ کر قلعۂ قتانہ کا محاصرہ کرلے

کو درمیان ڈال کر بیزنطی لشکر سے
بھی اچھی طرح نمٹ سکیں گے۔

چنانچہ آج ڈھلتی رات کے ساتھ میں
اس مہم پر روانگی کا ارادہ کرچکا ہوں
میرے ساتھ میرا بھائی عمار ہوگا۔ یہاں
کے محاصرہ کا نگراں۔ قائم مقام۔ احمد
ہوگا۔ ابن عمار اس کے نائب کی
حیثیت سے کام کرے گا اور اشعر اسکے نائب کی۔
اس میں شک نہیں کہ یہ فیصلہ
انتہائی عجلت کے ساتھ عمل میں آیا
ہے۔ لیکن وقت کسی کا انتظار نہیں
کرتا۔ اور نہ ہاتھ سے نکل جانے
کے بعد دوبارہ حاصل ہوتا ہے۔
یہاں کی ذمہ داریوں کے بارے میں
احمد کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے
مجھے امید ہے کہ میری غیرموجودگی میں

وہ اپنی فوج کو ایک اچھے سپہ سالار
کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔
عمار! وہ اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوا۔
تمہیں فوج کے انتخاب اور کوچ کی
تیاری کے لئے اجازت دی جاتی ہے
تم جا سکتے ہو۔ ہمارے ساتھ زیادہ
سے زیادہ صرف موجودہ فوج کا
نصف حصہ ہونا چاہیئے۔ سامانِ رسد
بھی چار چھ روز سے زیادہ کا نہیں
یہ وہاں کے مضافات سے بآسانی
حاصل کیا جا سکتا ہے۔
حسن کی اجازت پاکر عمار اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھا۔ اور مجمع پر مسکراتی نگاہیں
ڈالتا ہوا خیمہ سے نکل گیا۔
سرفروش ساتھیو! حسن نے پھر بولنا شروع کیا۔
تمہیں یہ ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ ہمارا
مقصد دنیا کی بے حقیقت زمین کو
اپنی ملکیت میں لانا نہیں ہے۔ نہ
یہ کہ ہم غیر مسلموں سے خواہ مخواہ
دادِ شجاعت لیتے پھریں۔ اور نہ یہ
کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے

مراکز میں دفن کردیں ۔ ہمارا واحد نصب العین
اللہ کے پیغام کو ۔ جو انسان کی خیر و
سلامتی اور فلاح و بہبود کا ضامن ہے
زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانا ہے
ہم نے اپنے گھروں ۔ اور اپنے
عزیز و اقارب کو حاکم خلق نہیں ۔ خادمِ
خلق بننے کے لئے چھوڑا ہے۔
لہذا
ایسا ہرگز نہ ہو ۔ کہ تمہارے ہاتھ ۔ جو
اللہ کی راہ میں بلند ہیں ۔ کسی کے
لئے اذیّت رساں ثابت ہوں۔
تمہاری تلوار اس وقت نیام سے نکلنا
چاہیئے ۔ جب کہ اللہ کی رضاجوئی کے
لئے تمہارے سامنے معقول اسباب موجود
ہوں ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو خدا کی قسم
تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکو گے ۔
عورتوں ۔ بچّوں ۔ بوڑھوں ۔ اور بیماروں پر
ترس کھانا ۔ خلوص و اخلاق کو ہاتھ سے
نہ جانے دینا ۔ خدا تمہیں اپنی حفظ و
امان میں رکھے ۔

تقریر کے خاتمہ پر چند لمحوں کے لئے خیمہ پر سکوت طاری ہو گیا۔ حسن کے جاں نثار۔ اس کی ایکا ایکی جدائی پر ملول سے نظر آ رہے تھے۔ جو افسر حسن کی رفاقت کو اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے تھے۔ وہ خیمہ سے نکل کر عمار کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ کیونکہ فوجی دستوں کے انتخاب کی ذمہ داری اسی کے سپرد تھی۔

افسروں کی روانگی کا سلسلہ شروع ہوتے ہی حسن خیمہ کے دروازے پر پہنچکر کھڑا ہو گیا۔ اور جب تمام حاضرین رخصت ہو گئے تو احمد اور ابن عمار کے ہمراہ خود بھی عمار کی مدد کو میدان کی طرف چل دیا۔

"جناب نے خیال ظاہر کیا تھا" احمد نے وضاحت طلب پیرایہ میں کہا۔ "کہ حاکم کلبریہ سرد غوس اور خلیل وغیرہ کا قتل عنبر کی من مانی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ دُرست ثابت ہوا تو ——"

"تو تمہارے اپنے خیال میں اس کے اس فعل کو ہمیں کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔" حسن نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا۔ جیسے وہ اپنے بیٹے کی ذہانت وقابلیت کا امتحان لینا چاہتا ہو۔

اس غیر متوقع سوال سے احمد چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

"میری ذاتی رائے ہیں۔ یہ فعل سوائے عنبر کے اور کسی سے سرزد نہیں ہو سکتا —— یوں سُنا یہ بھی جاتا ہے کہ کلبریہ کی رعایا۔ ٹیکسوں کے ناقابلِ برداشت بوجھ سے تنگ آ چکی تھی۔ نیز ایک جماعت ایسی بھی تھی جو شروع سے جنگ کے خلاف تھی۔ لہذا ان ہی میں سے کسی نے ان لوگوں کا خاتمہ کر ڈالا۔ لیکن یہ محض افواہیں ہیں۔ جس موقعہ پر یہ قتل ظہور میں آئے ہیں جنگ کے مخالف ان کا خاتمہ کر کے نہ جنگ سے بچ سکتے تھے اور نہ ٹیکسوں

سے مشتعل عوام — اس فیصلہ کن دور پر۔ اپنے سربراہوں کے قتل سے اپنے لئے غلامی کے اسباب پیدا کر سکتے تھے — اور اگر اس دیوانگی کو بھی فرض کر لیا جائے۔ تو مقتولوں کے سروں کا ہمارے ہاتھ لگنا۔ اور پھر ان کا عین موقعہ پر میدانِ کارزار میں رونما ہونا۔ کیا معنی رکھتا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ"۔ حسن نے منزلِ مقصود کو قریب پا کر بات مختصر کی — "اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ان کا قاتل عنبر ہے۔ تو اس کا یہ فعل کس نظر سے دیکھے جانے کے لائق ہے۔"

"انتہائی بُری — بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ اس نے ہمارے تمام کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ یہ ہماری شاندار روایات پر ایک بدنما دھبہ ہے — ایک ایسی بدترین کوشش۔ جس نے ہماری شجاعت و بہادری۔ کردار و عمل۔ اور معیاری ساکھ کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اور اگر ہم نے اس کی تلافی نہ کی تو ہم کبھی عیسائیوں سے آنکھ ملا کر بات نہ کر سکیں گے۔ اور میں جانتا ہوں۔ یہ تلافی ہمیں بہت گراں پڑے گی۔ ان حالات میں عنبر کی ادنیٰ سے ادنیٰ سزا یہ ہے کہ اسے مقتولین کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے۔"

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔ مگر ہم ایسا نہیں کر سکیں گے۔ عنبر خلیفۂ افریقہ کی امانت ہے۔ بڑی قیمتی امانت۔ اس کے معاملہ میں ہمارے لئے سب سے بہتر صورت یہ ہوگی کہ تمام تر تفصیلات کے ساتھ اُسے دربارِ خلافت میں بھیج دیا جائے۔ آگے عنبر جانے اور خلیفۂ افریقہ۔"

"لیکن — لیکن — خیر"۔ احمد نے کچھ ایسے لہجہ میں۔ جیسے وہ کسی بے انصافی کا شکار ہو رہا ہے، کہا۔ اور پھر یوں خاموش ہو گیا۔ گویا قیمتی متاع کو کسی مصلحت

پر قربان کرنے کے لئے مجبور ہو۔

"تاکید ہے۔" حسن بھانپ گیا۔ "عنبر کا معاملہ۔ خلیفہ افریقہ کا ذاتی معاملہ ہے۔ اور اسے انہیں کے ایماء پر طے ہونا چاہیئے۔"

اب یہ لوگ ان دستوں کے درمیان سے گزر رہے تھے جو عمار نے اپنی ہمرکابی کے لئے انتخاب کئے تھے۔ حسن کو آتے دیکھ کر عمار تیز قدمی سے آگے بڑھا۔ اور عاجزانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"شوقِ شہادت۔ اور آپ کی ہمرہی کی خواہش۔ تاخیر کا سبب بن رہی ہے۔ اکثر افسر اپنے دستوں کے ساتھ قلعۂ قتاتہ کی مہم میں شریک ہونے پر اصرار کر رہے ہیں۔ دو بار انتخابی موازنہ کیا ہے۔ اور دونوں بار ہمارے ساتھ جانے والی فوج نصف سے زاید نکلی ہے۔"

"خیمے اور رسد وغیرہ لد گئے۔"

"جی ہاں۔ میں سنتے آتے ہی اس کام کے لئے پانچ سو جوان بھیج دیئے تھے۔ ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہاں کا سارا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"تمام افسروں کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔"

حسن کے نقیب گھوڑوں پر سوار ہو کر چاروں طرف دوڑ گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد حسن کے سامنے افسروں کی کئی قطاریں لگ گئیں۔

توحید کے متوالو!

میری ہمرکابی پر اصرار۔ تمہارے جذبۂ فداکاری کا قابلِ تعریف ثبوت ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ قابلِ تعریف امیر لشکر

کی اطاعت و فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنا ہے۔ سعادت کے اعتبار سے۔ محاصرۂ جراجہ۔ اور معرکۂ قتانۃ۔ دونوں برابر ہیں۔ کوتاہئ وقت کا احساس کیجئے۔ اور اس سے سوا ثابت ہونے کی کوشش نہ کیجئے۔ جو وقت کا تقاضہ ہے۔ جن افسروں کے نام مرتبہ فہرست پر نہیں ہیں۔ وہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ اپنے دستوں کے ساتھ کوچ کرنے والی فوج سے علیحدہ ہوجائیں خدا آپ کو اس تسلیم و رضا کا اجر دے۔ آمین!

حسن کے خاموش ہوتے ہی سامنے کی قطاروں میں جنبش ہوئی۔ اور دیکھتے دیکھتے فوج کا نقشہ عمار کی مرضی کے عین مطابق ہوگیا۔

کچھ دیر بعد

عزم بالجزم کا پیکر حسن۔ اپنی تجویز کے مطابق۔ ڈھلتی رات کے سناٹے کو چیرتا ہوا قلعہ قتانۃ کی طرف بڑھ رہا تھا؛

پیش بندی

اینی نے جس ایثار و قربانی کے ساتھ اسماعیل کی محبت کا سودا کیا تھا۔ وہ اس قدر غیر اہم نہ تھی کہ اینی اپنی "چاہت" کے تحفظ سے دست کش ہو جاتی۔ بظاہر اس کے دل میں کسی مسلمان کی محبت کا گزر۔ آب و آتش کے اتصال سے کم حیرت انگیز نہ تھا لیکن اس نے اسماعیل کو بحیثیت مسلمان نہیں۔ بلکہ ایک باغی کی حیثیت سے چاہا تھا۔ اگر اسماعیل باغی نہ ہوتا۔ اور اینی قدرتی طور پر اس کی محبت کے لئے مجبور کی جاتی تو وہ خود سپردگی کی نسبت خودکشی کو ہزار درجہ بہتر سمجھتی۔ لیکن صورت یہ تھی کہ اگر اینی سسلی میں مرکزی مملکت اسلامی کی مخالف تھی تو اسماعیل اس مخالفت میں اس حد تک پیش پیش کہ مازر میں حسن پر قاتلانہ حملہ کر بیٹھا ـــــ اگر اینی کی یہ خواہش تھی کہ اسلامی لشکر کو سسلی سے مار بھگایا جائے۔ تو اسماعیل اس مقصد کے لئے کلبریہ کی جنگی تیاریوں میں دیوانہ وار سرگرم دکھائی دیا۔ اور جب اس کشاکشِ ہم آہنگی میں۔ اپنے تخیلی محبوب کی صفات کا جائزہ لیا تو اسماعیل کو کئی خوشگوار اضافوں کے ساتھ ان کا حامل پایا۔ مردانہ حسن و وجاہت کی تصویر۔ عقل و فراست کا پتلا۔ شجاعت و بہادری میں یکتا۔ اولوالعزم۔ جفاکش۔ شہ زور۔

ان اسباب کی موجودگی میں اگر اینی نے اسماعیل کو اپنا فطری حق سمجھ لیا تو یہ کچھ

بے جا نہ تھا۔

مگر آج صہبا کی باتوں نے۔ یکبارگی اس کے قصرِ محبت میں زلزلہ سا پیدا کر دیا تھا وہ سارے دن خواب گاہ میں پڑی سوچ بچار کی بھول بھلیّوں میں کھوئی رہی۔ اسماعیل جو صہبا کی آمد سے قبل اس کے غم و غصہ کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ جس کے فرار نے اسے انتقامی کارروائی کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ آج اسے اپنے ہاتھ سے جاتا دیکھ کر۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔

"میں اسے کیونکر حاصل کر سکتی ہوں۔" آج اس کے ذہن و فکر کے لئے اس سے اہم موضوع اور کوئی نہ تھا — یہ بھی نہیں کہ صوبۂ کلبریہ کے مستقبل کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہو گی۔ اور نہ یہ کہ مسلمانوں کی قید میں اس کا اپنا کیا حشر ہو گا — وہ سوچتی رہی — سوچتی رہی —

"کیوں نہ احمد پر یہ ظاہر کر دیا جائے کہ یہ لڑکی حکومت سسلی کے باغی خلیل کی بیٹی ہے اور دوسری عورت اس کی بیوی۔ کیا اتنے بڑے باغی کے اتنے قریبی رشتہ دار شاہی عتاب سے محفوظ رہ سکتے ہیں — نہیں۔ انہیں فوراً ہی گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جائے گا۔ اور پھر میرے لئے میدان صاف ہے — یہ ٹھیک ہے — اور اس عذر کے ساتھ کہ اسماعیل نے جاسوسی کے لئے انہیں میری کنیزوں کے روپ میں یہاں بھیجدیا ہے۔ میری حیثیت بھی صاف رہے گی۔

لیکن نہیں۔

اسلامی امیرِ لشکر عورتوں کی عزت کرتا ہے۔ سرد غوس کی بیٹی کی حیثیت سے میری اپنی حیثیت کیا کچھ کم عتاب کی مستحق تھی۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ میں میدانِ جنگ سے گرفتار کی گئی ہوں — کیا امیرِ لشکر یہ نہ سوچے گا کہ خلیل کی بغاوت میں یہ

پردہ نشین خواتین کس حد تک تعاون کر سکی ہوں گی — خلیل کا رشتہ دار ہونا کوئی خاص جرم نہیں ہے ۔ پھر جب ایک غیر مسلم دشمن کے ساتھ وہ اتنا اچھا سلوک کر رہے ہیں تو بحیثیت مسلمان ان لوگوں کے ساتھ تو خصوصی سلوک کیا جائے گا — اور ہاں حقیقت تو یہ بھی ہے کہ صہبا سچے دل سے اسلامی فلاح کی وفادار رہی ہے ۔ وہ امیرِ لشکر کو یقین دلانے کے لئے قسم کھا سکتی ہے — اور سچ کو ہزار ثبوت — نہیں نہیں — یہ بہتر راستہ نہیں ہے ۔ اور کیا ضرورت ہے مجھے اس زہر کو استعمال کرنے کی — جب شیرینی دینے سے بھی مقصد حل ہو سکتا ہو

اینی کے سوچ کے دھارے بدل گئے ۔

اور بڑی دیر کے بعد ۔

بالآخر اس نے اپنی محبّت کے مسئلہ تحفظ کا ایک نہایت حوصلہ افزا حل تلاش کر لیا ۔ جن خصوصیات کی بنا پر اسماعیل کے لئے اس کے دل میں گنجائش پیدا ہوئی تھی ۔ بالکل وہی خصوصیات صہبا کے لئے احمد کی ذات میں موجود تھیں ۔

کیوں نہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا کر کے ۔ صہبا کو اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے ۔ صہبا ایک مذہبی لڑکی ہے ۔ اسلام کی بہتری و برتری کے لئے جان کی پرواہ نہ کرنے والی ۔ اور اگر اسماعیل سے اسے تھوڑی بہت انسبت ہو گئی ہے ۔ تو صرف اس لئے کہ وہ عرصہ دراز تک ان کے ساتھ رہا سہا ہے ۔ اور صہبا کی صحت مند جوانی کی طلب اس قدر شدید ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لئے پسند ناپسند کا بھی پاس نہیں کر رہی ۔ اس کے برعکس اگر اسے کوئی ایسا طالب مل جائے جو اس کی نفسیات سے کامل مطابقت رکھتا ہو ۔ تو وہ اسماعیل کو بھول کر بھی یاد نہ کرے گی — اور اسماعیل ؟ وہ تو اس معاملہ میں پرلے درجہ کا بے پرواہ ہے ۔ جب اس نے حاکمِ کلبر بہ سر دغوس کی بیٹی کا پاسِ خاطر

نہ کیا۔ جسے حاصل کرنے کے بعد وہ اعلیٰ ترین منصب کا حقدار بن سکتا تھا۔ تو مفلس و قلاش خلیل کی بیٹی کو کیوں خاطر میں لانے لگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہ نہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ اور نہ میری طرح اسماعیل کی ہم خیال۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اپنی کا ذہن صہبا اور احمد کے معاشقہ کی ابتدا اور ارتقا کی تدبیریں سوچنے لگا۔

اور جب وہ رات کے کھانے کے لئے خواب گاہ سے نکلی ہے۔ تو مطلب براری کے لئے اس کے دماغ میں کئی منصوبے محفوظ تھے۔ خواب گاہ سے نکل کر وہ سیدھی صہبا کے پاس پہنچی جو عشاء کی نماز کے بعد دست بدعا تھی۔ اپنی اس کے دائیں ہاتھ پر کھڑی ہو کر اسے رشک آلود۔ مگر مسرور مسرور نگاہوں سے یوں تکنے لگی۔ جیسے وہ اس کی ذات سے بیحد متاثر ہے۔ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے صہبا نے اپنی کو دیکھا۔

"کیا ملاحظہ فرما رہی ہیں ۔۔۔؟" اس نے جائے نماز چھوڑتے ہوئے یونہی سے انداز میں پوچھا ۔۔۔ جواب میں اپنی لپک کر اس کے مقابل ہوگئی اور اس کے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے کر بولی۔

"معلوم نہیں تمہاری اس عبادت میں کیا جادو ہے کہ چہرہ حیرت انگیز طریق پر نکھر جاتا ہے کتنا حسین۔ کتنا دلکش۔ اور کتنا پُرسکون ۔۔۔ اور احمد کے چہرے پر تو یہ کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔"

"احمد ۔۔۔؟"

"ہاں والیِ سسلی حسن کا نوجوان بیٹا۔"

"آپ نے انہیں عبادت کرتے کیسے دیکھ لیا؟"

"ان کا خیمہ ہمارے خیمہ کے پیچھے ہی ہے۔ دشمنی اپنی جگہ ہے۔ اور حق گوئی اپنی جگہ۔

ہیں نے اپنی زندگی میں اُس جیسا خوبصورت اور بہادر مرد آج تک نہیں دیکھا ــــــ کھانا تیار ہو چکا ہے ـــ آئیے آپ بھی " اس نے صہبا کی ماں کو متوجہ کیا۔

" وہ اس وقت کھانا نہیں کھائیں گی۔ چکّر سے آ رہے ہیں " صہبا نے جواب دیا۔

" خدا انہیں صحت عطا فرمائے۔ جب بھی دیکھتی ہوں۔ بڑا دُکھ ہوتا ہے "

اینی صہبا کو ساتھ لئے طعام خانہ میں داخل ہوئی۔ بوڑھا خادم چوکی پر کھانا چُن کر ایک طرف کھڑا تھا۔

" تمہیں چھُٹی ہے۔ دروازے پر بیٹھو " اینی اس کی موجودگی برداشت نہ کر سکی۔ " فلورا کو بھیجتے جانا "

خادم " بہتر جناب " کے انداز میں قدرے خم ہو کر باہر نکل گیا۔

" مجھے افسوس ہے کہ آپ کے آتے ہی " اسماعیل " کی ذات ہمارے درمیان اختلاف کا سبب بن گئی۔ میں اُس سے اس لئے خفا تھی کہ اس نے بحیثیت دوست میرے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اور میرا خیال تھا کہ اس سلسلہ میں آپ میری ہمنوائی کریں گی۔ مگر ہوا اس کے برعکس۔ میں نے اس کے اور آپ کے درمیان نظریاتی اختلافات کو ہی پیشِ نظر رکھا۔ یہ بھول گئی کہ وہ کافی عرصہ سے آپ کے ساتھ رہ رہا ہے۔ اور اس لحاظ سے آپ کے اور اس کے درمیان انسیت کا استحکام ایک قدرتی امر ہے۔ کیا میری اچھی بہن۔ میری اس ادنیٰ بھول پر مجھ سے ناراض ہو سکتی ہے ؟

" نہیں " صہبا نے جواب دیا۔ آپ کی طرف سے اتنا کچھ سُننے کے بعد۔ ناراضی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا "

" اچھا اب سناؤ۔ میرے بعد محل پر کیا کچھ گزری ـــــ فلورا ! تم باہر ہی ٹھہرو۔ جب ضرورت ہوگی بلا لیں گے " اینی نے فلورا کو دروازے سے ہی واپس کر دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ آپ کے چچازاد بھائی ہارے نے ملکی نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وہ اپنے آبائی مکان سے محل میں اٹھ آئے ہیں۔ اپنے پورے خاندان کے ساتھ۔ آج کل ان میں اور اسماعیل میں گاڑھی چھن رہی ہے۔ کافی رات گئے تک صلاح و مشورہ کرتے رہتے ہیں —— آپ سنائیے —— اتنی جلدی جنگ کا رُخ کیسے پلٹ گیا۔ آپ دشمنوں کے ہاتھ کیسے پڑ گئیں۔ اسماعیل کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ آپ عام قیدیوں کے ساتھ نظر بند ہیں۔ اس آرام دہ خیمہ میں کیسے آنا ہوا" —— صہبا اپنی کی مقررہ راہ پر آ لگی۔

"بڑی لمبی روداد ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھ لو کہ جنگ پوری تیزی سے جاری تھی کہ چند گھوڑ سوار میرے اور تمہارے والد اور گلبرٹ کے سروں کو نیزوں پر اٹھائے رونما ہوئے۔ اور اس کے فوراً بعد ہی عیسائی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ ہم تمام افسروں کو ایک جگہ جمع کر کے صورتِ حالات پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے کہ احمد عقاب کی طرح ہم پر آ پڑا۔ اور سب کو دبوچ کر اپنے خیموں کی طرف اُڑنے لگا۔ پھر خدا جانے اسے کیا سوجھی کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گڑیا کی طرح اپنے گھوڑے پر گھسیٹ لیا۔ اور ہوا کی طرح اپنے خیمہ پر آ کر مجھے دربانوں کے سپرد کر دیا۔ شام تک میں اسی خیمہ میں قید رہی اور مجھے باہر کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔ جنگ کے خاتمہ پر جب احمد خیمہ میں داخل ہوا تو اس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔ نوکروں نے جلدی جلدی اس کا فوجی لباس اُتارنا شروع کیا۔ ایک ملازم نے جب اس کی کلائی سے چرمی پٹّی کھولی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ تلوار کا گھاؤ اس قدر گہرا تھا کہ ہڈی تک مجروح ہو گئی تھی۔ لیکن نہ تو اسے میدانِ جنگ ہی میں اس کا احساس ہوا۔ اور نہ پٹّی کھلنے سے ایک لمحہ پہلے تک۔ میں نے جب یہ گھاؤ دیکھا تو میرے منہ سے بھی چیخ نکل گئی۔ رگوں سے خون فوارے

کی طرح جاری تھا۔ دشمنی بھول کر میں نے اس کی کلائی کو اوپر سے کس کر باندھ دیا۔ لیکن اس کے چہرے پر سوائے مسکراہٹ کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک ہمارے بھائی ہارے ہیں کہ انہیں مہ جبینوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ اور اگر ذرا سی پھانس لگ جائے تو سارے خاندان میں تہلکہ مچ جاتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ کہیں میری نوجوانی اور خوبصورتی۔ میرے لئے مصیبت نہ بن جائے۔۔۔ مسلمانوں کی حسن پرستی تو مشہور بات ہے۔۔۔ اس نے میری اس گھبراہٹ کو نہ معلوم کیسے محسوس کر لیا۔ کہنے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کو قیدیوں کے کیمپ میں بھیجدیا جائے گا۔ یہاں تو آپ رہ ہی نہیں سکتیں۔۔۔ اگر چاہیں تب بھی نہیں۔۔۔ اس کے بعد اس نے انتہائی خلوص کے ساتھ میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ کھانا کھلایا۔ دلجوئی کی۔ اور پھر مجھے اپنے دربانوں کے ہمراہ قیدیوں کے کیمپ میں بھیجدیا۔۔۔ اسی رات اسماعیل کیمپ سے فرار ہو گیا۔ اس نے اپنے فرار کو اس قدر راز بنا کر رکھا کہ مجھے بھی خبر نہ کی۔ اگلے روز میری طبیعت خراب ہو گئی۔ احمد نے خیال کیا کہ چونکہ میں حاکم کلبریہ کی بیٹی ہوں اور بغیر آرام و آسائش کے صحت مند نہیں رہ سکتی اس لئے مجھے اس راحت بخش خیمہ میں منتقل کر دیا ساتھ ہی اس بات کی بھی اجازت دیدی کہ اگر میں چاہوں تو محل سے چار کنیزوں کو بُلا سکتی ہوں۔ اس سے ان کا مقصد میری محلی زندگی کا بحال کرنا تھا۔ اور اب جو بھی کچھ ہے۔ تمہارے سامنے ہے۔۔۔ اسماعیل نے کیمپ سے فرار ہو کر ہمارے لئے اسلامی امیر لشکر کی مہربانیوں کی راہیں مسدود کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا۔ مگر ہمیں مسلمانوں کا اور خصوصاً احمد کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس نے اسماعیل کے فرار کو اپنے پہریداروں کی غفلت پر محمول کر کے ہم سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کیا۔"

"پھر تو ہمیں اس ملاپ کے لئے بھی احمد کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔" صہبا مسکرائی۔

"اس میں کیا شک ہے۔ میں اس کے بلند اخلاق اور اعلیٰ حوصلگی سے بے حد متاثر

ہوں۔ اگر اس کی جگہ ہم ہوتے تو اپنے دشمنوں سے یقیناً ایسا سلوک نہ کرتے۔
میں اسے خاص طور پر ان مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بلانا چاہتی ہوں —— بلاؤں
یا خود جاؤں" —— ایپی نے مشورہ چاہا —— "کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے بلند مرتبہ کے پیش نظر
میرے بلاوے کو "گستاخی" محسوس کریں"۔

"مسلمان، عورتوں کا خاص طور پر احترام کرتے ہیں۔ وہ آپ کے بلاوے کا بُرا نہیں
منائیں گے۔ اس کے برعکس اگر آپ اپنے پیروں چل کر ان کے پاس پہنچیں تو شاید وہ اسے
معیوب خیال کریں"۔

"پھر تو انہیں بلانا ہی ٹھیک رہے گا۔ ہم انہیں کھانے پر کیوں نہ مدعو —— مگر —"
ایپی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "یہ تو وہی مثل ہوگی کہ جن کا گھر وہی مہمان ——"

"ایسا بھول کر بھی نہ کیجئے گا۔ اس سے ان کی حیثیت پر بھی حرف آنے کا خطرہ ہے"۔

"وہ تو مذاق کی بات تھی۔ دورانِ ملاقات میں تم تو میرے ساتھ ہی رہو گی نا۔ ہم لوگ تو
ٹوٹی پھوٹی عربی رومن میں کام چلا لیتے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر تمہاری ترجمانی کے طفیل ذرا
شائستگی سے بات چیت ہو جائے"۔ ایپی نے طرفین کی روبروئی کا حیلہ پیش کیا، حالانکہ وہ
احمد سے رومن میں بات چیت کر چکی تھی۔

"میرے لئے ان سے پردہ کرنا ضروری ہے"۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میں مسلمان ہوں"۔

"صرف اپنی ذات تک۔ اس خیمہ میں تو تم عیسائی ہو۔ اور میری کنیز بھی"۔ ایپی نے
صہبا کے زانو پر چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

"تسلیم۔ مگر اس کے باوجود میں کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں کر سکتی"۔ صہبا نے بھی لگے

ہاتھوں حساب بیباق کر دیا۔

"تمہارا خیال ہے میں اس پر عاشق ہو گئی ہوں ــــ ایں؟"

"باتوں سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ آگے تمہارا دل جانے یا خدا۔"

"ایک بات کہوں۔ سچ سچ۔"

"ضرور۔"

"اگر میں مسلمان ہوتی نا۔ تو چاہے اس داؤ پر جان ہی کی بازی کیوں نہ لگانی پڑتی۔ احمد کو چھوڑتی نہیں۔"

"مگر ہم نے تو سنا ہے کہ عشق دنیا کی تمام قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ یہ کیسی طلب ہے جو محبوب کی کشش سے زیادہ اس کے مذہب کو محسوس کر رہی ہے۔"

"ممکن ہے ایسا بھی نہ ہوتا۔ اگر میں سرونوس کی بیٹی اور عیسائیوں کی لیڈر نہ ہوتی۔"

"سچ؟"

"بھئی بالکل سچ!"

"اتنا اچھا لگتا ہے احمد؟"

"جتنا تم خیال کر رہی ہو۔ اس سے ہزار گنا زیادہ اچھا۔"

"پھر تو یوں کہنا چاہیئے کہ بڑی "بے ٹھکانہ" عاشق ہوئی ہو۔"

"بالکل غلط۔ بے ٹھکانہ پسند کیا ہے۔ عشق نہیں فرمایا۔"

"پسند عاشقی کا پہلا درجہ ہے۔ خدا کے فضل سے کافی ذہین ہو۔ بہت جلد تمام مدارج طے کر لو گی۔"

"خدا کی قسم یہ بات نہیں۔" ایبی نے صہبا کے لئے جگہ بنانے کی کوشش کی۔ "میں اس کی شخصیت سے متاثر ہوں اور بس!"

"آپ تو سنجیدہ ہوگئیں۔" صہبا نے کہا۔ جیسے اس نے مذاق کیا ہو۔

"فلورا!" کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے اینی نے پکارا۔ "ہاتھ دھونے کا برتن لاؤ۔"

ہاتھ دھوکر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خیمہ کے وسط میں پہنچیں۔

یہاں اینی نے صہبا کو خدا حافظ کہا اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلدی۔

اینی نے احمد کی تعریف و توصیف سے صہبا کے دل پر جو اثرات مرتب کرنا چاہے تھے۔ اپنی دانست میں اینی خاطر خواہ کامیابی کا احساس لئے اپنی مسہری پر نیم دراز تھی۔

"احمد کے سامنے صہبا کا بے پردگی کے لئے نیم رضامند ہونا ——" اینی پھر کتر بیونت میں مصروف ہوگئی —" اس بات کی دلیل ہے کہ وہ احمد کے دیدار کی مشتاق ہو چلی ہے۔ کل وہ احمد کے سامنے ہوگی۔ اور احمد —— ؟ وہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔ جب صہبا اسماعیل ایسے شخص پر ریجھ سکتی ہے۔ جو اس کی ضد ہے۔ تو احمد کو تو اسے قدرت کا حسین ترین شاہکار سمجھنا چاہیئے۔ ایسا شاہکار۔ جو صرف صہبا ہی کے لئے تخلیق کیا گیا ہو۔ اور وہ یقیناً ایسا ہی سمجھے گی۔ — دونوں کے کردار ایک۔ دل ایک۔ دماغ ایک۔ مذہب ایک۔ پُرامنگ عمریں ایک۔ اغراض و مقاصد ایک۔ لیکن —— لیکن یہ مطابقت احمد پر کس طرح منکشف کی جائے۔ اسے کیسے بتایا جائے کہ صہبا ایک ممتاز گھرانے کی چشم و چراغ ہے۔ اور ہمیشہ سے اسلامی مفاد کی وفادار۔ اور —— اور احمد کی نفسیات کا مکمل چربہ —— کس طرح بتایا جائے اسے —— فی الحال تو صہبا میری کنیز ہی کے روپ میں پیش ہو سکتی ہے —— کس طرح ——

ادھر جب صہبا اینی سے رخصت ہو کر اپنی اقامت گاہ میں پلنگ پر دراز ہوئی تو اس کے دل و دماغ میں سوائے اسماعیل کے اور کچھ نہ تھا۔ گو اس کے اور اسماعیل کے درمیان معمولی سا کا فاصلہ تھا۔ مگر اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے گردشِ اوقات نے اسے اپنے اصلی مرکز سے ہزاروں میل دور لا پھینکا ہو۔

"اسماعیل نے کہا تھا" وہ یاد کرنے لگی۔ "پانچویں چھٹے روز میں تمہارے پاس ہوں گا پانچویں چھٹے روز ــــ لیکن ایسی صورت میں جب کہ اسلامی لشکر عیسائیوں پر غالب آچکا ہے شہر اسلامی فوج کے محاصرہ میں ہے۔ اس کے لئے جراجہ میں پانچ چھ روز ٹھہرنا کیا ضرور تھا یہ اگر یہ وقفہ موقعۂ فرار کی فراہمی پر مبنی تھا۔ تو اس نے یہ کیوں نہیں کہا کہ جب بھی موقعہ ملا۔ میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اور جہاں تک موقعہ کا تعلق ہے۔ یہ کیسے یقین کیا جائے کہ ان ایام تک اسے ضرور ہی حصارِ شہر پار کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔

ــــ اگر وہ یہاں جلد از جلد پہنچنا

ہزار بہانے تراش کر۔ پھاٹک

کے ذریعہ باہر آسکتا تھا۔ اسلامی امیرِ لشکر اس کی "اسلام دوستی" سے واقف ہو ہی چکا ہے۔ وہ سیدھا اس کے پاس آسکتا تھا ــــ ممکن ہے جراجہ میں اسے کچھ ذاتی نوعیت کے کام ہوں مگر ایسے بھی کیا کام۔ جو میری جدائی پر غالب آجائیں ــــ میری جدائی۔ جس نے اسے اسلامی لشکر کی قید سے فرار پر مجبور کر دیا تھا ــــ وہ جلد آئے گا ــــ حتی الامکان جلد۔ ممکن ہے کل ہی آجائے۔ یا آج ہی رات۔"

اور اس کے بعد صہبا کو اطمینان سا ہو گیا۔ جیسے اس نے رونما ہونے والی بات کو قبل از وقت معلوم کر لیا ہو ــــ معاً اسے ابتدائی گفتگو یاد آگئی۔ جو اس کے اور اینی کے درمیان ہوئی تھی ــــ اچھا ہوا کہ غلط فہمی دور ہو گئی۔ ورنہ یہ وہم کہ اینی اسماعیل کی ذات

سے خصوصی دلچسپی رکھتی ہے۔ کس قدر تکلیف دہ ہوتی میرے لئے۔ اور جانے مجھے اس خود ساختہ جہنم میں کب تک جلنا پڑتا۔

اور یہ احمد ـــــ جسے وہ کل شکریہ کی ادائیگی کے لئے بلانا چاہتی ہے۔ محض شکریہ کی ادائیگی کے لئے ـــ کیا واقعی ایسا ہے ـــ ہاں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اس نے خدا کی قسم کھائی تھی۔ لیکن مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر کیوں مصر ہے۔ شاید اس گواہی کے لئے کہ یہ ملاقات سوائے شکر گزاری کے اور کسی جذبہ کی پیداوار نہیں ہے۔ لیکن میری ہی گواہی کیوں۔ اور بھی کئی یہاں موجود ہیں۔ جو لازمی طور پر اس وقت موجود رہیں گے ـــ ہو سکتا ہے۔ اپنی ان کی گواہی کو معتبر خیال نہ کرتی ہو۔ لیکن اسے ان باتوں کی کیا پرواہ ہے۔ کون ہے اب۔ جو اس کا محاسبہ کرے گا ـــ یا ممکن ہے اسے بحیثیت ترجمان ہی میری ضرورت ہو۔ اونہہ! دیکھا جائے گا۔

اس نے بیزاری کے ساتھ کروٹ بدلی۔ اور آنکھیں بند کر کے "بے اختیار رواں خیالات" کو روکنے کی کوشش کرنے لگی ◆

دو تلواریں ایک نیام

آج جراجہ کے محاصرے کا اٹھائیسواں دن تھا۔

فجر کی نماز باجماعت کے بعد احمد اور ابنِ عمار شہر کے گردا گرد متعینات مجاہدوں کی خبر گیری کے لئے گشت کے لئے نکل گئے۔ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر حصارِ شہر کا پورا چکر کاٹنے کے بعد صدر دروازے سے ملحقہ مورچے کو ضروری ہدایات دیں یہاں سے وادیٔ جراجہ کی طرف پلٹے۔ جہاں قیدیوں کے کیمپ کے علاوہ لشکر کے محفوظ دستے پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔

ان مصروفیات میں گیارہ کا عمل ہو گیا۔ بھوک اور تھکن کی شدت سے چُور، اپنے خیموں میں داخل ہوئے۔ پہلے احمد اور ابن عمار ایک ہی خیمہ میں مقیم تھے۔ مگر اب چونکہ احمد کے خیمہ سے بالکل ملا ہوا حسن کا خیمہ خالی ہو چکا تھا۔ لہٰذا ابنِ عمار نے اسے اپنی رہائش کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔

احمد نہا دھو کر کھانے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ایمی کا بوڑھا خدمت گار رسمی اجازت کے ساتھ اندر داخل ہوا اور جیب سے ایک خط نکال کر خاموشی کے ساتھ احمد کی طرف بڑھا دیا۔ تحریر رومن رسم الخط میں تھی۔ جسے غالباً ایمی نے خلوت میں تحریر کیا تھا۔

برائے عالیجناب ولیعہد سسلی احمد بن حسن بن علی

منجانب.. ایمی دختر سرد غوس مرحوم۔ حاکمِ کلبریہ۔

محترم شاہزادے !

مجھے آپ کی طرف سے جن چار کنیزوں کو محل سے بلالنے کی اجازت ملی تھی۔ ان میں میری ایک چہیتی سہیلی بھی آگئی ہے۔ جو ایک مشہور اور باعزت اسلامی قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے۔ گو نظریاتی اعتبار سے ہم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یعنی میں عیسائیوں کی خیرخواہ ہوں۔ تو وہ مسلمانوں کی۔ لیکن بحیثیت انسان وہ اس قدر بلند ہے کہ میں اس سے دوستی رکھنے پر ہمیشہ مجبور رہی ہوں۔ اسلامی لشکر کی حالیہ کامیابی سے متعلق اِس نے آپ کی بہادری کے جو تذکرے سُنے ہیں۔ انہوں نے دیوانگی کی حد تک آپ کے دیدار کا مشتاق بنادیا ہے۔ اس قلیل سے وقفہ میں مجھے آپ کو سمجھنے کا جس حد تک موقعہ ملا ہے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ آپ اس سے مل کر بہت

خوش ہوں گے۔ کیونکہ اس کے سینے
میں بھی وہی کچھ ہے۔ جو آپ کے
سینے میں ہوسکتا ہے۔
اس کی نگاہیں آپ کے لئے فرشِ
راہ بنی ہوئی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ
جناب اسے مایوسی کا شکار نہ ہونے
دیں گے۔
خط پڑھ کر۔ احمد کو یوں معلوم ہوا۔ گویا وہ کسی سازش کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔
اپنی کے خیمہ میں۔ کسی فرض شناس مسلمان لڑکی کا وجود۔ کفرستان سے "اللہ اکبر"
کی صدا کے مصداق ہے۔۔۔ اس نے سوچنا شروع کیا۔۔۔ جمراجہ میں مشہور اور باعزت
اسلامی قبیلہ۔ اس سے پہلے تو کبھی سننے میں آیا نہیں۔ ممکن ہے کوئی تاجر رہتا ہو۔ مگر
ایک باعزت مسلمان کس طرح اپنی بیٹی کو۔ ان مخدوش حالات میں۔ نظر بند سہیلی کے
پاس بھیج سکتا ہے۔۔۔ غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ ہو نہ ہو یہ کنیزوں محل سے کسی منظم سازش
کے تحت بھیجی گئی ہیں۔۔ لیکن میں جاؤں گا۔ اور صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ
سازشوں سے کھیلنا ہی ہماری زندگی ہے۔
"ان سے کہنا۔ ہم بعد نمازِ عصر آئیں گے۔ مطمئن رہیں۔"
بوڑھے نے خاموشی کے ساتھ جھک کر سلامی دی اور الٹے پاؤں خیمے سے نکل گیا۔
"فریدی!" اس نے اپنے پرانے نمک خوار ملازم کو آواز دی۔ جو بغلی حصے
میں جنگی لباس درست کر رہا تھا۔
"حاضر ہوں عالی جاہ!"

"ابنِ عمار کو ہمارے پاس بھیجدو۔"

"بہتر۔"

فریدی کے جانے کے چند ہی لمحوں بعد ابنِ عمار خیمہ میں داخل ہو گیا۔

"خیر باشد۔" ابنِ عمار قریب کی نشست پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ ابھی تو ساتھ چھوڑا تھا۔ اتنی جلدی کونسا اہم مرحلہ پیش آ گیا۔

"یہ پڑھو۔" احمد نے اپنی کا خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "والئی کلبریہ کی بیٹی کی طرف سے موصول ہوا ہے۔"

"بڑی پیاری تحریر ہے۔" خط پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ابن عمار نے کہا۔ اور مطالعہ میں منہمک ہو گیا۔

جیسا کہ اس سے قبل بھی بتایا گیا ہے۔ ابن عمار احمد کا چچا زاد بھائی ہی نہ تھا۔ بلکہ بچپن سے ساتھ ساتھ پرورش پانے۔ اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم و تربیت کے دور سے گزرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کی طبیعتوں میں اس قدر رچ گئے تھے۔ کہ ایک دوسرے کے دل کی بات نگاہوں سے پڑھ لینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ ہم عمری کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے بے تکلف راز دار بھی تھے اور دکھ سکھ کے دلی حصہ دار بھی۔

ابنِ عمار میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ انتہائی راست باز۔ صاحب تدبیر۔ بہادر۔ حق گو۔ اور جو بات منہ سے نکل جائے۔ اس کے نباہ پر جان کی بازی لگا دینے والا ــــــ خط پڑھنے کے بعد۔ اس کی معنی خیز نگاہیں احمد کے چہرے پر جم گئیں۔

"کیا خیال ہے۔" احمد نے پوچھا۔

"شمشیر آزما چکے۔ اب تقدیر آزمانا چاہتے ہیں۔" ابنِ عمار نے اپنے مخصوص لہجہ میں جواب دیا۔

"میری بھی یہی رائے ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انہیں اس میدان میں بھی موقعہ ملنا چاہیئے ہمارے اور ان کے خیموں کے عقبی حصّے ملے ہوئے ہیں۔ ۔ بیچ میں صرف ایک پہریدار کی نشست ہے۔ آج شام پہریدار کو وہاں سے ہٹا دیجئے اور خود اس خیمہ کی عقبی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ جائیے گا۔ ممکن ہے اچانک آپ کی ضرورت پڑ جائے اس طرح میرے اور آپ کے درمیان صرف ایک پردہ حائل ہوگا"۔

"اگر یہ ضروری ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ مگر اس کس مپرسی کے عالم میں وہ لوگ کسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کے مرتکب نہیں ہوسکیں گے"۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔ مگر مصلحت اس کی متقاضی ہے"۔

"لیکن —" ابن عمار نے پلٹا کھایا۔ "یہ بھی عین ممکن ہے کہ اینی نے جو کچھ لکھا ہے وہ حرف بحرف درست ہو۔ عیسائی طرز معاشرت میں پلی ہوئی ایک مسلمان لڑکی۔ جہاں اپنے متعلقین کے درمیان پابند ہوسکتی ہے۔ وہاں ذمہ دار متعلقین سے آزاد۔ اور خود مختار بھی ہوسکتی ہے"۔

"ہاں — خیر چھوڑو اس بحث کو —" احمد نے اس معاملہ پر مزید وقت برباد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ "جو بھی ہوگا۔ سامنے آجائے گا"۔

اس اطلاع کے بعد کہ احمد سہ پہر کو آرہا ہے۔ اینی کے خیمہ میں زندگی کی ہنگامہ پروری ایک دم جاگ پڑی۔ عصرانہ کے لئے ضروریات کی فراہمی کے احکامات دے کر۔ اینی نے اپنی تمام تر توجہات صہبا کی ذات پر مرکوز کر دیں۔ گو صہبا کسی خصوصی اہتمام کے لئے تیار نہ تھی۔ مگر اینی کے شدید ترین خوشامدانہ اصرار نے صہبا کو

مجبور کر دیا کہ وہ ایک کمسن بچّی کی طرح اپنے آپ کو اینی کے حوالے کر دے۔

اینی نے صہبا پر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس نے احمد پر اسے ایک کنیز نہیں۔ بلکہ چہیتی سہیلی ظاہر کیا ہے۔ اور شاید صہبا کو عروسِ نو کی حیثیت دینے کے جواز میں اینی نے صہبا کو یہ یاد دلایا کہ میری سہیلی کی ادنیٰ و اعلیٰ حیثیت کا معاملہ خود میری اپنی عزت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا سہیلی کا بہتر سے بہتر حالت میں پیش ہونا ضروری ہے۔

عطر آمیز غسل کے بعد۔ صہبا کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے بہترین عربی پوشاک انتخاب کی گئی۔ زیورات کو جلا دے کر انہیں اپنے ہاتھوں آراستہ کیا۔ رومی طرز پر بال سنوارے۔ رخساروں پر کاکلوں کی شاعرانہ نشست جمائی۔ ہیرے کا ایک بیش قیمت ہار۔ جو اینی کے گلے میں پڑا تھا۔ صہبا کے گلے کی زینت بنایا گیا۔

اس اہتمام میں پورا ایک پہر گزر گیا۔ اور اب یہ عالم تھا کہ اینی صہبا کی خوبصورتی میں کوئی نیا اضافہ کرتی۔ اور چند قدم پیچھے ہٹ کر مختلف زاویوں سے اس کا جائزہ لیتی۔ کوئی کمی کھٹکتی۔ اسے دور کرتی۔ پھر دیکھتی — پھر کچھ یاد آجاتا — پھر —

اس عروسانہ تزک و احتشام نے صہبا کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا۔ یوں تو وہ کئی بار ٹوک چکی تھی۔ مگر اب اس کے تیوروں میں جھنجھلاہٹ کا زور تھا۔

"خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔"

"بس میری اچھی بہن بس۔ غصّہ نہ کرو۔ ورنہ میری ساری محنت پر پانی پڑ جائے گا مسکراؤ۔ تمہیں ہماری قسم۔ کاش تم جان سکتیں کہ اس وقت ——"

"تم لوگ طعام خانہ کے انتظام پر آخری نظر ڈال لو۔" اس نے فلورا اور میریا کو۔ جو صہبا کے بناؤ سنگار میں اس کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ ٹرخانے کے لئے کہا۔

"کس غضب کی قیامت بن گئی ہو" اینی نے اپنا ادھورا فقرہ مکمل کر دیا — اگر

میں مرد ہوتی اور تمہیں حاصل کرنے کے لئے آسمان سے تارے بھی توڑ کر لانے پڑتے تو ــــــ"

"جتنی جان مجھ پر ماری گئی ہے۔ اگر کسی چڑیل پر ماری جاتی تو وہ بھی یقیناً "تارے توڑ" محبت کی مستحق ہو جاتی"۔ صہبا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "اب مہربانی کرکے آپ بھی جلدی سے تیار ہو لیں بحیثیت دختر سر دغوس۔ آپ کو اپنی سہیلی سے زیادہ اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیئے۔ آئیے آپ کو میں سنوارتی ہوں"۔

"نہیں ــ نہیں ــ ہرگز نہیں ــ" اینی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے شانے پکڑ لئے۔ "تم یونہی تصویر بنی بیٹھی رہو۔ میں اپنا سب کچھ خود کر لوں گی۔ دیکھو بتائے دیتی ہوں۔ اگر ہماری محنت اکارت کی تو ــــــ" اینی کے لہجہ میں الھڑانہ لڑکپن عود کر آیا۔"

"لیکن اگر تم مجھ سے بہتر حال میں رونما نہ ہوئیں۔ تو میرے لئے اس معیار کو برقرار رکھنا ضروری نہ ہوگا ــ جی!"

"شریر!" اینی مسکراتی ہوئی اپنے مخصوص حصّہ کی طرف چل دی۔

بالآخر وہ وقت آ پہنچا۔ جس کا اینی کو بے چینی سے انتظار تھا۔

حسب وعدہ بعد نماز عصر احمد اینی کے مقابل طعام خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور سراپا قیامت صہبا اینی کے دائیں ہاتھ پر شرم و حیا کا بوجھ سہارے سکڑی سکڑائی بیٹھی تھی۔

"آپ ہیں میری سہیلی ــ صہبا ــ" اینی نے تعارف کرایا۔

"ماشاء اللہ۔ بہت خوب! مجھے احمد کہتے ہیں۔ سسلی کی اسلامی فوج کا نائب مقام خادم۔" احمد نے خاصی شائستہ رومن میں کہا۔ اور صہبا کو جیسے کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ "جب احمد رومن جانتا تھا تو مجھے ترجمان بنا کر اپنے درمیان لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آپ عربی زبان سے واقف ہیں؟" احمد نے ٹھیٹ حجازی عربی لہجے میں دریافت کیا۔

"جی ___ یہ میری مادری زبان ہے۔" صہبا کی حجاب آلود نگاہیں احمد کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔

"معاف کیجیئے گا۔" احمد نے رومن زبان میں ایبی سے معذرت چاہی۔ "مجھے ان کی ذات سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔"

"بصد شوق دلچسپی فرمائیں۔" ایبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

احمد سمجھ گیا۔ ان الفاظ سے ایبی کا کیا مطلب ہے۔ اور ممکن ہے وہ کوئی تیز سا جواب بھی دے دیتا۔ لیکن اس نے اپنی جستجو کی صحیح راہ سے بھٹکنا مناسب نہ سمجھا۔

"آپ کا خاندان جراجہ میں کب سے مقیم ہے؟"

احمد کے اس سوال سے صہبا کچھ گھبرا سی گئی۔ اس نے جلدی سے ایبی کی طرف دیکھا

"کافی عرصہ گزر چکا ہے۔" ایبی نے لقمہ دیا۔

"کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں؟"

"قبیلۂ سامی سے۔" ایبی پھر بول پڑی۔

"والد بزرگوار کا کیا نام ہے۔ مجھے امید ہے اس پرسش کے لئے آپ برا نہیں مانیں گی ___

ہم عرب لوگ —— ہاں آپ تو خود بھی عرب ہیں —— لہٰذا آپ کو جاننا چاہیئے کہ ہم خاندانی روایات کو کس قدر عزیز رکھتے ہیں"۔

"ان کے والد کا نام ہشام بن ملک ہے"۔ ایبی کو پھر بولنا پڑا۔ "شرما کیوں رہی ہو صہبا۔ باتیں کرو۔ ہم خاموش بیٹھنے کے لئے تو اکٹھے نہیں ہوئے"۔

ایبی کا غلط تعارف صہبا کو مشکوک سے مشکوک تر کرتا چلا جا رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس صحبت میں اس قسم کی بات چیت ہو گی۔ تو وہ اس ملاقات کی ہرگز متحمل نہ ہوتی۔ وہ تو ایبی کے قول کے مطابق ایک عیسائی سہیلی کے روپ میں پیش ہوئی تھی لیکن ایبی نے اسے مسلمان ثابت کر کے نہ صرف اس کی معاشرت کی تذلیل کی تھی۔ بلکہ اس کے ذاتی کردار کو بھی انتہائی قابلِ اعتراض راستہ پر ڈال دیا تھا۔

"والدین حیات ہیں"۔

"جی"۔ ایبی پھر بول پڑی۔

"مجھے افسوس ہے"۔ صہبا سود و زیاں سے بے نیاز اپنی اصلی ڈگر پر آ گئی۔ "کہ میں آپ کے روبرو اپنی اصلیت کے ساتھ پیش نہیں کی گئی"۔

"صہبا!" ایبی نے اسے خاموش رکھنے کی کوشش کی۔

"آپ جانتی ہیں"۔ صہبا کی باوقار متانت چمک اٹھی۔ "میری ساری زندگی باطل کے خلاف جہاد کرتے ہوئے گزری ہے۔ میں یہ سب کچھ نہیں سہار سکوں گی"۔

"حقیقت یہ ہے"۔ صہبا کی مخاطبت کا رُخ احمد کی جانب ہو گیا۔ "میں قبیلۂ سامی سے نہیں۔ بلکہ قبیلۂ بنو طبری سے تعلق رکھتی ہوں"۔

"قبیلۂ بنو طبری سے؟" احمد چونک پڑا۔

"اور میرے والد کا نام ہشام بن ملک نہیں۔ بلکہ خلیل ہے۔ جو حکومتِ سسلی کے

باغی گروہ کا سردار تھا۔"

"یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" احمد گُم سُم ہو کر صہبا کا منہ تکنے لگا۔

"میرے والد قتل کر دیئے گئے۔ اس صدمۂ عظیم نے میری والدہ کا دماغی توازن خراب کر دیا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں ہمیشہ ہی اپنے والد کی باغیانہ سرگرمیوں کے خلاف رہی ہوں۔ اور جیسا کہ مجھے درس دیا گیا ہے۔ یہ سچ ہے۔ اور سچ ہی ثابت ہو گا۔ ہم کنیزوں کے بھیس میں یہاں اس لئے پہنچے تھے کہ اب ہمارا ٹھکانہ سوائے اسلامی مملکت اور کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی سچائی کے بھروسہ یہاں تک پہنچی ہوں۔ اور چند روز تک انشاء اللہ العزیز۔ بلرم کے کاشانۂ خلیل میں ہوں گی۔"

"یہ کیونکر ممکن ہے؟"

"اس کا جواب چند روز بعد دیا جا سکے گا۔"

احمد کسی گہرے سوچ میں محو ہو گیا۔ وہ یہاں تک تو تیار ہو کر آیا تھا کہ کسی سازش سے دوچار ہو گا لیکن یہ انکشاف اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں۔ اینی کا خط۔ اینی کا غلط تعارف۔ اور صہبا کی صاف گوئی یکے بعد دیگرے تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔

"جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ اگر وہ سچ ہے۔ تو میں آپ کے اس جرأت مندانہ اقدام کی قدر کرتا ہوں۔" احمد نے صدق دلانہ انداز میں کہا۔ "اور دعا کرتا ہوں کہ آپ خاطر خواہ مستقبل سے فیضیاب ہوں۔"

"آمین۔" اینی بھی صہبا کی ہمنوا بن گئی۔

"دراصل۔" صہبا نے اینی کا تحفظ کیا۔ "میں اپنی صحیح حیثیت سے روشناس ہونے سے پیشتر اپنے آپ کو صیغۂ راز میں رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن غلط بیانی کے ساتھ نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ میری سہیلی کو میری اس خواہش پر غلط تعارف کے لئے مجبور ہونا پڑا۔"
احمد سوچنے لگا ــــ مجھ سے ملنے کی خواہش بھی۔ اور یہ توقع بھی کہ نام صیغۂ راز میں رہیں۔ ممکن ہے اسے یہ امید ہو کہ میں حسب ونسب دریافت نہیں کروں گا۔ اور اگر کسی سازش کا گمان نہ ہوتا۔ تو اس کی ضرورت واقعی پیش نہ آتی۔
گفتگو کے اس مرحلہ پر۔ حاضرین کے دماغ خلاف امید" انکشافات" سے کچھ اس طرح متاثر ہوئے کہ ان کے لئے مزید بات چیت کرنا۔ بے سوچے سمجھے گفتگو کئے جانے کے مترادف معلوم ہوا۔
احمد کو ماحول کی یہ بے کیفی کچھ اچھی معلوم نہ ہوئی۔
ایک بار آپ نے مجھے بلایا ہے۔ ایک بار میں اپنے طور پر آؤں گا۔ اس ملاقات سے متعلق میں کئی تصفیہ طلب امور اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ اگلی ملاقات کا سلجھاؤ۔ ممکن ہے اس ملاقات کی تلافی کر سکے۔ اب میں اجازت چاہوں گا۔"
" مگر یہ سامان خورد ونوش ۔" اینی نے روکنے کی کوشش کی۔ "کیا یونہی رکھا رہ جائے گا۔"
" آپ شوق فرمائیں۔ میں عصرانہ کا عادی نہیں ہوں۔"
اور اس کے ساتھ ہی احمد نے اپنی نشست چھوڑ دی۔ اینی اور صہبا اسے دروازے تک چھوڑنے آئیں۔ یہاں احمد نے ایک بھرپور نظر صہبا کے چاند سے مکھڑے پر ڈالی۔ اور خدا حافظ کہہ کر اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
احمد کو رخصت کر کے۔ اینی اور صہبا عجیب سے عالم میں خیمہ کے وسط تک آئیں اپنی غلط بیانی کے صلہ میں اینی کو جس خجالت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑا تھا عام حالات میں ممکن تھا کہ وہ اس کی زندگی کا ایک یادگار ناخوشگوار حادثہ بن جاتا

وہ نہ صرف محلوں کی پروردہ صاحب اقبال دوشیزہ تھی۔ بلکہ خود اس کا اپنا کردار بھی اتنا بلند تھا کہ اس قسم کی سفلانہ حرکات کو اپنے وہم و گمان میں بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ صہبا کی تردید نے اسے انتہائی پشیمان و رنجیدہ کر دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ تردید اس کے وقار و کردار پر ایک زبردست حملہ ہے۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت کو دلی کیفیت کا ترجمان نہ بننے دیا۔ اور اس لغزش کو مصلحت وقت کے ایک ادنیٰ سے تقاضہ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ وہ متبسم لبوں کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو میں دلچسپی کا ثبوت دیتی رہی۔ صہبا کو۔ جو لمبی رفاقت کی وجہ سے ایپی کے مزاج میں خصوصی دخل رکھتی تھی۔ اس کی اندرونی حالت کا بڑی حد تک صحیح احساس تھا۔ اس کا خیال تھا کہ احمد کے رخصت ہوتے ہی وہ اس بے باکانہ تردید کی شکایت کرے گی۔ نیز ممکن ہے کہ میری جانب سے خطرناک حد تک سرد مہری اختیار کر لے۔ یا پھر کسی انتقامی کارروائی پر آمادہ ہو جائے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ایپی جس مقصد کے لئے یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ وہ اس قدر عظیم تھا کہ اس کے سامنے یہ باتیں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ وسط خیمہ میں پہنچ کر صہبا اپنے مقام رہائش کی طرف مڑنا چاہتی تھی کہ ایپی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنی خواب گاہ کی طرف کھینچ لیا۔ مہر بہ لب خواب گاہ میں پہنچنے کے بعد دونوں پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئیں۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" ایپی نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"سوچ رہی ہوں —— یہ ہوا کیا۔"

"ہاں — بالکل ہی خلاف توقع۔ دراصل ہمیں پہلے ہی طے کر لینا چاہیئے تھا۔"

"لیکن۔" صہبا کو یاد آگیا۔ "آپ تو کہتی تھیں کہ احمد رومن نہیں جانتا۔"

اس روز تو عربی زدہ رومن سے ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ آج اچانک ہی پتہ چلا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے انہیں بُلایا گیا تھا وہ بھی بد حواسیوں کی نذر ہو گیا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔" صہبا نے سوچ میں اُلجھے ہوئے الفاظ میں کہا۔ "کہ انہوں نے ہماری۔ اور خصوصاً میری بابتہ کیا رائے قائم کی ہو گی۔ آخر میری ان عروسانہ نظر نوازیوں کا کیا مطلب تھا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ دورانِ ملاقات میں ہماری طرف سے اس ملاقات کی اہمیت کا کوئی پہلو واضح نہ ہو سکا—— آیا—— آپ نے لکھا کیا تھا انہیں۔"

"اتنا تو ہے۔" امی نے گھُٹ کر جواب دیا۔ "کہ یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ مگر اتنا بُرا بھی نہیں کہ ہم سنّاٹے میں آجائیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس ملاقات میں میری شخصیت پر زیادہ ضرب پڑی ہے۔ اور تشویش کر رہی ہو تم۔ اب بھول جاؤ اسے۔"

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔" مغرب کی اذان نے مضمحل اور کھوئی کھوئی صہبا کو ایک دم چونکا دیا۔

"اجازت دیجیے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔" صہبا نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ اور جواب کا انتظار کیئے بغیر خواب گاہ سے نکل گئی۔

احمد نے صہبا کو جس دلنواز روپ میں دیکھا تھا۔ وہ احمد تو احمد۔ زاہدِ صد سالہ کے پائے ثبات کو ڈگمگا دینے والا تھا۔ چنانچہ امی کے خیمہ سے واپسی کے بعد۔ ایک طرف تو اس کا دل صہبا کے قیامت آفریں جمالیات میں تحلیل ہوتا رہا۔ اور دوسری طرف اس کی پُراسرار شخصیت اس کے ذہن و فکر پر —— کچھ اس طرح مسلط رہی کہ وہ کسی اور

مسئلہ کی طرف مطلق دھیان نہ دے سکا۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد۔ اس نے اپنا گھوڑا طلب کیا۔ اور ابنِ عمار کو ہمرکاب بنا کر محاصرین کے گشت پر نکل گیا۔

"کہیئے کیا رونما ہوا اس ملاقات میں"۔ ابنِ عمار نے پُر اشتیاق لہجے میں دریافت کیا۔

"ایں ــــ" احمد نے بحرِ خیالات سے اُبھرنے کی کوشش کی۔ "فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا"۔

"خدا خیر کرے"۔ ابن عمار بولا۔ "ملاقات کیا ہوئی ہے۔ جادو ہوا ہے۔ اور شاید پہلا موقعہ ہے جب کہ مجھے شرفِ رازداری سے محروم کیا جا رہا ہے"۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کسی خاص فیصلہ پر پہنچ کر تمہیں آگاہ کیا جائے"۔

"اور اگر میں یہ چاہوں کہ کسی خاص فیصلہ تک پہنچنے کے لئے مجھے بھی معاون بنا لیا جائے تو ــــ بچنا!" ابن عمار ایک دم چونک پڑا۔ ساتھ ہی دونوں گھوڑے بجلی کی طرح کوند کر بائیں ہاتھ پر جا پڑے۔ عین اسی لمحہ تیروں کا ایک بادل شہر پناہ سے اُٹھا اور دونوں سواروں کے قریب برس پڑا۔ گفتگو کی محویت نے انہیں فصیل سے قدرے متصل کر دیا تھا۔

فصیل سے کچھ اور دور ہٹ کر دونوں نے گھوڑے کھڑے کر لئے اور فصیل کی طرف دیکھنے لگے جو بالکل صاف پڑی ہوئی تھی۔

"یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے"۔ ابن عمار نے کہا۔ "اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ ہمیں محاصرین کی حد بندی سے مل کر چلنا چاہیئے"۔

"غالباً کنگروں کی آڑ میں چھپے ہوئے ہیں" احمد نے خیال ظاہر کیا۔ "بڑی خیر ہوئی ورنہ ہماری یہ غلطی انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔"

"ان کے خیال میں ہماری حیثیت دو عام سواروں سے زیادہ نہ تھی" ابن عمار نے گھوڑے کو محاصرین کے حلقہ کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔ "اگر انہیں یہ پتہ ہوتا کہ امیر لشکر جا رہا ہے۔ تو شاید وہ اتنا اوچھا ہاتھ نہ ڈالتے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ فصیل پر چاروں طرف خفیہ مورچے لگے ہوئے ہیں۔"

معاً دونوں کی نگاہ گھوڑ سواروں کے ایک غول پر پڑی جو کی جانب سے تیزی کے ساتھ ان کی طرف آ رہا تھا۔ انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی چند ثانیے بعد یہ غول ان سے آملا۔ آنے والوں کے خیال میں یہ دونوں احمد اور ابن عمار نہ تھے۔ لہذا شناخت میں آتے ہی تمام سوار گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ ایک افسر نے آگے بڑھ کر تعظیم دی۔ اور بولا۔

ہمیں شبہ ہوا تھا کہ فصیل سے تیر برسائے گئے ہیں۔ اور —— اور یہ حد بھی ہماری فوج کے لئے ممنوعہ ہے۔"

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم ممنوعہ حد میں داخل ہوئے" احمد نے کہا۔ "اور اس کی تنبیہہ دشمن کی طرف سے بھی ہو گئی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

افسر سلامی دے کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ لوٹ گیا۔ احمد اور ابن عمار بھی اسی راہ پر آہستہ آہستہ گھوڑے دوڑانے لگے۔

"مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ ذہنی اُلجھنیں ہمارے بلند مقاصد کو نقصان نہ پہنچائیں" ابن عمار نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے۔"

"اور مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی بھی معاملہ میں فکر مند ہوں۔ اور میں اس کا حصہ دار نہ ہوں۔"

احمد سمجھ گیا کہ ابنِ عمار حالات سے باخبر ہوئے بغیر اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے مختصر پیرایہ میں شام کی ملاقات کا پورا حال اس کے گوش گزار کر دیا ــــ اس دوران میں وہ حصار شہر کا پورا چکر کاٹ کر جھیل کے اس حصہ پر پہنچ چکے تھے جو ایک تنگ و تاریک پل کے ذریعہ شہر میں داخل ہوتی تھی۔ یہاں سے انہیں اپنی محفوظ فوج کے خیموں کی طرف جانا تھا۔ جو ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر اسی جھیل کے کنارے نصب تھے۔

ابن عمار کے لئے خلیل کی بیوی اور بیٹی کا اپنی کی رفاقت میں اسلامی لشکر تک پہنچنا۔ صہبا کا مرکزی اسلامی حکومت کا خیر خواہ ہونا۔ پھر احمد سے ملنے کی خواہش۔ مستقبل قریب میں اپنی باعزت بریّت کی امید۔ اس قدر آسان نہ تھا کہ وہ فوراً ہی اس کا واقعاتی تجزیہ کر سکتا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔" احمد نے سوچے سمجھے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "صہبا کا بے خوف و ہراس اسلامی لشکر میں آنا۔ اور پھر غلط تعارف سے بچ کر خود کو اپنی اصلیت کے ساتھ ظاہر کرنا۔ اس کی سچائی پر صاد کرتا ہے۔ پھر وہ خود بھی یہ نہیں کہتی کہ اس کی بات پر آنکھ بند کر کے اعتبار کر لیا جائے۔ وہ اپنی اسلام دوستی کے لئے اطمینان بخش ثبوت پیش کرنے کے لئے کسی مناسب وقت کی منتظر ہے۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر۔ اگر وہ خود کو روپوش رکھنا چاہتی تو مجھ سے ملنے کی کوشش کیا معنی رکھتی ہے۔ اور سنو!" اس نے ابن عمار کو خاص طور پر متوجہ کیا۔ "صہبا وہ پہلی لڑکی ہے۔ اور شاید آخری بھی۔ جس کی ذات میں وہ اپنے لئے بے پناہ کشش محسوس کر رہا تھا ــــ گو

فی الوقت اس کی شخصیت شکوک سے مبّرا نہیں ہے۔ اور جیسا کہ تم جانتے ہو۔ میں پند و نصائح کا بھی عادی نہیں ہوں۔

ابنِ عمار اس پیش بندی پر مسکرایا۔

"حیرت ہے۔ پتھر پر جونک کیسے لگ گئی۔ ابھی آپ اس بحث کو بھولے تو نہ ہوں گے جب آپ عشق کو "نامعقولیت" سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہ تھے۔"

"صبح جن گھوڑ سواروں کو قلعہ قتانہ کی طرف کوچ کرنے والی فوج کی خبر لانے کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان کے مغرب کے وقت تک نہ لوٹنے کا یہ مطلب ہے کہ فوج کافی دور نکل چکی ہے۔ شاید اب آ گئے ہوں۔" احمد نے موضوعِ گفتگو کو بدلنے کی کوشش کی۔

"ہمارا دورہ بھی اب قریب الختم ہی ہے خیمہ پر پہنچ کر صحیح معلوم ہو گا۔"

"پھر آؤ۔ ذرا تیز چلیں۔" احمد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور دیکھتے دیکھتے دونوں گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

خیمہ پر پہنچ کر۔ احمد اور ابن عمار کو سب سے پہلے چار تیر پیش کئے گئے۔ جو شہر کے عقبی محاصرین کو دستیاب ہوئے تھے۔ ان تیروں پر ایک ہی انداز میں ایک ایک رقعہ بندھا ہوا تھا۔ جب انھیں کھول کر احمد کو پیش کیا۔ تو چاروں کے مضمون ایک ہی تھے۔

دشمن آج شبخون مارے گا۔ ہوشیار

رقعہ کا مضمون پڑھتے ہی احمد کی پیشانی پر ناخوشگوار بل اُبل پڑے۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہی۔

"نقیبوں کو حاضر کرو۔" وقت کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے وہ اپنی جگہ

سے اٹھ کھڑا ہوا

"مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔" اس نے ابن عمار سے کہا۔ "تم اپنے خیمہ کے دروازے پر نقیبوں کا انتظار کرو۔ جب وہ آجائیں تو تمام افسروں کو پیغام بھجوادو کہ وہ اطلاع ملتے ہی جلد از جلد میرے خیمہ میں پہنچیں۔"

"بہتر جناب۔"

ابن عمار کے جاتے ہی احمد اپنی خلوت گاہ میں پہنچ کر چوکی سے لگی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔

"فریدی!"

"حاضر ہوں عالی جاہ۔" فریدی جو احمد کے پیچھے آتے ہوئے دروازہ پر رک گیا تھا۔ جھٹ اندر پہنچ گیا۔

"شمعدان کو چوکی پر رکھدو۔ اور جلدی سے قلمدان اور ایک بڑا سا کاغذ لے آؤ۔"

"ابھی حاضر کرتا ہوں عالی جاہ۔"

چند لمحوں میں شمعدان۔ کاغذ اور قلمدان احمد کے سامنے تھا۔

"درمیانے حصے میں لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام کرادو۔ جلسہ ہے۔ ابھی۔ جلدی کرو۔" فریدی تعظیمی اشارہ کے ساتھ خلوت گاہ سے نکل گیا۔

اب احمد کے سامنے وہ بڑا سا کاغذ۔ کاغذ نہ تھا۔ بساطِ جنگ تھی۔ جسے وہ پوری کاوش و بیدار مغزی کے ساتھ اپنی فوجوں سے آراستہ کر رہا تھا۔ ایک بیضاوی دائرہ حصار شہر کی نشان دہی کر رہا تھا۔ اور اس کے گرد آڑے ترچھے خطوط مجاہدین کی صف بندیوں کے مراکز تھے۔ خطوط کھنچتے رہے۔ کٹتے رہے۔ اور آخر کار متعدد تبدیلیوں کے بعد احمد نے شبخون کے پوشیدہ جنگی امور پر مشتمل ایک ایسا خاکہ

تیار کر لیا جس سے اس کا دل و دماغ پورے طور پر مطمئن تھا۔
وہ اس خاکہ کو ایک دوسرے کاغذ پر صاف کر رہا تھا کہ فریدی نے تمام افسروں کے جمع ہو جانے کی اطلاع دی۔ گو احمد جہاں بیٹھ کر خاکہ تیار کر رہا تھا۔ وہاں سے جلسہ گاہ کا فاصلہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ اور آنے جانے والوں کی آہٹیں اور مختلف آوازیں یہاں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ مگر احمد کچھ اس تندہی کے ساتھ کاغذ پر مرکوز تھا کہ اسے لوگوں کی آمد کا مطلق پتہ نہ چلا۔
احمد کے جلسہ گاہ میں پہنچتے ہی تمام افسران نے اٹھ کر تعظیم دی۔ جواب میں احمد نے فوجی سلام کیا اور بیٹھنے کی درخواست کر کے ابن عمار کو اپنے پاس بلایا اور نقشہ جنگ کا خاکہ دیتے ہوئے بولا۔
"اس کی کئی نقلیں کرا کے۔ تیار رکھیں۔ تقریر کے بعد۔ افسروں میں تقسیم کیجائیں گی۔"
سرفروشانِ اسلام! وہ پُر جوش مقررانہ انداز میں حاضرین سے مخاطب ہوا۔
سب سے پہلے آپ حضرات اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں۔ یہاں کوئی بھی اجنبی نہیں ہونا چاہیئے۔ ساتھ ہی ہر شخص پروانۂ رازداری کے ساتھ اپنا ہاتھ بلند کر لے۔
حسب الحکم۔ تعمیل کے بعد احمد نے کہنا شروع کیا۔
جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں۔ شبخون ایک انتہائی بزدلانہ فعل ہے۔ میرے

نزدیک جنگی امور میں یہ سب سے بڑی بددیانتی ہے۔ لیکن دشمن کے اس فعل سے ہمارا بروقت باخبر ہوجانا۔ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ہمارے شریکِ حال ہے۔ اور ہم اس محاذ پر بھی فتح و نصرت کی سرخروئی حاصل کریں گے۔
مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت ہمارے پاس حسبِ ضرورت فوج نہیں ہے۔ اور اگر ہم قاعدہ کے مطابق۔ دن کی روشنی میں جنگ کرتے۔ تو شاید ہماری بیک نگاہ علم میں آجانے والی قلت دشمنوں کو حوصلے کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ کردیتی۔ مگر اس اعتراف کے ساتھ۔ مجھے اس بات کا بھی کامل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محاصرہ کی صعوبتوں سے بچانے اور شہر کو فتح کرلنے کا یہ موزوں ترین موقعہ عطا فرمایا ہے۔
مرتّبہ نقشۂ جنگ کے مطابق۔ جس کا

خاکہ۔ ابھی آپ کو پیش کیا جائے گا
دو دو ہزار چنیدہ جنگجو۔ دائیں ہاتھ
پر میری۔ اور بائیں ہاتھ پر ابن عمار
کی ہمرکابی میں دروازے سے دو دو
فرلانگ دائیں بائیں پھاٹک کھلنے کا
انتظار کریں گے۔ پھاٹک کھلنے پر
جونہی دشمن باہر نکلنا شروع ہوں گے
ہم بجلی کی طرح کوند کر دروازے
پر پہنچ جائیں گے۔ اور دروازے کے
اندر داخل ہونے کے لئے ایڑی چوٹی
کا زور لگادیں گے۔ باقی فوج کا
تہائی حصّہ بالکل ہماری طرح دائیں بائیں
ہماری ٹکڑیوں سے قدرے آگے۔ ترچھے
خطوط میں۔ جیسا کہ آپ نقشہ میں ملاحظہ
فرمائیں گے۔ قائم ہوگا۔ بقیہ حصّہ خیموں
کی پہلی قطار میں چھپ کر دشمن پر
اس وقت حملہ آور ہوگا۔ جب وہ
ان کے بالکل قریب آجائیں گے۔ خیموں
کی اندرونی قطاروں میں ایک بھی
سپاہی موجود نہ رہے گا۔ سوائے

ان لوگوں کے جو کسی مجبوری کی بنار
پر اس جنگ میں حصّہ لینے سے
معذور ہیں ۔ بقایا فوج ۔ جو ترچھے زاویوں
میں صف آرا ہوگی ۔ اس کا کام
صرف یہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھتے
ہوئے دشمنوں کو پیچھے نہ لوٹنے
دے ۔ ہمارے اندازہ کے مطابق ایسے
دشمنوں کی تعداد صرف چھ سات ہزار
ہوسکتی ہے ۔ اسے تین اطراف سے آپ
کو دبانا ہے ۔ چوتھی سمت حصارِ شہر
ہے ۔ اگر آپ ان کے گرد گھیرا
ڈالنے میں کامیاب ہوگئے تو ان کا
تہہ تیغ ہونا دشوار نہ ہوگا ۔ انہیں ٹھکانہ
لگانے کے بعد اگر وقت اجازت دے
تو ہماری مدد کے لئے شہر میں
آجایئے گا ۔ میری اور ابنِ عمار کی
فوج اس وقت تک شہر کی طرف
نہیں بڑھے گی ۔ جب تک کہ دروازے
پر قبضہ ہونے کے بعد وہاں ہمارا
مورچہ قائم نہ ہوجائے ۔ ہماری طرف

روشنی کا انتظام یکدم ایسے موقعہ پر ہونا چاہیئے جب کہ دشمن زرغہ میں آجائے۔

آج کے غازیو! اور شہیدو!

اولین معرکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اور دشمن کے دل پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس کا اندازہ اِس کے اِس بزدلانہ منصوبہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ کون ہے جو یہ نہیں جانتا کہ بہادرانہ جنگ جوئی کا تعلق اندھا دھند طاقت اور چوڑے چکلے سینوں پر نہیں ہوتا۔ اس کے لئے دل گُردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے دل کی۔ جس میں معبودِ حقیقی کی محبّت کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔ جو احکامِ خداوندی کی تعمیل کے لئے بھوکے شیر کی طرح بپھرنا جانتا ہو۔

ہمارے اسلاف کی روایات، ہمارے سامنے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اب تک

شاید ہی کوئی ایسی جنگ ہوئی ہو جس میں دشمنوں کی تعداد ہمارے متوازی ہو۔ "اکثریت پر فتح" ہی ہماری وہ خصوصیت ہے جس نے دشمنوں پر دہشت طاری کر رکھی ہے۔ اور جس کا واضح ترین ثبوت اس وقت بھی آپ کے سامنے ہے۔

وقت کی نزاکت مجھے اس سے زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دیتی۔ لہذا اس امید کے ساتھ کہ آج کے معرکہ میں ہمارا ہر جوان خالد و طارق ثابت ہونے کی کوشش کرے گا۔ میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔ یاد رکھیئے۔ آج کی جنگی تیاریوں میں رازداری پہلی شرط ہے۔

تقریر کے خاتمہ پر ابنِ عمار نقشۂ جنگ کی نقول خاص خاص افسروں میں تقسیم کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے اہم نکات کی وضاحت بھی کرتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب خیمہ میں شیخ ابن عمار۔ احمد اور ان کے خاص الخاص خدّام کے سوا اور کوئی متنفس باقی نہ رہا۔ تو دونوں مربّی دوست۔ بغلی حصّہ میں جاکر ایک دوسرے کے مقابل ہو بیٹھے۔ اس نشست کا مقصد جنگ کے چند

اہم پہلوؤں پر تبادلۂ خیالات تھا۔ احمد بولنے کے لئے تیار ہی ہوا تھا کہ فریدی نے دروازے کے پیچھے سے شرفِ باریابی کی اجازت طلب کی منظوری ملنے پر وہ اندر داخل ہوا۔ اور اپنے مخصوص خادمانہ انداز میں بولا۔

"ایک پردہ نشین خاتون جناب سے فوری ملاقات کی متمنی ہیں۔"

"پردہ نشین خاتون۔" احمد اور ابن عمار ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے

"بھیجدو۔" احمد نے اجازت دیدی۔

چند لمحوں بعد فریدی کی رہنمائی اور دو پہرے داروں کی حراست میں، سیدھے سادے عربی لباس میں ملبوس۔ نصف چہرے پر سیاہ نقاب ڈالے ایک لڑکی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

بڑی بڑی پُرنور سیاہ وسپید آنکھوں اور کشادہ پیشانی پر بالوں کی ایک سنہری لٹ کے لہرانے۔ احمد کو بیک نگاہ مطلع کر دیا کہ وہ صہبا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنی نشست اِسے پیش کرتے ہوئے بولا۔

"صہبا ـــ بیٹھو ـــ کیسے آنا ہوا۔"

"حضور تشریف رکھیں۔ میں اس بے ادبی کی متحمل نہ ہوسکوں گی۔"

معاً احمد کو فریدی اور دونوں پہرے داروں کا خیال آگیا۔

"تم لوگ دروازے پر ٹھہرو۔"

ان کے جانے کے بعد وہ صہبا سے مخاطب ہوا۔

"آپ نہیں جانتیں کہ یہ وقت ہمارے لئے کس قدر قیمتی ہے۔ ہم حفظ مراتب سے باخبر ہیں۔ آپ بیٹھ جائیں۔ میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں" ـــ احمد ابن عمار کے قریب بیٹھ گیا۔

"یہ وہی صہبا ہیں۔ جن کا آج ذکر ہو رہا تھا ــــ اور ــــ یہ ــــ" اس نے ابن عمار کی طرف تعارفی انداز میں اشارہ کیا ــــ "میرے چچازاد بھائی۔ بے تکلف دوست۔ اور دلی ہمراز ــــ اب فرمایئے۔"

"اوّل تو مجھے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ اسلامی لشکر میں کئی عیسائی جاسوس موجود ہیں۔ دوئم یہ کہ آج شام اتفاقی طور پر ایک رقعہ میرے ہاتھ پڑ گیا۔ یہ کسی جاسوس کی طرف سے ہمارے خیمہ میں پھینکا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔" صہبا نے بغلی جیب سے رقعہ نکال کر احمد کی طرف بڑھا دیا۔

گو میں رومن اچھی طرح نہیں جانتی۔ مگر اس کا مفہوم پا چکی ہوں۔"

احمد نے رقعہ لے کر جلدی جلدی پڑھنا شروع کیا۔

آج آدھی رات کو ہماری طرف سے شبخون مارا جائے گا۔ آپ کے لئے صدر دروازے سے دائیں جانب چھٹے برج پر کمند کا انتظام کر دیا گیا ہے اگر اس ہنگامہ میں بھی آپ کو فرار کا موقعہ نہ ملا۔ تو بشرطِ کامیابی صبح آپ ہمارے درمیان ہوں گی۔

یار ــــ

"آپ کی خیر خواہی قابلِ قدر ہے۔" احمد نے رقعہ ابنِ عمار کی طرف بڑھاتے ہوئے صہبا سے کہا۔ "شبخون کی اطلاع ہمیں اپنے ذرائع سے بھی مل چکی ہے اور ہم جوابی کارروائی کے لئے تیار ہو بیٹھے ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ

اینی کے خیمہ پر کڑی نگرانی رکھی جائے۔ مگر اس اطلاع کے بعد صرف نگرانی ہی کافی نہ ہوگی۔ وہ بآرام پلنگ پر لیٹیں گی۔ مگر پلنگ سے جُدا نہ ہو سکیں گی۔"

"کیا ایسا ممکن ہے۔" صہبا نے انتہائی آرزومندانہ لہجہ میں کہا۔ "کہ مجھے اینی کی کنیز یا سہیلی کی بجائے۔ خلیل کی بیٹی کی حیثیت سے کسی علیحدہ خیمہ میں منتقل کر دیا جائے۔ نیز آج کی جنگ میں مجھے کسی بھی نوعیت سے اپنے بھائیوں کی خدمت کا موقعہ عطا فرمایا جائے۔ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کے فرائض بخوبی ادا کر سکتی ہوں۔"

احمد نے کن انکھیوں سے ابن عمار کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو "دیکھا۔ ہے نا میری فطرت کا تجربہ؟"

"ہمیں یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ مسلمانوں کی بے لوث خدمت کا فراواں جذبہ رکھتی ہیں۔ مگر اس وقت جب کہ ہمارے اور اس طوفانی ہنگامہ کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا ہے۔ آپ کے لئے یہ خصوصی بندوبست ذرا مشکل ہی ہے۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ اب اصولی طور پر میرا اینی کے ساتھ رہنا قطعی ناممکن ہے تو؟"

"تو ـــ تو صرف اس قدر ہو سکتا ہے کہ میں اپنا رہائشی خیمہ آپ کے لئے خالی کر کے خود ابن عمار کے خیمہ میں چلا جاؤں۔ اور ـــ اس کے لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ اس سے آپ کو تکلیف ہوگی ـــ مگر مجبوری ہے ـــ براہِ کرم میری والدہ کو بھی یہیں بلوا دیجئے۔ میں اس مہربانی کے لئے آپ کی تازیست احسانمند رہوں گی۔"

"معمولی سی بات کے لئے زندگی بھر کا بوجھ برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم یہاں تھوڑی دیر کے لئے ہیں۔ یہ وقت آپ دوسرے حصّہ میں گزار سکتی ہیں —— فریدی!" احمد نے تالی بجائی۔

"حاضر ہوں آقا۔"

"پہریداروں کو بلاؤ۔"

"بہتر عالی جاہ!"

پہریداروں کے آنے پر احمد نے داروغہ کے لئے ایک رقعہ لکھ کر انہیں دیدیا۔

"اس خیمہ سے ایک اور خاتون کو یہاں لانا ہے۔ عزت کے ساتھ۔ جاؤ۔"

پہریدار چلے گئے۔

"آپ کو —" فریدی کو حکم ملا۔ "ہماری خواب گاہ میں پہنچا دو۔ اور خود خواب گاہ کے دروازے پر بیٹھ جاؤ۔"

یہ سنتے ہی صہبا کھڑی ہو گئی۔

"میری دوسری خواہش غالباً اس لئے رد ہو گئی کہ میری ذات ابھی "آزادی" کی مستحق نہیں ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اگر میں حق پر ہوں تو اللہ تعالیٰ وہ وقت جلد ہی دکھا دے گا۔" اتنا کہہ کر وہ باہر نکلنے کے لئے مڑی ہی تھی کہ احمد نے روک لیا

"سنیئے! آپ کو زخمیوں کی دیکھ بھال پر اس لئے متعین نہیں کیا جا رہا کہ آپ کی نو عمری ان خونخوارانہ مناظر کی تاب نہ لا سکے گی۔ جو جنگ کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ آپ —— میرا خیال ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی۔"

شرم و حیا کے دباؤ نے صہبا کے چہرے کو انگارے کی مانند سرخ کر دیا۔ اس نے بولنا چاہا۔ مگر آواز نے ساتھ نہ دیا۔ ناچار خاموشی سے فریدی کے ساتھ خواب گاہ کی طرف چل دی۔

صہبا کے جاتے ہی ابن عمار بے اختیار بول اُٹھا۔

" واللہ - اس کی تخلیق - تمہارا حصّہ ہے۔"

" بھول جاؤ"۔ احمد نے تنبیہہ کی ۔۔ " یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ دروازے پر جا کر میرے خصوصی نقیب کو حکم دو کہ تمام پہریدار نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی سرحدوں پر نگاہ رکھیں۔ نیز جس شخص کو بھی اپنی حد سے نکل کر حصار کی طرف جاتے دیکھیں فوراً تیر مار کر ہلاک کر دیں۔ خصوصاً شب خون سے پہلے پہلے اس ہدایت پر نہایت سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔"

" اور اگر عیسائی جاسوس تیر کے ذریعہ ۔۔۔"

" ہمارے اور شہر کے درمیان جو فاصلہ حائل ہے۔ وہ تیر سے طے نہیں ہو سکتا۔" ابن عمار سراغرسانی کے مزید ذرائع پر غور و خوض کرتا ہوا دروازے کی جانب چلدیا۔

شب خون

رات ـــــ

حبیب و محبوب کی تمناؤں کی آماجگاہ ـ رندی و سرمستی کی امین ـ بزمہائے عیش و طرب کی حسین ترین آغوش ـــــ

یہی رات ـــــ

آج جراجر کی سرزمین پر حیات و ممات کی کشاکش کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے ہیں۔ بڑے بڑے سورماؤں کی چھاتیاں اپنے اپنے قومی وقار کے انجام پر دھڑک رہی ہیں۔ بظاہر ہر طرف سیاہ سناٹا چھایا ہوا ہے مگر شہر پناہ کے اندر اور باہر جنگی تیاریاں پورے انہماک سے جاری ہیں۔

صدر دروازے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دائیں بائیں، مجاہدین کی ترچھی قطاریں ترتیب پا چکی ہیں۔ داہنے حصّہ کا نگراں احمد انتہائی محویت کے عالم میں خود کو صدر دروازے پر مرکوز کئے ہوئے ـ جیسے کوئی شیر کسی جھاڑی سے نکلتے ہوئے شکار کا منتظر ہو۔ گو زخم کی وجہ سے اس کا بایاں ہاتھ جنگی خدمات کے قابل نہیں تھا۔ ممکن ہے اس میں درد بھی ہو رہا ہو۔ مگر اس وقت احمد کو مستقبل قریب کے علاوہ اور کسی بات کا احساس نہ تھا۔ وزنی ڈھال بدستور اس کے بائیں ہاتھ میں تھی۔ داہنے ہاتھ میں ساڑھے سات فٹ لمبا بلّم تھا جو

بغلی سہارا لئے آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ ۔ اور یہ پیغام آگے بڑھا دو۔" احمد نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے افسر سے کہا۔

اور تھوڑی ہی دیر میں داہنے ہاتھ کی تمام قطاریں بغیر کسی آہٹ کے بیٹھ گئیں۔

بائیں ہاتھ پر ابنِ عمار بھی اپنے چاق و چوبند دستوں کے ساتھ دم سادھے پھاٹک کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ خیموں کی پہلی صف میں چھپے ہوئے گھوڑ سوار مجاہدین بھی کیل کانٹے سے لیس اپنے شکار پر جا پڑنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ایک بڑے سے خیمے میں مشعلچی اپنے سامنے مشعلوں کا ڈھیر لگائے اس انداز سے بیٹھے تھے کہ جونہی جنگ شروع ہو۔ فوراً ہی زیادہ سے زیادہ مشعلیں روشن کر کے میدان میں پہنچا سکیں۔ فضا کامل طور پر پُر سکوت تھی کبھی کبھار کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز تھوڑی دیر کے لئے خاموشی میں ارتعاش سا پیدا کر دیتی تھی۔ گو یہ ہنہناہٹ خیموں میں چھپے ہوئے گھوڑ سواروں کی طرف سے بلند ہوتی تھی مگر اس سے افشائے راز کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ یہ آوازیں عموماً بلند ہوتی رہتی تھیں۔

معمول کے مطابق اسلامی پڑاؤ کی حدود پر چند مدھم سی مشعلوں کے ساتھ پہریدار اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ مگر ان کی حیثیت گھنے درختوں کی شاخوں میں چمکتے ہوئے جگنوؤں سے زیادہ نہ تھی۔ دیگر ذرائع سے بھی اس امر کی انتہائی احتیاط کی گئی تھی کہ دور سے دیکھنے والوں کو پڑاؤ کا ماحول بدلا ہوا معلوم نہ ہو۔

بالآخر وہ وقت آ پہنچا جس کے لئے یہ سب کچھ ظہور میں آیا تھا۔

صدر دروازہ کھلا۔ مگر روشنی کی ادنیٰ رمق نہ ہونے کے سبب اسلامی لشکر کی ٹکڑیوں کو بر وقت معلوم نہ ہو سکا۔

تھوڑی دیر بعد جب عیسائیوں کی کافی سپاہ باہر آ گئی۔ تو گھوڑوں کی ٹاپیں۔ اور ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹیں۔ ہزار احتیاط کے باوجود فوج کی پیشقدمی کو پردۂ راز میں نہ رکھ سکیں۔ اسلامی

لشکر میں عیسائیوں کی آمد کا علم سب سے پہلے ابنِ عمار کو ہوا۔

"ہوشیار"! اس نے سرگوشی کے انداز میں اپنے دستہ کو خبردار کیا۔ اُدھر اچانک ہی صدر دروازے سے سینکڑوں مشعل برداروں کی ٹولی بیک وقت رونما ہوئی۔ اور فوج کی رہنمائی کے لئے تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ اس مرحلہ پر اسلامی لشکر کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ دشمنوں کی فوج ان کے پڑاؤ کی حد پر پہنچ چکی ہے۔ اور اسلامی لشکر کے خیموں کی پہلی قطار عیسائیوں کے نیزوں سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ عیسائی مشعل برداروں کے باہر نکلتے ہی ایکا ایکی حصارِ شہر کی بالائی روش پر مشعلوں کی بہتات نے دن کا سا سماں پیدا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی عیسائی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر خیموں پر ٹوٹ پڑے۔ اور زمین کا یہ پُرسکون ٹکڑا مارو! مارو!! کی وحشیانہ آوازوں سے گونج اٹھا۔

احمد اور ابنِ عمار ہر طرف سے بے نیاز۔ اپنے اپنے دستوں کے ساتھ۔ سنسناتے تیروں کی طرح پھاٹک پر جا پڑے۔ دروازے سے عیسائیوں کا اخراج بدستور جاری تھا۔ بالائی مشعلوں کی روشنی میں حصار پر کھڑے ہوئے سپاہیوں نے دائیں بائیں سے اسلامی لشکر کو دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور اس خلافِ امید خطرہ پر بوکھلا کر بُری طرح چیخنے چلاّنے لگے تھے لیکن ان کی بروقت اطلاع کے باوجود عیسائیوں کو اس قدر موقعہ نہ مل سکا کہ وہ دروازے کو اندر سے بند کر سکتے۔ پھاٹک پر پہنچتے ہی احمد کے دستہ نے پھاٹک سے بڑھتے ہوئے عیسائیوں کو پیچھے دھکیل کر دروازہ پر قبضہ کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اِدھر ابنِ عمار نے احمد کے دستہ کو اپنی پشت پر لے کر باہر کے عیسائیوں کو اپنے پڑاؤ کی جانب رگیدنا شروع کر دیا۔

طے شدہ امور کے مطابق عیسائیوں نے جونہی اسلامی پڑاؤ کی حدود میں قدم رکھا۔ ایک طرف تو مشعلوں سے موقعۂ واردات بقعۂ نور بن گیا اور دوسری طرف خیموں میں چھپے ہوئے گھوڑ سوار باہر نکل کر اس جانبازی سے حملہ آور ہوئے کہ عیسائی ایک زبردست ٹکّر کے

ساتھ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اب تک جتنی عیسائی فوج شہر سے نکل کر میدان میں جمع ہوئی تھی۔ وہ یقیناً تعداد میں مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ اور یہ عین ممکن تھا کہ اگر یہ فوج دن کی روشنی میں اسلامی لشکر کے مقابلہ پر آتی تو مسلمانوں کے لئے ان کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اس موقعہ پر عیسائیوں کی گھبراہٹ اور پریشانی۔ محض خلافِ توقع حالات سے دوچار ہونے کا نتیجہ تھی۔ وہ تاحال یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ اس نازک صورت میں ان کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے مجوزہ تشکیل کے مطابق اسلامی لشکر نے ان کے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا تھا۔ اور اب ان کی تمام تر قوت اس گھیرے کو تنگ سے تنگ کرنے پر صرف ہو رہی تھی۔ اگلے مرحلے میں "کل کاروں" کا خصوصی حصہ تھا۔ جو آتش گیر مادوں اور منوں وزنی پتھروں کو کلوں میں سموئے ہوئے۔ انہیں موقعۂ واردات کی طرف کھینچ رہے تھے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ جونہی یہ حلقہ اپنی آخری حد تک تنگ ہو۔ فوراً ہی کلوں سے آگ اور پتھروں کی بارش شروع کر دی جائے۔

مسیحی شیرو!

ہارلے کی گرجدار آواز نے بوکھلائے ہوئے عیسائیوں کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

یہ اس شخص کی آواز ہے۔ جو صوبۂ کلبریہ کا آخری سرپرست ہے۔ اور یقین کر لو کہ اس وقت کی یہ جنگ بھی صوبۂ کلبریہ کی آخری جنگ ہے۔ اس وقت تمہارے لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ یا تو اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو مسلمانوں کے حوالے کر کے ان کی غلامی قبول کر لو۔ اور یا پھر صلیبی وقار پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کا عہد کر کے۔ ان لٹیروں کو مار بھگاؤ۔ خدا کی قسم ہم ان سے زیادہ ہیں۔ ہمارے حالات ان سے کہیں بہتر ہیں۔ صرف جرأت و حوصلے کی ضرورت ہے۔ ناکامی کی زندگی کو ٹھکرا دو۔ فتح کی موت کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ — بڑھو۔ اور دشمنوں پر بجلیاں بن کر ٹوٹ پڑو۔ حق پرست قوم کے بہادر سپوتو۔ اپنی مقدس زمین کو ان نجس ہستیوں سے بچانے

کے لئے موت کے بگولے بن کر انہیں اپنی لپیٹ میں لے لو۔

ہادرے کے ان پُرجوش الفاظ نے لڑکھڑاتے ہوئے عیسائیوں کو آہنی ستون کی طرح جما دیا۔ معاً سارا میدان صلیبی نعروں سے گونج اٹھا۔ اور اس کے ساتھ ہی حلقہ بگوش عیسائیوں نے اس بے جگری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ کہ مسلمانوں کا حصار کئی جگہ سے شق ہو گیا۔ ان کا دوسرا حملہ پہلے سے بھی زوردار ثابت ہوا۔ مسلمانوں کی وہ تنظیم جو دائرہ کی شکل میں دشمن پر غلبہ پائے ہوئے تھی۔ درہم برہم ہو گئی۔ ابھی مسلمان پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ تیسرا حملہ ہوا۔ اور مسلمان اس عظیم ریلے کا زور نہ سہارتے ہوئے کئی گز پیچھے جا پڑے۔ ان پے در پے حملوں نے عیسائیوں کے ہوش و حواس کو نہ صرف ٹھکانے لگا دیا۔ بلکہ ان کے سینوں میں فاتحانہ لہر بھی دوڑا دی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ میدان میں سینکڑوں چھوٹی بڑی ٹکڑیاں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں اور مجموعی طور پر عیسائیوں کا غلبہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔

یوں تو اس وقت ہر طرف ہی کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ مگر صدر دروازے پر جنگ کی ہولناکیاں اپنے پورے شباب پر پہنچی ہوئی تھیں۔ احمد کی جنگی سرگرمیوں سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یا تو وہ زمین کے اس حصہ پر اپنی جان دے دے گا۔ یا پھر دروازے کو عبور کر کے چھوڑے گا۔ وہ اپنے مخصوص دستہ کے ساتھ پھاٹک پر اس طرح اڑا ہوا تھا گویا کوئی آہنی ستون نصب ہو۔ اندر سے عیسائی انتہائی جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ بڑھ کر اس سے ٹکراتے اور پھر پیچھے لوٹ جاتے۔ اس محاذ کو زیادہ اہم قرار دے کر ابنِ عمار نے اپنے دستہ کا وافر حصہ بھی احمد ہی کی طرف لگا دیا تھا۔ اس طرح اس اہم پر کم و بیش تین ہزار مجاہدین سربکف مصروفِ جنگ تھے۔

کافی دیر کی جدوجہد کے بعد بھی جب دروازے کی جنگ کسی خاص نتیجہ کی پیامی ثابت نہ ہوئی تو احمد نے اپنے جنگی نقیب کو انتہائی اہم آواز میں کوئی حکم دیا۔ جسے سنتے ہی وہ چند مجاہدوں

کے ساتھ یہاں سے غائب ہو گیا۔ اور ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ وہ دس بارہ بڑے بڑے شہتیر کاندھوں پر لادے ہوئے واپس لوٹے۔ شہتیروں کے آتے ہی مجاہدوں نے تلواروں کو نیام میں ڈالا۔ اور نیزوں کو تان کر شہتیروں کی مشترکہ ضربات کو زیادہ سے زیادہ موثر بنانے کی کوشش کرنے لگے۔

سرفروشانِ اسلام! احمد انتہائی جوشیلے انداز میں چلّایا۔

اب یہ دروازہ جنّت کے دروازے سے بالکل ملا ہوا ہے۔ یا تو دروازے کو عبور کر کے اسلامی دولت و اقبال میں اضافہ کرو۔ یا اس سرخروئی کی جدوجہد میں شہید ہو کر جنّت کے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ یقین کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تمہارے شریکِ حال ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس وقت تم یہاں کی بجائے اپنے خیموں میں دشمنوں کی سازش کا شکار بنے ہوتے۔ یہ دروازہ سیراکیوز کے اس پھاٹک سے زیادہ دشوار گزار نہیں ہے۔ جسے فاتح سسلی عبدالرحمٰن نے چند لمحوں میں سر کیا تھا۔ غیبی امداد پر یقین کامل رکھتے ہوئے آگے بڑھو۔ اور ان شہتیروں سے دشمن کو ریلتے چلے جاؤ۔ جوشِ ایمان کی آنکھ سے دیکھو۔ دروازہ ہمیں خوش آمدید کہہ رہا ہے —— ہم شہر میں ہیں —— ایک جرأتِ والہانہ —— ایک ولولۂ توحیدی —— نعرۂ تکبیر!

"اللہ اکبر!"

اور پھر چشم زدن میں یوں معلوم ہوا گویا سیلاب کو نشیب مل گیا ہو۔ لیکن اس موقعہ پر عیسائیوں نے جس شجاعت و بہادری کا ثبوت دیا۔ وہ تاریخِ جراجہ میں جلی حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سیلاب رُکنے والا نہیں ہے۔ تو انہوں نے پیچھے قدم ہٹانے کی بجائے دروازے کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کا وہ زبردست حملہ

جو سولہ طوفانوں کا ایک طوفان تھا۔ دروازے کے درمیان ہی دم توڑ گیا۔

اسی اثنا میں ایک نقاب پوش گھوڑ سوار بجلی کی مانند اسلامی لشکر میں تیر گیا۔ وہ چند ساعتوں کے لئے مجاہدوں کے درمیان ٹھہرتا۔ کچھ کہتا۔ اور پھر آگے بڑھ جاتا۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے کے نقشۂ جنگ میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ اب صرف دروازے کے سامنے مسلمانوں کا ایک ادنیٰ سا گروہ عیسائیوں کو باہر نکلنے سے روکے ہوئے تھا۔ اور اس طرح کہ اندر کی عیسائی سپاہ باہر کے جنگی نظاروں سے یکسر محروم ہو گئی۔ باہر کا حال صرف ان عیسائیوں کو معلوم تھا جو صدر دروازے سے ملحقہ فصیل پر پرے جمائے ہوئے تھے۔

صدر دروازے کے داہنے حصّہ پر جہاں ابی کے لئے کمندی سیڑھیوں کا انتظام کیا گیا تھا اب وہاں بیسیوں سیڑھیاں لٹک رہی تھیں اور مسلمان چیونٹیوں کی طرح بسرعت چڑھے چلے جا رہے تھے۔ شہر پناہ کا یہ حصّہ تا حال تاریکی میں گم تھا۔ اس صورتِ حال کی رونمائی کا سہرا کلی طور پر ایک سیاہ پوش کے سر تھا۔ ابی کے لئے فصیل پر جن لوگوں کو متعین کیا گیا تھا۔ وہ سیاہ پوش کے خاص آدمی تھے۔ انہوں نے موقعہ پاتے ہی بیسیوں کمندی سیڑھیاں نیچے پھینک دی تھیں۔ گو مسلمانوں کا اس کثیر تعداد میں شہر کے اندر پہنچنا راز نہیں رہ سکا تھا۔ اور اندر کے بہت سے عیسائیوں نے انہیں شہر پناہ سے اُتر کر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ مگر ان میں سے ایک بھی یہ اطلاع دروازے پر پہنچانے کے لئے زندہ نہیں چھوڑا گیا۔ دروازے پر مصروفِ پیکار عیسائیوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم عین اس وقت ہوا جب کہ وہ ان کی پشت پر پہنچ گئے۔ نعرۂ تکبیر کے غلغلوں میں جونہی مسلمانوں نے پشت سے حملہ کیا اور عیسائی اپنے بچاؤ کے لئے بدحواس ہو کر اس طرف پلٹے۔ دروازے پر لڑنے والے برائے نام مجاہدین بھی ایک ہی جست میں اندر پہنچ گئے۔

اس شاندار کامیابی کے برعکس۔ اسلامی فوج کا وہ حصّہ جو باہر پہنچی ہوئی بکثرت عیسائی

فوج سے نبرد آزما تھا۔ عیسائیوں کے تابڑ توڑ حملوں سے اس درجہ مغلوب ہو چکا تھا کہ ہتھیار ڈال دینا چند گھڑی کی بات نظر آنے لگی تھی۔ میدانِ جنگ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ اور ان میں بیشتر تعداد مجاہدین کی تھی۔ عیسائی فتح و نصرت کے نشہ سے چور۔ بچے کھچے مسلمانوں پر آخری فیصلہ کن حملہ کے لئے تیار ہو رہے ہی تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نڈھال و زار مسلمانوں کی دستگیری کی۔ دروازے کی طرف سے عیسائیوں کا ایک غول بے تحاشہ دوڑتا ہوا یہاں پہنچا۔ اور مسلمانوں کے شہر میں داخل ہو جانے کی اطلاع دی۔ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی عیسائیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ دوسرے لمحے عیسائیوں کی تمام تر فوج پھاٹک کی طرف دوڑ رہی تھی۔ عیسائیوں کے پلٹتے ہی ابنِ عمار شکستہ حال مجاہدوں کو لے کر اسلامی لشکر کے اصطبل میں پہنچا۔ جو یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ قنانہ کی راہ لی۔ اندر باہر کی عیسائی فوج پھاٹک کے قریب پہنچی ہی تھی کہ سیاہ پوش نے جو دروازے کے اندرونی حصّہ میں کھڑا باہر کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ چند مسلمانوں کی مدد سے ایک دم آگے بڑھ کر پھاٹک بند کر دیا۔ مگر اس آپا دھاپی میں سیاہ پوش کے لبادہ کا بالائی حصّہ ایک مسلمان کے ہاتھ سے اُلجھ کر دور جا پڑا ——— اور ہارے ——— جو سب سے آگے تھا۔ یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا کہ یہ پُر اسرار شخص اسماعیل تھا ——— اسماعیل! جسے عیسائیوں کا اندھا اعتماد حاصل تھا۔ اور یہ منظر صرف ہارے کی ہی دو آنکھوں نے نہیں۔ بلکہ سینکڑوں عیسائی آنکھوں نے دیکھا۔ اور پھر یہ پھٹی پھٹی آنکھیں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔

اور جب یہی اسماعیل یہاں سے چل کر احمد کے قریب پہنچا۔ تو عنبر تھا۔ اسلامی لشکر کا مشہور و معروف جاسوس عنبر۔ احمد اور عنبر ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ موقعہ بات چیت کا نہ تھا۔ اب اسلامی لشکر کی ذمہ داریاں انتہائی نازک دور میں آ پہنچی تھیں۔ ایک طرف: شہر میں عیسائیوں کی بقیہ فوج کا سر کچلنا تھا۔ دوسری طرف باغی شہریوں کی روک

تھام رکھی تھی۔ تیسری طرف شہر کا تحفظ تھا۔ چوتھے باہر کے عیسائیوں کی کڑی نگہداشت تھی۔ جو ہر قیمت پر شہر میں داخل ہونے کے لئے بے قرار تھے۔ ابھی احمد ان ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ نہ ہو سکا تھا کہ سپیدۂ سحر ایک عظیم الشان انقلاب کا پیامی بن کر رونما ہوا۔

دو ہزار عیسائی فوج جو شہر کے اندر موجود تھی۔ دو اڑھائی گھنٹہ کی فداکارانہ جنگ کے بعد بالآخر ہتھیار ڈال کر طالب امان ہو گئی —— یہ مرحلہ صبح صادق سے قبل ہی طے پا چکا تھا۔ شہر پناہ کی چاروں دیواروں پر چار عارضی مورچے شہر میں داخل ہوتے ہی قائم کر دیئے گئے تھے۔ صدر دروازے کے مورچے پر احمد بہ نفسِ نفیس موجود رہا تھا جو صبح ہونے تک آتش بار اور سنگ بار کلوں کے بیرونی حملوں کی جوابی کارروائی میں مصروف رہا۔

شہر کی عیسائی فوج کو قابو میں کرنے کے بعد۔ مسلمانوں کا تیر انداز دستہ صدر دروازے پر آ لگا۔ اور تیروں کے وہ زوردار بادل برسائے کہ عیسائی پانچ کلوں میں سے صرف دو کو بمشکل پیچھے لے جا سکے۔

ان حالات کے پیش نظر۔

آج کا سورج یقیناً اسلامی ستارۂ اقبال کے روپ میں طلوع ہو رہا تھا۔ جوں جوں بلند ہوتا گیا۔ حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔

رات بھر مصروفِ جنگ رہنے۔ اور صبح کو بروقت کھانا نہ ملنے کے باوجود۔ ہر مسلمان اپنی جگہ شگفتہ نظر آ رہا تھا۔ گو فی الوقت یہ امر تصفیہ طلب تھا کہ شہر پناہ سے باہر اپنا سب کچھ لٹا کر۔ اور اپنی فوج کا ایک وافر حصہ درجۂ شہادت تک پہنچا کر۔ ان کا جراجہ شہر پر قبضہ کر لینا۔ اور قبضہ بھی غیر یقینی۔ ان کے حق میں سودمند رہا ہے۔ یا نقصان دہ۔

شہر جراجہ کو مضبوطی کے ساتھ گرفت میں لینے کے بعد۔ جب اسلامی پرچم کو شہر کے اہم مقامات اور صدر دروازے پر نصب کیا گیا تو عیسائیوں کے سینوں پر سانپ سے لہرانے لگے۔

احمد لَشان اور متعدد چھوٹے بڑے زخموں سے نڈھال و نزار۔ اپنے خصوصی جاں نثاروں کے ہمراہ شاہی محل کے احاطہ میں داخل ہوا۔ یہ محل تھوڑی دیر قبل ہارلے کے خاندان سے خالی کرایا گیا تھا۔ خیال تھا کہ احمد اس میں قیام کرنا پسند کرے گا۔ لیکن ——

"محل کو اس کے تمام تر مال و متاع کے ساتھ مقفل کر دو۔" احمد نے حکم دیا۔ "اور" —— اس نے انگلی سے محل کے باغیچہ کے عین وسط کی نشان دہی کی۔ "وہاں ہمارے لئے ایک معمولی خیمہ کا قیام کافی ہوگا۔ فی الحال ہم اسی میں قیام کریں گے۔"

"میں یہاں کافی عرصہ رہا ہوں۔" عنبر نے آگے بڑھ کر درخواست کی۔ "اس مکان میں ——" اس نے صہبا کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر جناب محل میں قیام مناسب نہیں فرماتے۔ تو وہ حاضر ہے۔ خیمہ کی نسبت وہاں زیادہ آرام مل سکے گا۔"

"تمہارے لئے شاہی محل سے اس قدر قریب رہائش کا بندوبست کیونکر ممکن ہوگیا؟" احمد نے تعجب سے پوچھا۔

"اس قربِ خاص کی سعادت خلیل کو حاصل ہوئی تھی۔ انہیں کے طفیل مجھے بھی یہاں قیام کا موقعہ مل گیا۔"

"بہت خوب۔" احمد اختتامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے انور کی طرف متوجہ ہوا۔ جو پورے اسلامی لشکر میں پانچویں درجہ کا افسر تھا۔ اور اس وقت دوسرے درجہ کا۔

"ہاں —— تو تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ ابنِ عمار کو اپنے ساتھیوں سمیت فرار کا موقعہ مل گیا تھا۔ نیز گرفتار شدگان کی تعداد فرار ہوجانے والوں سے زیادہ نہیں ہے؟"

"جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں۔ آپ کے ساتھ شہر میں داخل ہوتے ہی میرا پہلا حملہ دروازے کے بالائی مورچے پر ہوا تھا۔ اور یہاں دشمن کو شکست دینے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ جدید دروازہ بند ہونے سے قبل ہی ہم مورچہ پر قابو پا چکے تھے۔ اچانک شور و غوغے نے ہماری

توجہ بیرونی میدان کی طرف پھیر دی۔ دشمن کو دروازے پر مسلمانوں کے قبضہ کا علم ہو گیا تھا۔ وہ تمام کے تمام بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ اور ٹھیک اس موقعہ پر میں نے دیکھا کہ وہ مسلمان جو عیسائیوں کے نرغے میں تھے۔ ایک دم پلٹ کر قلعہ قنا تہ کی راہ پر ہو لئے۔ دروازے کی طرف دوڑتے ہوئے عیسائیوں کے پچھلے حصّہ نے مسلمانوں کو فرار ہوتے دیکھ لیا اور پلٹ کر ان کے پیچھے دوڑ پڑے۔ میرا خیال ہے کہ وہ دو ڈھائی کوس سے اِدھر مسلمانوں کو نہ پا سکے ہوں گے۔ پھر تعاقب کرنے والوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ یہ لوگ نصف مسلمانوں کا حملہ بھی سہارنے کے قابل نہ تھے۔ اس کے بعد میں اپنے نائبین میں سے ایک کو بالائی مورچہ پر چھوڑ کر آپ کے ہمراہیوں سے آملا۔ اور اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ تعاقب کرنے والے عیسائی لوٹ چکے ہیں۔ یا نہیں۔"

"اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے۔ دشمن کی طاقت کا ہماری نسبت ان پر زیادہ دباؤ تھا۔"

"آمین!" حاضرین میں عنبر کی آواز نمایاں محسوس کی گئی۔

اس کے بعد احمد مع ساتھیوں کے آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ پہنچا۔ جہاں کچھ فوجی احمد کے لئے خیمہ نصب کرنے میں انتہائی مستعدی کے ساتھ مصروف تھے۔

اس وقت پورے شہر میں اسلامی سپاہ کا جال بچھا ہوا تھا۔ جن کا رابطہ احمد سے اس قدر تیز تھا کہ دم بدم کی خبریں اس کے پاس پہنچ رہی تھیں۔ برق باد سوار آتے اور جملہ حالات سے مطلع کر کے لوٹ جاتے۔

احمد کو بیحد مصروف اور اپنی موجودگی کو غیر ضروری پا کر عنبر نے درخواست کی۔

"خادم کچھ دیر کی مہلت کا خواستگار ہے۔ بشرطیکہ ——"

"کہاں کا ارادہ ہے؟" احمد نے بات کی تہہ کو پہنچ کر دریافت کیا۔

"اپنے پرانے مسکن کا۔" عنبر نے دوبارہ خلیل مرحوم کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"عصر کی نماز کے بعد ایک خاص مسئلہ میں آپ کی ضرورت پڑے گی۔ یہیں۔" احمد نے بسرعت

استادہ ہوتے ہوئے خیمہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

عنبر نے جھک کر تعظیم دی۔ اور ڈگمگاتے قدموں سے صہبا کے مکان کی طرف ہو لیا۔ صہبا کے ملازمین جو دروازے کے باہر کھڑے محل کی انقلابی ہواؤں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اچانک عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ حسام کھوئے کھوئے سے انداز میں عنبر کو گھورتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اور پھر فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر عنبر سے لپٹ گیا۔ اس گھر کے ملازمین جس کس مپرسی اور خوف و ہراس کے عالم میں بسر اوقات کر رہے تھے۔ ان میں عنبر جیسے ہمدرد آقا کا مل جانا ایک ایسی خوشی تھی۔ جس کے اظہار سے ان کی زبانیں قاصر تھیں۔ ضروری پرسش احوال کے بعد عنبر نے۔ جو تمام رات کی بیداری اور دوڑ دھوپ کے علاوہ متعدد سوالیہ امور کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ مشفقانہ لہجہ میں کہا۔

"صہبا اور ان کی والدہ خیریت سے ہیں۔ تم بھی خیریت سے رہو گے۔ دیگر حالات کسی مناسب وقت پر — میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کم از کم ظہر کی نماز تک —"

"ضرور ضرور!" حسام نے کہا۔ "تم جا کر چھوٹے حضور کا کمرہ درست کر دو۔ جلدی — بہت جلدی۔" اس نے دوسرے خادم کو تاکید کی۔

اپنے خصوصی کمرے میں پہنچ کر عنبر نے یہاں کے در و دیوار پر ایک صبر آزما نظر ڈالنے کے بعد خود کو مسہری پر گرا دیا۔ اس وقت اس میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ ہاتھ منہ دھوتا۔ یا کم از کم ان کپڑوں کو اتار دیتا جو گرد و غبار اور خون کے دھبوں سے طبیعت پر مکروہ بوجھ بنے ہوئے تھے۔ مسہری پر دراز ہوتے ہی صہبا کا مسئلہ۔ جو اسلامی پڑاؤ پر عیسائی قبضہ کے بعد سے اس کے ذہن کو ماؤف کئے ہوئے تھا۔ پوری شدت کے ساتھ دل و دماغ پر ٹوٹ پڑا۔

"حالات انتہائی نازک ہو چکے ہیں — انتہائی نازک — اسماعیل عنبر کے روپ میں پہچانا جا چکا ہے۔ اور اب صہبا کی حیثیت۔ عنبر کے ایک ساتھی کی ہے۔ اپنی صہبا کے نظریات سے

واقف ہے۔ وہ صہبا کی عیسائی دشمنی کے لئے اب اسے معاف نہیں کرے گی۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ اوہ میرے خدا!" جیسے اس کی کائنات میں زلزلہ آگیا۔ اسے ہارلے یاد آگیا تھا ۔۔۔ عورتوں کا دیوانہ ۔۔۔ حسن کا ڈاکو ۔۔۔ حرص وہوس اور جذباتِ خبیثہ کا غلام! صہبا کا معاملہ رحم وکرم پر بھی پڑا۔ تو ایسے بدکردار شخص کے۔ جسے شیطانیت کے تصوّر سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا ۔۔۔ کیا ہوگا اب ۔۔۔ "لیکن ۔۔۔" اس مرحلہ پر اسے بے اختیار احمد کی بدلی ہوئی نگاہوں کا خیال آگیا۔ گو ہنگامی حالات کے سبب اب تک اطمینان سے بات چیت کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ مگر عنبر کی نگاہ جو لوگوں کی صورتوں سے دل کا حال پڑھنے کی عادی تھی۔ احمد کی بدظنی کو تاڑ گئی تھی اس لئے اس جنگ میں اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ اور جس حیرت انگیز صورت حال میں مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار کرایا تھا۔ وہ یقیناً اس درجہ غیر اہم اور بے معنی نہ تھا کہ احمد ایک ناخوشگوار حادثہ کی طرح اس کے ذکر سے گریز کرتا۔

اس نے اپنے سابقہ طرزِ عمل پر نگاہ ڈالنے کے لئے حافظہ کو حرکت دینا چاہی۔ لیکن اس وقت وہ اس کا ساتھ دینے سے معذور تھا۔ اس کے مقابلہ میں اس وقت اسے وہ تمام باتیں یاد آتی چلی جارہی تھیں جو اس نے ہارلے کی عیّارانہ زندگی کے بارے میں دوسروں سے سنی تھیں۔ اسے یاد آرہا تھا کہ کس طرح اس نے ایتھنز کی ایک بیاہتا حسینہ کو ایک مذہبی میلہ میں دیکھا۔ اور پھر ایک رات سینکڑوں خطروں کو مول لے کر اس کی خوابگاہ میں پہنچا۔ اور انتہائی سنگدلانہ طریق پر اسے رسیّوں سے جکڑ کر اپنے شبستان میں لے آیا ۔۔۔ اور جب ۔۔۔ اس حسینہ نے اپنی عصمت کے تحفظ کی خاطر ہیرا نگل کر جان دیدی۔ تو اپنی اس شکست کا انتقام اس کی مردہ عصمت سے لیا گیا ۔۔۔ کتنا بدخصلت ۔۔۔ کتنا کمینہ ۔۔۔

"صہبا کو فوری اعانت کی ضرورت ہے۔ اگر آج رات۔ ہاں صرف آج ہی کی رات اسے وہاں سے نہ نکالا گیا۔ تو کل ۔۔۔"

معاً اسے یوں معلوم ہوا گویا اس کی کنپٹیوں پر ہتھوڑے بجنے لگے ہیں۔ اس کا سر منوں وزنی ہوگیا ہے۔ اس کی روح قفسِ عنصری سے سر پٹکنے لگی ہے۔

یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر ــــ

کچھ ایسی ہی کیفیت احمد کی بھی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ ہار آیے کی اوباشیوں سے پوری طرح واقف نہ تھا۔ اسے اگر اندیشہ تھا تو صرف یہ کہ کہیں یہ جدائی۔ کسی حادثہ کا شکار ہوکر۔ دائمی جدائی کی صورت اختیار نہ کرلے۔ نیز عنبر اور صہبا۔ جو کافی عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں۔ کہیں ایک دوسرے سے دلی تعلق نہ رکھتے ہوں۔ رات کی جنگ نے جو حیرت انگیز کروٹ لی تھی۔ وہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ اس معرکہ کا انجام ۲ دو ہی صورتوں میں ظاہر ہوسکتا تھا۔ طرفین میں سے کسی ایک کی ہار۔ یا۔ جیت۔ لیکن ہوا یہ کہ نہ کسی کو فتح حاصل ہوئی نہ شکست۔ مسلمان عیسائیوں کی حیثیت میں آگئے۔ اور عیسائی مسلمانوں کی۔ اگر اس صورت حال کا ایک فیصد بھی امکان ہوتا تو وہ صہبا کو اس مخدوش حالت میں ہرگز نہ چھوڑتا۔

صہبا کے ساتھ احمد کی فزوں تر محبّت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج جبکہ نئے حالات نے اس کے ذہن وفکر کے لئے بیسیوں پیچیدہ اور فوری غور طلب مسائل اکٹھے کردیئے تھے، اسے اپنی فوجی ذمہ داریوں کی نسبت صہبا کا زیادہ خیال تھا۔ اگرچہ اس کی یہ روش یقیناً اسلامی مفاد کے منافی تھی۔ لیکن اس کے لئے وہ بالکل بے قصور تھا۔ صبح سے اب تک اس نے کئی بار بدلتے وقت کے تقاضوں پر غور کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور ہر بار صہبا کا مسئلہ یوں حائل ہوگیا تھا جیسے کسی پیاسے مسافر کو کہیں دور پانی کا کوئی چشمہ نظر آجائے اور وہ بے اختیار اس کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی یہ کمزوری ان مسلمانوں کے ساتھ زبردست بے انصافی ہے۔ جو اس کی ذات سے پُرخلوص اور دیانتدارانہ اصولِ کار کے متوقع ہیں ــــ جو اپنے پیارے وطن اور عزیز و اقارب سے سینکڑوں کوس دور اس امید پر آئے ہیں کہ اللہ کی

خوشنودی حاصل کریں۔ چنانچہ احمد نے اپنی اس کمزوری پر ہزار بار لعنت و ملامت کی۔ نیز اپنی
تمام تر توجہات کو اپنے حالات سازگار بنانے پر صرف کرنا چاہا۔ لیکن ناکامی اور جھنجلاہٹ
کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ دراصل یہ کمزوری۔ اس کی اپنی کمزوری نہ تھی۔ جو اس کی کوششوں
سے دور ہو سکتی۔ یہ اس کی روح کے لئے قدرت کا حسین ترین تحفہ تھا۔ جو اس موقعہ پر تقاضہ
تحفظ بن کر اس کی کائنات پر چھا گیا تھا۔

آخر کار زچ ہو کر اپنی عادت کے مطابق وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گڑگڑانے لگا۔

"اے قادرِ مطلق! اے دلوں کا حال جاننے والے۔ میرے لڑکھڑاتے ہوئے
شعور کو سہارا دے۔ مجھے اسی راہ پر گامزن رکھ۔ جو تیری پسندیدہ ہے۔
مجھے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرما۔ دنیاوی طلسم سازیاں
میرے فرائض پر بھاری پڑ رہی ہیں۔ مجھے باطل سے محفوظ رکھ۔ مجھے عقلِ سلیم
سے فیضیاب کر۔ کہ میں پوری پوری دانائی اور تندہی کے ساتھ اسلام کی خدمت
کرسکوں۔ مجھے ان علائق سے پاک رکھ۔ جو اسلامی وقار کے منافی ہوں۔
اے پاک پروردگار! میری رہنمائی کر۔ مجھے صحیح راستہ دکھا۔"

اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پریشان خیالیوں کا آئینہ دار چہرہ۔
سکون و قرار کا حامل بنتا چلا گیا۔ اس کے اعصاب جو نفسیاتی جنگ سے لوہے کے تاروں کی
طرح ہو گئے تھے۔ ڈھیلے پڑنے لگے۔ جسم کی اکڑن ختم ہونے لگی۔ وہ بڑی دیر تک اسی عالم
میں پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آپہنچا۔ اذان سن کر وہ بستر سے اٹھا۔ وضو کیا۔ اور نماز
باجماعت ادا کرنے کے لئے خیمہ سے باہر نکل گیا۔

اس مختصر سے وقفہ میں باہر کا نقشہ یکسر بدل چکا تھا۔ احاطہ کی دیوار سے متصل سپاہیوں
کے سینکڑوں خیمے نصب ہو چکے تھے۔ ہر خیمہ پر عیسائی فوج کا امتیازی نشان + نمایاں طور پر

نظر آ رہا تھا۔ عیسائی بیت المال کے اس اثاثہ کو دیکھ کر احمد کے چہرہ پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عیسائی لشکر کے مہمان ہوں۔ محل کے سامنے کا حصّہ۔ جو اس وقت خیموں کے حصار میں آیا ہوا تھا۔ ضروری صفائی کے بعد مجلسی ضروریات کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا۔ مجاہدین نماز کے لئے یہیں جمع ہو رہے تھے۔ ہر طرف گہما گہمی کا عالم تھا۔ رات بھر کے جاگے اور تھکے ہارے مسلمان اب صبح کی طرح نڈھال و مضمحل نہ تھے۔ کھانا لینے کے بعد تھوڑی دیر کے آرام نے انہیں پھر سے منور کر دیا تھا۔ اب ان کے چہروں پر خستگی کی بجائے ایک دلچسپ ساتجسس نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ کا یہ پہلو بالکل ہی خلاف امید ظہور میں آیا ہے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ اس عجیب و غریب کایا پلٹ کے بارے میں ان کے قائد کا کیا خیال ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے اگلے اقدام سے باخبر ہونے کے لئے بھی خاصے مضطرب تھے۔ وہ متوقع تھے کہ نماز کے بعد احمد انہیں وہ سب کچھ بتا دے گا۔ جو ہونے والا ہے۔

گو مستقبل کی رونمائی کے لئے اس وقت تک احمد کے دل و دماغ میں کوئی خاص چیز موجود نہ تھی۔ لیکن "اجتماعی خواہش" کے پیشِ نظر اس نے ضروری سمجھا کہ اگر وہ کسی فیصلہ کُن اقدام پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔ تو کم از کم مجاہدین کو مطمئن کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ چنانچہ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ مجاہدین کے درمیان کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کیا۔

سرفروشانِ اسلام

میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مستقبل کی نشان دہی کے لئے انتہائی مضطرب ہیں۔ نیز جاننا چاہتے ہیں کہ یہ سودا۔ جو رات کی جنگ کے بعد ہمارے حصّہ میں آیا ہے۔ مجموعی طور پر سود مند رہا ہے۔ یا نقصان دہ۔ اور اس کی عمر کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے۔ کہ میری طرف سے ان امور پر روشنی ڈالی

جائے۔ اور حقائق کا کوئی پہلو آپ کے لئے دل شکن ثابت ہو۔ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم وہی کچھ جانتے ہیں۔ جو ہماری جدوجہد کے نتیجہ میں رونما ہوا ہے۔ اور رونما ہو سکتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ جس چیز کو ہم نے اپنی بدقسمتی پر محمول کیا ہے۔ وہی چیز آگے چل کر ہمارے عروج و اقبال کا باعث بنی ہے۔ اور جسے آج ہم نے اپنی خوش قسمتی کا پیامی سمجھا ہے۔ کل اس نے ہمیں قعرِ مذلّت میں دھکیل دیا ہے۔

اس یاد دہانی کے بعد۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ سودا باعتبار مالِ غنیمت ہمیں بہت گراں پڑا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں نفع بخش ثابت ہو سکتا ہے جب کہ اس شہر پر ہمیشہ کے لئے ہمارا قبضہ ہو جائے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ عیسائیوں کے محاصرہ کی وجہ سے ہم بیرونی وسائل سے مطلق محروم ہیں۔ نیز جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ باہر عیسائیوں کے اسلحہ جات کا بیشتر حصہ ہمارے قبضہ میں آچکا تھا۔ مگر آج ہم اس اسلحہ کے علاوہ اپنے سازوسامان سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق شہر میں سامانِ خورد و نوش کے بہت بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں۔ عسکری ضروریات کی دیگر چھوٹی موٹی چیزیں بھی کافی مقدار میں دستیاب ہوئی ہیں۔ لیکن وہ سامان جو جنگ کے لئے ازبس ضروری ہے۔ بالکل نہیں ملا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں۔ جو علی الاعلان نہیں کہی جاسکتیں۔ ہماری فوجی طاقت جو والد صاحب کے قلعہ قنانہ کی جانب کوچ کر لینے سے آدھی رہ گئی تھی۔ اب ابنِ عمار اور اس کے دستہ سے محروم ہونے پر اور بھی کم ہو گئی ہے۔

ہمارے لئے ایک طرف اہالیانِ شہر ہیں۔ جن پر ایک لمحہ کے لئے بھی بھروسہ نہیں

گیا جا سکتا۔ اور دوسری طرف بیرونی محاصرین ہیں۔ جو نہ صرف تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ بلکہ ان کے پاس لڑائی جاری رکھنے کے لئے سامانِ جنگ بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔

اُدھر والد صاحب قلعۂ قتانہ کے گرد گھیرا ڈال چکے ہیں۔ وہاں کے عیسائیوں نے جنگ کی نسبت اپنے لئے قلعہ بند ہو جانا زیادہ بہتر سمجھا ہے۔ وجہ ظاہر ہے حکومتِ بیزنطی کا لشکر عنقریب وہاں پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ عجب نہیں۔ کہ جو حالت اس وقت ہماری ہے یہی وہاں کے مجاہدین کی ہو۔

قلعۂ قتانہ کی جنگ میں ہماری فوج کو عیسائیوں کی بے پناہ قوت سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ بیزنطی فوج پندرہ بیس ہزار سے کیا کم ہو گی۔ علاوہ ازیں اس سے زیادہ فوج وہاں پہلے سے موجود ہے۔ ان کے مقابلہ پر مسلمانوں کی تعداد صفر کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حفیظ و حامی ہو۔ آمین۔

تو یہ ہیں وہ حالات جنھیں ہم جانتے ہیں۔ اور حسب توفیق قیاس آرائیاں بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے اس نازک مقام پر ہمارے لئے کیا سوچا ہے۔ کیا سوچا ہے اپنے ان بندوں کے لئے جو اس کی آواز کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کے لئے اپنے گھروں سے دور۔ اجنبی زمینوں کا پیوند بننا باعثِ سعادت تصور کرتے ہیں۔

باعثِ سعادت تصور کرتے —— شمعِ توحید پر جل مرنے کو۔

اور سنیئے۔

میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے خصوصی التفات سے مایوس نہیں کرے گا۔ اور —— اور اس نے ہمارے حق میں کچھ بہتر ہی سوچا ہے۔ میرے

یہ الفاظ آپ کی ڈھارس کے لئے نہیں ہیں۔ نہ ہی میرا کام آپ کو خوش فہمیوں میں مبتلا کرنا ہے۔ اس کا ثبوت آپ کو میرے اس تبصرہ سے مل سکتا ہے۔ جو حالیہ حالات پر ابھی ابھی کیا گیا ہے۔ حقائق اپنی جگہ ہیں۔ اور ایمان و اعتقاد اپنی جگہ۔ وہ حقائق تھے۔ اور یہ میرا ایمان و اعتقاد ہے۔ کہ بالآخر۔ ہمارے لئے کچھ بہتر ہی رونما ہوگا۔ اور اگر ہم اپنی اصلیت کا حق پسندانہ جائزہ لیں۔ تو ہمیں معلوم ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری بساط سے کہیں زیادہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر چکا ہے۔ کیا ہم اس وقت کو بھول سکتے ہیں جب کہ سرزمینِ سسلی باغیوں کی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ اور ہمارے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ ہم سسلی میں قدم نہ جما سکیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ ہم نے نہ صرف سسلی پر مرکزی حکومت کا قیام ممکن کیا۔ بلکہ سسلی کو کلّی طور پر باغیوں سے پاک بھی کر دیا۔ اس کے بعد۔ میں آپ سے دریافت کروں گا کہ آپ نے اٹلی کے اس دروازہ پر کتنی تعداد میں اور کس قدر سازو سامان کے ساتھ قدم رکھا تھا۔ اور آپ کے مقابلہ میں آپ کے دشمن کی جنگی تیاریاں کس قدر امید افزا اور طویل المیعاد تھیں۔ نیز وہ کس کثرت کے ساتھ میدانِ جنگ میں اترے تھے۔ اور پھر آپ نے جلد ہی دیکھ لیا کہ کس طرح ان کا وہ تمام سامانِ جنگ جو ان کی عرصہ دراز کی قومی محنت کا نتیجہ تھا۔ ان کی قسمت سے کٹ کر ہمارے حصّہ میں آگیا۔ اور میدانِ جنگ کس قدر حیرت انگیز طور پر ہمارے حق میں سازگار رہا۔ دشمن کی سوا لاکھ فوج کس طرح از خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اپنی طاقت گنوا بیٹھی۔ اور ہزیمت خوردگی سے داغ دار ہو کر کس طرح بھیڑ بکریوں کی طرح جس طرف سینگ سمائے۔ بھاگ کھڑی ہوئی۔

اور آ گئے آئیے

دشمن ہم پر شب خون مارنے کا منصوبہ بناتا ہے۔ مگر عین موقعہ پر ہمیں اس سازش کا علم ہو جاتا ہے۔ اور دشمن کی بساطِ تدبیر ایک دم اُلٹ جاتی ہے۔ ہمارا نصب العین شہر جراجہ پر قبضہ کرنا تھا۔ ہمارا یہ نصب العین پورا ہو گیا۔ اور اس وقت میں اندرونِ شہر۔ حاکم جراجہ کے محل میں کھڑا ہو کر بول رہا ہوں۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ میرا یہ یقین ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کچھ بہتر ہی کرے گا۔ کہاں تک نامناسب ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ صرف مسلمان ہی ہیں۔ جن کی مہمات میں قدرت کی طرف سے کامیابی کے اس قدر واضح اور معجزانہ اشارے ملتے ہیں۔ لہٰذا اگر وقتی طور پر ہم اپنے حالات کو سازگار نہیں پا رہے ہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ واقعی طور پر یہ سازگار نہ ہوں — اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی ہماری بھلائی مضمر کر رکھی ہو۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم خود کو اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے الگ تصوّر کر کے۔ پریشان ہونا شروع کر دیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ ہمیں اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر کے۔ ایک نئی جدوجہد کے لئے تازہ دم ہو جانا چاہیئے۔ ابن عمار اپنے دستہ کے ساتھ قلعہ قتانہ کی طرف گیا ہے ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ یہاں کے رو بہ تغیّر حالات والد صاحب تک پہنچ چکے ہیں۔ اور اب ہمارے علاوہ کوئی اور بھی ہماری بابت سوچ رہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو گا ۔ والد صاحب بہر قیمت ہماری طرف توجہ فرمائیں گے۔ اور اگر بیزنطی لشکر اب تک قلعہ قتانہ کی طرف نہیں پہنچ سکا ہے۔ تو کوئی عجب نہیں کہ وہ قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر اس طرف کوچ کر دیں۔

فی الوقت میرے پاس یہی کچھ تھا۔ جو عرض کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاید اب اس وقت تک۔

آپ سے خطاب ممکن نہ ہو سکے جب تک کہ کوئی خاص ضرورت در پیش نہ ہو۔

خدا آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین!

تقریر کے خاتمہ پر نعرۂ تکبیر کے گرجدار آوازوں نے فضا میں سنسنی سی پیدا کر دی۔ جو شہر کی حدود سے پرے اسلامی پڑاؤ پر قابض عیسائیوں تک محسوس کی گئی۔

احمد اشقر کے ہمراہ یہاں سے اپنے خیمہ پر پہنچا۔ اب عصر کا وقت بھی بالکل قریب تھا۔ یعنی وہ وقت۔ جو اس نے عنبر سے باز پرس کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ایک بار وہ پھر اس دلدل میں پھنس گیا۔ جس سے بصد مشکل چھٹکارہ حاصل کیا تھا۔ اوّل مرحلہ سرد غوس اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا تھا۔ دوسرا۔ عنبر و صہبا کے اختلاط کا۔

"عنبر عرصہ تک خلیل کے پاس رہا ہے" اس نے سوچنا شروع کیا "صہبا خلیل کی بیٹی ہے ـــ صہبا ـــ نورِ مجسّم ـــ حسن فراواں ـــ اس کے مقابل عنبر ـــ شکیل و وجیہہ ـــ کیا یہ دونوں اتنی مدّت ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے غیر متاثر رہ سکتے ہیں ـــ صہبا اس زعم کے ساتھ اسلامی لشکر میں پہنچی ہے کہ وہ عنقریب اپنی بے گناہی کا اٹل ثبوت پیش کر کے بلرم روانہ ہو جائے گی" احمد نے صہبا کی بے گناہی کے ثبوت پر جس قدر غور کیا۔ عنبر کی ذات اس کے حافظہ پر اسی قدر اجاگر ہوتی چلی گئی۔ اس کی عقل صاد کرتی تھی کہ "عنبر و صہبا" ایک دوسرے کے تمنائی ہیں۔ مگر دل۔ جس میں اب صہبا ہی صہبا تھی۔ عقل کی بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

"بہر حال!" احمد نے فیصلہ کن روش اختیار کر لی۔ "مجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ حقیقت کیا ہے۔ لیکن ـــ" وہ پھر سوچ میں پڑ گیا ـــ "اگر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ صہبا سے منسلک ہے تو ایسی صورت میں عیسائی سربراہوں کے خود سرانہ قتل کی پرسش۔ میری طرف سے انتقامی کارروائی نہ بن جائے گی ـــ اوہ! یہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا" اس کے

اعصاب مضروب تاروں کی طرح جھنجھنا اُٹھے۔ "مجھے کیا ہونا چاہیئے۔ اور میں کیا ہوا جا رہا ہوں۔"

"احمد!" اس نے اپنے آپ کو متنبّہ کیا۔ "اگر تم اپنے دل پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ تو مسلمانوں کی قیادت سے بھی دستبردار ہو جاؤ۔ تم اس منصب پر۔ ان پراگندہ خیالیوں کے ساتھ قابض نہیں رہ سکتے۔ فیصلہ کر لو۔ ابھی۔ صہبا کو بھول جاؤ۔ یا اپنی جگہ کسی مناسب شخص کے لیے خالی کر دو۔"

اس مقام پر احمد کے جسم میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر بے چینی کے ساتھ خیمہ میں ٹہلنے لگا۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر۔"

عصر کی اذان نے اسے یوں چونکا دیا۔ جیسے کوئی انتہائی اہم وقت آ پہنچا ہو۔ وہ خیمہ سے باہر نکلا — با جماعت نماز پڑھی۔ اور پھر خیمہ میں لوٹ آیا — خاموش — کھویا کھویا۔ حواس باختہ۔

ابھی اسے خیمہ میں داخل ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ دربان نے اطلاع دی۔

"ایک شخص جو اپنا نام بتانے سے گریز کرتا ہے۔ شرفِ باریابی کا منتظر ہے۔"

"بھیجدو!" احمد نے غیر ارادی طور پر اجازت دے دی۔ اور اس کے فوراً بعد۔ زخموں سے نڈھال و زار عنبر حزینہ کیفیات کو اپنی کھوکھلی مسکراہٹوں سے جھٹلاتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"السلام علیک یا امیرِ لشکر!" اس نے جھک کر تعظیم دی۔

"وعلیکم السلام — آؤ — یہاں بیٹھو۔" احمد نے قریب کی نشست کا اشارہ کیا۔

"میں حفظِ مراتب کو پسِ پشت نہ ڈال سکوں گا جنابِ والا۔"

"تم بھول رہے ہو عنبر! ہم دونوں مسلمانوں کے خادم ہیں۔ اور بس۔ تاخیر نہ کرو۔ وقت قیمتی ہے۔"

عنبر کش مکش میں مبتلا۔ احمد کی تجویز کردہ نشست پر بیٹھ گیا۔

"مجھے تمہاری طرف سے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا۔" احمد نے انتہائی ہمدردانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "کہ تمہارا ایسا دلیر، صاحبِ ایثار اور حق گو مجاہد کسی غلط بیانی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں دیگر ذرائع کی نسبت براہ راست تم سے مخاطب ہو رہا ہوں۔"

"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں ہمیشہ سے اپنا انتہائی سخت محاسب رہا ہوں اور اگر میری یادداشت درست ہے۔ تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے فرائضِ منصبی پر دنیا کی کسی شے کو غالب نہیں آنے دیا ہے۔ اور نہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی ہے جس کی وجہ سے مجھے لغو گوئی کی لعنت گوارا کرنا پڑے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ آنجناب کو میری طرف سے وہ دریافت نہ ہو سکے۔ جو حق ہے۔"

"مرحبا!" احمد نے تعریف کی۔ "مبارک ہے وہ قوم جس میں تم ایسے نیک خو۔ اور بلند حوصلہ افراد موجود ہوں۔ پہلی بات جو ہم جاننا چاہتے ہیں۔ یہ ہے کہ خلیل۔ گلبرٹ۔ اور سردغوس کو کن حالات میں قتل کیا گیا۔ اور اس کی کیا وجوہ تھیں۔"

"یہ قتل میرے حکم پر۔ میرے عملے کے چار آدمیوں نے کئے تھے۔ جن کے نام ارقم۔ عبید عاصم اور زیدان ہیں۔ رہا یہ سوال کہ اس کی کیا وجوہ تھیں۔ تو میرے پاس اس کا صرف ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ میں بہرصورت اسلامی لشکر کو فتحیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنی ذات کو بھی۔ فی الوقت میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"جن جذبات کے تحت تم سے یہ جسارتیں سرزد ہوئیں۔ وہ یقیناً کسی حد تک قابلِ احترام ہیں۔ لیکن پیارے ساتھی۔ تم یہ کیوں بھول گئے۔ کہ تمہارے سر پر ایک امیرِ لشکر بھی ہے۔

اور اس کی اجازت حاصل کئے بغیر اس قدر خوفناک کھیل۔ ایک ایسی غیر ذمّہ داری ہے۔ جسے کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے ذاتی طور پر تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔ لیکن جہاں تک میرے بنیادی حقوق کا تعلق ہے۔ میں تمہیں ملزم قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس لمحہ کے بعد سے تم خود کو ایک ملزم خیال کرو۔"

"بہتر جنابِ والا! لیکن یہ ایسی ہی بات ہے کہ میں بقائمی ہوش و حواس کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاؤں۔" عنبر نے حسرتناک لہجہ میں کہا۔ "اور جب نماز پڑھ چکوں تو اچانک معلوم ہو کہ میرے سامنے مسجد کا محراب و ممبر نہیں۔ بلکہ کوئی بُت ہے۔ کیا میرے یہ سجدے اللہ کے تصوّر سے کٹ کر کسی بُت کے حصّہ میں آ سکتے ہیں ——— ہرگز نہیں۔"

"جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ ذاتی طور پر میں تمہارے اس اقدام کو تمہاری اسلام دوستی پر محمول سمجھتا ہوں۔ لیکن ضابطہ بھی کوئی چیز ہے ——— آج کل تمہارے یہ چاروں ساتھی کہاں ہیں۔"

"شب خون کے موقعہ پر عبید و زیدان عیسائیوں کے ساتھ باہر نکل چکے ہیں۔ ارقم اور عاصم شہر میں موجود ہیں۔ ارقم شہر کی ایک ایسی عورت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو ہارلے کی حرم سرا میں مشاطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہارلے کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہمیں اس عورت سے بڑے قیمتی راز ملنے کی امید تھی۔"

"اور ہاں ——" احمد نے معاملہ کی نوعیت کو غیر اہم قرار دیتے ہوئے یوں ظاہر کیا۔ جیسے یہ بات ایکا ایکی یاد آ گئی ہے ——" سر دغوس کی بیٹی کے پاس ایک مسلمان لڑکی دیکھی گئی تھی۔ جو خود کو باغی خلیل کی دختر بتاتی تھی۔ نیز اس بات کی بھی دعویدار تھی کہ وہ ہمیشہ اپنے باپ کی مخالف رہی ہے۔ اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ چند ہی روز میں اپنے اس دعوے کی صداقت کا تسلّی بخش ثبوت پیش کر دے گی۔ چونکہ تم خلیل کے پاس کافی عرصہ تک رہے ہو۔

اس لئے تم سے بہتر اس بارے میں اور کون جان سکتا ہے "۔

"جی عالی جناب! میں اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ جیسا کہ حضور کو علم ہے میں خلیل کے ہمراہ اس کے رفیقِ کار کی حیثیت سے رہا ہوں۔ اور صرف اسی جرم میں اس کی بیٹی کی نگاہوں میں خار کی مانند کھٹکتا رہا۔ وہ خلیفۂ افریقہ کو سسلی کی حکومت کا جائز وارث سمجھتی تھی۔ اور اپنے باپ کے بارے میں اس کا یہ خیال ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل نہیں ہوا کہ وہ نفسِ امارہ کا غلام ہے۔ اور اس کی باغیانہ جدوجہد "خود غرضانہ اقتدار" کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ بھی کہ اس کے باپ کی زندگی ایک مسلسل عذاب ہے۔ اور موت دہکتا ہوا جہنم — پھر ایک موقعہ پر جب کہ مجھے اس کی پختگی کردار کا پورا پورا یقین ہوگیا۔ تو میں نے اس حقیقت کی رونمائی میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا کہ اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کردوں۔ اس عقدہ کشائی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مجھے خلیل کی بساطِ بغاوت پر ایک کارآمد مہرہ مل رہا تھا۔ پھر بھی میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ میں اسلامی لشکر کا جاسوس ہوں۔ باپ کے قتل کے بعد وہ اپنے مستقبل کے لئے بڑی ہراساں تھی۔ لہذا مجھے یہ یقین دہانی کرانا پڑی کہ میں اسلامی امیرِ لشکر کی خوشنودی حاصل کرچکا ہوں۔ اور اس طرح مجھے یہ اعتماد حاصل ہوگیا ہے۔ کہ میں اس کی صفائی پیش کرسکوں۔ وہ اپنے بیان کی تصدیق کے لئے جس کا انتظار کررہی تھی۔ وہ یہی خاکسار ہے۔ مگر افسوس کہ حالیہ تبدیلیوں نے اس گوہرِ بے بہا کو ہم سے چھین کر دشمنوں کے حوالے کردیا۔ ایسے دشمنوں کے۔ جن کا سرغنہ اوّل درجہ کا عیّاش اور حرام کار ہے "۔

"کیا مطلب؟" احمد نے اپنی اضطرابی کیفیت کو چھپاتے ہوئے دریافت کیا۔

"میری مراد ہارلے سے ہے۔ جو اپنی ہوس پرستیوں کے لئے صرف جراجہ ہی نہیں۔ کلبریہ کا بدنام ترین شخص ہے۔ خدا اس بھیڑیے سے اس معصوم لڑکی کو محفوظ رکھے۔ مجھے مسلمانوں کا سچّا درد رکھنے والی اس لڑکی کا بڑا فکر ہے۔ کاش ہم اس کے لئے کچھ کرسکتے "۔

عنبر کے ان مکالموں نے احمد کو اس خطرے سے بالکل قریب کر دیا۔ جو وہ شدّت سے محسوس کر رہا تھا۔

"سچ یہ ہے۔" عنبر افسوس زدہ پیرایہ میں بولا۔ "کہ میں نے صہبا کی تعریف میں بڑے بخل سے کام لیا ہے۔ وہ اپنے شعائرِ اسلامی۔ صفاتِ ایمانی۔ علوِّ ہمتی۔ بلند اخلاقی اور مذہبی دیوانگی کی وجہ سے۔ ایک انتہائی قیمتی شے ہے۔ ایسی شے۔ جس پر قومیں فخر کرتی ہیں۔ کاش وہ دُرِّ نایاب۔ حبِ اسلامی سے دھڑکتا ہوا دل۔ ایک بار پھر ہمارے حصّہ میں آ جائے۔"

"اگر واقعی ایسا ہے ——"

"جی نہیں ——" عنبر نے کمال جرأت سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "واقعی ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کا میں نے اظہار کیا ہے۔"

"سوچا جائے گا —— اب تم جا سکتے ہو۔"

"شکریہ!"

سعیِ تلافی

ارغوانی شام تیزی کے ساتھ سیاہی کی طرف دوڑ رہی ہے۔ شہر کے سامنے کا اسلامی پڑاؤ۔ جس پر اب عیسائی قابض ہیں۔ اپنے پچھلے باشیوں پر ماتم کناں سا معلوم ہو رہا ہے۔ کل جہاں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ جہاں جُبّہ و دستار۔ اور ڈھیلی ڈھالی عربی پوشاکوں کے ساتھ مسلمان گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اب چست لباس رومیوں کی چہل پہل ہے۔ لوگ سپاہیانہ مستعدی کے ساتھ اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔

پڑاؤ کے عین وسط میں۔ ابنی کا خیمہ خصوصی سرگرمیوں کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ اس وقت یہاں وہ تمام عیسائی افسر موجود ہیں جو مسلمانوں کی قید میں تھے۔ یہ ان افسروں کا تیسرا اجلاس تھا۔ جو ابنی کی زیرِ صدارت ہو رہا تھا۔ صبح اور دوپہر کے اجلاس کی صدارت ہار کے۔ اور جوٹب نے کی تھی۔ اس اجتماع کا مقصد مسائلِ حاضرہ پر بحث و تمحیص کے علاوہ۔ اسماعیل کے ارتکابِ قتل و غداری کی خاطر خواہ چارہ جوئی تھا۔

اس ضمن میں رائے دہندگان نے بہت سے مشورے پیش کیے۔ ہر مشورہ پر کافی لے دے ہوئی۔ مگر کوئی خاص دستور العمل مرتب نہ ہو سکا۔

اکثریت کا تقاضہ تھا کہ پچھلا سب کچھ نظر انداز کر کے۔ مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مہلک دشمن بننے کی کوشش کی جائے۔ اور وہ تمام سنگین سازشیں جو مسلمانوں کے ایجنٹ اسماعیل

کی طرف سے رونما ہوئی ہیں۔ اس کا انتقام ایک فاتح کی حیثیت سے لیا جائے۔ یعنی جنگ۔ اور صرف جنگ۔

لیکن اینی کا فیصلہ تاحال محفوظ تھا۔ اور لوگ اس وقت کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب کہ جوب کی تقریر۔ جو اس وقت جاری تھی۔ ختم ہو۔ اور اس کے بعد اینی کی باری آئے۔ والیٔ کلبریہ کی اولوالعزم بیٹی کی حیثیت سے۔ اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ وہ شروع ہی سے صلیبی جنگ و سیاست کی حصہ دار تھی۔ اس کی رائے حرفِ آخر کا درجہ رکھتی تھی۔

اسی خیمہ کے ایک حصہ میں۔ جو کبھی صہبا کے لئے بطور مہمان مخصوص کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کے لئے قیدخانہ کا کام دے رہا تھا۔ صبح ہارلے کی تقریر سے جب اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ اسماعیل اسلامی فوج کا جاسوس تھا۔ اور رات کو شہر پر چڑھائی کے دوران وہ مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھا جا چکا ہے۔ تو غم و مسرّت کے مشترکہ حملوں نے اس پر دیوانگی سی طاری کر دی تھی۔ وہ انتہائی کوشش کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ اسماعیل۔ جو ایکا ایکی عنبر بن گیا ہے۔ اس کا دوست ہے یا دشمن۔ اس کی نگاہ میں اسماعیل کی وہ تمام تحریریں۔ وہ تمام کوششیں۔ اور وہ تمام خلوتیں گھومنے لگیں۔ جن کا واحد مقصد تھا۔ "مجھے تم سے محبّت ہے۔"

اسے یاد آنے لگا۔

"اگر اسلامی لشکر کی کامیابی ہی اسماعیل کی محبّت کا امتحان ہے۔ تو وہ دکھا دے گا کہ اسے صہبا سے کتنی محبّت ہے۔"

اور پھر ایک لرزہ خیز واقعہ رونما ہوا۔

خلیل۔ گلبرٹ۔ اور سر دغوس کا قتل۔

"کیا میرے باپ کی قربانی۔ میری ہی محبّت کی راہ میں دی گئی تھی؟"

"نہیں نہیں — وہ عنبر تھا۔ اسلامی لشکر کا جاسوس۔ جس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ اسلامی فوج کو

بہر قیمت فتح و نصرت سے ہمکنار کرانے کی کوشش کرے۔

اگر یہ سچ ہے —— اور یقیناً سچ ہے۔ تو اس نے مجھے جیتنے کے لئے کیا کیا —— کچھ بھی نہیں —— کچھ بھی تو نہیں —— کیا اس نے مجھے فریب دیا ہے؟ —— نہیں نہیں —— وہ فریبی نہیں ہو سکتا —— ہرگز نہیں ——

مسیحی شیرو!

صہبا کا سلسلۂ خیال ٹوٹ گیا۔ وہ ایک دم چونک کر دروازے سے متصل ہو گئی۔ یہ اپنی کی آواز تھی۔ اس ہستی کی آواز جس کی رائے سب پر مقدم تھی۔

میں جانتی ہوں کہ ہماری صحیح حیثیت جنگ کے بعد ہی ظاہر ہو گی۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ ہم اپنے طور پر ہی۔ اپنے ایک جائز مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں۔ دشمن کی طرف سے ہمارے ساتھ مکر و فریب اور عیاری و غداری کا جو بزدلانہ ڈرامہ کھیلا گیا ہے۔ وہ ایک باوقار جنگجو قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ ہمیں اس بات کا بالکل افسوس نہیں ہے کہ مسلمانوں کا ایک جاسوس ہماری صفوں میں شامل ہو کر ہمارے راز اسلامی لشکر پر منکشف کرتا رہا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس نے انتہائی بزدلانہ طریق پر ہمارے رہنماؤں کو قتل کیا۔ اور اس کے بعد عیسائی فوج کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کے لئے میدان صاف کر دیا۔ کیا یہ رکیک ترین حرکات مسلم قوم کے شایانِ شان ہو سکتی ہیں۔ ہمیں مسلمانوں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں ہے۔ ہم دو بہادر قوموں کی طرح سالہا سال سے برسرِ پیکار ہیں۔ اور وقت کے تیور صاف طور پر بتا رہے ہیں۔ کہ ہم آئندہ بھی جنگ آزما ہوتے رہیں گے۔ سابقہ لڑائیوں میں مکر و فریب۔ اور بزدلانہ دھوکہ دہی کے یہ ہتھیار کبھی استعمال نہیں

ہوئے ۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ کیا مسلمان اس قدر ذلیل اور کمینہ بن چکے ہیں ۔ کہ مطلب براری کے لیئے جائز و ناجائز کی تمیز بھی روا نہیں رکھ سکتے ۔ میری خواہش ہے کہ آج ہی اسلامی امیرِ لشکر کے لئے ایک مراسلہ تحریر ہو ۔ اور اس میں اس سوال کو خاص طور پر اُٹھایا جائے ۔ اس ضمن میں ہمیں ان کی طرف سے جو بھی جواب موصول ہوگا ۔ وہ اس تاریخی جنگ میں ایک اہم دستاویز کے مترادف ہوگا ۔ اس صورت میں بھی کہ وہ اس قسم کی عیاریوں کو جنگی ضروریات کا ایک جزو خیال کرتے ہیں ۔ اور اس صورت میں بھی کہ ان کا جنگی معیار ان برائیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ آخر الذکر جواب کے ساتھ ۔ سوال پیدا ہوتا ہے اس بدعت کی تلافی کا ۔ اور اس کے لیئے میں نے جو کچھ سوچا ہے ۔ وہ ہمارے جنگی وسائل کو بڑی تقویت دے گا ۔

ممکن ہے آپ میری اس تجویز کو دیوانگی خیال کریں ۔ لیکن میں نے مسلمانوں کی نفسیات کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے ۔ اور میں کسی بھی مقام پر یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ یہ رذیلانہ فعل اسلامی لشکر کے ذمّہ دار افراد کے ایما پر سرزد ہوا ہے ۔ مسلمان دنیاوی کامیابیوں کے لئے اپنے دین کی بازی ہرگز نہیں لگا سکتے ۔ ان کے دل میں اپنے خلیفاؤں کی نسبت خدا کا خوف زیادہ ہوتا ہے ۔ لہذا میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسے راست باز لوگ ۔ اتنے گمراہ کیونکر ہو گئے ۔ ممکن ہے یہ سب کچھ چند غیر ذمّہ دار افراد کی من مانی کا نتیجہ ہو ۔ بہر کیف ۔ اس سلسلہ میں سچ کو ہمارے سامنے آنا چاہیئے ۔ اور میں امید کرتی ہوں کہ مسلمانوں کا موجودہ سپہ سالار احمد ۔ انصاف سے دامن بچانے کی کوشش نہیں کرے گا ۔ اگر اس طرح ہمارے لئے بھلائی کا کوئی پہلو نکلتا ہے تو خیر ۔ ورنہ ہمارا اگلا قدم

وہی ہو گا۔ جو ہماری اکثریت کا مطالبہ ہے۔

میرے اس اظہارِ خیال پر رائے دہندگی سے قبل اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس طرح ہم اپنی روایات پر کسی بدنمائی کو گوارا نہیں کر سکتے۔ بالکل اسی طرح مسلمان بھی اس بدعت کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ ہر بہادر اور حکمران قوم کو اپنی روایات اسی طرح عزیز ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک بیٹے کو اپنا باپ۔

اور یہ بھی یاد رکھیئے کہ اگر مسلمان اپنی اس غلطی کی تلافی پر تیار ہو گئے تو ہم گھاٹے میں نہیں رہیں گے — وقت کم ہے۔ اور انتہائی بیش قیمت۔ لہذا میں اپنی تقریر ختم کرتی ہوں۔ اور اب آپ کو اجازت ہے کہ آپ پہلے میری اس تجویز کی موافقت میں۔ اور اس کے بعد مخالفت میں ہاتھ بلند کریں۔

اور پھر دیکھا گیا کہ جوب۔ ہارلے اور چند دیگر افسران کے علاوہ تمام ہاتھ بلند تھے۔ ہارلے۔ جوب۔ اور ان کے ماتحت چند افسران اس بات کے مخالف تھے کہ مسلمانوں کی غیرت کو جھنجھوڑ کر ان سے انصاف کی بھیک مانگی جائے۔ ان کے خیال میں مسلمانوں سے انصاف کی امید رکھنا ریت پر قلعہ تعمیر کرنے کے مترادف تھا۔ وہ حالیہ اوقات کا ایک لمحہ بھی کسی فضول بات پر صرف کرنے کے سخت مخالف تھے۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا — جنگ — اور جس قدر جلد ممکن ہو جنگ۔

ہارلے نے چاہا کہ وہ جوابی تقریر میں ایبی کی تجویز کو رَد کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن ایبی نے۔ جو اس اجلاس کی صدر بھی تھی۔ ہارلے کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

چند لائق و فائق عیسائیوں نے ایبی کی مدد سے مراسلہ لکھنا شروع کیا۔ مضمون کو موثر بنانے کے لئے یہ کام کافی دیر تک جاری رہا۔ جب مراسلہ تیار ہو گیا تو ایبی نے بلند آواز سے تمام حاضرین

کو سنایا۔ مراسلہ کا مضمون کافی زوردار تھا۔ حاضرین کی طرف سے چند معمولی سی تبدیلیوں کے بعد۔ اسے صاف کرنے کے لئے خوش نویس کو دے دیا گیا۔ اور اس مرحلہ پر یہ آخری اجلاس برخواست ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد خیمے میں اینی۔ ہارلے۔ صہبا۔ اور اس کی بیمار اور مخبوط الحواس ماں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ سوائے ان خدمت گاروں کے۔ جو اینی اور ہارلے سے متعلق تھے۔

اینی آج سارے دن بیحد مصروف رہی تھی۔ اور دوپہر کا کھانا بھی کچھ یونہی سا کھایا گیا تھا۔ شدید بھوک کے باوجود تکان دور کرنے کے لئے وہ سیدھی غسل خانہ میں پہنچی۔ اور نیم گرم پانی سے خوب جی بھر کر نہائی۔ پھر خواب گاہ میں پہنچ کر دوسرے کپڑے تبدیل کئے۔ اور یہاں سے ہارلے کو اس کی عارضی اقامت گاہ سے لیتی ہوئی طعام خانہ میں آ بیٹھی۔ کھانا میز پر چنا جا چکا تھا۔

"صہبا نے کھانا کھا لیا؟" اس نے میریا سے دریافت کیا۔

"نہیں سرکار والا۔ کھانا بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے کہا وہ آپ سے پہلے نہیں کھائیں گی۔"

"اچھا انہیں یہیں بلا لاؤ۔"

"میں نے صبح بھی آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی۔" ہارلے نے اپنے مخصوص شاہانہ لہجہ میں کہا۔ "کہ یہ لڑکی مسلمانوں کے ایک خطرناک ترین گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ زیادہ صاف الفاظ میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ان قاتلوں میں سے ایک ہے۔ جس نے کلبریہ کی عظیم ترین شخصیت کو ہم سے چھین لیا ہے۔ ہماری نگاہ میں اس کی حیثیت ایک شاہی مجرم سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ لیکن صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیا اس کا ہمارے ساتھ شریکِ طعام ہونا ہمارے لئے باعثِ تضحیک نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں۔" اینی نے بے پرواہ لہجہ میں جواب دیا — "جاؤ!" اس نے میریا کو تاکید کی جو ہارلے کا اشارہ پا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ میریا کے جانے کے بعد اینی نے قدرے سنجیدگی

اختیار کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"جن امور کے متعلق آپ کو مکمل معلومات نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں اتنے اعتماد سے بات حیثیت نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اسے آپ کی طرح آج سے نہیں۔ عرصہ دراز سے جانتی ہوں۔ وہ ہماری مخالف ضرور ہے۔ لیکن بے ضرر۔ حاکمِ کلبریہ کے ساتھ اس کا باپ بھی قتل ہوا تھا۔ وہ شخص۔ جو دنیا میں اس کا آخری سہارا تھا۔ جس حد تک وہ قصوروار ہے۔ میں جانتی ہوں۔ اور اطمینان رکھیئے۔ اس سلسلہ میں کوئی رو رعایت نہیں کی جائے گی۔"

"کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت ——"

ابھی ہارلے کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ صہبا طعام خانہ میں داخل ہوئی۔ اور ہارلے کو بیٹھا دیکھ کر ایک لمحہ توقف کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو گئی۔

"تم نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ وہاں کوئی مرد بھی بیٹھا ہوا ہے۔" صہبا نے میریا کو ڈانٹ بتائی۔

"یہ میرے بھائی ہیں صہبا۔ اور تم بھی انہیں بھائی کہہ کر پکار سکتی ہو۔"

ہارلے جو صہبا کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کی جمالیاتی بے پناہیوں سے بھونچکا رہ گیا تھا۔ بنی کے اس فقرے پر دل ہی دل میں ناؤ ... پیچ کھانے لگا۔ یہ اس کے حسنِ مذاق پر انتہائی دلآزار سلہ تھا۔

"اگر ان کا اتنا ہی پاسِ خاطر ہے تو میں بخوبی علیحدہ کھانا پسند کروں گا۔" ہارلے سے نہ رہا گیا۔

"وہ چلی گئیں۔" میریا نے اندر آ کر اطلاع دی۔ "کہتی تھیں۔ والدہ کے لئے کھانا پہنچ گیا ہے۔ انہیں کے ساتھ کھا لوں گی۔"

اینی چند لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ کو ناگوار تو نہ گزرے گا۔ اگر میں صہبا کے پاس جا کر اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤں سا کہ ابھی آپ نے سُنا۔ اس نے میری وجہ سے اب تک اپنی بھوک کو ملتوی رکھا ہے۔"

"ایک کے مقابلہ میں دو کو تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔" ہارلے کرسی سے اٹھ کھڑا

ہوا۔" میں دوسری نشست میں فارغ ہو لوں گا۔"

جواب میں اینی نے ہارلے کو یوں دیکھا۔ گویا دریافت کر رہی ہو۔" کہیں بُرا تو نہیں مان گئے۔"

" ایسی چھوٹی باتوں کے لیئے ہارلے کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کا اخلاص قابلِ رشک ہے۔"

" شکریہ!"

ہارلے یہاں سے نکل کر اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ جو طعام خانہ کی پشت پر واقع تھی۔ اور

طعام خانہ کے ملحقہ پردے سے زیادہ سے زیادہ نزدیک ہو کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔

اینی کے بلاوے پر صہبا دوبارہ میریا کے ہمراہ طعام خانہ میں داخل ہوئی۔

" اگر میریا کا بیان درست ہے۔ تو اس تکلف سے مجھے بڑی تکلیف ——"

" چھوڑیئے بھی۔" اینی نے صہبا کی بات پوری نہ ہونے دی۔" اب تاب نہیں ہے — آیئے۔"

اس نے صہبا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا —" ان کے ساتھ صرف کھانا ہی تھا۔ آپ کے ساتھ کھانے

کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ آج کل ہم جن ہنگامی حالات سے گزر رہے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر شاید آپ سے

اتنی جلدی اور یکسوئی قلب سے بات چیت نہ ہو سکے۔ جیسا کہ میں چاہتی ہوں۔ جن خصوصیات کی

بنا پر میں نے آپ کو بہن بنایا تھا۔ اور جن کا میں احترام کرتی رہی ہوں۔ ان میں سے ایک آپ کا

خطرناک حد تک صاف گو ہونا بھی تھا —— اور ہے —— ہے کا مطلب ہے کہ میرے دل میں آج

بھی تمہارے لیئے وہی قدر و منزلت ہے۔ جو پہلی بار بلرام کے کاشانۂ خلیل میں پیدا ہوئی تھی۔ اور

جیسے ہمارے طویل بہناپے نے جراجہ میں پروان چڑھایا ——"

" قطع کلامی کے لیئے معافی کی خواستگار ہوں۔" صہبا نے کھانے سے ہاتھ روک لیا۔" اگر آپ کا

مقصد کوئی ایسی بات دریافت کرنا ہے۔ جس کا میرے لیئے راز رکھنا ضروری نہیں ہے۔ تو یہ تمہید

تضیعِ اوقات ہے۔ آپ پوچھیں۔ اور میں بتاؤں گی۔ اور —— اور جہاں تک میرا خیال ہے۔

فی الوقت میرے پاس کوئی ایسی حقیقت نہیں ہے۔ جس کا صیغۂ راز میں رکھنا میرا فرض ہو۔"

"کھانا کھاتی رہیئے۔" اینی نے صہبا کی محویت کو ٹھوکا دیا۔ "پہلی بات تو یہ کہ آپ نے جراجہ کی آرام دہ زندگی پر اسلامی لشکر میں میری ہمدمی کو کیوں ترجیح دی۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ کس مقصد کے تحت اسلامی لشکر میں آئی تھیں۔"

"جیسا کہ آپ جانتی ہیں۔" صہبا نے جرأت مندانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ "کہ میں ہمیشہ سے اسلامی دولت و اقبال کی بہی خواہ رہی ہوں۔ میرے اس جذبۂ صادق کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں دبا سکتی۔ میں عرصہ دراز تک اسماعیل سے نفرت کرتی رہی۔ کیونکہ وہ باغیانہ سرگرمیوں میں میرے والد کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔ پھر والد صاحب کے قتل سے چند روز پیشتر وہ یکلخت بدل گیا۔ اور شاید میں پہلی ہستی تھی جسے اس کے اس ذاتی انقلاب کا پتہ چلا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اسلامی امیر لشکر کی طرف سے نہ صرف معاف کر دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کی نگاہِ خاص سے معزز بھی ہے۔ اس کے بعد۔ اچانک تین قتل ہوئے۔ اور آپ کی طرح۔ لیکن آپ کے حالات سے مختلف۔ مجھے بھی یتیم ہو جانا پڑا۔ اس موقعہ پر مجھے یہ شک ہوا کہ کہیں مجھے بے آس و بے وسیلہ کرنے والا خود اسماعیل ہی نہ ہو۔ مگر اسماعیل نے میرے اس شبہ کی پرزور تردید کی۔ اور —— میرا خیال ہے کہ میں نفسِ موضوع سے علیحدہ ہو رہی ہوں —— میں اسلامی لشکر میں اس لئے آئی تھی کہ مجھے عیسائیوں کے ساتھ رہنا پسند نہ تھا۔ میں اسلامی طرزِ معاشرت کی خوگر ہوں اور انہیں کے درمیان رہنا چاہتی ہوں۔

"کیا آپ کو اپنے وہ الفاظ یاد ہیں۔ جب احمد سے پہلی ملاقات کے موقعہ پر آپ نے کہا تھا کہ آپ خلیل کی بیٹی تو ہیں۔ لیکن خلیل جیسی نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ دو چار روز بعد آپ اس دعوے کا تسلّی بخش ثبوت پیش کر دیں گی۔" اینی نے دوسرا سوال داغا۔

"جی اچھی طرح۔"

"تو میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ اس تسلّی بخش ثبوت میں کس کو پیش کرنا چاہتی تھیں۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے پہلے سوال کے جواب میں میری طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس میں آپ کے اس سوال کا جواب بھی موجود ہے۔ اور اگر آپ مکرر ہی سننا چاہتی ہیں تو سنئے۔ وہ اسماعیل تھا۔ اسماعیل۔"

"آپ اعتراف کرتی ہیں کہ آپ کو سب سے پہلے اسماعیل کی غداری کا علم ہوا تھا۔ اس نے ہماری گود میں بیٹھ کر ہماری آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کی۔ کیا آپ پر یہ اخلاقی فرض عائد نہیں ہوتا تھا کہ آپ ہمیں اس طاعونی کیڑے سے خبردار کرتیں۔ کسی کے گھر میں بیٹھ کر اسے تباہ و برباد کرنے کی سعی کرنا۔ کیا یہی آپ کا اسلامی شعار ہے۔" اینی کھانے کو بھول کر خونخوار نگاہوں سے صہبا کا منہ تکنے لگی۔

"کھانا کھاتی رہیئے۔" صہبا نے قطعی غیر متاثر لہجہ میں اینی کو اپنے جذبات پر قادر رہنے کی تلقین کی۔ "شاید میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ جس بے خوفی و بے پرواہی سے میں سچ کی نقاب کشائی کر رہی ہوں۔ اس احساس کے باوجود کہ — میں آپ کی تحویل میں ہوں — اور ہر اس سلوک کی مستحق — جو آپ کے جی میں آجائے — آپ اس کی سماعت میں کچھ زیادہ بلند حوصلگی سے کام نہیں لے رہی ہیں۔"

صہبا کی اس تنقید نے اینی کو اور بھی مشتعل کر دیا۔ لیکن — ان تمام زہر آلود خیالوں کے باوجود جو صہبا کی طرف سے ابھرتے چلے آرہے تھے۔ اینی کو کسی قیمت پر یہ منظور نہ تھا کہ اخلاق و شرافت اور فہم و ادراک میں ایک مسلمان لڑکی ایک عیسائی لڑکی سے بازی لے جائے۔ لہذا اس نے اپنے اشتعال کا رخ ایک خفیف سی عاری الجذبات مسکراہٹ کی طرف موڑ دیا۔ کچھ دیر خاموشی کے ساتھ کھانا کھاتی رہی۔ اور اس کے بعد لب کشائی کے لئے تیار ہی ہوئی تھی کہ صہبا پھر خاکسارانہ لہجے میں بول اٹھی۔

"میری رائے ہیں — اگر آپ پسند فرمائیں۔ تو پہلے کھانے سے فراغت پا لیں۔ مجھے افسوس

ہو گا۔ اگر آپ اس گفتگو کی بدولت شکم سیر ہو کر کھانا تناول نہ فرماسکیں۔ میں جانتی ہوں۔ آج کی بے پناہ مصروفیت نے آپ کو دوپہر کا کھانا بھی بسہولت کھانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ بصورت دیگر میں حاضر ہوں۔ اور ہر تعمیلِ حکم کے لئے تیار۔"

"ہاں یہ بہتر ہو گا۔" اینی نے صہبا کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اور اس کے بعد دونوں خاموشی کے ساتھ دسترخوان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر دونوں نے ہاتھ دھوئے۔ اس موقعہ پر اینی کو یاد آیا کہ وہ ہارلے کو بھی اسی دسترخوان پر مدعو کر چکی ہے۔

"دیکھو۔" اس نے میریا کو مخاطب کیا۔ "ہارلے صاحب کا کھانا ان کی خوابگاہ میں پہنچا دو۔ کہنا ہمیں افسوس ہے ــــــ اچھا تم جاؤ۔ میں خود کہہ لوں گی۔"

ہارلے جو پسِ پردہ یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اسٹول کھینچ کر میز کے قریب جا بیٹھا۔ جو اس کے سونے کی چوکی کے قریب وسط میں رکھی ہوئی تھی۔ اور میز پر پڑے ہوئے ایک کاغذ پر نگاہ جمالی۔ اس کی سماعت اب بھی پردے کے اُس طرف۔ دونوں کی گفتگو پر مرکوز تھی۔

"آپ نے میری توجہ ــــ" صہبا نے اپنے مخصوص باوقار لہجہ میں سلسلۂ گفتگو کا تسلسل بحال رکھنے کی کوشش کی ــــ اسلامی شعار کی جانب مبذول کرائی ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام کسی بھی ایسی کوشش کو جائز نہیں سمجھتا جو ظاہر و باطن کے تضاد اور دھوکہ دہی پر مبنی ہو۔ میری اپنی نگاہ میں اسماعیل کی یہ حرکات انتہائی مذموم اور قابلِ مواخذہ ہیں۔ میں اسماعیل سے محض اس حد تک واقف تھی کہ وہ عیسائیوں کی دوستی سے منحرف ہو کر مسلمانوں کا خیر خواہ بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسماعیل کی ذات سے جو بھی کچھ سرزد ہوا۔ اس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ کسی بھولے بھٹکے مسلمان کا راہ راست پر آجانا۔ اور میری طرف سے اس کی تشہیر نہ ہونا۔ شعارِ اسلامی کی سُبکی نہیں ہو سکتی۔ شعارِ اسلامی پر ضرب اس وقت پڑ سکتی تھی۔ جب مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ

عیسائی فوج کے سربراہوں کو دھوکہ دے کر قتل کرنے والا ہے — اور میں آپ سے نہ کہتی — میں کہہ چکی ہوں۔ اور اب پھر کہتی ہوں کہ میں اسماعیل کے ذاتی انقلاب کے سوا اور کچھ نہیں جانتی — اور آج — وہ اپنی ان رکیک حرکات کے لئے میری نگاہ میں بھی اتنا ہی بُرا ہے — جتنا کہ آپ کی — واضح ہو کہ میں یہ الفاظ مصلحتِ وقت کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں — یہ کہا گیا ہے۔ اس لئے ۔ کہ یہ حقیقت ہے۔"

صہبا کا یہ جواب سن کر اینی کا وہ اعصابی تناؤ۔ جو اب سے کچھ دیر قبل اس کے قابو سے باہر ہو چلا تھا۔ اب بالکل ہی ڈھیلا پڑ گیا ۔ لیکن کوئی جذبہ تھا جو صہبا کو موردِ الزام ٹھہرانے میں خوشگواری سی محسوس کر رہا تھا ۔ اس جذبہ کی رہبری میں اینی نے صہبا کے معاملہ پر مختلف پہلوؤں سے غور کرنا شروع کیا۔ لیکن سارے دن کی دماغی مصروفیت نے کسی معقول نکتہ تک نہ پہنچنے دیا۔

" اور بھی بہت سی باتیں ہیں ۔" اینی نے آگے کے لئے راستہ ہموار کیا۔ " لیکن یہ کسی اور وقت پر چھوڑی جاتی ہیں۔ آج میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آپ تشریف لے جا سکتی ہیں۔"

" شکریہ !" صہبا نے نشست چھوڑتے ہوئے کہا۔ " آئندہ شاید میں آپ کے اس " مہر و قہر " کی بیک وقت متحمل نہ ہو سکوں ۔ بہتر ہو گا ۔ اگر آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے مجھے انتخاب کر لیں ۔"

اینی صہبا کے اس مطالبہ پر احساسِ ناگواری کے ساتھ اس کا منہ تکنے لگی۔

صہبا کی یہ درخواست فوری جواب کی متقاضی نہ تھی۔ لہٰذا وہ اینی کو اسی عالم میں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ جس پہلے شخص پر پڑی ۔ وہ ہارلے تھا۔ جو طعام خانہ کی گفتگو کے ختم ہوتے ہی اس امید پر یہاں آموجود ہوا تھا کہ اس بیباک شعلہ حسن کی ایک اور واضح جھلک اپنے قلب و نگاہ میں محفوظ کر لے۔ ہارلے کو دیکھتے ہی صہبا نے کندھے پر پڑی ہوئی حریری شال جلدی سے چہرے پر گھسیٹ لی اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اپنے گوشۂ رہائش میں داخل ہو گئی ؂

تاریخی فیصلہ

عیسائی فوج سے چار بانکے جوان گھوڑوں پر سوار مشعلوں سے رات کا سینہ چاک کرتے۔ اور سفید علم لہراتے جراجہ کے صدر دروازے پر پہنچے۔ اور احمد کے اجازت نامے کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

بالائی مورچے کے چار سپاہیوں کی رہنمائی میں عیسائی قاصد شاہی محل کے اس حصّہ میں پہنچ گئے جہاں احمد کا خیمہ نصب تھا۔

اتفاقی امر کہ عشاء کی نماز کے بعد اسلامی لشکر کے تمام افسران حالاتِ حاضرہ پر غور و خوض کے لئے احمد کے خیمے میں جمع تھے۔ ضروری مسائل پر پُر مغز مباحثوں سے جلسہ لحہ بہ لحہ اہمیت حاصل کرتا جا رہا تھا۔ کہ عیسائی قاصدوں کی اطلاع ملی۔ اور اس طرح جب عیسائی یہاں پہنچے تو احمد کے خیمہ کی ہنگامہ آرائیاں پورے شباب پر تھیں۔

عیسائی قاصدوں کو مجاہدین کی اس بود و باش کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ دیگر فتحیاب فوجوں کی طرح۔ جراجہ کے تمام عالیشان مکانات افسروں کے لئے خالی کرا لئے ہوں گے۔ امیرِ لشکر کا قیام شاہی محل میں ہو گا۔ سپاہیوں نے اپنے لئے جو بھی جگہ آرام دہ سمجھی ہو گی۔ وہاں ڈیرے ڈال لئے ہوں گے۔ لیکن یہاں اس کے بالکل برعکس سامنے آیا۔

چند ثانیے بعد اپنی کا پیغام احمد کے پیش نظر تھا۔ نظر سے گزرتی ہوئی عبارت کے ساتھ

احمد کا چہرہ بتدریج سنجیدہ ہوتا چلا گیا۔ پھر یہ سنجیدگی اضطراب سے بدلنے لگی۔ احمد کی یہ کیفیات اس قدر واضح اور شدید تھیں کہ پورا جلسہ مراسلہ کی سماعت کے لئے بیقرار ہو گیا۔ مراسلہ کی آخری سطور کے ساتھ احمد پر خجالت و شرمندگی کا ایک ایسا دباؤ دیکھنے میں آیا۔ جو کسی نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ مراسلہ ختم کرنے کے بعد احمد نے قلمدان طلب کیا۔ اور اشعر کو لے کر بغلی حصے میں اٹھ آیا۔ جہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

"لکھیے ——"

"ارشاد" اشعر تیار ہو بیٹھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جراجہ کے محاذ پر۔ والیٔ کلبریہ بنتِ سردغوس کے لئے

قائم مقام اسلامی امیرِ لشکر احمد بن حسن کی طرف سے

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے اس مراسلہ کا جلد از جلد کوئی تسلی بخش جواب دیا جائے۔ تو ضروری ہے کہ آپ ہمارے قاصدوں کو قلعۂ قنانہ اور شمالی افریقہ پہنچنے کے لئے اپنی حدود تک ان کی خیر و سلامتی کا ذمّہ لیں۔ کیونکہ اس ضمن میں جناب حسن بن علی اور عالی جناب خلیفۂ افریقہ کی آرار سے مستفید ہونا ہمارے لئے از حد ضروری ہے۔ اپنے طور پر میں یہاں صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کروں گا۔ کہ ہم کسی بھی مقام پر ضابطۂ اخلاق اور حق و انصاف سے منکر ہونے والوں میں نہیں ہیں —— فقط۔

عیسائی قاصدوں کو رخصت کرنے کے بعد احمد نے اپنے گرد و پیش پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے افسوسناک لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"افسوس! کہ ایک مسلمان کی معمولی سی غلطی نے ہمیں ایک بہت بڑی آزمائش سے دوچار

کر دیا۔ اب تک یہ معاملہ چند افراد تک محدود تھا۔ اور ضروری تھا کہ یہ انہیں تک محدود رہے۔ مگر اب ایسا نہ ہو سکے گا۔ اب یہ ایک مسلمان کی لغزش نہیں رہی۔ تمام مسلمانوں کے وقار کا سوال بن گیا۔ اس معاملہ میں میری ذاتی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اب یہ آپ لوگوں کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ جسے آپ کو اپنی شاندار روایات کے پیش نظر۔ اخلاق و انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے ساتھ حل کرنا ہے۔ میری رائے میں مراسلہ سنانے سے قبل ضروری ہے کہ معاملہ کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے حقائق پر حسبِ ضرورت روشنی ڈال دی جائے۔ نیز اس شخص کو بلا لیا جائے۔ جو اس بدعت کا ذمہ دار ہے۔ اور اس کا نام ہے عنبر۔"

"عنبر!" اکثر حاضرین سوالیہ بن کر احمد کو یوں تکنے لگے۔ جیسے وہ اس قول کی تجدید چاہتے ہیں۔ کون نہیں جانتا تھا کہ فنِ جاسوسی کا امام عنبر مسلمانوں کا جانباز خادم ہے۔ جو شوقِ شہادت سے سرشار، بیسیوں بار میدانِ کارزار میں کودا تھا۔ اور ہر بار شہیدوں کی قسمت پر رشک کرتا ہوا۔ اُداس و مغموم میدان سے لوٹا تھا ـــــ اُداس و مغموم ـــ جب کہ اسلامی لشکر کامیابی و کامرانی کی سعادت پر خوشی سے پھولا نہیں سماتا تھا۔ جس کا ارمانِ شہادت ضرب المثل کی حیثیت حاصل کر چکا تھا۔ اور جو اپنی سرفروشانہ اولوالعزمیوں کے سبب خلیفۂ افریقہ ابوالمنصور کی چہیتی شخصیت بن گیا تھا۔ جس کی جدائی ابوالمنصور کو ایک دن کے لئے بھی منظور نہ تھی ـــ مسلمانوں کا اتنا سچا ـــ اتنا اولوالعزم۔ اور اتنا جوشیلا ہمدم و ہمدرد ـــ مسلمانوں کے لئے باعثِ آزار۔ یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟

احمد حاضرین کی تشویش و حیرانی میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہوتا دیکھ کر مغموم لہجہ میں بولا۔ "ہاں عنبر۔ بعض اوقات شہد زہر بھی بن جاتا ہے ـــــ" اور حاضرین پر پھر سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔

انہیں پُرسکوت ساعتوں میں۔ شب خون کی زخم خوردگی سے نڈھال۔ اور صہبا کے غمِ جدائی سے لرزاں لرزاں سا عنبر، احمد کے خیمہ میں داخل ہوا۔ جن لوگوں نے اسے افریقہ میں دیکھا

تھا۔ وہ اس کی زبوں حالی پر ششدر رہ گئے۔ آج کا عنبر ابوالمنصور کے چہیتے عنبر سے بالکل مختلف تھا۔ اس کا نورِ ایمان سے دمکتا ہوا چہرہ۔ خدمتِ خلق کے لئے ہر لحہ مستعد جسم۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھا ہے۔

"ملزم حاضر ہے آقا" — عنبر نے احمد کے روبرو پہنچ کر پُرخلوص لہجہ میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ!" احمد اپنی نشست سے بالکل ہی متصل اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اور عنبر کو تھوڑی سی پس وپیش کے بعد احمد کے قرب پر متفق ہو جانا پڑا۔

"حاضرین کرام!" احمد اپنے مخصوص انداز میں مخاطب ہوا۔

"میں نے کہا تھا کہ اینی کا مراسلہ سنانے سے قبل چند حقائق کی رونمائی ضروری ہے۔ لیکن اب میرے خیال میں یہ مناسب ہوگا کہ پہلے مراسلہ سنا دیا جائے۔ اور اس کے بعد۔ آپ کے لئے ضروری معلومات فراہم کی جائیں"۔

یہ کہہ کر احمد نے مراسلہ کو اپنے نائب اشعر کو دے دیا۔ جس نے کھڑے ہو کر۔ بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

والئ گلبریہ سرد غوس (مرحوم) کی بیٹی اینی کا خط

امیر لشکر احمد بن حسن کے نام

ہم نے خلافِ قاعدہ آپ کے نام کو قصداً اپنے نام کے نیچے درج کیا ہے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ اخلاقی اعتبار سے ہم آپ پر اس وقت تک فوقیت رکھیں گے۔ جب تک کہ ہمارے جائز مطالبہ کی تعمیل نہیں ہو گی۔

اب ہمارے لئے یہ بات راز نہیں رہی کہ جو شخص اپنی پیشانی پر صلیبی رفاقت کی چھاپ لگا کر ہمارے درمیان آیا تھا۔ اور جسے ایک شریف میزبان کی حیثیت سے ہم نے اپنے سرآنکھوں پر جگہ دی تھی۔ اور جس پر ہم نے اس قدر اعتماد کیا تھا کہ اپنی فوج کی

کمانڈ تک اس کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ وہ نمک احرام آپ کا فرستادہ تھا۔ اور ہمارے خصوصی ذرائع کے مطابق۔ شمالی افریقہ کا مشہور جاسوس عنبر۔ بحیثیت حلیف ہم نے اس کی ذات پر جس قدر بھروسہ کیا۔ اس نے ہمیں اسی قدر ناقابلِ برداشت نقصان پہنچایا۔ اس نے سب سے پہلے۔ انتہائی بزدلی اور کمینگی کے ساتھ صوبۂ کلبریہ کی ان ہستیوں کو قتل کر ڈالا۔ جو اس جنگ کی روح رواں تھیں۔ اس کے بعد انتہائی عیاری و مکاری کے ساتھ ہماری فوجوں پر مسلط ہو گیا۔ اور ہماری بے پناہ متحدہ طاقت کو بیسیوں ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے۔ ہماری ذلت و خواری کے سامان پیدا کر دیئے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم اس تقسیم شدہ طاقت سے بھی آپ کا بھرپور مقابلہ کر سکتے تھے۔ مگر جنگ شروع ہوتے ہی ہماری سپاہ نے دیکھا۔ کہ محرکینِ جنگ کے کٹے ہوئے سر مسلمانوں کے نیزوں پر دھرے ہوئے ہیں۔ ایک جنگجو قوم کے قائد کی حیثیت سے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس قسم کے "مظاہرے" کسی فوج کے لئے کس قدر مایوس کن ہوتے ہیں۔ پھر اگر ہماری فوج آپ کے مقابلہ پر نہ رُک سکی۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

ہم صدقِ دل کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمان موجودہ دور کے بہترین جنگجو ہیں۔ اور ہمیں یاد ہے کہ ایسے ہی خیالات مسلمانوں کی طرف سے عیسائیوں کے بارے میں بھی متعدد بار ظاہر کئے جا چکے ہیں۔ دنیا تسلیم کرتی ہے۔ کہ اگر زمین کو کسی ایک قوم کے زیر نگیں ہونا پڑا۔ تو وہ روم و عرب کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہم انسان ہیں۔ اور اچھے انسانوں کی فراخدلی سے قدر کرنا جانتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم نے آپ کی قدر کی ہے۔ آپ کی ثقافت و معاشرت کا احترام کیا ہے۔ آپ کی تہذیب و تمدن کو سراہا ہے۔ آپ کے اخلاق و آداب سے سبق لیا ہے۔

لیکن افسوس اور ہزار افسوس کہ اللہ کے نام پر تلوار اُٹھانے والی بہادر قوم!
وہ قوم۔ جس کے نقشِ قدم دوسروں کے لئے ارتقائی نشاندہی کا کام دے رہے ہیں۔ جس کی دیانت و ایمانداری مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی شجاعت و بہادری کے غلغلہ سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ آج اپنے اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے۔ مکر و فریب اور رذالت و کمینگی پر بھروسہ کرنے لگی ہے۔ واضح ہو کہ ہمارے بھی کچھ جاسوس اسلامی لشکر میں رہے ہیں۔ اور اگر ہم اس کمینگی کے متحمل ہو سکتے۔ تو یقیناً آپ کے اعلیٰ افسروں کی گردنیں بھی سلامت نہ رہ سکتی تھیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی حق ہے کہ ہمیں اب تک آپ کی اس اخلاقی گراوٹ پر یقین نہیں آ رہا۔ گو اسلامی لشکر کی طرف سے ہمارے افسروں کے سروں کی نمائش اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یہ سب کچھ آپ کے ایمار سے ہوا۔ مگر ہم کیونکر یہ یقین کر لیں کہ سورج اجالے کی بجائے اندھیرا دینے لگا ہے
یہ سچ ہے کہ ہم موجودہ جنگ میں کسی حد تک پسپا ہو چکے ہیں۔ لیکن ہماری یہ پسپائی پسپائی نہیں۔ فریب خوردگی ہے۔ جس میں آپ کی شجاعت و بہادری کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نیز ہماری یہ فریب خوردگی۔ ہلال و صلیب کی تاریخ میں۔ ہماری ایک ایسی اخلاقی فتح شمار ہو گی جس کی توقیر و تکریم کے آگے آپ کی بے شمار جنگی کامرانیاں بھی ایچ ہوں گی۔ ہمارے ساتھ دھوکہ کر کے آپ نے اپنی سنہری تاریخ پر جو بدنما دھبّہ چھوڑا ہے۔ وہ صوبۂ کلبریہ تو کیا۔ ساری دنیا کو فتح کر لینے کے بعد بھی آپ کی شاندار روایات کو مہنگا پڑے گا۔ بہت ہی مہنگا۔ آپ کی آئندہ نسلیں آپ کی اس دھوکہ دہی پر آپ کو نفرین بھیجیں گی۔

عرب کے غیور جنگجو جوان۔آپ کی اس فریب دہی پر لعنت وملامت کریں گے۔

ہماری اس بروقت یاد دہانی کے باوجود۔ اگر آپ فوراً ہی اپنے قومی دامن سے اس سیاہ دھبّہ کو دھونے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تو ان نتائج کو بھگتنے کے لئے تیار ہو جایئے۔ جو جلد یا بدیر منظر عام پر آنے والے ہیں۔

ہم اس لغزش کی تلافی کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ کی طرف سے انہیں منظور کر لیا گیا۔ تو ہم سمجھیں گے کہ یہ سب کچھ آپ کے ایما پر نہیں ہوا۔ بلکہ ایک خبط الحواس شخص کی غیر ذمہ داریوں کا نتیجہ ہے۔ اور ایسی صورت میں آپ لوگ ہمارے لئے اتنے ہی واجب الاحترام ہوں گے جتنے کہ ہمیشہ رہے ہیں ـــــ

ا۔ تمام حالات کو قبل از جنگ کی سطح پر لایا جائے۔ یعنی شہر ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

ا۔ ہمیں اتنی مہلت دی جائے کہ ہم اپنی منتشر فوج کو ایک مرکز پر جمع کر سکیں۔

ب ۔ وہ تمام جنگی سامان۔ جو آپ نے مالِ غنیمت کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اور جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے۔ ہماری اپنی ملکیت ہو گا۔

ج ۔ اس صورت میں ہم بھی آپ کا وہ تمام سامان جو آپ کے پڑاؤ سے ہاتھ لگا ہے۔ آپ کو واپس کر دیں گے۔

۲۔ ہمارے سرداروں کے قاتل عنبر کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔

۳۔ اسلامی لشکر کے اس حصّہ کو جو قلعہ قنانہ کا محاصرہ کئے پڑا ہے حسبِ سابق آپ میں شامل ہو کر ہمارا مقابلہ کرے۔

۴۔ اگلی جنگ کا آغاز ہماری مقرر کردہ تاریخ سے ہو گا۔

۵۔ ہمیں اس امر کی اجازت ہوگی کہ ہم حسب سابق شہر سے باہر نکل کر اپنی فوج کو صف آرا کر سکیں۔

حرفِ آخر کے طور پر ہم ایک بار پھر آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ ہمارے مطالبات کی منظوری آپ کی اس غلطی کا انتہائی سستا سودا ہے۔ جو آپ کو عزت و احترام کی بلندیوں سے گھسیٹ کر قعرِ مذلّت میں پھینک دینے والی ہے۔ نیز یہ بھی کہ اس موقعہ کے بعد۔ ہماری جانب سے آپ کو تلافی کا اور کوئی موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

مراسلہ ختم کر کے اشعر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

"حق پرست ساتھیو! احمد نے اشعر کی جگہ لیتے ہوئے مفکرانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ وہ تمام غیر ذمّہ دارانہ افعال۔ جو عنبر سے سرزد ہوئے ہیں۔ ان سے اسلامی امیر لشکر اسی طرح بے خبر رہا ہے۔ جس طرح کہ آپ ـــــ ہماری جانب سے عنبر کو کوئی ایسی ہدایت جاری نہیں گئی۔ جو مسلمانوں کے اخلاقی معیار کے منافی ہو۔

مگر ان تمام حقائق کے باوجود ہمیں عنبر کے معاملہ پر اشتعال اور رنج و غصّہ کی بجائے پوری سنجیدگی اور صحیح الدماغی سے غور کرنا ہوگا۔ اس نے بُرا کیا ہے ـــــ اور یقیناً بُرا کیا ہے۔ لیکن ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس بُرائی کے پیچھے عنبر کا کون سا جذبہ کام کر رہا تھا۔ اور وہ کیا مقاصد تھے۔ جنھوں نے عنبر ایسے بلند کردار شخص کو اس قسم کی گراوٹیں قبول کرنے پر آمادہ کر دیا ـــــ ظاہر ہے کہ وہ اس محاذ پر مسلمانوں کو بہر قیمت فتحیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ چونکہ عیسائیوں کی بے پناہ تیاریاں اور سوا لاکھ فوج اس کی نگاہ میں تھی۔ ساتھ ہی اسے اپنے بھائیوں کی صحیح طاقت کا بھی اندازہ تھا۔ طرفین کے قوتِ توازن میں اتنا بڑا فرق پا کر۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان شکست کی ہزیمت سے دوچار نہ ہوں۔ اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں عنبر کے لئے

اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کا وقار خطرے میں پڑ جائے ـــــ تو یہ ہے پس منظر اُن بُرائیوں کا۔ جو عنبر سے سرزد ہوئیں۔

لیکن جرم بہر حال جرم ہے۔ کاش ہمارے عنبر کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ صوبۂ کلبریہ ہماری نیک نامی سے زیادہ قیمتی نہیں تھا۔ کاش اندھے جذبات کے دھاروں پر بہہ جانے والے اس شخص کو کوئی بتا سکتا۔ کہ مسلمانوں کو شکست کی ذلّت سے بچانے کے لئے وہ جن وسائل کو اختیار کر رہا ہے۔ وہ شکست کی ذلّت سے ہزار گنا زیادہ ذلّت انگیز ہیں۔ اور تمہاری یہ مذموم کوششیں۔ جو بجائے خود اللہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہو سکتیں۔ ان فیصلوں کو کیونکر بدل سکتی ہیں۔ جو پہلے سے مقدّر ہیں۔

یک لحہ توقف کے بعد احمد کی نگاہ ـ ایسی نگاہ۔ جس میں بھائی ایسی شفقت و غمخواری واضح طور پر جھلک رہی تھی۔ عنبر کے چہرے پر ڈگمگانے لگی۔

"تم نے زہر پی لیا۔ شہد کے دھوکے میں۔ تمہارا فرض اپنے امیر لشکر کی اطاعت و فرمانبرداری تھی۔ نہ کہ خودسری۔ اور ــــــ اور ــــــ"

"محبوب قائد!" عنبر قطع کلامی کی پرواہ کیئے بغیر بے چین ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اپنے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں پر جمنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "جناب نے میری صفائی نیت ـ گرمئ ایمان۔ اور جذبۂ ملّی پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ آپ کے حسنِ ظن کے سوا۔ اگر کچھ ہے۔ تو صرف ایک میّت ہے۔ بے گور و کفن میّت۔ جس کا مجھے بہر نوع شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔"

اتنا کچھ کہہ کر عنبر نے اپنے عواقب و جوانب پر بھرپور نگاہ ڈالی۔ اس وقت کی ہمہ تن گوشی کا یہ عالم تھا کہ سانس کی آمد و شد بھی رُکی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ایسا یقیناً تھا کہ حاضرین اس کے مذموم ترین خود مختارانہ افعال پر چیں بجبیں تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اس کی نیک نیتی اور

پُرخلوص خدمات سے بھی منکر نہیں تھے۔ کچھ لوگ اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ انہیں عنبر کو کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ ان کے سامنے نیم تاریک دھندلکوں میں کوئی شے حرکت کر رہی تھی۔ اور نہیں جان سکتے تھے کہ وہ کیا ہے۔

"میری تخریبی کارروائیوں پر مبنی ـــــ یہ مواخذہ" عنبر نے کہا "میری اپنی نگاہ میں مقدمۂ مجازی ہے۔ جو اگلے جہان کی پرسشِ حقیقی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میری ذات سے جو کچھ سرزد ہوا۔ اگر وہ غلط تھا۔ تو اسے محض غلط ہی ہونا چاہیئے۔ میں اس پر مبالغہ کا اضافہ نہیں ہونے دوں گا۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ اپنے تحفظ کے لئے۔ حبابی زندگی کے لاحاصل تحفظ کے لئے۔ اپنی آخرت کو داغدار کروں۔ یہ بالکل درست ہے کہ میں نے عیسائی سرخیلوں کو قتل کرایا۔ عین اس وقت جب کہ وہ اسلامی فوج کو جڑ بنیاد سے نیست و نابود کرنے کی تجاویز پر غور کر رہے تھے۔ اور چونکہ ہمارا یہ حملہ بالکل ہی اچانک اور مقتولین کی بے خبری میں ہوا تھا۔ لہذا آپ اسے بزدلانہ۔ احمقانہ۔ اور رذیلانہ جو بھی کچھ چاہیں۔ خیال کر سکتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے سردغوس کی بیٹی کو اپنے اعتماد میں لے کر عیسائی فوج پر اپنی قیادت کو مسلّط کر دیا۔ اور فوج کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ بجائے مسلمانوں کے خود کلبریہ کے عیسائی جڑ بنیاد سے نیست و نابود ہو جائیں۔ لیکن! آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی۔ کہ وہ سب کچھ۔ جو میری طرف سے سرزد ہوا۔ خالص جذبۂ اسلامی کے تحت ظہور میں نہیں آیا۔ اس میں تھوڑی سی میری ذاتی غرض بھی شامل تھی"

یہاں تک پہنچ کر عنبر کے لہجہ میں ایک جرأت مندانہ ترنگ پیدا ہو گئی۔

"جراجہ کے اس حصّۂ زمین پر مسلمانوں کی ناکامی و کامیابی میری زندگی اور موت کا سوال بن گئی تھی۔ میرا یہ قصور ہے کہ میں نے مرنے کی بجائے زندہ رہنے کی خواہش کی۔ میں خطاوار ہوں کہ۔ میرے اپنے حالات۔ اور میری اپنی غرض نے مجھے اس قدر اندھا کر دیا کہ ـــــ کہ میں

سیاہ سپید میں کوئی امتیاز نہ کرسکا۔ میں نے اپنے دامنِ حیات کو دنیاوی مسرّتوں سے بھرنے کے لئے اسلامی روائے اخلاق کی دھجیاں اُڑا دیں۔ کاش —— کاش ——"

شدّتِ جذبات سے اس کی آواز بھرّا گئی۔ اس مرحلہ پر اسے چند لمحوں کے لئے خاموش ہو جانا پڑا۔ اس وقت حاضرین کی عجیب حالت تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ان کی آنکھوں پر پٹّی باندھ کر کسی نامعلوم مقام پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ وہ بے تاب تھے کہ ان کی آنکھوں سے یہ پٹّی کھلے۔ اور وہ گرد و پیش کے صحیح خد و خال سے روشناس ہوں۔

"اللہ جانتا ہے" عنبر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "کہ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ حرف بحرف درست ہے۔ اور اگر میرے حواس بجا ہیں —— اگر یہ بجا ہے کہ ہماری تقدیریں اللہ تعالیٰ کے تابع ہیں۔ تو شاید میں اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے اتنا خجل و خوار نہ ہو سکوں گا۔ جتنا کہ اس وقت آپ کے سامنے نظر آرہا ہوں۔ ایک سچّے مسلمان کی حیثیت سے مجھے اپنی اس زندگی کے انجام کی۔ خواہ وہ کیسا ہی اندوہناک کیوں نہ ہو۔ مطلق پرواہ نہیں ہے۔ مجھے پرواہ ہے۔ اس زندگی کی جو غیر فانی ہے۔ اور اس کے لئے میں کافی پُر امید ہوں۔ پھر بھی مجھے افسوس ہے۔ اور انتہائی ندامت بھی۔ کہ میری ذاتی اغراض نے مسلمانوں کو ایک نازک مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس موقعہ پر آپ لوگوں کی طرف سے کیا بہتر خیال کیا جائے گا۔ بہر کیف مجھے خوشی ہوگی۔ اگر مسلمانوں کی سرخروئی کے لئے میرے ساتھ کوئی رو رعایت نہ کی گئی۔ اپنے معاملہ میں یہ میرا پہلا اور آخری بیان ہے"

ان الفاظ کے ساتھ عنبر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس نے حاضرین کے اُلجھے ہوئے اذہان کو اور بھی گتھل بنا دیا تھا۔ جھنجلاہٹ کی حد تک گتھل۔ چنانچہ ایک گوشہ سے ایک افسر نے کھڑے ہو کر حاضرین کی نمائندگی کی۔

"کیا ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ جہاں آپ نے اتنا کچھ بتایا ہے۔ وہاں ان اسباب پر بھی تھوڑی

سی روشنی ڈالیں گے۔ جو مفادِ اسلامی سے غیر متعلق تھے۔ اور بقول آپ کے۔ اس قدر شدید کہ آپ کو بُرے بھلے کی تمیز تک نہ رہی۔"

"جنابِ والا ——" عنبر نے دوبارہ کھڑے ہو کر متاسف انداز میں جواب دیا: "مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کی توقعات پوری نہ ہو سکیں گی۔ اگر ایسا ہو سکتا تو آپ کو یاد دہانی کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑتی۔ میری ذاتی اغراض اس قدر نجی نوعیت کی ہیں۔ کہ انہیں منظرِ عام پر نہیں لایا جا سکتا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا آپ کے علم میں لانا میرے معاملہ کے تصفیہ کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔"

"میری رائے میں۔" احمد نے کھڑے ہو کر تائیدی انداز میں کہا: "عنبر کا صرف اسی قدر تسلیم کر لینا کافی ہے۔ کہ ان لغزشوں میں اس کی ذاتی اغراض کا بھی دخل رہا ہے۔ اب ہمیں اُس اہم مسئلہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جو ہماری فوری توجہ کا محتاج ہے۔ عنبر کا معاملہ میری نہیں۔ بلکہ قبلہ والد صاحب اور عزّت مآب خلیفۂ افریقہ کی مرضی و منشا کے مطابق طے ہو گا۔ اس سلسلہ میں بنتِ سرد غوس کو مطلع کیا جا چکا ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہمارے قاصدوں کو بحفاظت افریقہ و قنا تہ جانے کی سہولت حاصل ہو۔ اس کے لئے ہمیں بنتِ سرد غوس کے جواب کا انتظار کرنا ہو گا —— رات کافی گزر چکی ہے۔ لہذا اس نشست کو برخاست کیا جاتا ہے۔ خدا حافظ!"

حسنِ معصوم۔ نرغۂ ہوس میں

سنِ بلوغت پر پہنچنے کے بعد۔ ہارلے کی یہ تیسری رات تھی۔ جو اس فوجی ماحول میں۔ بے کیف تنہائی کے ساتھ بسر ہو رہی تھی۔ جراجہ میں اس کا شبستان نئی نئی کنواریوں۔ ماہ وش داشتاؤں۔ اور عصمت فروش نازنینوں کے لئے مشہور تھا۔ مشہور تھا کہ وہاں الف لیلائی دوشیزاؤں کی طلسم ساز برہنگی۔ شراب کی بدمستیوں میں لہراتی۔ اور گناہ کی دہلیز پر سر جھکاتی ہے ۔۔۔ ایک ایسی دنیا۔ جہاں حسن ہی حسن ہے۔ کیف ہی کیف ہے۔ سرور ہی سرور ہے۔ جہاں عشوہ طراز جوانیاں۔ تشنگیٔ شوق پر مہر و التفات کے بادل بنکر برستی ہیں۔ جہاں شراب کو شباب کے پیمانوں میں پیا جاتا ہے۔

ایک ایسے شبستان کا مالک آج تیسری خارزار رات گزار رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت ایک ایسے قدح نوش شرابی کی سی ہو رہی تھی۔ جس کا نشہ ٹوٹ رہا ہو۔ اور جس کا دل تقاضۂ شراب بن کر اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہو۔ تو یہ تھے وہ حالات جن میں اس نے صہبا کو دیکھا۔۔۔ صہبا کو۔ جو صرف اس کے شبستان کی ایک ضرورت ہی نہیں تھی۔ بلکہ قابلِ افتخار زینت بھی تھی۔ ایسی زینت۔ جو شاید ہی صوبۂ کلبریہ کے دو چار گھرانوں میں نظر آ سکے۔

صہبا کی رونمائی سے قبل اس کا آغوش اپنی کے لئے بُری طرح مچل رہا تھا۔ یہاں یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ہارلے اپنے عزیزوں کی طرف سے اپنی کا اُس وقت سے حقدار رہا تھا

جب کہ ابھی وہ بچّہ ہی تھی۔ اینی کے بچپن سے جوانی تک ہارلے اس پر بھنورے کی طرح منڈلاتا رہا تھا۔ خاندان کے بڑے بوڑھوں کی تجویز کے مطابق۔ دونوں کی شادی ایک طے شدہ مسئلہ تھی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ اینی نے ہوش کے پہلے ہی سنبھالے میں ہارلے کو اپنے آپ کی ضد پایا۔ اگر دونوں کی طبیعتوں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا۔ تو تھوڑے سے ایثار سے اسے دور کیا جاسکتا تھا۔ مگر یہاں تو تفریق کی اس قدر وسیع خلیج حائل تھی کہ اس کے پاٹنے کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اگر ہارلے نے اپنی زندگی کا حاصل دنیائے رنگ و بو کی حسین و جمیل تتلیوں سے کھیلنا قرار دیا تھا۔ تو اینی نے اپنے قومی وقار کی سربلندی پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا ڈالنے کا عہد کیا تھا۔ اگر ہارلے اپنے مذاقِ جمالیات کو شراب سے جِلا دینے کا خوگر تھا۔ تو اینی میدانِ جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی تمنائی۔ ہارلے نغمہ و لے کا شائق۔ تو اینی قومی تعمیر و ترقی کی حامی۔ غرض نور و نار کا یہ اتصال خاندان کے بزرگوں کی انتہائی کوشش کے باوجود عمل میں نہ آسکا۔ سردغوس اور اس سے زیادہ خود اینی اس شادی کے خلاف تھی۔ اس قدر — کہ اینی تو اس معاملہ میں کوئی ایک حرف سننا۔ گالی سننے کے برابر سمجھتی تھی۔ بعد ازاں جب گلبرٹ ایسا بہادر شخص اینی کا امیدوار بن گیا۔ تو ہارلے مایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی ان تمام لوگوں سے رشتہ توڑ لیا۔ جو اینی کے سرپرست یا طرفدار تھے۔ یہ صرف حادثاتِ زمانہ کی نیرنگیاں تھیں کہ سردغوس کے مرنے اور اینی کے مقید ہو جانے کے بعد کلبریہ کی مسندِ اقتدار خالی ہو گئی اور ہارلے ایسے نالائق شخص کو محض خاندانی حقوق کی بنا پر صوبہ کلبریہ کے عیسائیوں کی قیادت کرنا پڑی۔ ورنہ کہاں ہارلے۔ اور کہاں یہ سرفروشانہ معرکے۔ اہلِ جراجہ کے سامنے ہارلے کا یہ نیا روپ انتہائی حیرت انگیز تھا۔ شبخون کے معرکہ میں انہوں نے ہارلے کو بڑی بہادری کے ساتھ مصروفِ جنگ دیکھا تھا۔ اور اب وہ سوچ رہے تھے کہ۔ کیا وہ واقعی ہارلے تھا۔ اور کیا

نازنینوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر وقت گزارنے والے قبضۂ شمشیر پر بھی ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔

اگر اس موضوع پر ہارلے کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے۔ تو سوائے اس کے اور کچھ پلّے نہ پڑے گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صاحبِ اقتدار ہو کر۔ اپنی حرص و ہوس کو زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں پورا کرنا چاہتا تھا۔ اور شاید وہ اس جھمیلے میں پڑنا پسند نہ کرتا۔ اگر اس کی خاندانی جاگیر رو بہ زوال نہ ہوتی۔

ہاں تو صہبا کو دیکھنے کے بعد۔ ہارلے کا وہ آغوش جو اپنی کی طرف لپک رہا تھا۔ اب صہبا کے لئے بُری طرح مچلنے لگا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ ہارلے کو اپنی خواہشات کی تکمیل میں کچھ رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ مقصد براری کے لئے اس قسم کی قیود کا عادی نہ تھا اس کی اپنی دنیا میں اس کے احکامات کی تعمیل۔ خصوصاً عورتوں کے معاملہ میں بڑی مستعدی سے ہوتی تھی۔ اس وقت خیمہ کے جس حصّہ میں یہ مقیم تھا۔ وہاں سے صرف چند ہی گز کے فاصلہ پر۔ صہبا موجود تھی۔ وہ ہستی۔ جس کے دو ہی جلووں نے اسے سر تا پا "بھوک" بنا دیا تھا۔ پیٹ کی بھوک شاید وہ ہفتوں برداشت کر لیتا۔ مگر یہ بھوک۔ جو سینہ کو دہکتا ہوا جہنّم بنائے ہوئے تھی۔ اس کی برداشت سے باہر تھی۔ ایک بھوکا بھیڑیا کیونکر برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی من پسند غذا سامنے پڑی ہو۔ اور وہ اس پر منہ نہ ڈالے۔

"لیکن اپنی —— اوہ یہ کباب کی ہڈّی"—— ہارلے کی پیشانی پر شکنیں اُبل پڑیں۔ "لیکن میں یہ کیوں سوچ رہا ہوں کہ جبر و تشدّد کے بغیر کام نہ نکلے گا۔ اسے اس کس مپرسی کے عالم میں ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کی کچھ خواہشیں ہوتی ہیں۔ میں اس کی ہر خواہش کی تعمیل کا وعدہ کر سکتا ہوں۔ وہ عیسائیوں میں رہنا نہیں چاہتی۔ میں اسے مسلمانوں تک پہنچا دینے کا فریب دے سکتا ہوں۔ کیا عجب ہے کہ وہ مجھے اپنی مشکلات کا حل سمجھ کر خود کو میرے حوالے کر دے —— ہاں یہ ممکن ہے —— لیکن اگر ایسا نہ ہوا —— کیا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا۔ وہی جو

برسوں پہلے ہو چکا ہے۔ میرا حسن پرست ثابت ہونا ــــ اور اس کے بعد ــــ زیادہ سے زیادہ اینی کی ناراضگی۔ لیکن اتنی نہیں کہ وہ ہماری شرافت کا پاس نہ کرتے ہوئے اس معاملہ کو خیمہ سے باہر لے جائے۔ نہیں وہ اتنی احمق نہیں ہے ــــ اور خود صہبا ــــ وہ کیا کر سکتی ہے میرا۔ وہ صرف رو سکتی ہے۔ اور بس ــــ ان اندیشوں کے عوض صہبا بہت سستی ہے۔ بہت ہی سستی۔" اور اس فیصلہ کے ساتھ ہارلے کے بھٹکتے ہوئے خیالات ایک ڈگر پر آ لگے۔

رات نصف سے زیادہ گزر چکی ہے۔ حصارِ شہر سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کے خیموں کی بستی۔ اور اس کی مشعلیں یوں نظر آ رہی ہیں۔ جیسے کسی گنجان جنگل میں جگنو چمک رہے ہوں۔ پہریداروں کے علاوہ یہاں کی تمام کائنات نیند کی لپیٹ میں تھی۔ سیاہ سکوت میں کبھی کبھی گھوڑوں کی ہنہناہٹیں تیر جاتی تھیں۔ جنھیں رات کے سناٹے ایک ارتعاشی کیفیت کے ساتھ دور دور تک لے جاتے تھے۔ یا پھر چرڑ چرڑ کی وہ خفیف سی آوازیں تھیں جو پڑاؤ کو اپنے حلقہ میں لئے پہریداروں کے قدموں سے پیدا ہو رہی تھیں۔

دوسرے خیموں کی مانند اینی کے شاہی خیمہ پر بھی پُر سکوت خوابیدگی مسلّط تھی ــــ دو مشعل بردار پہریدار جواب سے کچھ دیر پہلے بڑی مستعدی کے ساتھ دروازے کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ اب مشعلوں کو خیمہ کی میخوں سے باندھ کر دروازے کے عین مقابل نیم دراز اونگھ رہے تھے۔

اس وقت جب کہ ایک دنیا ہوش و حواس سے بے نیاز محوِ خواب تھی۔ ہارلے بے چینی کے ساتھ بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کے اندر کی شیطانیت اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ نہ صرف جاگ رہی تھی۔ بلکہ اپنی ہیجانی ترغیبات سے ہارلے کو کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہی تھیں۔ گو ہارلے نے اپنے بدترین عزائم کی تکمیل کے لئے پہلے سے فیصلہ کن

طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا۔ مگر دوسروں سے قطع نظر خود صہبا کا نسوانی وقار بھی اس پر اس قدر غالب تھا کہ وہ کئی بار اپنے دروازے کے پاس تک پہنچ پہنچ کر لوٹ آیا تھا۔ ہزاروں تیز و طرّار اور شوخ و شنگ جوانیوں سے کھیلا ہوا یہ غلامِ نفس اپنے طور پر حیران تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ ایک بے کس و بے بس لڑکی کے سامنے جاتے ہوئے اس کا دل کیوں ڈوبا جا رہا ہے۔ سوچی سمجھی راہوں کے باوجود اس کے قدم آگے بڑھنے سے کیوں کترا رہے ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک انجانا سا خوف تھا۔ جس نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو کئی بار روک کر۔ اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ شیطانی کہرام اسے صہبا کی طرف دھکیل رہا تھا۔ وہ دروازے کی طرف لپکنا چاہتا تھا کہ صہبا کی نسوانی عظمت۔ اور بلندیٔ کردار اسے پھر بستر پر دراز کر دیتی تھی۔ اس کش مکش میں — اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے رات — ایک یادگار کیف زا رات — تیزی کے ساتھ بھاگی چلی جا رہی ہے۔ اس کی نگاہیں انتہائی بے قراری کے عالم میں پگھلتی ہوئی شمع پر پڑ رہی تھیں۔ اور پگھلتی شمع سے گزرتے وقت کا احساس اس کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔

"احمق شخص!" وہ جھنجھلایا۔ "معلوم نہیں کل کیا صورت پیش آئے۔ ایسے موقعے زندگی میں بار بار نہیں آیا کرتے۔ کلیاں پھول بننے کی آرزو مند ہوتی ہیں۔ جوانی لغزش کا نام ہے۔ منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی اندیشۂ ناکامی — ہشت!"

اور اس کے بعد ہی وہ ایک بار پھر ایک بے قرار ترنگ کے ساتھ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دبے پاؤں دروازے تک پہنچا۔ آہستگی کے ساتھ دروازے کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ خیمہ کے عین درمیان چھت گیر بلّی سے ایک مشعل بندھی ہوئی تھی۔ جو اب تیل کی کمی کے سبب زیادہ فروزاں تو نہ تھی۔ مگر ایک مدھم سی روشنی قریب قریب خیمہ کے ہر گوشہ تک پہنچ رہی تھی۔ چونکہ یہ حصّہ کافی طویل و عریض تھا لہٰذا کسی ایک شخص کے حصّہ میں آنے کی بجائے اسے اجتماعی ضروریات کے

لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اس حصّہ سے ملحقہ اکثر کمرے مکینوں کی کمی کے باعث خالی پڑے تھے۔ صہبا جس حصّہ میں مقیم تھی وہ ہارلے کی خوابگاہ سے بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر عین سامنے واقع تھا۔ ہارلے اپنے سینے میں طوفانِ خباثت کو دبائے آہستہ آہستہ مشعل کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں سے اس نے صہبا کی اقامت گاہ کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ اور اس کے دروازے کو اپنے مقابل لے کر۔ مشعل گُل کر دی۔ اب یہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ صرف بالائی حصّوں پر خوابگاہوں میں جلتی ہوئی شمعوں کی مردہ مردہ سی کرنیں مرتعش تھیں۔ ہارلے دھڑکتے دل کے ساتھ دبے دبے قدموں سے صہبا کے دروازے پر پہنچا۔ جو ایک دبیز سے سیاہ پردہ سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھ سے پردے کو ایک طرف کیا۔ اور اس کے فوراً بعد ہی اسے یوں معلوم ہوا۔ جیسے اس کا دل تڑپ کر دور جا پڑا ہو۔ شمع کی دھندلی دھندلی روشنی صہبا کے حسنِ ضوفشاں سے استفادہ کرتی معلوم ہو رہی تھی۔ حسنِ بے پرواجوانی کی میٹھی نیند سے ہمکنار تھا۔ اونچی سانسوں سے اثرانداز جوان سینے کا زیروبم ہارلے کو یوں معلوم ہوا گویا ساری دنیا پر وجدانی کیفیت طاری ہو۔ بے ترتیب لباس سے جھانکتے ہوئے جسم کے کچھ حصّوں نے۔ ہارلے کی ہیجانی کیفیات میں اور بھی کہرام برپا کر دیا۔ حالانکہ وہ حسن کی شرمناک برہنگیوں کا عادی ہو چکا تھا۔ اور اب عرصہ سے برہنہ رقاصاؤں کے وحشیانہ رقص بھی اس کے ان جذبات میں حرارت پیدا نہ کر سکتے تھے۔ جن کی تسکین کے لئے اس نے دنیا بھر کی رسوائی و بدنامی مول لی تھی۔ آج مدّت مدید کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ صہبا کے مرمریں جسم کی ادائی اور بے معنی جھلکیوں سے وہ اپنے اندر آگ سی دہکتا محسوس کر رہا تھا۔ ہارلے کی مبہوت نگاہیں صہبا کی شعلہ رخی سے جھلس کر۔ اس کی ماں پر گڑ پڑیں۔ جو صہبا سے تھوڑے ہی فاصلہ پر سوئی پڑی تھی۔ ہارلے نے اپنی زندگی میں شاید ہی کسی کو اس قدر ناپسند اور بوجھل محسوس کیا ہو۔ جتنا کہ اس وقت صہبا کی مظلوم ماں کو۔ کاش وہ جادو جانتا۔ اور اسے چشم زدن میں بھسم کر دیتا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"اس کی موجودگی ہیں من مانی مشکل ہے۔ ایک ہلکی سی چیخ بھی اسے اٹھا کر بٹھا سکتی ہے۔ اوہ! کس قدر دیوانہ ہوں ہیں بھی۔ اس کے بارے ہیں تو کچھ سوچا ہی نہیں۔ زبردستی کا امکان ختم ہو گیا۔ اب صرف دوستی کی صورت باقی ہے۔ اور ــــ اور ــــ"

تھوڑی دیر کے سوچ وچار کے بعد ہارلے کا چہرہ کش مکش کی زد سے نکل کر فیصلہ کن استحکام کا آئینہ دار بن گیا۔ تاہم خوف کی لہریں اب بھی نمایاں تھیں۔ وہ دل کڑا کر کے۔ جیسے کسی غیبی طاقت نے اسے صہبا کی طرف دھکا دے دیا ہو۔ صہبا کے سرہانے آکھڑا ہوا۔ اور انتہائی جرأت مندانہ ثبات کے ساتھ۔ گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوئے۔ آہستہ آہستہ صہبا کے پریشان بالوں کو سنوارنا شروع کر دیا۔ اس فعل سے ہارلے کی مراد صہبا کو بیدار کرنا تھا۔ اس طرح کہ اسے جاگتے ہی اس کی محبت کا احساس ہو جائے۔

صہبا اپنے حالات پر غور و فکر کرتی ہوئی کافی رات گئے سوئی تھی۔ لہٰذا ہارلے کے ہاتھ کی لگاتار حرکت کے باوجود وہ گہری نیند ہیں کھوئی رہی۔ ہارلے کوتاہیٔ وقت کے پیشِ نظر ہاتھ کے دباؤ کو بتدریج سخت کرتا گیا۔ یہاں تک کہ صہبا کی آنکھ کھل گئی۔ حیران ہو کر سرہانے کی طرف دیکھا۔ تو وہاں مسکراتا ہوا۔ ہارلے نظر آیا۔ وہ بوکھلا کر چیخنے ہی والی تھی کہ ہارلے نے چشم زدن ہیں آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھدیا۔

"ڈرو نہیں صہبا۔ ہیں ہارلے ہوں۔ اینی کا چچا زاد بھائی!" اس نے سرگوشی کے انداز ہیں کہا۔ "ہیں تمہارا سچا مونس و غمگسار بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اور ہیں ہر اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جو میرے امکان ہیں ہے۔ اور جیسا کہ تم جانتی ہو۔ عیسائی لشکر ہیں میری اعلیٰ حیثیت کیا کچھ ممکن نہیں کر سکتی"

صہبا نے انتہائی غضبناک ہو کر ہارلے کے ہاتھ کو پوری طاقت سے جھٹکا دیا۔ اور خود کو چادر سے چھپاتی ہوئی دور جا کھڑی ہوئی۔

"مجھے تمہاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"آہستہ —" ہارلے ایک ہی جست میں اس کے مقابل پہنچ گیا۔" اگر کوئی اُٹھ گیا —"

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے — اسی لمحہ!"

"میں جانے کو تیار ہوں۔ مگر میری پوری بات تو سن لو۔"

"میں کچھ نہیں سنوں گی۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ لعنت ہے تمہارے اس ہاتھ پر۔ جس سے مجھے چھُوا گیا۔ میرے نزدیک آنے کی کوشش مت کرو۔" وہ ہارلے کو اپنی طرف لپکتا ہوا دیکھ کر تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ "چلے جاؤ!" وہ بُری طرح جھلاّ پڑی۔

صہبا کی اس چیخ سے اس کی ماں کی آنکھ کھُل گئی۔ اور اس کی متوحش نگاہیں۔ جلدی جلدی کبھی صہبا پر اور کبھی ہارلے پر پڑنے لگیں۔ گو خرابیٔ دماغ کے سبب صہبا کی ماں کا عدم وجود ایک برابر تھا۔ مگر ہارلے پر اس کی بیداری۔ اور پھر اس طرح گھور گھور کر دیکھنے کا کافی اثر پڑا۔ وہ جلدی سے دروازے کے باہر نکل کر اندھیرے میں تحلیل ہو گیا۔

ہارلے کے جانے کے بعد۔ صہبا کا غصہ سے تمتمایا ہوا چہرہ ایک اذیت ناک درد و کرب کی بھیانک تصویر بن گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا اور کیوں۔ اور اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ معاً وہ تیزی کے ساتھ اپنے مختصر سے سامان کی گٹھری کی طرف جھپٹی۔ اور جلدی جلدی گٹھری کھول کر اس میں سے اپنا خنجر نکال کر اسے کُرتے کے نیچے اپنی کمر سے کس لیا۔ بعد ازاں اس نے شمعدان اٹھایا۔ ایک کی بجائے چار شمعیں روشن کیں۔ پھر شمعدان کو ہاتھ میں لئے دروازے کا رُخ کیا۔ ہارلے۔ جو دروازے کے پیچھے کھڑا۔ پردے کے ایک سوراخ سے صہبا کی نقل و حرکت کا تعاقب کر رہا تھا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر اپنی خوابگاہ کی طرف بھاگ گیا۔

صہبا نے دروازے پر پہنچ کر شمعوں کی روشنی میں باہر کی صورت حالات کا جائزہ لیا

وسطی حصہ حسب سابق خالی پڑا تھا۔ وہ دروازے پر کھڑی نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد۔ اس کے متبت قدم ایپی کی خوابگاہ کی طرف اُٹھنے لگے۔ دراصل صہبا کو یہ رات خیریت سے گزرتی نظر نہیں آرہی تھی۔ لہذا اس نے ضروری سمجھا کہ اس واقعہ کو فوراً ایپی کے گوش گزار کرے۔ اس سے اپنی عصمت وعفت کی سلامتی کا معقول بندوبست کرائے۔ لیکن عین اس وقت۔ جب کہ یہ ایپی کی خوابگاہ کے دروازے پر پہنچی۔ پورا خیمہ ہارلے کی وحشیانہ چیخ و پکار سے تھرا اٹھا۔

"کون ہے!— کون ہے تو!— خبردار!! آگے بڑھا تو خنجر سینے کے پار ہوگا۔ خبردار! سنتری!— سنتری!!"

ان فلک شگاف آوازوں کے ساتھ ہی۔ نہ صرف اس خیمہ کے تمام افراد بیدار ہو کر۔ اپنی اپنی خوابگاہوں سے باہر نکل پڑے۔ بلکہ آس پاس کے خیموں میں بھی خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ اور لوگ بے تحاشہ اس طرف دوڑ پڑے۔

صہبا— جو بہرحال ایک نازک اندام لڑکی تھی۔ اس اچانک پھٹ پڑنے والے طوفان پر بدحواس بدحواس۔ سراسیمہ سراسیمہ ہر آنے والے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی۔ اور لرز کر رہ جاتی۔ جیسے یہ سب اسے قتل کر ڈالیں گے۔

سب سے پہلے موقعہ پر پہنچنے والوں میں ایک ایپی بھی تھی۔ جو لباسِ خواب کی نیم برہنگی سے بے پروا۔ شمعدان ہاتھ میں لئے نکل پڑی تھی۔ اس نے دیکھا کہ صہبا حواس باختہ اس کے دروازے پر کھڑی ہوئی ہے۔ اور ہارلے اپنی خوابگاہ کے سامنے سے برابر چلائے جا رہا ہے۔

"عجز و نیاز سے خدا کے حضور جھک جائیے۔" ہارلے نے ایپی کے قریب پہنچتے ہوئے فخریہ لہجہ میں کہا۔ "کہ اس نے آپ کو دوسری زندگی عطا فرمائی۔"

حاضرین حیرت و استعجاب سے ہارلے کا منہ تکنے لگے۔

"بے وقت کھانا کھانے کے سبب۔ سوء ہضمی کی شکایت نے مجھے ایک لمحہ کے لئے نہیں سونے دیا۔ اس وقت جب میں حوائج ضروری کے لئے باہر نکلا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔۔ کہ یہ خطرناک لڑکی۔۔ دبے پاؤں آپ کی خوابگاہ میں داخل ہو رہی ہے۔ ذرا دیکھئے اس کے کُرتے کے نیچے کیا چُھپا ہوا ہے۔"

میرؔیا نے جلدی سے صہبا کے کُرتے میں ہاتھ ڈال کر عربی خنجر نکال لیا۔

"یہ آپ کو قتل کرنے جا رہی تھی۔ یقیناً قتل کرنے کے لئے۔"

صہبا اس الزام پر بھکّا بکّا ہو کر پاگلوں کی طرح چیخ اُٹھی۔ "یہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔ بہتان ہے!"

"خاموش!" ہارلے نے زوردار ڈانٹ لگائی۔ "پھر تم اتنی رات کو یہ خنجر لے کر میری بہن کی خوابگاہ میں چوروں کی طرح کیوں داخل ہو رہی تھیں۔"

"میں جا رہی تھی تمہارے شیطانی عزائم کا بھانڈہ پھوڑنے۔"

"خبردار!" ہارلے چنگھاڑا۔ "تمہاری یہ کباب بیانیاں تمہارا منہ نہ کھلوا دیں۔ ان مکّاریوں کو اب اپنی ذات تک ہی محدود رہنے دو۔"

"اے رب العالمین!" صہبا نے ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف منہ اٹھاتے ہوئے فریادی لہجہ میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔ تیرا قہر و غضب ان پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑتا۔ کیوں نہیں کوئی بجلی۔"

"بکواس بند کرو! اگر تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا تو اس کی زبان کو گدّی سے کھینچ لیا جاتا۔"

اینی۔ جو صہبا اور ہارلے۔ دونوں کو بہت قریب سے جانتی تھی۔ اس وقت ایک عجیب مخمصے میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک طرف وہ صہبا کی شخصیت کے پیشِ نظر اسے اس الزام کا مرتکب قرار دینے سے قاصر تھی۔ تو دوسری طرف وہ چھپے ہوئے خنجر کے ساتھ جس مقام پر پائی گئی تھی۔ وہ اس کے خطرناک عزائم کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

"ان مسلمان سنپولیوں کی سخت نگرانی ہونی چاہیئے!" ایک افسر نے دانت کٹکٹاتے ہوئے کہا۔" اگر بروقت نہ پکڑی جاتی تو اس وقت عیسائی لشکر میں کہرام مچا ہوتا۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ اتنے پرُخلوص سلوک کے مستحق نہیں ہیں۔" ہارلے نتھنے پھُلا کر بولا۔ جیسا کہ برتا جا رہا ہے۔ لیکن ——"

"اچھا یہ تو بتایئے۔" ایمی جو ہارلے کی بد چلنیوں سے بخوبی واقف تھی۔ فوری طور پر ان حالات سے متفق نہ ہو سکی۔ اس نے نکتہ رسی کے پیرایہ میں ہارلے سے دریافت کیا۔" آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ صہبا نے اپنے کپڑوں میں خنجر چھُپایا ہوا ہے۔"

ایمی کے اس اچانک سوال پر ہارلے چند لمحوں کے لئے گڑبڑا سا گیا۔ مگر اسے فوراً ہی ایک بہترین تدبیر سوجھ گئی۔ بولا۔" یہ برہنہ خنجر کو ہاتھ میں لئے ہوئے جا رہی تھی۔ میرے ٹوکتے ہی جلدی سے کرُتے کے نیچے کر لیا —— مجھے افسوس ہے کہ میری رفاقت و خیرخواہی کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔" اس کی پیشانی ناگوار شکنوں سے بھر گئی —" آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے موقعہ پر موجود لوگوں کو حکم دیا۔

اور یہ مجمع جس میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ چھٹنا شروع ہو گیا۔

"آپ دونوں میرے پاس تشریف لے آئیں۔" ایمی نے کہا۔ اور خاموشی کے ساتھ اپنی خوابگاہ میں داخل ہو گئی۔ ہارلے مصنوعی غم و غصّہ سے پیچ و تاؤ کھاتا ہوا ایمی کے ساتھ ہو لیا۔ اور صہبا۔ حیران و ششدر۔ منوں وزنی قدموں کے ساتھ ایمی کے خیمہ میں داخل ہوئی۔

"یہاں آ جایئے۔" ایمی نے اپنے قریب ہی بستر کی طرف اشارہ کیا۔

صہبا کھولتے ہوئے خون۔ اور دہکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ہارلے کو گھورتی ہوئی چار پانچ گز کے فاصلہ پر پڑے ہوئے ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"میں چاہتی ہوں۔" ایمی نے اپنی نشاندہی کی طرف دوبارہ توجہ دلائی۔" آپ مجھ سے بالکل

قریب بیٹھیں۔ تاکہ بات چیت اونچی آواز سے نہ کرنا پڑے ۔"

"آپ کے قریب ایک ایسا شخص بیٹھا ہے۔ جس کا سایہ مجھے جہنّم کی آگ سے زیادہ ——"

"یہ میری توہین ہے ۔" ہارلے چیخ پڑا۔" اس کے منہ میں لگام دیجئے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی نامناسب فعل کا مرتکب ہو جاؤں ۔"

"بے حیا انسان" —— صہبا بپھر پڑی ۔" تو اس کی نگاہ میں معزز کیسے ہو سکتا ہے۔ جس نے تجھے ابھی بالکل برہنہ دیکھا ہے۔ اگر میں تجھ سے مرعوب ہو جاؤں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ حق باطل سے دب گیا ۔"

"اوہ!" ہارلے غصّہ سے تلملا اٹھا۔

"صہبا!" اینی نے اسے خاموش رکھنے کی تنبیہہ کی ۔" ہارلے نے جو کچھ کہا ہے ۔ وہ میں سن چکی ہوں۔ اور چاہتی ہوں کہ تمہارا بیان بھی سنوں ۔ تمہیں دامنِ انسانیت کو نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔"

"کیا مطلب ؟ ہارلے چلّایا ۔" گویا یہ معاملہ بطور مقدمہ فیصل ہو گا —— یعنی یہ واقعہ کے علاوہ سازش بھی ہو سکتا ہے ۔ مجھے افسوس ہے کہ ان حالات میں میرا یہاں بیٹھنا میری خیر خواہی کی تذلیل ہے۔ جسے میں کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا ۔"

اتنا کہہ کر ہارلے تنتنا کر اٹھا۔ اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

"اُفوہ!" اس کے جاتے ہی صہبا بے اختیار بول اٹھی ۔"کس قدر مکّار ہوتے ہیں بعض لوگ ۔"

"ہاں اب بتاؤ۔ یہ سب کیا تھا ۔"

"ایک زانی کا حملہ ۔ ایک مظلوم عصمت پر ۔" صہبا نے فوراً ہی جواب دیا —— "میں اپنی نکین گاہ میں بے خبر سو رہی تھی کہ اچانک آنکھ کھُلی اور میں نے دیکھا کہ یہ موذی میرے بالوں سے کھیل رہا ہے ۔ میں نے چیخنے کی کوشش کی تو اس نے میرا منہ بند کر دیا۔ کہنے لگا ۔ میں خدا کا فرستادہ

فرشتۂ رحمت ہوں۔ تمہاری خدمت کے لئے آیا ہوں۔ اور جانے کیا کیا کچھ۔ مجھے اسے وہاں سے نکالنے کے لئے سخت سے سخت الفاظ استعمال کرنا پڑے۔ وہ میرے چیخنے چلّانے سے خوف زدہ ہو کر باہر نکل گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ دوبارہ آئے گا۔ لہذا میں نے اپنا خنجر سنبھالا اور شمعدان ہاتھ میں لے کر آپ کو اطلاع دینے کے لئے باہر نکلی۔ آپ کے دروازہ تک پہنچی تھی کہ اس نے شور و غل سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ جانتی ہیں۔"

صہبا کے خاموش ہونے پر ایپی نے دریافت کیا۔

"میرے پاس آنے کے لئے تمہارے پاس خنجر کا ہونا کیا ضرور تھا؟"

"مجھے خطرہ تھا کہ کہیں راستے میں وہ پھر میرے ساتھ کوئی شرارت نہ کرے۔"

"ٹھیک ہے — جب تم باہر نکلی تھیں تو خنجر تمہارے ہاتھ میں تھا۔ یا کُرتے کے نیچے۔"

"کُرتے کے نیچے۔" صہبا نے جواب دیا۔

"اور تم کہتی ہو کہ تم نے خنجر اس وقت اٹھایا تھا۔ جب کہ ہارلے تمہاری مکین گاہ سے باہر نکل چکا تھا۔ اور یہ خنجر تمہاری مکین گاہ سے ہی تمہارے کُرتے کے نیچے تھا۔ پھر ہارلے کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ تمہارے کُرتے کے نیچے خنجر چھپا ہوا ہے۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ممکن ہے خنجر کُرتے کے اوپر اُبھرا ہوا ہو۔ بہرحال میں نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ بالکل سچ ہے۔ اب سچ کو جھوٹ یا جھوٹ کو سچ سمجھنا یہ آپ کا کام ہے۔ میں پہلے ہی آپ کی طرف سے موردِ الزام قرار دے دی گئی ہوں۔ ایک تہمت اور بھی سہی۔" صہبا نے بے خوف لہجہ میں کہا۔

کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد ایپی نے حاکمانہ منصف مزاجی کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ تمہارا بیان معیارِ صداقت پر پورا نہیں اتر سکا۔ لہذا تمہارا معاملہ کسی دوسرے وقت پر ملتوی کیا جاتا ہے۔"

اینی کے یہ الفاظ صہبا کی سماعت پر تیر بن کر لگے۔ لیکن اینی کے خیالات کو جھٹلانے اور واویلا کرنے کی نسبت اس نے خاموش رہنا زیادہ پسند کیا۔

"اب آپ اپنی مکین گاہ کو لوٹ سکتی ہیں ــــ کوئی ہے۔" اینی نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں پکارا۔

"حاضر ہوں سرکار والا" میریا نے اندر داخل ہو کر سر تسلیم خم کیا۔

"باہر کے سنتریوں میں سے ایک کو ان کی مکین گاہ کے دروازے پر تعینات کر دو۔ جو کسی کی سخت تاکید کے ساتھ"

اور اس کے بعد اینی نے صہبا کی طرف سے یوں آنکھیں پھیر لیں جیسے وہ ایک اجنبی دشمن کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حیرت انگیز انقلاب

نکلتے سورج کے ساتھ عیسائی قاصدوں کے ذریعہ احمد کو اپنی کی طرف سے اس بات کی اجازت مل گئی کہ وہ مسلم قاصدوں کو بحفاظت اپنی حدود سے گزار دے گی۔ بشرطیکہ اس معاملہ میں ایک ہفتہ سے زاید تاخیر روا نہ رکھی جائے۔

اس اطلاع کے بعد احمد نے حسن اور خلیفۂ افریقہ کے لئے جو پیغامات تیار کئے۔ ان میں جملہ حالات۔ اور عیسائیوں کے مطالبات کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا گیا کہ عنبر کی فاتلانہ خودسری ہیں۔ اسلامی مفاد کے علاوہ اس کی ذاتی اغراض بھی پوشیدہ تھیں۔

تیسرے روز

——حسن کی طرف سے اور

چھٹے دن خلیفۂ افریقہ ابوالمنصور کی طرف سے احمد کے مراسلوں کے جواب موصول ہوگئے۔ حسن نے اس معاملہ میں احمد کو خلیفۂ افریقہ کے فیصلے کا پابند رہنے کی تلقین کے ساتھ جلد از جلد اپنی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

خلیفۂ افریقہ کا جواب نہایت مختصر تھا۔

"عنبر ہمیں واقعی بہت عزیز ہے۔ لیکن اسلامی وقار کے مقابلہ پر خود ہماری بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ شکست کی ہزیمت کا داغ دشمن کو ذلت انگیز

شکست دے کر مٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن اسلامی روایات کی سُبکی کا اعادہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس۔ اسلام کی سرخروئی و سربلندی کے پیش نظر جو بھی مناسب سمجھو۔ فیصلہ کرو۔

آخر آخر۔ اگر کسی طور عنبر کا بچاؤ ہو سکتا ہو۔ تو یہ ہمارے لئے باعثِ مسرّت ہو گا۔"

اور پھر۔

کچھ دیر بعد۔ شہر کا صدر دروازہ کھلا۔ اور چھ وجیہہ و قد آور مسلم نوجوان۔ گھوڑوں پر سوار۔ دروازہ سے نکل کر سفید علم لہراتے۔ عیسائی لشکر کی طرف بڑھنے لگے۔ پڑاؤ کے نگہبان سپاہیوں نے جونہی ان سواروں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے سروں پر آ دھمکے۔

"ہم قاصد ہیں۔ اور تمہارے امیرِ لشکر کے مراسلے کا جواب لے کر آئے ہیں۔ ہمیں ان کے پاس پہنچا دو۔"

"ہمارے ساتھ چلے آؤ۔" ایک عیسائی نے جو لباس سے کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ اپنا گھوڑا لشکر کی طرف موڑ دیا۔

اسلامی قاصدوں کے لئے یہ پڑاؤ اجنبی نہ تھا۔ یہاں کے تمام خیمے۔ اور راستے۔ ان کے اپنے ہاتھوں استادہ و ہموار ہوئے تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہاں صرف ایک ہی عالیشان خیمہ ہے۔ اور اس وقت وہی عیسائی امیرِ لشکر کا مسکن ہو گا۔ وہ اس عالیشان خیمہ کے محل وقوع سے بھی بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ساتھی عیسائیوں کی رہبری سے بے نیاز اپنے گھوڑوں کو اس عالیشان خیمہ کی طرف بڑھائے چلے گئے۔ وہ اپنے خیموں اور ان میں مقیم عیسائیوں کو بڑی حسرت سے دیکھ رہے تھے۔

"ٹھیک اس وقت" انہیں یاد آرہا تھا۔ "کبھی یہ خیمے قرآن مجید کی تلاوت سے گونجتے تھے۔ یہاں نماز باجماعت قائم ہوتی تھی۔ یہ قطار لشکری جماعتوں کے لئے مخصوص تھی۔ اس خیمہ میں مشہور رجز خواں نوری بن اسد مقیم تھا"۔

اوراسی محویت کے عالم میں وہ عالیشان خیمہ پر پہنچکر۔ گھوڑوں سے اتر پڑے عیسائی ہمراہیوں میں سے ایک نے ان کے یہاں پہنچنے سے قبل ہی اینی کو ان کی آمد سے مطلع کر دیا تھا۔ اوراینی کے فوری بلاوے پر اس کے خیمہ میں ذمّہ دار افسروں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ خیمہ کے دروازے پر اینی کی طرف سے مقرر کردہ دو افسروں نے اسلامی قاصدوں کو اپنی معیت میں لے لیا۔ اور روایتی عزّت و احترام کے ساتھ انہیں اینی کے سامنے لیجاکر کھڑا کر دیا۔

"قائم مقام اسلامی امیر لشکر اعلیٰحضرت احمد بن حسن کا پیغام" قاصد نے مراسلہ کو دونوں ہاتھوں سے مودبانہ طریق پر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "عالی مقام عیسائی سپہ سالارِ اعظم کے لئے"۔

اینی نے مراسلہ لے کر قاصدوں کو ایک طرف پڑی ہوئی نشستوں پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ قاصد حسب الحکم بیٹھ گئے۔ اس وقت اینی کو ایک طرف مسلمانوں کے جواب سے باخبر ہونے کی جلدی تھی۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار۔ جن کی موجودگی ایسے موقعہ پر ازحد ضروری تھی۔ اس کش مکش کے عالم میں تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ جوب نے کھڑے ہو کر نیازمندانہ لہجہ میں کہا۔

"میری ذاتی رائے میں یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ کہ اسلامی قاصدوں کو ہمارے درمیان بٹھانے کی بجائے۔ کسی اور خیمہ میں منتقل کر دیا جائے"۔

اینی کو جوب کی تجویز مصلحتِ وقت کے عین مطابق معلوم ہوئی۔ کیونکہ اس موقعہ پر ایسے بہت

سے مسائل سامنے آسکتے تھے۔ جن کا اسلامی لشکر تک پہنچنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔ لہذا اینی نے باعزّت طریق پر ان مہمانوں کو ایک دوسرے خیمہ میں بھیجدیا۔ جو یہاں سے کافی فاصلہ پر تھا۔

اس دوران۔ وہ تمام لوگ جمع ہو چکے تھے۔ جن کا اینی کو انتظار تھا۔ لہذا اینی نے مراسلہ ہارلے کو دے دیا۔ اور خود اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئی۔ ہارلے نے مراسلہ کو کھول کر اس پر ایک سطحی سی نظر ڈالی اور پھر بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جراجہ کے محاذ پر۔ عیسائی امیرِ لشکر صوبۂ کلبریہ کے لئے

قائم مقام اسلامی امیرِ لشکر احمد بن ابوالغنائم حسن بن علی کی جانب سے

سب سے پہلے تو آپ کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے۔ کہ عنبر کی ذات سے سرزد ہونے والی تمام حرکات۔ اس کی اپنی خودسری و خود آرائی کا نتیجہ تھیں۔ وہ ہمارا جاسوس بیشک تھا۔ اور نہایت قیمتی جاسوس۔ لیکن ہماری مختصر سی فوج کے مقابلہ میں آپ کی بے پناہ فوجی تیاریوں نے اس کا دماغی توازن بگاڑ دیا۔ او وہ اپنے حکام کی مرضی ومنشا کے خلاف۔ ان اخلاقی کمزوریوں کا نشانہ بن گیا۔ جو اس وقت ہمارے اور آپ کے درمیان تنازعہ و تلافی کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ جس طرح کسی ایک فرد کی دیوانگی پوری قوم کو دیوانہ قرار نہیں دے سکتی۔ اسی طرح ہم میں سے ہر شخص عنبر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ آپ بطور دشمن عنبر کو اتنا برا نہیں سمجھ رہے ہوں گے۔ جتنا کہ ہم بطور بھائی برا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کی فوج کا کوئی سپاہی پاگل ہو جائے۔ اور اپنے سوئے ہوئے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کردے۔ تو

آپ لطور تلافی کیا کریں گے۔ ہماری شاندار روایات کے ساتھ بالکل ایسا ہی ہوا ہے ___ ان حالات کے پیشِ نگاہ ۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ ایک فرد کی دیوانگی کا جو صلہ آپ ایک قوم سے طلب کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک مبنی بر انصاف ہے۔ اور اگر ہماری حیثیت میں آپ ہوتے تو کیا ان مطالبات کو تسلیم کر لیتے ؟

مگر ہم ریگزارِ عرب کے وحشی غیرت وحمیّت اور مخصوص اخلاقی اقدار کے دنیا سے کچھ زیادہ منوالے ہیں۔ لہٰذا ہماری بھرپور کوشش ہوگی کہ آپ کی طرف سے ہمارے وقار و اخلاق کے نام پر جو اپیل کی گئی ہے۔ وہ رائیگاں نہ جائے۔ اس لئے نہیں کہ ہم واقعی طور پر اس کے سزاوار ہیں۔ محض یہ بتانے کے لئے کہ ہم مسلمان اپنے اللہ پر کس قدر بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم اپنی غیرتِ ملّی پر الزام واتہام کے بھی روادار نہیں ہو سکتے۔ اور اپنے اس جذبہ کے تحت آپ کو جو مراعات پیش کر رہے ہیں وہ ہماری بے گناہی کا ناقابلِ فراموش عطیہ ہیں۔

ہم جنگی امور کو روزِ اوّل کی سطح پر لانے کو تیار ہیں ___ شہر بھی آپ کے حوالے کر دیا جائے گا ___ آپ کو اتنی مہلت بھی دیدی جائے گی کہ آپ اپنی منتشر فوج کو جمع کر سکیں ___ آپ کے مجرم عنبر کو بھی آپ کی تحویل میں دیدیا جائے گا ___ قلعہ قتانہ کے محاصرین کو بھی اسی محاذ پر بلا لیا جائے گا ___ آغازِ جنگ کی تاریخ بھی آپ ہی کی طرف سے مقرر ہو گی ___ آپ کو یہ سہولت بھی دی جائے گی کہ آپ شہر سے باہر نکل کر صف آرا ہو سکیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی چند ہمارے بھی مطالبات ہیں۔ جو آپ کے مطالبات کی

اہمیت کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ ہم یہ امید کرتے ہیں۔ کہ جس فراخدلی کے ساتھ ہم نے آپ کے مطالبات کو تسلیم کیا ہے۔ آپ بھی اسی وسیع القلبی کے ساتھ انہیں منظور کر لیں۔

۱۔ عنبر کو فیصلہ کن اختتامِ جنگ کے اکیس روز بعد تک کسی قسم کا جانی و جسمانی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ بائیسویں روز آپ کو اختیار ہو گا کہ اس کے ساتھ جو بھی سلوک چاہیں کریں۔

۲۔ حکومتِ بیزنطی کی فوج آپ کی مدد کو تیزی سے چلی آ رہی ہے۔ جو بہت جلد آپ سے آ ملے گی۔ چنانچہ ہمیں بھی اس امر کی اجازت ہونی چاہیئے کہ ہم بھی اپنی جنگی طاقت میں اضافہ کرنے کی سعی کریں۔ حالانکہ فی الحال ہمیں کسی طرف سے مدد ملنے کی بہت کم امید ہے۔

۳۔ آپ کی طرف سے اعلانِ جنگ کم از کم بارہ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز تک کر دیا جائے۔ اس سے پہلے یا بعد میں آپ حملہ نہیں کر سکیں گے۔

۴۔ آپ کے لشکر میں بنتِ خلیل اور اس کی والدہ اپنی مرضی کے خلاف اقامت پذیر ہیں۔ دیگر تمام قیدیوں کے ساتھ انہیں واپس کیا جائے۔

اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو ہمارے مندرجہ بالا مطالبات محض تجاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن کا تسلیم کیا جانا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اپنے مطالبات کی اہمیت کے مدنظر انہیں بخوشی قبول کر لیں گے۔

ہماری یہ پیشکش اسلامی تاریخِ جنگ میں ایک بے مثال باب کا اضافہ ہے۔ اس صورت میں بھی کہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اس صورت میں بھی کہ آپ اسے ٹھکرا دیں۔

موجودہ وقت کے اہم ترین تقاضے ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم اس معاملہ کو آپ سے اولین فرصت میں طے کرنے کی سفارش کریں۔ فقط۔

مراسلہ کے اختتام پر اکثر حاضرین تذبذب کے عالم میں ایک دوسرے کے تاثرات کا اندازہ کرنے لگے۔ البتہ چند نکتہ رس حضرات۔ جن میں اپنی اور جوب بھی تھے۔ اپنی کامیابی پر شاداں و فرحاں دکھائی دے رہے تھے۔ ہار لے ہر قسم کے جذبات سے مبرّا کبھی اپنی کو اور کبھی کش مکش میں مبتلا لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ گویا یہ فیصلہ کرنا چاہتا ہو کہ اس موقعہ پر اس کا نظریہ کیا ہونا چاہیئے۔

عزیز ترین ساتھیو! اپنی نے مسرّت انگیز مفکرانہ انداز میں خطاب کیا۔

مقامِ مسرّت ہے کہ میری کمانِ فکر سے نکلا ہوا تیر عین نشانہ پر بیٹھا۔ اور میرا یہ دعویٰ۔ کہ میں مسلمانوں کی قومی خصوصیات سے کماحقہٗ واقف ہوں۔ باطل ثابت نہیں ہوا۔ ہمارے مطالبات کے جواب میں مسلمانوں کے مطالبات اشک سوئی کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انہوں نے ہمارے مطالبات میں اپنے طور پر تھوڑی تھوڑی تبدیلی کر کے انہیں اور بھی جامع و واضح کر دیا ہے — ایک اور صرف ایک مطالبہ ان کا ایسا ہے۔ جو شاید ہماری طرف سے تسلیم نہ کیا جا سکے۔ اور وہ صہبا بنتِ خلیل کی واپسی ہے۔ صہبا اپنے اقدامِ قتل کی وجہ سے اب قانون کی امانت ہے۔ جس کا فیصلہ قاعدہ کی رو سے ہمارے اپنے حقوق سے وابستہ ہے۔ اور میں یقین رکھتی ہوں کہ جب احمد کو صہبا کے اس جرم کا پتہ چلے گا۔ تو وہ بے چون و چراں اس مطالبہ سے دست بردار ہو جائے گا۔ مسلمان ضابطۂ قانون کے پابند ہوتے ہیں — اس کے علاوہ ہمارے اور ان کے درمیان اب کوئی چیز ایسی نہیں رہی جو مجوزہ صورتِ حالات میں رخنہ انداز ہو۔

خوش ہو جائیے کہ فتح آپ کی لونڈی بن کر آپ کے قدموں کی طرف دوڑ پڑی ہے

بارہ اور پندرہ روز کے اندر اندر ہماری پاک زمین کے اس ٹکڑے پر مسلمان
ایک ایسا عبرتناک سبق حاصل کرنے والے ہیں۔ جو ان کی آئندہ نسلوں کو
سرزمینِ اٹلی کی طرف بھولے سے بھی نگاہ نہ اٹھانے دے گا۔
صلیبی بہادرو! تیار ہو جاؤ۔ کہ طوفانی سرگرمیٔ عمل کا وقت آپہنچا۔ اب تمہارا ایک
ایک لمحہ ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اپنے جسموں کو بجلیوں سے بھر لو کہ۔ بارہ
دن کے اندر تمہیں اپنے دشمنوں کے لئے پیغامِ قضا بننا ہے۔ خدائے بزرگ و
برتر نے وہ سب کچھ کر دیا۔ جو تمہارے حق میں بہتر ہو سکتا تھا۔ اب اپنے آپ کو
دنیا کا حاکمِ وقت ثابت کرنا تمہارا کام ہے — میری مراد اس محاذ سے نہیں
ہے۔ یہ تو ہمارا ہو چکا۔ میں سسلی کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔ اس خواب کے
بارے میں جو عنبر کی غداری کے باعث شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اسلامی لشکر۔
جس کے بل پر سسلی میں اسلامی پرچم لہرا رہا ہے۔ اب ہمارے نشانہ کی زد پر آچکا
ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہماری یہ دیرینہ خواہش پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے۔
یہ محل لمبی چوڑی تقریر کا نہیں ہے۔ ہمیں اسلامی قاصدوں کو رخصت کرنا ہے۔
اور اس کے بعد راتوں رات سابقہ حالات کی بحالی کے لئے ابتدائی مراحل سے
گزرنا ہے۔ آپ کو آپ کی فتح کی مکرّر یاددہانی کے بعد۔ اس بات کا موقعہ دیا
جاتا ہے کہ میری رائے پر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
"ہمیں آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔" خیمہ مختلف آوازوں سے لرز اٹھا۔
اس مرحلہ کے بعد اپنی مراسلہ تحریر کرانے میں مصروف ہو گئی۔ اور اکثر حاضرین مراسلہ کی تیاری
تک پاؤں پھیرے کرنے کے لئے خیمہ سے باہر نکل گئے۔
صہبا۔ روزِ گزشتہ کے برخلاف آج کی تمام تر کارروائی سے قطعی لاعلم رہی چونکہ آج علی الصبح

اسے ان خیموں میں سے ایک میں نظر بند کر دیا گیا تھا جہاں دیگر مسلمان قید تھے۔

دوپہر کے بعد شہر کا دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ اسلامی قاصد مراسلہ کا جواب لے کر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے ہمراہ چار عیسائی قاصد بھی تھے۔ جو اینی کی طرف سے اسلامی امیر لشکر کا فیصلہ کن جواب حاصل کرنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے۔ قاصدوں کی یہ ٹولی اہلِ شہر کو نئے حالات کی رونمائی کے لئے بیقرار کرتی ہوئی محل کے احاطہ میں داخل ہوئی۔ ہیش روسپاہی کے ذریعہ احمد کو قاصدوں کی آمد کے بارے میں اس وقت معلوم ہو گیا تھا جب کہ یہ لوگ عیسائی لشکر سے صدر دروازے کی طرف آتے دکھائی دیئے تھے۔ لہٰذا اس موقعہ پر جن لوگوں کی موجودگی ضروری تھی۔ انہیں مطلع کر دیا گیا تھا۔ اور چونکہ یہ تمام لوگ محل کے احاطہ ہی میں مقیم تھے۔ لہٰذا جب یہ قاصد احمد کے خیمہ میں پہنچے ہیں۔ تو تمام ذمّہ دار اصحاب یہاں جمع ہو چکے تھے۔ مراسلہ حسبِ سابق اشعر کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے بآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

عارضی اسلامی امیر لشکر جناب احمد بن حسن کے نام
عیسائی سپہ سالارِ اعلیٰ اینی بنتِ سرد غوس کا مکتوب

موقر و محترم

حسبِ توقع۔ ہمیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ ہماری شاندار جنگی روایات میں اس بدعت کا پھیلانے والا ایک سرکش و نافرمانبردار شخص تھا۔ اور بہر نوع — آپ اس کی غیر ذمّہ داری کو پوری ذمّہ داری سے محسوس کر کے تلافی پر تیار ہو گئے۔ آپ کا یہ اقدام ہمارے لئے ہمیشہ قابلِ احترام رہے گا۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ صہبا نے کل رات وہی کچھ دہرانے کی کوشش کی۔ جس کی پہل اس کے ساتھی عنبر نے کی تھی۔ اس کا یہ حملہ میری ذات کے لئے تھا۔ لیکن

شکر ہے اس خالقِ حقیقی کا۔ جس نے معجزانہ طریق پر مجھے موت کے منہ سے گھسیٹ لیا۔ وہ رات کے تیسرے پہر۔ عنبر یکلخت میری خوابگاہ میں داخل ہوتے ہوئے عین موقعہ پر پکڑی گئی۔ جس کے بیسیوں چشم دید گواہ موجود ہیں۔ لیکن چونکہ اس کا اسلامی لشکر سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اس لئے نہ آپ سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ نہ شکایت۔ ممکن ہے اس مکتوب میں اس کا مذکور بھی نہ ہوتا۔ اگر آپ دیگر قیدیوں کے ساتھ اس کا مطالبہ نہ کرتے۔

اس حیران کُن انکشاف نے عنبر اور احمد کے ہوش اُڑا دیئے۔ انہیں یوں معلوم ہوا جیسے کوئی کڑکڑاتی بجلی ان کی قوتِ سماعت پر آ پڑی ہو۔ عنبر کی اضطرابی کیفیت ضبط و تحمل کی روادار نہ ہوسکی۔ اس کا پیمانۂ صبر کئی بار چھلکا۔ وہ کئی بار پھٹ پڑنے کے لئے تیار ہوا۔ لیکن سامعین کی ہمہ تن گوشی کے احترام نے تھامے رکھا۔

لہذا! ـــــ اشعر مراسلہ پڑھے جا رہا تھا ـــــ سوائے صہبا کے۔ جو اس وقت قانون کی امانت ہے۔ ہم آپ کے تمام جوابی مطالبات تسلیم کرتے ہیں ـــ گو آپ کے مراسلہ کے بعض مطالبات ہمیں اس امر پر اکساتے ہیں کہ ہم اس ذیل میں چند شرائط کا اضافہ کریں۔ مگر چونکہ ہمارا مقصد دیانتدارانہ تصفیہ ہے۔ اور اس جھگڑے کو بہر صورت ختم کر دینا۔

فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے ہماری رائے میں یہ مناسب رہے گا کہ پہلے ہمارے ایک سو آدمی شہر میں۔ اور آپ کے اس پڑاؤ میں پہنچکر حسب معاہدہ اپنے اسباب وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں۔ اور اگر سب کچھ درست ہو۔ تو ہماری فوج شہر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہو۔ اور آپ کی فوج صدر دروازے سے باہر آجائے۔

اس کے برعکس اگر آپ کے ذہن میں کوئی اس سے بھی زیادہ بہتر صورت موجود ہو تو مطلع کریں۔ ہمیں اسے منظور کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ فقط۔

مراسلہ کے خاتمہ پر۔ انمدلنے۔ جس کی داد دیدہ نگاہی عنبر کی بوکھلاہٹ کا خصوصی مطالعہ کرتی رہی تھی۔ اور جس کی اپنی نفسیاتی کیفیت عنبر سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ اداس اداس پیرایہ میں کہنا شروع کیا۔

حاضرینِ کرام!

آپ کی تاریخ میں ایک اہم ترین باب کے اضافہ کا وقت آپہنچا۔ اس موقعہ پر آپ کی تائید و تصدیق۔ اس باب کے لئے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک بار پھر سر جوڑ کر معاملہ کی جزئیات پر غور کر لیجئے۔ اس کے بعد منطق کی بجائے عمل ہوگا۔ صرف عمل۔

خلیل کی بیٹی صہبا۔ جو واقعی طور پر اپنے باپ کے خلاف۔ ہماری حامی و ہمنوا تھی۔ اپنی اعلیٰ اسلامی شخصیت اور یتیمی و لاوارثی کے سبب ہماری خصوصی توجہ کی مستحق تھی۔ ہماری سرپرستی سے محروم ہوگئی۔ اس پر جو الزام عائد کیا گیا ہے ——

"یہ سرتاپا جھوٹ ہے۔" عنبر سے نہ رہا گیا۔ "لغو ہے۔ بہتان ہے۔ ایک بے کس و بے بس لڑکی کے ساتھ انتقامی کارروائی کی انتہائی رذیلانہ کوشش —— میں یقین کرسکتا ہوں کہ آج سورج بجائے مشرق مغرب سے نکلا ہے۔ میں مان سکتا ہوں کہ یہ دن کا اجالا نہیں شب کی سیاہی ہے۔ لیکن یہ ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ صہبا ایسی نیک و معصوم لڑکی۔ ایک ایسی ہستی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے۔ جسے "رسومِ ہمشیرگی" اور قسمیہ عہد و وفا کے ساتھ بہن بنایا گیا تھا۔ جسے صہبا بہن کہتی۔ اور سگی بہن سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ آپ مجھے حیرت سے نہ دیکھئے۔ یہ صہبا کی اندھی موافقت نہیں ہے۔ عرصہ دراز کی رفاقت کا تجربہ ہے۔ یہ ٹھیک ہے

کہ اگر صہبا ہمارے درمیان موجود نہ ہوئی۔ تو ہمیں اس کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ لیکن یہ اس کی نہیں۔ ناسازئ وقت کی خطا ہے۔ اس کے سینے میں جوشِ جہاد۔ اور اسلامی فلاح و بہبود۔ کا جو بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ عیسائیوں کی جھینی رہنما اپنی اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی۔ کاش وقت اس کا ساتھ دیتا۔ اور آج اس گوہرِ بے مایہ کی محرومی۔ ہماری تاریخ کا ایک زبردست المیہ قرار دیا جا سکتا۔

مجھے فرائضِ منصبی کے لئے دیوانگی کی حدوں پر شمار کرنے والو! میں فخر کروں گا۔ اگر مجھے صہبا کی گرمئ جذبات کا عشرِ عشیر بھی حاصل ہو گیا۔ یاد رکھو صہبا جیسی لڑکیاں بار بار پیدا نہیں ہوتیں۔ اسے ذرۂ ناچیز سمجھ کر ٹھوکروں میں نہ اڑاؤ۔ یہ کفرانِ نعمت ہے۔"

"غیور مسلمانو!" اور بالآخر احمد کی محتاط روی بھی ٹھوکریں کھانے لگی۔" میں عنبر کے قول کی تصدیق کرتا ہوں ــــ جو بیٹی اپنے اعلیٰ ترین اسلامی نظریات پر اپنے باپ کو قربان کر دے۔ اس کو ہماری طرف سے ــــ جو اعلیٰ اسلامی نظریات کے حامل ہیں۔ فراموش نہ کیا جانا چاہیئے۔ میرے خیال میں۔ جن امکانات کے تحت ہم نے عنبر کی لبعد از جنگ بھی روز و سلامتی کی شرط رکھی ہے۔ صہبا کے معاملہ کو بھی اسی سطح پر لے آیا جائے۔ کیا یہ مناسب ہوگا؟"

"یقیناً مناسب ہوگا۔" لوگ عنبر کے ہمنوا بن کر چیخ اُٹھے۔ اور عنبر و احمد کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک بہت بڑے طوفان کی زد سے بچ نکلے ہوں۔

اس مقام پر ایک اور مراسلہ تحریر کیا گیا۔ جس میں صہبا کے لئے بھی وہی شرط لازمی قرار دی گئی۔ جو عنبر کے لئے ضروری سمجھی گئی تھی۔ یہ مراسلہ عیسائی قاصد کو فوری تاکیدِ واپسی کے ساتھ دے دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عیسائی قاصد مراسلہ کا جواب لے کر آ گئے۔

اپنی نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو بھی منظور کر لیا تھا۔ اس رواداری کے پیشِ نظر احمد نے

مناسب نہ سمجھا کہ وہ فوجوں کی نقل وحرکت کے سلسلہ میں اپنی کی تدبیر کو رد کرکے کوئی نئی تجویز پیش کرے۔ لہٰذا فوراً ہی ایک سو بہادروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ اور سامان کی خصوصی یاد دہانی کے بعد انہیں عیسائی لشکر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے عیسائی لشکر میں پہنچتے ہی۔ عیسائیوں کے بھی ایک سو جنگجو جنھیں سامان رسد کے ذخائر اور دیگر ضروری سازو سامان کے بارے میں پورے طور پر خبردار کر دیا گیا تھا۔ شہر میں داخل ہو گئے۔

جانبین کی انتہائی کوشش تھی۔ کہ آج کی رات مقررہ مراحل سے گزر کر اپنے مستقل ٹھکانوں پر بسر کریں۔ لہٰذا دونوں طرف کی باہمی مساوات و رواداری نے انہیں مغرب سے پہلے ہی اکثر اہم ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ اسلامی لشکر اپنے سابقہ پڑاؤ میں پہنچ گیا۔ اور عیسائی لشکر شہر میں۔ یوں تو اسلامی لشکر نے اس موقعہ پر بڑی خندہ پیشانی سے حالات کا ساتھ دیا۔ مگر اس وقت۔ جب کہ عنبر کو عیسائیوں کی تحویل میں دیا گیا۔ تو بعض مسلمانوں کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ خود احمد بھی۔ جو عنبر کی اعلیٰ خدمات اور نیک نیتی کا دلی معترف تھا۔ اسے عیسائیوں کے نرغہ میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ لیکن خود عنبر۔ جس کا مستقبل اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ ہر قسم کے خوف و ہراس سے معرّا۔ فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے تمام دوستوں سے بغلگیر ہوا۔ اپنے ایک ہم وطن و ہم کوچہ کو گھر کے لئے ایک پیغام دیا۔ اور وقتِ رخصت اسلامی پرچم کے زیر سایہ کھڑے ہو کر گرد و پیش میں دور دور تک پھیلے ہوئے مسلمانوں سے پُرجوش خطیبانہ انداز میں گویا ہوا۔

" سرفروش مجاہدو! میں ایک بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آپ کا عنبر محض اس حد تک قصوروار ہے کہ اس نے ہر قدرتی اشارے پر لبیک کہا۔ اور وہ آپ کے یا آپ کے دشمنوں کے لئے قابلِ گردن زدنی ہو تو ہو۔ مگر اللہ کی عدالت میں وہ اتنا سنگین مجرم نہیں گردانا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز! اور جیسا کہ ہر مسلمان زندگی کی نسبت اپنی عاقبت

بر زیادہ شاکر رہتا ہے۔ آپ کا عنبر بھی پوری طرح مطمئن و پُر امید ہے۔ میں آپ سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اور نہیں کہہ سکتا کہ آئندہ ملاقات ہو۔ یا نہ ہو۔ لہذا میری جانب سے اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔ تو معاف کر دے۔ میری زندگی کا واحد مقصد مسلمانوں کی پُر خلوص خدمت تھی۔ سو خدا جانتا ہے کہ میں نے اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ میں زیادہ سے زیادہ وہی کچھ کر سکتا تھا۔ جو کر سکا ہوں۔ اب صرف ایک ہی حسرت ہے۔ اس محاذ پر آپ کا مظفر و منصور ہونا۔ اور اس کے لئے اب میں سوائے دعائے خیر کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔

اس موقعہ پر میں ایک پیغام اپنے شفیق آقا خلیفۂ افریقہ کے لئے چھوڑنا چاہتا ہوں۔ آپ میں سے جس کو بھی اللہ توفیق دے۔ میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دے۔

میں نے عہد کیا تھا کہ میں یا تو میدانِ جنگ میں مروں گا۔ یا پھر اپنے آقا کے قدموں میں۔ بحمد اللہ کہ میں کسی تیسرے ٹھکانے پر جان نہیں دے رہا ہوں۔ میری خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے میں ایک بار اپنے مہربان مالک کو اور دیکھ سکتا۔ اس کی ان عنایتوں اور شاہانہ نوازشوں کا شکریہ ادا کر سکتا جو میرے شریکِ حال رہی ہیں۔

جی چاہتا ہے کہ ایک بار اور اپنے بھائیوں کے ساتھ دست بدعا ہو کر خدا کے حضور گڑگڑا دوں "

اس جملہ کے ساتھ عنبر کے ہاتھ آگے کی طرف پھیل گئے۔

" اے رب العزت۔ ہم بے مایہ و درماندہ بندوں کی دستگیری فرما۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم اشاعتِ اسلام کے لئے روئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچ سکیں۔

اے پروردگارِ عالم۔ ہمارے بازوؤں کو قوتِ حیدری عطا فرما۔ کہ ہم حق و باطل کی راہ پر تیرے نام کو روشن کرنے والے بن سکیں "

آمین!

"اے قادرِ مطلق - ہمیں خطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ - ہمیں اس قوتِ ایمان اور جوش و خروش سے فیضیاب کر جو خالد و طارق کا حصّہ تھا"

"آمین !"

"ہمیں ذاتی جذبۂ اقتدار اور رہینِ نفس جہاں بانی سے دور رکھ - ہمیں اپنی حکومت کا پیرو کار بنا"

"آمین !!!"

"ہمیں ہدایت دے کہ تیری دنیا کو - تیرے زرّیں اصولوں کے ساتھ جنّتِ ارضی میں تبدیل کر سکیں - بیکسوں کا سہارا بنیں - بیماروں کے تیماردار - ظالموں کے محاسب - اور مظلوموں کے چارہ ساز"

"آمین !

"ثم آمین !

"آخر میں آپ سب کو - آپ کا یہ حقیر خادم - نیازمندانہ آداب بجا لاتا ہے" عنبر نے گردن جھکائی - اور اس کے بعد خود کو ان عیسائیوں کے سپرد کر دیا - جو اس کے عقب میں کھڑے ہوئے تھے - اور یہی وہ موقعہ تھا - جس نے شہسوارانِ جنگ و جدل کو بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے پر مجبور کر دیا تھا - عنبر کا یہ عالم تھا کہ ہر بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر پیچھے مڑ کر دیکھتا اور فضا میں ہاتھ لہراتے ہوئے پھر آگے بڑھ جاتا - مسلمان اس کا ہلتا ہوا ہاتھ حسرت و یاس سے تکتے رہے - یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا -

جب عیسائی عنبر کو لے کر صدر دروازے میں داخل ہو گئے - اور دروازہ بند کر دیا گیا تو یہاں پہلے سے موجود زنجیروں میں - عنبر کو یوں جکڑ دیا گیا - گویا وہ انتہائی مہلک شخص ہے اور اگر اسے ذرا بھی ہاتھ چلانے کا موقعہ مل گیا تو وہ قیامت ڈھا دے گا - حالانکہ شہر میں

داخلہ کے بعد اس کے بھاگنے کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ نہ کسی خطرناک نقل و حرکت کا۔ غالباً اپنی
کے اس سفاکانہ سلوک سے یہ مراد تھی۔ کہ جس شہر کی چہار دیواری ہیں۔ عیسائی دوستی کے طفیل۔
اسے انتہائی عزّت و تکریم۔ اور حاکمانہ شان و شکوہ کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ وہاں آج اپنی
غدّاری و دغابازی کے لئے۔ اس ذلّت و حقارت کے ساتھ بھی دیکھ لیا جائے۔ یا ممکن ہے
اپنی لئے اپنی توہینِ محبّت کا بھاؤ بتانے کے لئے یہ صورت اختیار کی ہو۔ بہر حال۔ عنبر کا شہر
کے گلی کوچوں سے یوں گزرنا۔ کہ جسم بھاری زنجیر سے جکڑا ہوا ہے۔ بچّے تالیاں بجا رہے ہیں۔
بڑے اس کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر تھوک رہے ہیں۔ اور ایک جمِ غفیر لعنت و پھٹکار کا حصار بنا
ہوا اس کے ساتھ حرکت کر رہا ہے۔ ایک ایسا ذلّت انگیز فعل تھا۔ جسے بُرے سے بُرا آدمی بھی
اچھی نظر سے نہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن آفرین ہے عنبر کی فراخ حوصلگی پر کہ اپنی آبرو کے اس
خرابے پر بھی۔ اس کی پیشانی اس کی غیر مفتوح روح کی ترجمان بنی رہی۔ اس کا غیر متاثر چہرہ بدستور
مسکراتا رہا۔ جوں جوں اس پر سختیوں کی گرفت مضبوط ہو رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں طمانیتِ
قلب کا رچاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ عنبر کی اس نفسیات نے ان لوگوں کو اور بھی بھڑکا دیا۔ جو اسے
مضروب چوہے کی مانند سر چھپانے کے لئے لرزاں و ترساں دیکھنا چاہتے تھے۔

جوں توں کر کے درمیانی راستہ ختم ہوا اور یہ اجتماعِ عظیم احاطۂ محل سے اِدھر ہی روک
لیا گیا۔ اب آگے بڑھنے والوں میں تن بہ زنجیر عنبر۔ اور اس کے دس بارہ نگہبانوں کے سوا اور
کوئی نہ تھا۔ شور و غوغے کی آواز سن کر اینی محل سے باہر آئی۔ طرفہ ستم یہ۔ کہ اپنے ہمراہ صہبا کو
بھی لیتی آئی۔ جو اسی محل کے ایک کمرے میں قید کر دی گئی تھی۔ صہبا کے سابقہ بیانات سے اینی
پر یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ عنبر صہبا سے والہانہ محبت کرتا ہے۔ چنانچہ سوختۂ الفت اینی کے
لئے۔ اس سے بڑھ کر مسرّت کی گھڑی اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس کے دل کو مجروح کرنے والا۔ اپنی
محبوبہ کو دیکھ کر۔ بے پر و بال کبوتر کی طرح پھڑپھڑا کر رہ جائے۔ اور صہبا کا سینہ اپنے محبوب کی

اس حالت کو دیکھ کر شق ہونے لگے۔

لیکن ہوا کیا؟

دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کرتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اور دیکھتے ہی رہ گئے۔

"جانتی ہو انہیں" اس نے طنز آمیز لہجہ میں صہبا سے دریافت کیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ماں کی اچانک موت نے پہلے ہی صہبا کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔ جواب میں صہبا کا سر زمین کی طرف ڈھلک گیا۔ اور اینی کو یوں معلوم ہوا گویا اس کی پیاس کو ایک جرعہ سرد و شیریں مل گیا ہو۔

اس اثنا میں بارلے اور دیگر افسران بھی یہاں آپہنچے۔ وہ افسران جو کبھی عنبر کی ماتحتی میں اس کے اشاروں پر ناچ رہے تھے۔ اور انہیں افسروں میں سے ایک گرم خون نوجوان افسر نے اپنے حاکموں کے ادب و لحاظ کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

"شیر کی کھال میں چھپے ہوئے ذلیل گیدڑ۔ آخر تو اپنی اصلی اوقات پر آگیا۔ اب اپنی نمک حرامیوں کا خمیازہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جا۔ زمین تیرے مکروہ بوجھ سے پناہ مانگ رہی ہے۔ کاش ہم تجھ پر ابھی شکاری کُتّے چھڑوا سکتے۔"

"عیسائیوں کا محبّ و مربّی" اینی کی طنز و غضب کے بوجھ سے دبی ہوئی آواز ابھری۔ "ہماری نوازشوں کا پُر وقار سراپا ـــ اسمٰعیل ـــ خلیفۂ افریقہ کا چہیتا جاسوس ـــ عنبر ـــ دنیا کے گوشہ گوشہ کو ہلالی پرچم کے زیر سایہ دیکھنے کا متمنی ـــ کیا انہیں مکر و فریب کے ہتھیاروں سے؟ کیا انہیں کالے کرتوت سے؟ ـــ پھٹکار ہو تجھ پر۔ اور تجھے پال پوس کر۔ دنیا کے لئے باعثِ آزار بنانے والوں پر۔ لعنت ہو ان پر جنھوں نے تجھ ایسے کمینہ شخص کو جاسوسی کا باعزت پیشہ تفویض کیا۔"

عنبر جو سینہ چھلنی کر دینے والی عوامی صداؤں میں۔ اپنی لگن میں مگن یہاں تک پہنچا تھا۔ اور جو اپنی ذات تک ہر گالی کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ اپنے والدین

اور مشفق و مہربان آقا کی شان میں یہ گستاخانہ کلام سن کر اپنا سب کچھ خاکستر کر بیٹھا۔
" صلیبی سورماؤ! اس نے اپنے جکڑے ہوئے بدن کو نمایاں کر کے کہا۔ جسم کے ساتھ میرے
لبوں کو بھی سی دو۔ کہ تمہاری دلیری و بہادری میں اور اضافہ ہو جائے"۔
" اس افریقی شیر کو زنجیروں سے علیحدہ کر دیا جائے"۔ اینی نے گردن اکڑاتے ہوئے حکم دیا۔
آنکھوں سے خشونت و وحشت برساتے ہوئے دو افسر آگے بڑھے۔ اور عنبر کو زنجیر کی
جکڑبند سے آزاد کر کے اینی کی طرف دیکھنے لگے۔ جیسے انہیں اگلا حکم " اس کے سینے میں خنجر
پیوست کر دو " ملے گا۔
" اب کہو اسلامی سورما"۔ اینی غضب ناک لہجہ میں بولی۔" اب تو تم ہماری ہی طرح آزاد ہو"۔
" ہاں۔ مجھے کہنا پڑے گا۔ اس لئے کہ آپ نے میرے بے ضرر والدین اور شریف آقا
کے بارے میں بہت برا کہا ہے۔ میں کہوں گا کہ تم مجھ سے زیادہ بزدل۔ مکار اور فریبی ہو۔
اور اپنی گیدڑ صفات زندگی کے لئے مجھ سے ہزار درجے زیادہ لعنت و ملامت کے مستحق"۔
" خاموش!" ہارلے تلوار سونت کر آگے بڑھا۔
" ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانے والے اس چراغ کو بھڑک لینے دو!" اینی نے درمیان میں حائل
ہو کر ہارلے کا راستہ روک لیا۔" ہم معاہدے کے پابند ہیں۔ اور اسے خاطر خواہ جواب دینے کی
صلاحیت رکھتے ہیں ۔۔۔۔ ہاں"۔ اینی عنبر کی طرف متوجہ ہوئی۔" ہم فریبی ہیں۔ اور قابل ملامت
بھی۔ اس لئے کہ ہم نے ایک ذلیل کتے کو آدمی سمجھ کر اس پر بھروسہ کیا"۔
عنبر نے بولنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ اینی خطرناک لہجہ میں گرجی۔
" خبردار! اس لمحہ کے بعد اگر تمہارے منہ سے کوئی ایسا ویسا جملہ نکلا تو تمہاری زبان کھینچ
لی جائے گی"۔
" میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جسم کے ساتھ میرا منہ بھی جکڑ دو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے دشمن اتنے

دل گُردے والے نہیں ہیں کہ غصّہ کی بات کہہ کر اس کی جھوک سنبھال سکیں۔ لیکن یاد رکھیئے۔ جو بات میں کہنا چاہوں گا۔ وہ کہہ کر رہوں گا۔ جس شخص نے اپنی موت کو زندگی کی ٹھوکروں میں رکھا ہے۔ وہ آپ کی ان دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں قصوروار ہوں۔ اس لئے کہ میرے ہاتھوں تین افراد کا قتل ہوا۔ میں لائقِ ملامت ہوں اس لئے کہ میں نے عیسائی ٹڈی دَل کو اسلامی فوج کے متوازی کرنے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن آپ لوگ جنھوں نے دس بارہ ہزار مسلمانوں پر سوا لاکھ فوج سے حملہ آور ہو کر انہیں پیوندِ زمین بنانے کی کوشش کی۔ وہ بڑی بہادرانہ حرکت تھی۔ وہ بڑا ہی منصفانہ فعل تھا۔ جب کہ نیند کے ماتوں پر آپ کی شیر دل فوج نے شبخون مارا تھا۔۔۔ سوچو۔۔۔ اور اگر ذرا بھی غیرت کا مادہ ہو۔ تو اپنے لئے بھی وہی سزا تجویز کرو۔ جس کا مجھے سزاوار خیال کر رہے ہو۔ اور پھر تمہاری شرافت اور شجاعتِ مردانگی میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ جب کہ خلافِ معاہدہ۔ ایک ایسے شخص کو جو مسلمانوں کی طرف سے ایک معیّنہ عرصہ کے لئے تمہاری امانت میں دیا گیا ہے۔ اور جو بہر حال مجبور و محبوس ہے۔ اپنی بلند حوصلگی کے جوہر دکھا رہے ہو۔ بھلا کون ہے جو اس بدکرداری و بدعہدی کے لئے تم پر نام دھر سکے۔"

"اسے محل کے زیریں حصّے میں مقفل کر دو۔ ہم اسے مناظرہ بازی کا بھی موقعہ دیں گے۔" اینی نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور یہ الفاظ کچھ اس طرز پر ادا کئے۔ جیسے وہ اس انتقامی جذبہ کو کچھ اور وحشیانہ بربریت کے ساتھ کسی مناسب وقت پر ٹال رہی ہے۔ اس کے برعکس دیگر افسروں کے غیظ و غضب کا یہ عالم تھا کہ اگر ان کا بس چلتا تو عنبر کی تکا بوٹی کر کے چیل کوّوں کو کھلا دیتے۔

حسب الحکم اینی کے خادم اسے محل کے زیریں حصّے کی طرف لے چلے۔ جس کا خفیہ دروازہ محل کے عقب میں واقع تھا۔

نیرنگیٔ حالات

احمد بے شمار ضروری امور کی انجام دہی سے۔ چور چور ہو کر۔ جب رات کے گیارہ بارہ بجے کے قریب اپنے خیمہ میں پہنچا۔ تو اپنے خادم فریدی کو جو عیسائیوں کی قید سے دیگر بہت سے قیدیوں کے ساتھ آج ہی رہا ہوا تھا۔ اپنی خوابگاہ کے دروازے پر فریادی انداز میں کھڑے پایا۔

"تم سوئے کیوں نہیں گئے!" احمد نے خوابگاہ میں داخل ہوتے ہوئے یونہی سے لہجہ میں کہا۔ "آج تو تم بھی کافی تھک چکے ہو گے۔"

"تھک تو بیشک گیا ہوں عالی جاہ۔" فریدی نے مودبانہ جواب دیا۔ "مگر اتنا نہیں کہ آپ سے پہلے بستر پر پہنچنے کا خطاوار ہوں۔"

"کتنی بار کہا ہے۔ خصوصی حالات میں ایسی باتوں کی پرواہ نہ کیا کرو۔ لیکن ——" احمد بستر پر گر گیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ عمر کے ساتھ تمہاری عادتیں بھی کافی پختہ ہو چکی ہیں —— خیر۔ اب آرام کرو۔"

فریدی جو سر جھکائے احمد کی پائنتی تک آ پہنچا تھا۔ اُبھرتے ڈوبتے لہجہ میں رُک رُک کر بولا۔ "ایک خاص بات حضور کی توجہ کی مستحق ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ حضور کے آرام میں مخل ہو رہا۔"

"کہہ سکتے ہو۔ نیند ہمیں یوں بھی جلد نہ آسکے گی۔"

"وہ جو تھی نا —— خلیل کی بیٹی ——" بوڑھے نے یاد دلایا۔ اور احمد ایک اضطراری کیفیت کے تحت ایکدم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر فوراً ہی اس خیال سے کہ کہیں اس موضوع سے اس قدر

دلچسپی فریدی کو مشکوک نہ کر دے۔ بات بناتے ہوئے بولا۔ "پاؤں کی پٹیاں کھول ہی دو تو اچھا ہے ـــــ ہاں مجھے یاد ہے۔ شاید صہبا نام تھا اس کا۔"

"جی ہاں۔ وہ آج دوپہر تک اُسی خیمہ میں مقید رکھی گئی تھی۔ جس میں آپ کا یہ غلام پہلے سے نظر بند تھا۔"

"اچھا پھر۔" احمد کی اضطرابی میں اضافہ ہونے لگا۔

"اس نے سرکارِ والا کے لئے مجھے ایک پیغام دیا تھا۔ اور التجا کی تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے۔ اسے جناب تک پہنچا دیا جائے۔"

"ہوں ـ بھلا کیا پیغام تھا۔"

"اس نے کہا تھا کہ رات کو اپنی کا بھائی ـ جس کا نام ـــــــ"

"ہارلے۔" احمد کی بے قراری نے رہنمائی کی۔

"ہاں ہارلے۔ اس کی عزّت وآبرو کی خرابی کے درپے ہو گیا تھا۔ مگر اس نے ہارلے کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور شور وغل کے خوف سے جب وہ صہبا کی اقامت گاہ سے باہر نکل گیا تو صہبا کو خطرہ ہوا کہ وہ دوبارہ آکر پریشان کرے گا۔ لہٰذا اس نے اپنی حفاظت کے لئے خنجر ہاتھ میں لیا۔ اور اس کی بہن کو جملہ حالات سے مطلع کرنے کے لئے۔ اس کی خوابگاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کمینہ شخص نے صہبا کو اپنی کی خوابگاہ کی طرف جاتے دیکھ کر شور مچا دیا کہ وہ اپنی کو قتل کرنے کے لئے جا رہی تھی۔ لہٰذا اس پر قتل کا یہ الزام قطعاً جھوٹ ہے۔ اور اگر یہ معاملہ آنجناب تک پہنچے تو میری ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ اس پر یقین نہ فرمائیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اسلامی لشکر میں امیر لشکر کے زیرِ سایہ ایک مجاہدہ کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتی تھی۔ اگر حالات نے میری اس خواہش کا ساتھ نہ دیا۔ تو میں اس لاحاصل زندگی کو زیادہ دیر برداشت نہ کروں گی۔"

"اور!"

"اور — اس کی بیمار ماں عین اس موقعہ پر دم توڑ گئی جب کہ عیسائی اسے قیدیوں کے خیمے کی طرف لے جا رہے تھے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" احمد نے سرد آہ بھری۔ "اور؟"

"بس حضور کے لئے اتنا ہی کچھ تھا — وہ مجھ سے کافی دیر ہمکلام رہی۔ اس کی باتیں سُننے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایسی لائق و فائق لڑکی خلیل ایسے بدکردار کی بیٹی کیونکر ہو سکتی ہے حق و باطل اور نور و ظلمت کا اس قدر عجیب ملاپ۔ اتنی عمر ہو گئی۔ آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔"

"اچھا!" احمد نے مصنوعی حیرانگی سے فریدی کو کچھ اور کہنے پر اُکسایا۔

"جی عالی جاہ! وہ مسلمانوں کے مسائلِ حاضرہ پر گفتگو کرتی رہی۔ اسے ہمارے بارے میں ہم سے کچھ زیادہ ہی معلومات تھیں۔ عنبر کی غیر ذمّہ دارانہ حرکات کا بھی بیحد ملال تھا۔ وہ اس کی بڑی مذمت کر رہی تھی۔"

"ہاں!" احمد کو یوں معلوم ہوا۔ گویا وہ غیر یقینی دھندلکوں سے نکل کر مطلوبہ پُرنور راہ پر لگ رہا ہو۔

"ہاں میرے آقا۔ وہ بڑی ذہین اور حساس لڑکی ہے۔ اور میرے یہ الفاظ ہر وہ شخص دوہرانے پر مجبور ہو گا۔ جسے تھوڑی دیر کے لئے بھی اس سے ہمکلام ہونے کا موقعہ ملے گا۔ میرا خیال ہے۔ اب حضور کو آرام کرنا چاہیئے۔"

"ہاں اب تم بھی آرام کرو۔"

فریدی آداب بجا لا کر خوابگاہ سے نکل گیا۔ اور احمد۔ جواب سے کچھ دیر پیشتر خستگی کا بوجھ نہ سہارتے ہوئے بستر پر گر پڑا تھا۔ پوری تاب و توانائی اور جوش و ولولہ کے ساتھ فریدی کے انکشافات پر مرکوز ہو گیا۔

"اب میں جان سکتا ہوں۔ وہ اپنی کی رفاقت میں کس جذبہ کے تحت ہمارے درمیان پہنچی تھی۔ اور اپنے اعلیٰ ترین معیارِ پاکیزگی و پارسائی کے باوجود۔ کس کشش سے مجبور ہو کر اپنی کی معرفت مجھ سے ملی تھی۔ پھر کن امیدوں کے ساتھ وہ اپنی کا ساتھ چھوڑ کر میرے خیمہ میں اقامت پذیر ہوئی تھی۔ صہبا کی نوجوان امیرِ لشکر پر فریفتگی ایک قدرتی امر ہے۔ وہ مسلمانوں کی ترقی و بہتری کی دلدادہ ہے اور اسلامی امیرِ لشکر اس ترقی و بہتری کا ایک ذمّہ دار محرک۔ اس کے دل میں پہلے سے ہی میرا احترام موجود تھا۔ اور جب اس نے مجھے دیکھا۔۔ تو۔۔۔ تو بالکل اسی طرح۔ جیسے اس کی حسن آرائیوں سے میں مسحور ہوئے بغیر نہ رہا۔۔۔ وہ بھی متاثر ہوئی۔۔۔ یقیناً متاثر ہوئی۔ اور اس کا واضح ترین ثبوت مجھے فوراً ہی مل سکتا تھا۔ اگر عیسائیوں کے شبخون کی وجہ سے ہم جدا نہ ہو جاتے۔ لیکن شکر ہے کہ اب نہ صرف واضح ثبوت ہی مل گئے۔ بلکہ میری یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ اس کے اور عنبر کے درمیان محبّت کارفرما ہے۔ اگر وہ عنبر سے محبت کرتی ہوتی تو اس کی مذمت ہرگز نہ کرتی۔ وہ ایک ایسے شخص سے کیونکر محبّت کر سکتی ہے جو اس کے باپ کا قاتل ہے۔ اس نے میرے لئے جو پیغام چھوڑا ہے وہ اس کی محبت کا غیر مشکوک اعتراف ہے۔ وہ اسلامی فوج کی خادم بن کر۔ یا یوں کہہ لو۔ کہ میری اپنی حیثیت سے۔ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔۔۔ اور اگر ایسا نہ ہوا۔۔۔ اوہ! ایسا ہونا ہی چاہیئے۔ اور جلد سے جلد۔۔۔ ورنہ۔۔۔" اور اس کے بعد جیسے احمد کا پہلو دھواں دے اٹھا ہو۔ وہ بے چین ہو کر خیمہ کے چکّر کاٹنے لگا۔ اس کے دماغ میں عنبر کے وہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے ہارلے کی عیّاشی و نفس پرستی کے سلسلہ میں سنے تھے۔ اور صہبا۔۔۔ وہ آج بھی اسی بھیڑیئے کے زیرِ سایہ تھی۔ جس کا منہ صہبا کے خون کی طرف لپک رہا تھا۔" کاش مجھے یہ پیغام شہر ہی میں مل جاتا۔ اور میں صہبا کا مطالبہ معاہدہ پر سرِ فہرست رکھ سکتا۔ افسوس کتنا اچھا وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا ان اسباب سے قدرت کی یہ مراد تو نہیں ہے کہ میری یہ طلب ہمیشہ طلب ہی رہے گی۔۔۔ احمد! جیسے کسی نے اسے بری طرح جھنجھوڑ پھینکا ہو۔" تم بحیثیت امیرِ لشکر

ان باتوں پر اپنا وقت صرف نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے تمہیں محض احمد بننا پڑے گا۔ ایک ایسا شخص۔ جس کا سب کچھ اپنا ہو۔ اور جب تک تم مسلمانوں کی قیادت کے ذمّہ دار ہو۔ تمہارے پاس۔ تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کچھ بھی نہیں۔"

عین اس وقت جب کہ بے چین و بے قرار احمد اپنی خوابگاہ میں کشاکشِ فرض و محبت کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ جراجہ کے شاہی محل میں تین مجروح جوانیاں سوز و گدازِ عشق سے کروٹوں پر کروٹیں بدل رہی تھیں ——ایتی —— عنبر—— اور صہبا —— جی ہاں ایتی! جو اسماعیل کے عنبر بنتے ہی شعلۂ غضب بن گئی تھی۔

اور اب ، اپنی مغلوب الجذباتی کو عقل و خرد کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کر رہی تھی—— اب سے ہماری مراد وہ وقت ہے۔ جب کہ آج شام کو طوق و سلاسل کی جھنکاریں عنبر نے عیسائیوں کو کھری کھری سنائی تھیں۔ اور اپنی پُر امنگ جوانمردی سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ایک غیر مفتوح شخصیت کا مالک ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایتی کی دھمکی کے باوجود جب عنبر نے عیسائی فوج کی ناروا حرکتوں پر انہیں ڈوب مرنے کے لئے کہا تھا۔ تو ایتی نے جواب دینے کی بجائے اسے محل کے زیریں حصّہ میں قید کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔ اور اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ اس توہین کا انتہائی ہولناک بدلہ لے گی۔ لیکن اس کا یہ تاثر۔ محض دکھاوا ہی دکھاوا تھا۔ ورنہ درحقیقت وہ اس ناقابلِ تسخیر چٹان کو ایک بار پھر اپنی مہر و محبت سے سر کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ ذاتی طور پر ایک فراخ حوصلہ اور بہادر خاتون تھی۔ اور اپنی باوقار جوانی کو کسی ایسے ہی شخص کا حصّہ خیال کرتی تھی جو اس سے زیادہ بہادر۔ اس سے زیادہ جرأت مند۔ اور اس سے زیادہ بلند ہمّت ہو۔ عورت کی یہ فطرت اپنی جگہ بڑی عجیب و غریب

ہے کہ جو شخص ایک بار اس کے معیارِ نظر پر پورا اُتر جائے۔ اور اس سے محرومی اس کے نصیب پر چھانے لگے۔ تو وہ اپنے منافی حالات سے اپنی تمام تر طاقتوں کے ساتھ ٹکرانا شروع کر دیتی ہے۔ اور بعض حالتوں میں تو یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ اس نے حصول مراد کے لئے اپنی ذات سے گزر کر سلطنتوں کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ عنبر کی حالیہ جرأت و دلیری نے اپنی کے زاویۂ نگاہ میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اب وہ اس کے معاملہ پر اس نوعیت سے نہیں سوچ رہی تھی۔ کہ اس نے اس کے والد کو قتل کیا ہے۔ عیسائی فوج کو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچایا ہے —— اب محض عنبر کی ذاتِ خاص اس کے سامنے تھی۔ اور اس کے غور و فکر کا رُخ براہ راست عنبر کے عیوب و محاسن پر تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

عنبر نے ہمیں نقصان پہنچایا۔ اس لئے کہ وہ مسلمان تھا۔ اور اگر وہ عیسائی ہوتا تو —— ؟

تو وہ یقیناً مسلمانوں کے لئے بھی اتنا ہی خطرناک ثابت ہوتا۔ جتنا کہ ہمارے لئے ہوا ہے۔

کیا وہ خود غرض اور لالچی ہے ؟

نہیں۔ اگر وہ ایسا ہوتا تو اپنی زندگی کو قومی اغراض پر ہرگز قربان نہ کرتا۔ وہ لالچی بھی نہیں ہے۔ ورنہ میرے التفات کی شہ پا کر —— میرا —— ایک شاہی خاندان کا سب کچھ حاصل کر سکتا تھا

کیا وہ مکّار اور فریبی ہے ؟

نہیں۔ اس کی وہ لغزشیں قومی شدّتِ جذبات کا نتیجہ تھیں۔ اور بقول خود۔ اگر اس بنیاد پر وہ مکّار اور فریبی کہلا سکتا ہے۔ تو ہم اس سے بھی زیادہ مکّار اور فریبی ہیں۔ ہم نے فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے عوام کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا۔ ہم نے اپنے ملک کے تمام لوہے کو ہتھیاروں میں ڈھال لیا۔ ہم نے ایک کے مقابلہ پر بارہ کا اوسط جائز رکھا۔ ہم نے شبخون مارا۔

کیا وہ ہارلے کی طرح عیاش ہے ؟

توبہ توبہ !

پھر ہم اسے بُرا کیوں سمجھتے ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ اس گوہر بے بہا سے اپنے دامن
حیات کو رونق دیں۔ اسے نیست و نابود کر ڈالنے پر کیوں مصر ہیں۔ لیکن قیامت تو یہی ہے کہ
وہ ہمارے دامنِ حیات کی زینت بننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ہم کئی بار دامن پھیلا چکے ہیں۔ کئی بار
دل کی گہرائیوں سے پکار رہا ہے۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ لیکن ---- اب جب کہ والد کا سایہ
سر سے اٹھ چکا ہے۔ گلبرٹ بھی زندہ نہیں ہے ---- اور یہ ہارلے ---- جو کرسئی اقتدار کے لئے
اب اپنے عشرت کدوں کی بھی پرواہ نہیں کر رہا ---- مجھے اپنے لئے ایک محافظ کی ضرورت ہے۔
اور اگر عنبر مان جائے ---- تو ---- اب تو پانی بھی سر سے اونچا گزر چکا ہے۔ میں اسے کیسے
منا سکتی ہوں ---- نہیں میں منا سکتی ہوں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور میرا بن جائے گا۔ مگر
اس طرح نہیں۔ مجھے اس کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ اور ---- اور ہاں میں ایسا بھی کروں گی۔
وہ ایک ظالم و جابر ہستی کو پائے حقارت سے ٹھکرا سکتا ہے۔ ایک خلوص بھرے دل کو نہیں کچل سکتا
وہ بہادر ہے ---- اسے میری شکستِ پندار پر ترس آنا چاہیئے۔ اسے اپنے قدموں میں پڑی ہوئی
ایک فریادی عورت کو سہارا دے کر اٹھانا چاہیئے ---- میں یہ بھی کروں گی ---- بحیثیت انسان ----
ایک اچھے انسان کے لئے۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد۔ اس کے سامنے حور شمائل صہبا کا سراپا گھوم گیا۔ اور پھر اسے
یوں معلوم ہوا گویا صہبا کے ہاتھ میں عنبر کا دل دھڑک رہا ہے۔

"نہیں ----" وہ قریب قریب چیخ اٹھی۔ "وہ اسے نہیں پا سکتی۔ وہ اس کے باپ کا خو
ہے۔ اس کی کُل تباہی و بربادی کا موجب۔ اور ---- اور عربی خون اس قدر سرد نہیں ہو سکتا ک
اپنے ظالم کو انتقام لئے بغیر معاف کر دے۔ وہ عنبر سے محبت نہیں کر سکتی ---- نہیں کر سکتی ----
نہیں ---- لیکن عنبر تو اس سے محبت کر سکتا ہے ---- نہیں ---- وہ بھی نہیں کر سکتا ---- کوئی
سنگدل حبیب اپنی محبوبہ کو یتیم بنا کر اسے در در کی ٹھوکریں کھلوانے پر آمادہ نہیں ہو سکتا ---- او

اس قسم کا کوئی امکان موجود بھی ہے تو میں اسے ختم کر ڈالوں گی ـــ اگر میں اس قدر گر لینے کے بعد بھی۔ اپنی محبت کا تحفظ نہ کر سکوں۔ اسے دوسروں کی نظرِ بد سے نہ بچا سکوں۔ تو یہ ساری جدوجہد ایک المناک ڈھونگ ہے۔ جس کی میں کسی مقام پر متحمل نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی مقام پر۔ اور نہ وہ جنس بن سکتی ہوں جو ہر کس و ناکس کے قدموں میں رُلتی پھرے۔"

اور اینی کی وہ بے قرار کروٹیں۔ جو اسے کسی پہلو چین نہیں لینے دے رہی تھیں ـــ ایکدم تھم سی پڑ گئیں۔

اینی کی خوابگاہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ـــ ایک مقفل کمرے میں پڑی ہوئی صہبا۔ اتنی رات گزرنے کے باوجود۔ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہاں کی محدود خلاؤں کو گھور رہی تھی۔ آج شام اس نے عنبر کو جس حال میں دیکھا تھا۔ وہ منظر اب تک اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ جب وہ شہر کے باہر اینی کے خیمہ میں مقید تھی تو اس نے عیسائیوں کے اوّلین "جلسۂ تلافی" کی پوری روداد سنی تھی۔ چنانچہ موجودہ انتقامی سرگرمیوں سے اسے یہ معلوم کر لینا دشوار نہ تھا کہ مسلمانوں نے عیسائیوں کے مطالبات تسلیم کر لئے ہیں۔ اسلامی امیرِ لشکر کا عنبر کو اس بیدردی کے ساتھ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا۔ صہبا کی طبعِ نازک پر رہ رہ کر گراں گزر رہا تھا۔ یہ درست تھا کہ عنبر کی غیر ذمہ داریاں۔ اسے سخت ناپسند تھیں۔ لیکن وہ اس معاملہ کو حاکم و محکوم کا نجی مسئلہ سمجھتی تھی۔ اور اس کی نگاہ میں اس کا مناسب ترین حل یہ تھا کہ اسلامی امیرِ لشکر اپنے طور پر عنبر کو سزا دیتا۔ اور اگر عنبر کی غلطیوں سے پیدا شدہ حالات کی تلافی ضروری ہی تھی تو اس کے لئے اور بھی کئی راستے اختیار کئے جا سکتے تھے۔ غرض یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ وہ اسلامی امیرِ لشکر سے شاکی نظر آ رہی تھی۔ اسے بیحد دکھ ہوا تھا۔ عنبر کو ایک پُر تحقیر تماشہ کی

صورت میں دیکھ کر۔ اور اس لئے نہیں کہ وہ عنبر کو بے پناہ چاہتی تھی۔ اور اس کے ساتھ تمام زندگی وفادار رہنے کا عہد کر چکی تھی ۔۔۔ اس لئے کہ وہ ایک باعزّت خادمِ قوم تھا۔ ایک اولوالعزم مسلمان تھا۔ اس کی عزّت مسلمانوں کی عزّت۔ اور اس کی ذلّت مسلمانوں کی ذلّت تھی۔

یہ درست ہے کہ وہ بجائے خود اپنے محبوب کی ستم خوردہ تھی۔ اور یہ اس کے محبوب ہی کا کیا دھرا تھا کہ وہ برگِ خشک کی مانند ہوا کے جھونکوں میں اِدھر سے اُدھر کھدڑتی پھر رہی تھی۔ اگر آج اس کا باپ زندہ ہوتا۔ تو اسے اِس بے عزّتی کی زندگی سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ اس کا ایک خاص معیار ہوتا۔ جو بہر حال برقرار رکھا جاتا۔ اسے نہ عیسائیوں کی قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا اور نہ ہارلے ایسے بھیڑیے کی ہوسکاریوں کا تختۂ مشق۔

"لیکن ۔۔۔" صہبا کے سوچ سوچ کر ماؤف ہو جانے والے دماغ سے آواز آئی۔ "اتنا کچھ کھو دینے کے بعد۔ اسے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے ۔ ایک ماں تھی۔ وہ بھی داغِ مفارقت دے گئی۔ اب سوائے عنبر کے اس دنیا میں میرا ہے ہی کون ۔۔۔ مگر ۔۔۔ کیا وہ زندہ رہ سکے گا ۔۔۔ یہ قصائی اسے زندہ چھوڑ دیں گے ۔ خصوصاً ایسی صورت میں۔ جب کہ اس نے ان کی غیرت پر انگارے اُلیچے ہیں۔ ان کے طرزِ عمل پر تھوکا ہے ۔۔۔ کیا ہونے والا ہے میرے معبود!" صہبا نے سسکی سی لی ۔۔ "ایک میں تھی ۔ جو حتی المقدور دوڑ دھوپ کر سکتی تھی۔ مگر نیکی بدی کا روپ بدل کر عذابِ جان بن گئی۔ جو عنبر کا حال تھا۔ وہی میرا ہو گیا۔ خدا جانے کس گناہ کی پاداش میں یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ اور یہ بدبختیاں کس انجام کا پیش خیمہ ہیں"۔

معاً صہبا کی اداس اداس آنکھوں میں امید کی ایک ہلکی سی چمک عود کر آئی ۔۔۔ "میرا پیغام اسلامی امیرِ لشکر تک پہنچ گیا ہو گا ۔۔۔ مگر ۔۔۔" اس کی آنکھوں کی چمک پھر گہری اداسی میں تبدیل ہو گئی ۔۔۔ "مگر اسے خلیل کی بیٹی کے بیان پر یقین کیوں آنے لگا ۔۔۔ اور اگر آ بھی گیا تو کیا ہو گا۔ جو شخص اپنے لشکر کی اہم ترین ہستی۔ عنبر کے لئے کچھ نہ کر سکا۔ وہ اپنے دشمن کی

بیٹی کے لئے کیا کر سکتا ہے۔ مگر ــــ مگر اینی نے کہا تھا کہ احمد نے اپنے مراسلہ میں مجھے خاص طور پر طلب کیا ہے۔ کیا یہ سچ ہو سکتا ہے۔" اور اس کے بعد اس کے حافظہ پر وہ سب کچھ اُبھرنے لگا جو احمد سے متعلق تھا۔ اسے یاد آیا کہ شبخون کی رات جب میں نے زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کے لئے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ تو اس نے مبالغہ کی حد تک حسین و نازک قرار دیتے ہوئے مجھے اس خدمت کے ناقابل سمجھا تھا۔ اگر میں اس کے حافظہ میں محفوظ ہوں۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ــــ نہیں اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ دراصل اسے اندیشہ تھا کہ اگر مجھے ذرا سی بھی آزادی مل گئی تو میں فرار ہو جاؤں گی۔ اور اس نے عورتوں کے پسندیدہ الفاظ کے ساتھ اس خطرہ کا سدِ باب کر دیا۔

صہبا اپنی ذہنی آوارگیوں پر جھنجھلا اُٹھی۔

اور ٹھیک اسی وقت ــــ صہبا سے چند گز کے فاصلہ پر۔ محل کے زیریں حصّے میں۔ گردش اوقات کا گھائل عنبر۔ اپنے پُر پیچ حالات میں گم سم۔ اپنے اور صہبا کے **نامعلوم مستقبل** کا کھوج لگانے میں مصروف تھا۔

انسان کی نفسیات بھی کس قدر عجیب ہے۔ وہ کسی مقام پر جانکاہ آلام و مصائب کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کرتا ہے۔ اور کسی مقام پر ایک ادنیٰ سا تصوّر۔ ایک معمولی سا اندیشہ اس کی کائناتِ حیات کو درہم و برہم کر ڈالتا ہے۔ کہیں اس کی سنگین آنکھیں لاشوں کے انبار اور خون کی ندیاں بہتی دیکھ کر بھی نمناک نہیں ہوتیں۔ اور کہیں وہم و گمان کی ذرا سی نشان دہی اس کی آنکھوں کو سیلِ آب بنا ڈالتی ہے۔ کبھی اس کی جواں ہمتی قیامتوں کو بھی خطرے میں نہیں لاتی۔ اور کبھی ایک دھندلا سا منظر بھی اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔

آج عنبر کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ اجل کے دوش بدوش زندگی سے کھیلنے والا۔ اس وقت یاس و حرماں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔ چشمِ تصوّر کی بے اختیاریاں اسے خس و خاشاک کی طرح منتشر کئے ہوئے تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ جدید حالات کے تحت۔ اپنے اور صہبا کے معاملات پر معقولیت کے ساتھ غور و خوض کرے۔ اور اگر بدترین ہی سامنے آنے والا ہے۔ تو اسے کم سے کم بدترین بنانے کے لئے جو بھی کچھ کر سکتا ہے۔ کرے۔ لیکن صورت یہ تھی کہ

نے ہاتھ باگ پر ہے۔ نہ پا ہے رکاب میں

سوچتا کچھ تھا۔ اور سوچا کچھ جاتا تھا۔ جب صہبا کا مسئلہ اس کے زیرِ غور آتا تھا۔ تو حالات کی بجائے۔ خود اس کا سراپا اس کے سامنے آجاتا تھا۔ کبھی معتوب۔ کبھی غضبناک۔ کبھی سرد مہر اور کبھی مہر و محبت کا مرقع۔ اور اس کے بعد اس کی نگاہِ تجسّس بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے لوٹ جاتی تھی۔ کبھی وہ خلیل کا کٹا ہوا سر نیزے کی نوک پر دھرا دیکھتا تھا۔ اور کبھی اس محل سے متصل اپنی اس خوابگاہ کو۔ جہاں صہبا مہرِ محبت بن کر جگمگایا کرتی تھی۔ جہاں اس نے اس کی محبت میں سدا ثابت قدم رہنے کے پیمان باندھے تھے

معاً دروازے پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ اور وہ چونک کر چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی وہ اتنی رات گئے۔ اس خلاف توقع معیت کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔ اور اپنی شمعدان ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوئی۔ اور عنبر کے چہرے پر اپنی آمد کا ردِ عمل پڑھتی ہوئی۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔ دو کریل حبشی جوان ہاتھوں میں چوڑی باڑھ کی ننگی تلواریں لئے دائیں بائیں اس کی حفاظت پر مستعد تھے۔

"تم باہر کے دروازے پر ٹھہرو۔" اپنی نے محافظوں کو حکم دیا۔ "تالی کا خیال رکھنا۔" اور جب یہ لوگ نہہ خانہ کے اس حصّہ سے باہر نکل گئے۔ تو اپنی نے شمعدان طاقچہ میں رکھا۔ اور کچھ اس انداز سے۔ گویا اسے اپنے مفہوم کی ادائیگی کے لئے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔ بولی۔

"میں تمہارے پاس چند ضروری باتوں کے لئے آئی ہوں۔" اور اس کی پُر اعتماد نگاہ عنبر کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر تکنے لگی۔

"زہے نصیب کہ حاکم کلابریہ۔ ایک حقیر قیدی کے لئے زنداں کے دروازے تک پہنچے۔" عنبر نے اپنی مخصوص گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے معزز مہمان کو بیٹھنے کے لئے بھی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا۔"

یہ سن کر اینی نے ایک لمحہ غور کیا۔ اور کمال بے تکلفی کے ساتھ اس معمولی چارپائی پر جا بیٹھی جو عنبر کے استعمال میں تھی۔

"کاش یہ آپ کے شایانِ شان ہوتی۔" عنبر نے اپنا زاویہ درست کرتے ہوئے کہا۔

"کاش تم جان سکتے کہ تمہارے ــــــ" اینی کی برجستہ کلامی ایک غیر ارادی احتیاط کا شکار ہو گئی ــــ "دراصل ـــ" اس نے ابتدائیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے پہلے تو آپ کو یہ جاننا چاہیئے کہ میں صرف ایک عورت ہی نہیں ہوں۔ ایک ذمہ دار ہستی بھی ہوں۔ اور اپنے ہر قول و فعل کے لئے۔ اپنے ملک و قوم کے سامنے جوابدہ۔ آج شام جزاجہ میں تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے۔ اس کے لئے میں بالکل بے بس تھی ــــ مجھے افسوس ہے۔ اور شاید زندگی بھر رہے گا کہ اس موقعہ پر مجھے اینی کی بجائے ــــ ایک عورت کی بجائے۔ ایک قومی ترجمان کی حیثیت سے تمہارے ساتھ پیش آنا پڑا۔" ــــ اینی کے نفسِ موضوع کو پا کر عنبر کی مردانہ وجاہتیں جو غموں سے بوجھل ہو رہی تھیں حسب سابق بحال ہونے لگیں۔ احساسِ برتری نے اس کے مجہول اعصاب میں ایک باوقار تناؤ پیدا کر دیا۔

"تم نے میرے باپ کو انتہائی بیدردی کے ساتھ قتل کیا۔ ہماری فوج کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر۔ ہزاروں بہادرانِ قوم کو تہہ تیغ کرایا۔ ہمیں شکست کی ذلت اور قید و بند سے دوچار کیا۔ ذرا میری جگہ آ بیٹھو۔ اور انصاف سے کہدو کہ ایسے شخص کے لئے تمہارا دل کیا کہتا۔ لیکن سنو!"

اس نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسحور کن لہجہ میں کہا۔" اگر میرا بس چلتا۔ تو آج بجائے طوق و زنجیر کے تمہارے گلے میں پھولوں کے ہار ہوتے۔ میں تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتی۔ خوشی کے شادیانے بجواتی۔ چراغاں کراتی۔ اور اپنے ان جذبات کے لئے میں بالکل شرمندہ نہیں ہوں۔ بلکہ خداوند کریم کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے صرف ایک ہستی کے لئے تخلیق کیا اور میرے دل نے اس ایک ہستی کو اس کی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ قبول کر کے۔ اپنے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر لئے ـــــ تم اسماعیل رہو یا عنبر۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اپنا حق چاہتی ہوں۔ اپنا ازلی حق۔ اس وقت میں اسی لئے آئی ہوں کہ تم سے اپنی امانت سنبھال لینے کی درخواست کروں۔ یہ میری سرارتِ نسوانی کی آخری ترنگ ہے۔ شاید میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں آئندہ کبھی اپنا مفہوم ادا نہ کر سکوں۔" اور اس کے بعد اینی کی شرمسار نگاہیں۔ جو اعترافِ محبت کے ساتھ نیچے ڈھلک گئی تھیں۔ ایک بار پھر عنبر کی نگاہوں میں پناہ ڈھونڈنے لگیں۔

عنبر۔ جس کا اعصابی تناؤ انتقامی تشنج کی پیداوار تھا۔ اور جس کا ارادہ تھا کہ وہ شام کی رہی سہی کسر اس موقعہ پر پوری کر دے گا۔ اپنی توہین و تذلیل کا بھرپور بدلہ لے گا۔ اینی کی اس پرخلوص نیازمندانہ روش پر سن سا پڑ گیا۔ اور اس سناٹے کے عالم میں خیالات کی ڈگر پر لڑھکتا ہوا کہیں سے کہیں پہنچ گیا ـــ وقت کا تقاضہ تھا کہ وہ اینی کی باتوں کا کچھ تو جواب دے۔ اور عنبر کے پاس دو ٹوک جواب موجود بھی تھا۔ مگر خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے۔ اس کی زبان تک نہ آسکتا تھا۔ جو اپنی بدبختی و مظلومی پر پہلے ہی دکھی ہو۔ اسے اور بھی مایوس کرنا۔ اس کی شانِ شجاعت کے ایسے ہی منافی تھا۔ جیسے ایک مجروح اور نہتے دشمن پر۔ اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانا۔ پھر صہبا کی عنایت سے ایک محبت بھرے دل کی صحیح قدر و قیمت بھی معلوم تھی۔ وہ اس آبگینہ کو کس طرح اپنے پیر تلے روند سکتا تھا۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود بالآخر اس کا جواب

لغی ہی تھا۔ جو آج نہیں تو کل۔ بہر حال ظاہر ہونے والا تھا۔ مگر اس موقعہ پر از راہِ خلوص عنبر نے اینی کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔

"اس آفتِ ناگہانی سے کیونکر نپٹا جائے۔ ایسی کونسی صورت اختیار کی جائے۔ کہ اینی بھی دل برداشتہ نہ ہو۔ اور اس کی صحیح حیثیت بھی اپنی جگہ قائم رہے۔" خیالات کی روا روی سے چونک کر اس نے سوچنا شروع کیا۔

"سوچ میں کیوں پڑ گئے میرے محبوب!" اینی بے قرار ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور بے قابو سے قدم بڑھاتی۔ عنبر کے عین مقابل آ کھڑی ہوئی ۔۔ "تمہیں اپنی امانت کو سنبھالنے میں پس و پیش کیوں ہو رہا ہے۔ مجھے برہنہ نہ کرو عنبر۔ ایک ایسی عورت کو ننگا نہ کرو۔ جس کے ساتھ قوم کی عزت وابستہ ہے۔ اس سے بہتر یہ ہو گا کہ تم اپنے ہاتھ سے میرے گلے پر چھری پھیر دو۔" اس کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ "تمہاری یہ خاموشی میرے لئے موت کی آہٹ سے زیادہ خوفناک ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں جذب کر لو۔ خدا کے لئے ۔۔" اینی کی بڑی بڑی شفاف آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہو گیا ۔۔ "میری تڑپتی ہوئی روح کب تک تمہارے دل پر دستک دیتی رہے گی۔ کب تک میرے محبوب! میں کب تک اس جہنم میں جلوں گی۔ کہہ دو نا۔ میں نے تجھے قبول کیا۔ خدا کے لئے کہہ دو۔ اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو کم از کم اتنا تو ہو سکتا ہے کہ ۔۔" اس نے پہلو سے خنجر نکال کر عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس ناکام و نامراد زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دو۔"

"میرے لئے یہ بالکل ہی اچانک واقع ہوا ہے۔" عنبر نے لب کشائی کی۔ اس کے لہجہ میں دلدہی و دلجوئی کا پہلو نمایاں تھا۔ "اور شاید میں اس کا فوری طور پر جواب نہ دے سکوں۔ آپ مستقبل قریب میں اس کے فیصلہ کن جواب کی متوقع ہو سکتی ہیں۔"

"اندھی۔ گونگی اور بہری محبت وقفہ نہیں آمادگی چاہتی ہے۔ کیا ہمارے حالات اس لائق تھے

...ہیں اس وقت تمہارے پاس آکر محبت کی بھیک مانگوں۔ محبت عقل کے نہیں۔ یہ پُرخلوص دلوں کے درمیان قرار پاتی ہے۔ تم اسے عقل کے تابع کیوں کر رہے ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری اس بیکسی و مجبوری سے اپنی قوم کا انتقام لینا چاہتے ہو۔"

"مسلمان بیکس و مجبور کا ساتھ دیتا ہے۔ اس سے انتقام نہیں لیتا۔"

"عیسائی۔ مسلمان۔ ہلال۔ صلیب۔ بھول جاؤ ان سب کو۔ یہی بندشیں تو ہمارے درمیان دیوار بنی ہوئی ہیں۔ کیا ہم محبت کے پجاری بن کر زندہ نہیں رہ سکتے۔"

جواب میں عنبر کا چہرہ ایک ایسی مسکراہٹ کا مسکن بن گیا۔ جو واضح طور پر اینی کی نادانی کی غماز تھی۔ اس مقام پر اسے اینی کے بارے میں ایک عجیب سی تشویش ہوگئی۔ ایک لڑکی جو کل تک صلیبی اقتدار کی کفن بردوش تمنائی تھی۔ آج عنبر کے لئے اتنی دیوانی کیوں ہوگئی ہے۔ اور کہیں یہ عظیم الشان تبدیلی کسی مصلحتِ خاص کی تو پیداوار نہیں ہے۔ اور اینی کی سابقہ زندگی کے پیشِ نظر عنبر ایسا سوچنے میں حق بجانب تھا۔ تاہم اس نے اپنے اس وسوسہ کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"بات یہ ہے جنابہ! کہ میری وہ غلطیاں جن کی بدولت مجھے آج یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔ عقل کی بجائے دل کی اولوالعزمیوں کا ہی نتیجہ تھیں۔ انسان جہاں ایک بار ٹھوکر کھالیتا ہے۔ وہاں دوبارہ سنبھل کر چلتا ہے۔ مجھے مہلت دیجئے۔ آپ کو مطلوبہ حقائق کے لئے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے۔" اینی نے درد و کرب سے لبریز لہجہ میں کہا۔ "تو یونہی سہی۔ لیکن یہ نہ بھولئے گا کہ آپ کی ہاں اور نہیں کے درمیان کوئی حیات و موت کی کش مکش میں مبتلا ہے اور یہ کیفیت کس قدر تکلیف دہ ہوتی ہے۔ آپ اس سے یقیناً واقف ہوں گے۔۔۔ آپ کھڑے کیوں ہیں۔ بیٹھ جائیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" معاً اینی کی نگاہ عنبر کی چوڑی چکلی چھاتی پر پڑی جہاں گھنے بالوں کے درمیان زنجیر کی خون آلود لکیریں جھلک رہی تھیں۔ اینی کی

آنکھوں میں یہ زخم خار کی طرح کھٹکنے لگے۔ اس نے بیباکانہ انداز میں عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور عنبر کے پس و پیش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے باصرار چارپائی پر لٹا دیا اور اپنی شال سے کپڑا پھاڑ کر اسے سرہانے رکھی ہوئی پانی کی صراحی سے تر کر کے۔ کمال آہستگی سے زخموں کو صاف کرنے لگی۔

"کیسے خبطی ہو تم" ۔ ایجی نے محبّت بھرے لہجہ میں کہا۔ زخموں کے دھونے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی" ۔

چونکہ ایجی کا یہ عمل واقعی طور پر اس کے دلی خلوص کا ترجمان تھا۔ لہٰذا اس سے عنبر پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ انتہائی خوشگوار اور خواب آور سی کیفیت۔

"میرے خیال میں" ۔ ایجی نے کہا۔ "بالوں کی یہ کثرت زخموں کو جلد اچھا نہ ہونے دے گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ زخموں سے متصل بالوں کو صاف کر دیا جائے" ۔

"نہیں" ۔ اور پھر نہ جانے اسے کیا سوجھی۔ بولا۔ "مرد کے سینہ پر بکثرت بال آپ کے ہاں کس چیز کی علامت سمجھے جاتے ہیں" ۔

"کسی بات کی نہیں۔ آپ کے ہاں اس سے کوئی خاص تصوّر وابستہ ہے" ۔ گندا کپڑا ایک طرف پھینک کر اس نے شال سے ایک اور پٹی اتارتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں" ۔ عنبر نے غیر اہم سے لہجہ میں جواب دیا۔ "ہم عربوں میں اگر کسی مرد کے سینے پر زیادہ بال ہوں تو اسے غیر معمولی طور پر۔ باہمّت اور عزم و استقلال کا مالک خیال کیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ کہاں تک درست ہے" ۔

"اسے یقیناً درست ہونا چاہیئے۔ آج سے میں بھی اس علامت کی قائل ہو گئی" ۔

"ایک بات پوچھوں" ۔ عنبر نے التفاتِ خاص کی شہ پا کر دریافت کیا۔

تمہاری ہم کلامی سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی ہے۔ کاش آج کی رات صدیوں سے بدل سکتی" ۔

" میں صہبا کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔ ساتھ ہی میں نے ہار لے کے بارے میں بھی بہت کچھ سُن رکھا ہے۔ میرا خیال ہے صہبا کے ساتھ سخت ناانصافی ہوئی ہے "

عنبر کی زبان سے صہبا کا نام سن کر اپنی کو یوں معلوم ہوا گویا اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں پکڑ لیا ہے۔ وہ کوشش کے باوجود اپنی متغیر حالت کو مخفی نہ رکھ سکی۔

" ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو " اس نے ملائمت کے ساتھ جواب دیا۔ لیکن حالات اور خود صہبا کا بیان سچائی سے مطابقت نہیں رکھتے۔ پھر بھی اسے عدالت میں اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقعہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ بے قصور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی باعزت بریت نہ ہو۔ سنگین جرم کے باوجود وہ عام قیدیوں جیسے سلوک سے مبرا ہے۔ اسے صرف نظر بند کیا گیا ہے۔ جو ہم کھاتے ہیں وہی اسے کھلاتے ہیں عنقریب اچھے کپڑوں کا بھی بندوبست کر دیا جائے گا "

" مجھے اس کے آرام و تکلیف سے بحث نہیں ہے " عنبر نے مبالغہ سے کام لیا " میں اس کے جرم کی بابتہ رائے زن ہوں۔ اگر حالات اور صہبا کا بیان صداقت پر پورے نہیں اُترے۔ تو یہ حالات اور بیان کی غلط اندازی ہو سکتی ہے۔ صہبا کا قصور نہیں ہو سکتا۔ یہ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں "

" یقیناً ایسا ہی ہو گا " اپنی نے پُرزور تائیدی انداز میں کہا " اور خدا کرے۔ صہبا واقعی بے قصور ثابت ہو " اچانک تین پہر رات گزرنے کے گجر نے اپنی کو چونکا کر ایکدم کھڑا کر دیا۔ " اوہ! وقت کتنی تیزی سے بھاگا ہے۔ اجازت دو میرے محبوب! میں عنقریب جلد ہی ملنے کی کوشش کروں گی۔ خدا کے لئے۔ میرے معاملہ میں۔ میری پُرعذاب بے قراریوں کو فراموش نہ کر دینا۔ خدا حافظ " اور اس کے بعد دروازے تک پہنچتے پہنچتے۔ اس نے کئی بار مڑ کر عنبر کو دیکھا۔ جیسے وہ اسے اپنی نگاہوں میں جذب کر لینا چاہتی ہے۔ ان خوشگوار تصورات کے لئے جو اس کی زیست کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔

واپسی

ایک دوپہر۔

اچانک اسلامی پڑاؤ۔ اور اس کا گرد و پیش نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے تھرّا اٹھا۔ یہ نعرے اس قدر پُرجوش اور مسلسل تھے کہ شہر کے اکثر عیسائی۔ جن میں ایپی اور ہارلے ایسے افراد بھی شامل تھے۔ بے تحاشہ حصارِ شہر کی طرف دوڑ پڑے۔ پورا اسلامی لشکر قلعۂ قتانہ کی شمالی شاہراہ پر سمٹ آیا۔ ان سے کوئی ایک میل کی دوری پر۔ گرد و غبار کے بادل۔ کالی آندھی کے روپ میں تیزی کے ساتھ شہر کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ یہ احمد کا باپ حسن تھا۔ جو احمد کے فرستادہ قاصدوں سے یہاں کے بارے میں مطلع ہوتے ہی قلعۂ قتانہ کا محاصرہ اٹھا کر طوفان کی طرح جراجہ کی طرف ٹوٹ پڑا تھا۔ شہر کے شمال مغربی حصّہ سے آنے والی فوج کا بخوبی نظارہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا تمام عیسائی اسی طرف دوڑ پڑے۔ اور فصیل کے اس ٹکڑے پر تِل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ احمد کا فرطِ مسرّت سے عجب حال تھا۔ گو اسے اسلامی فوج کے اس حصّہ سے بچھڑے زیادہ وقت نہ ہوا تھا۔ مگر جس تیز رفتاری کے ساتھ حالات تبدیل ہوئے تھے۔ ان کے پیشِ نظر اسے یوں معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے وہ عرصہ دراز کے بعد ان سے ملاقاتی ہو رہا ہے۔ اس کا دل۔ جو حالیہ نامساعد حالات سے ڈوبا ڈوبا سا معلوم ہوتا تھا۔ حیرت انگیز طریق پر تقویت پا رہا تھا۔ اس کے بازو کی مچھلیاں جو فقدانِ قوّت سے بے جان سی معلوم ہونے لگی تھیں۔ جوشِ

توانائی سے اُچھلتے ہوئے خون میں اس طرح تڑپ رہی تھیں کہ انہیں واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ اور یہ کیفیت صرف احمد تک ہی محدود نہ تھی۔ پورا لشکر اس کی لپیٹ میں تھا۔ احمد کی بے پایاں مسرت میں اس کا خونی رشتہ بھی کارفرما تھا۔ آنے والے لشکر میں اس کا باپ بھی تھا جس کی شجاعت و بہادری شمالی افریقہ میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کے جنگی کارناموں نے بیسیوں سرکش و باغی قبیلوں کو حکومتِ وقت کا وفادار بنا دیا تھا۔ اس لشکر میں اس کا چچا عمار بھی تھا۔ جس کی پوری زندگی میدانِ جنگ میں بسر ہوئی تھی۔ جو اس دور کی جنگی روایات میں میمنہ کا فولادی ستون کہلاتا تھا۔ اور جس کے جنگی تدبر و تجربہ نے بارہا میدانِ کارزار کی نوعیتیں بدل کر رکھدی تھیں۔۔۔

اس لشکر میں اس کا چچا زاد بھائی۔ اور جگری دوست ابنِ عمار بھی تھا۔

اس لشکر میں حسن کا وہ جنگی محافظ دستہ بھی تھا۔ جو اپنے امیر کے گرد قلعہ بندی کے لئے سنگین حصار سے زیادہ مضبوط و مستحکم تسلیم کیا جاتا تھا۔ گرد و غبار کے اس طوفان سے پہلی رونمائی شتر سوار دستہ کی تھی۔ سب سے آگے چار گھوڑ سوار تھے۔ ان چاروں کے ہاتھ میں لہراتے ہوئے اسلامی پرچم گویا فوج کا عنوان تھے۔ ان کے پیچھے آٹھ اونٹوں پر بڑے بڑے طبل رکھے ہوئے تھے۔۔۔ جن کی یکساں آوازیں مجاہدین کے قدموں کی نشان دہی کر رہی تھیں۔ ان کے بعد پانچ سو شتر سواروں پر مشتمل دستہ تھا جو چار چار اونٹوں کی قطار میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اونٹوں پر بیٹھے ہوئے مسلح مجاہدوں کے یکساں ہچکولے۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے تیز ہوا میں جوان کھیتی لہرا رہی ہو۔ یہ اونٹ قلعہ "قتانہ" کے محاصرہ کے دوران مسلمانانِ ریو کی طرف سے پیش کئے گئے تھے۔ وہی ریو۔ جو سسلی کے ساحلی شہر مسینا کے سامنے بہتی ہوئی سمندری دھجّی کے پار واقع تھا۔۔۔ اونٹوں کا یہ دستہ گھوڑ سوار دستہ کے پیچھے قائم تھا۔ جسے کسی خاص مصلحت سے منزل سے دو کوس کی دوری پر آگے لگا دیا گیا تھا۔ اونٹوں کی پُر تکان چال سے مترشح تھا کہ وہ معمول سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ راہ طے کرتے رہے ہیں۔ شتر سواروں کے عقب میں گھڑ سوار فوج تھی۔ جو یک نگاہ اس تعداد سے کہیں زیادہ پہچانی جاتی تھی

جو جراجہ سے روانگی کے وقت اس کے ساتھ تھی۔ گھوڑسوار فوج کے عین درمیان ایک بہت ہی خوبصورت گاڑی تھی۔ جس میں دو سیاہ گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کا ساز نقرئی دھات سے مزیّن تھا۔ گاڑی کی چھت غائب تھی۔ اور حصار بھی کچھ زیادہ اونچا نہ تھا۔ ہیئل پر اُبھری ہوئی گلکاریوں نے اسے انتہائی نظر فریب بنا دیا تھا۔ اس میں حسن اور اس کے مقربین خاص جلوہ افروز تھے۔ جنھیں چھت نہ ہونے کے سبب بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس گاڑی کے پیچھے اور بھی کئی گاڑیاں تھیں۔ جنھیں ٹھیلے کہنا زیادہ قرینِ صداقت ہوگا۔ ان میں سامان زیادہ اور آدمی کم تھے۔ ان ٹھیلوں کے بعد پھر گھڑسواروں کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا۔ اس کے خاتمہ پر بیل گاڑیوں کی کافی لمبی قطار تھی۔ اور یہ تمام کی تمام مختلف قسم کے سامان سے لبالب بھری ہوئی تھیں۔ ان کے عقب پر پیادہ فوج تھی۔ پھر بھیڑ بکریوں اور گایوں کے گلّے تھے۔ اتنے بڑے بڑے گلّے کہ اگر انہیں اس فوج پر تقسیم کیا جاتا تو ایک کے حصّہ میں آٹھ دس جانوروں سے کم نہ پڑتے۔

محاذِ جراجہ کے لشکری حسن کو اس شان و شوکت اور مال و متاع کے ساتھ آتا دیکھ کر۔ اس کا پس منظر جاننے کے لئے بے قرار نظر آ رہے تھے۔

جب یہ لشکر اسلامی پڑاؤ کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ تو احمد۔ اشعر اور دیگر بڑے بڑے افسران برقباد گھوڑوں پر سوار ہو کر حسن کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھے۔ احمد اپنے لشکر کی تہی دستی و بے مائیگی کو اس درجہ افراط سے پُر ہوتا دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ حالانکہ عیسائی لشکر کے عظیم الشان وسائل کی نسبت یہ سارا کچھ بھی، کچھ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن کچھ نہ ہونے سے۔ اتنا کچھ ہونا۔ ان لوگوں کے لئے خصوصاً کافی سے زیادہ بہتر ثابت ہوا۔ جو دنیاوی وسائل کے ساتھ غیبی امداد کے بھی دلی معتقد ہوتے ہیں۔ جب احمد اس گاڑی کے قریب پہنچا جس میں حسن۔ عمار اور ابنِ عمار وغیرہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اور طرفین کی نگاہیں چار ہوئیں تو

جوشِ محبت نے احمد کو ایک ہی جست میں گھوڑے کی پیٹھ سے گاڑی میں پہنچا دیا۔ سب سے پہلے باپ بیٹے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد چچا اور چچا زاد بھائی۔ ابھی مزاج پرسی ہی ہو رہی تھی کہ ایک بار پھر یہاں کی کائنات اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری سے گونج اٹھی۔ اس مرتبہ دونوں لشکروں کی آوازیں ہم آہنگ تھیں۔ لہذا ہوا کی لہریں اس گونج کو دور دور تک بہا لے گئیں۔ یہاں تک کہ صہبا اور محل کے زیریں حصّہ میں مقید عنبر بھی ان نعروں کی ارتعاشی کیفیت سے محروم نہ رہ سکے۔

اب لشکر کا پہلا سرا اسلامی پڑاؤ میں داخل ہو چکا تھا۔ اور پڑاؤ کے منتظمین ایک مسرت انگیز لہر کے ساتھ ان کی نشست و برخاست کا بندوبست کرنے میں مصروف تھے ـــ باہمی دوستی اور شناسائی ـــ پرتپاک بغلگیریوں اور مزاج پرسیوں میں۔ کچھ اس انداز سے رونما ہو رہی تھی۔ جیسے آج عید کا دن ہو۔ جس طرف دیکھیئے پُرعزم مسکراتے چہروں نے کیف وانبساط کی ولولہ انگیزیوں کا سماں باندھ رکھا تھا۔ باورچی خانہ کے مہتمم نے تھکے ہارے لشکر کی خصوصی خاطر و مدارات کے لیئے بھیڑ۔ بکریوں اور گایوں کا ذبیحہ شروع کرا دیا۔ سینکڑوں بڑے بڑے چولہے ایک دم گرم ہو پڑے

نو آمدہ لشکر کو اسلامی پڑاؤ میں قیام پذیر ہوتے ہوتے مغرب کا وقت آ لگا۔ گرد و غبار سے اٹے ہوئے مجاہدوں نے اپنی تکانِ مسافرت کو جراجہ کی جھیل میں غرق کر دیا۔ اچھی طرح نہا دھو کر عربی طرز کا صاف لباس زیب تن کیا اور مغرب کی نمازِ باجماعت کے لیئے اسی میدان میں جمع ہونے لگے جو کچھ دن پہلے ان کے اپنے ہاتھوں ہموار ہوا تھا۔

حسن کی رہائش کے لیئے اسی خیمہ کو منتخب کیا گیا تھا۔ جس میں وہ پہلے مقیم تھا۔ ابنِ عمار نے علیحدہ خیمہ کی بجائے احمد کے خیمہ میں ٹھہرنا پسند کیا۔ اس وقت احمد۔ عمار۔ اور ابنِ عمار دیگر بڑے بڑے افسروں کے ساتھ حسن کے خیمہ میں جمع تھے۔ احمد نے چاہا تھا کہ وہ حسن کو تھوڑا

سا آرام کر لینے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دے۔ مگر حسن نے اس کی چنداں ضرورت نہ سمجھی۔ اور حالاتِ حاضرہ کے ان پہلوؤں کی بابت متواتر گفتگو کرتا رہا جو اس کی نگاہِ علم سے اوجھل تھے۔

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔" مغرب کی اذان نے ان کے سلسلۂ گفتگو کو یک لخت روک دیا۔ تمام حضرات نماز کے لئے روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ وضو سے فارغ ہو کر حسن نے نئی قبا زیب تن کی۔ اور دستار کو سر پر درست کرتا ہوا جب خیمہ سے باہر نکلا تو اس نے مشعلوں کے حصار میں ایک اجتماعِ عظیم کو اپنا منتظر پایا۔ حسب سابق امام کی جگہ اس کے لئے خالی پڑی تھی۔

نماز کی ادائیگی کے بعد۔ گو حسن کی کسلمند طبیعت خطابت کی طرف مائل نہیں ہو رہی تھی مگر عوامی رجحان کے خاموش تقاضہ نے اسے کچھ نہ کچھ بولنے پر مجبور کر دیا۔ مجمع کے عین وسط میں پہنچ کر۔ وہ ایک چھوٹی سی چوکی پر کھڑا ہو گیا۔ اور قبلہ رو ہو کر اپنے مخصوص سنجیدہ پیرایہ میں بولنا شروع کیا۔

عزیز بھائیو!

اس مختصر سے عرصہ میں۔ جو جو انقلابات رونما ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیلات کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے۔ عنبر ملک کی فتح میں پاگل ہو گیا۔ شبخون کے بعد۔ ہمارے پڑاؤ پر قبضہ کر کے۔ بعنوانِ تلافی۔ عیسائیوں کا شہر میں پہنچا۔ ان کے لئے عقلمندی ہو تو ہو۔ میری رائے میں تو عنبر کی لغزش کا جواب انہوں نے خود بھی لغزش ہی سے دیا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ باطن کے متعلق اللہ بہتر جانتا ہے۔

اس معاہدہ کی رو سے جو احمد اور سر دغوس کی بیٹی کے درمیان قرار پایا ہے عیسائی عنبر کو اختتامِ جنگ کے اکیس روز بعد تک زندہ و سلامت رکھنے کے ذمہ دار

ہیں۔ لیکن ایسا شاید ہی ہو سکے۔ اجتماعی ہنگامہ آرائیوں کی روک تھام چند افراد کے بس کی بات نہیں ہے۔ تاہم حیات و ممات اللہ کے اختیار ہے۔ اور عنبر جتنی عمر لے کر آیا ہے۔ وہ بہرحال پوری ہونا ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ احمد نے اسلامی روایات کے تحفظ۔ اور اس سے پیدا شدہ حالات پر۔ خاصے تدبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ عنبر کی بعد از جنگ اکیس روزہ سلامتی اس کی فلاح و بہبود کے لئے بڑی امید افزا صورت ہے۔ یہ صورت ہمیں مطمئن کرتی ہے کہ زمین کے اس اجنبی ٹکڑے پر عنبر کا انجام۔ ہمارے انجام سے مختلف نہ ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و نصرت کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ تو عنبر کو بآسانی حاصل کر لیا جائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ لڑائی فتح شکست کے درمیان ختم ہو گئی تب بھی قیدیوں کے تبادلہ میں۔ اسے حاصل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ۔ خدانخواستہ ہمیں شکست ہوئی۔ تو ہم اور عنبر ایک ہی کشتی کے مسافر ہوں گے۔

دوسرا اہم معاملہ عیسائیوں کے مقابلہ پر۔ ہمارا بہتر سے بہتر حالت میں صف آرا ہونا ہے۔ تو اس سلسلہ میں میری جانب سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائیگا ہمارے قاصد قلعہ قتانہ ہی سے امدادی مرکزوں کی طرف دوڑ چکے ہیں۔ اور کچھ کل روانہ کر دیئے جائیں گے۔ میں دشمن کی صحیح قوت سے اسی طرح واقف ہوں۔ جس طرح کہ اپنی عسکری قوت سے۔ اور آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اس محاذ پر۔ آپ کو تشویشناک حالات کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

کل دوپہر تک بنو نطی لشکر یہاں پہنچ جائے گا۔ اور شاید وہ تمام فوج بھی۔ جسے ہم قلعہ قتانہ میں قلعہ بند چھوڑ آئے ہیں۔ بحمد اللہ کہ معاہدہ کی رو سے فی الوقت

ہمیں ان سے برسرِ پیکار ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ بے فکری سے اپنے
فرائض کی ادائیگی پر ڈٹے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ کہ وہ ہمیشہ کی طرح
اس مقام پر بھی ہماری دستگیری فرمائے۔ کل صبح سے ہماری جدوجہد کے لئے
ایک نئی راہ کھلنے والی ہے جس کی تفصیل نمازِ فجر کے بعد آپ تک پہنچ جائے گی۔
آج کل ہماری کاوشوں کو رازداری کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ لہٰذا اپنے گردوپیش
سے ہر وقت ہوشیار رہیئے۔ ہر عسکری افسر اپنے ماتحتوں کو نئے سرے سے شناخت
نامے جاری کرے۔ نیز جو احکامات اعلیٰ افسروں کی طرف سے جاری ہوں۔ وہ عام
حالات میں عسکری عہدیداروں سے آگے نہ بڑھنے پائیں۔ یہ ضروری ہے۔ اور بےحد
ضروری۔ مجاہدوں کا کام اللہ کی راہ میں۔ اپنے افسروں کی تعمیل ہے۔ اور بس!
غالباً وہ بھائی۔ جو قلعۂ قتانہ کی مہم پر ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ یہ جاننے کے شائق
ہوں گے کہ وہاں ہمارے ساتھ کیا کچھ پیش آیا۔ اس ضمن میں باعتبار جنگ کوئی خاص
بات رونما نہیں ہوئی۔ پہلے دن انہوں نے شہر کے دروازے کو پشت پناہ بنا کر
ہمارا مقابلہ کیا۔ دوپہر کے بعد قلعہ بند ہو گئے۔ اور آخر تک قلعہ بند ہی رہے۔ خالی
وقت میں ہمارے دستے مضافات سے مالِ غنیمت حاصل کرتے رہے۔ جو آج آپ
کے سامنے ہے۔ مالِ غنیمت کی فراہمی میں ہمیں ان غریب عیسائیوں نے بڑی مدد دی۔
جنہیں بڑے بڑے جاگیرداروں نے ایک وقت کی روٹی سے بھی محروم کر رکھا تھا۔
اب میں اپنی جگہ احمد کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اگر یہ ضروری ہے۔

"جنابِ والا" ابن عمار نے کھڑے ہو کر نووارد دستے کی ترجمانی کی۔ "محاذِ قتانہ کے مجاہدین یہاں کی
انقلابی سرگرمیوں کے بارے میں وضاحتی بیان کے لیے بےچینی سے منتظر ہیں۔ لہٰذا میں درخواست کرتا ہوں کہ
ہمارے محبوب سالار احمد بن حسن۔ اس حالیہ تغیر کے ان پہلوؤں پر۔ جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہیں۔ حسب
ضرورت روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔" جواب میں احمد اپنی جگہ سے اٹھا اور حالیہ تغیرات کی

سانحے

ایک اداس اداس سی سہ پہر کو۔ جب کہ شہر اور اسلامی پڑاؤ پر ایک جمود سا طاری تھا۔ ایکا ایکی شہر سے صلیبی نعرے اُبل پڑے۔ اور جب مجاہدین خیموں سے نکل کر میدان میں آئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ دس بارہ گھوڑ سوار۔ قلعہ قتانہ کی شاہراہ پر صلیبی علم لہراتے صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان سے کافی دور پیچھے گرد و غبار کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیا۔ اور اب اسلامی لشکر کو یہ سمجھنے میں کوئی دیر نہیں لگی کہ حکومتِ بیزنطی کا امدادی لشکر آ پہنچا۔ جن کا خیال تھا کہ یہ ٹولی بیزنطی لشکر کے پڑاؤ وغیرہ کا بندوبست کرنے کی غرض سے آ رہی ہے۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ عیسائی گھڑ سوار صدر دروازے کی طرف اڑے جا رہے ہیں تو اس نے ابنِ عمار کو پندرہ بیس جاں نثاروں کے ساتھ گھوڑوں پر آگے بڑھا دیا۔ ابنِ عمار نے دروازے کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"ہمارے اور حاکمِ کلبریہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کی رو سے آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"لیکن ——" ایک موٹی موٹی مونچھوں والے عیسائی نے۔ جو افسر معلوم ہوتا تھا۔ نمایاں ہو کر کہا —— لیکن آپ کا ہمارے ساتھ تو ایسا کوئی معاہدہ نہیں ہوا کہ ہم اپنے بھائیوں کی ملاقات سے محروم رہیں۔"

"میرا خیال ہے۔" ابن عمار بولا۔ "اس بارے میں آپ ذمہ دارانہ گفتگو کے حقدار نہیں ہیں

ہیں سے جو کچھ کہا ہے۔ آپ اپنے سالارِ لشکر سے جا کر کہہ دیں۔ یا پھر ان کے یہاں تک پہنچنے کا انتظار کریں۔"

"ہم اپنے آقا کی طرف سے دختر سر دغوس کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔" عیسائی افسر نے اپنے مچلتے ہوئے گھوڑے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور ہم مجبور ہیں کہ ان کے حکم کی تعمیل بجا لائیں۔ ہمارا راستہ چھوڑ دو۔ ورنہ ہم اپنا راستہ صاف کرنا اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"یقیناً۔" ابنِ عمار نے حوصلہ افزائی کی۔ "جو شخص اپنا راستہ بنانا نہیں جانتا۔ اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم تمہارے ہی تجویز کردہ راستے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ راستہ خود تمہاری طرف سے تم پر بند کیا گیا ہے۔ اور ــــ"

ابھی ابنِ عمار کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ صدر دروازے کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ان سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ کلبریہ کی فوج کا نائب سپہ سالار جوب چھ ہمراہیوں کے ساتھ تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس وقت اندرونِ شہر کے تمام اعلیٰ عہدیدار صدر دروازے کی بالائی فصیل پر کھڑے تھے۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو اس طرح بد مقابل دیکھ کر سمجھ گئے تھے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ چونکہ معاہدہ کی رو سے فی الحال جنگ وجدل کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ لہٰذا فوراً ہی انہوں نے جوب کو ضروری ہدایات کے ساتھ موقعہ پر پہنچنے کا حکم دے دیا۔

"کیا بات ہے۔" جوب نے دونوں ٹولیوں کے درمیان جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دریافت کیا۔ "آپ لوگ اس طرح کیوں کھڑے ہوئے ہیں۔"

"آپ کی تعریف؟" موٹی مونچھوں والے افسر نے گویا یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس کی مداخلت اس تنازعہ پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے۔"

"میں صوبہ کلبریہ کی عیسائی فوج کا نائب سپہ سالار ہوں۔" جوب کے لہجہ میں حاکمانہ وقار جاگ اٹھا

یہ سنتے ہی موٹی مونچھ والے عیسائی نے اکڑ کر فوجی سلوٹ کیا۔ اور فدویانہ لہجہ میں گویا ہوا۔
"ہمیں حکومتِ بیزنطی کی امدادی فوج کے سپہ سالارِ اعلیٰ جناب ایمرسن نے۔ حاکم کلبریہ کے پاس بھیجا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ کی جانب سے ہمارے قیام کا بندوبست ہو چکا ہو گا۔ لیکن یہ لوگ" اس نے مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ہمیں شہر میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں۔"
"یہ لوگ ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں۔" جوب نے جواب دیا۔ "ہمیں افسوس ہے کہ ہم آغازِ جنگ سے پہلے آپ کے لئے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ باتیں آپ کے سپہ سالار کے لئے کہی جارہی ہیں۔ میری ذاتی رائے میں آپ کا قیام شہر کے پچھلے دروازے کے سامنے مناسب رہے گا۔ جملہ معلومات کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار فرمائیں۔ ہم جناب ایمرسن سے ملاقات کرنے کی جلد ہی کوئی سبیل نکال لیں گے۔"
موٹی مونچھوں والے نے کمال اطاعت گزاری سے سرِ تسلیم خم کیا۔ اور پھر جدھر سے یہ ٹولی آئی تھی۔ اسی طرف روانہ ہو گئی۔
"ہمیں افسوس ہے۔" جوب نے صالحانہ لہجہ میں ابنِ عمار کو متوجہ کیا۔ "کہ ان لوگوں کی ناواقفیت کے سبب آپ کو یہ زحمت گوارا کرنا پڑی۔"
"ہم اس خلوص کے لئے آپ کے شکر گزار ہیں۔" ابنِ عمار نے جواب دیا۔
جوب نے آگے بڑھ کر پرجوش طریقہ پر ابنِ عمار سے ہاتھ ملایا۔ اور ہمراہیوں کے ساتھ دروازے کی طرف لوٹ گیا۔
اِدھر یہ لوگ باتوں میں مشغول تھے۔ اور اُدھر پورے اسلامی لشکر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ مجاہدین بسرعت تیار ہو کر شہر کا جامع محاصرہ کرنے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد۔ ایسا معلوم ہوا۔ گویا شہر کے چاروں طرف اچانک ہی مسلمان زمین سے اُگ پڑے ہوں ——— ابنِ عمار کی زبانی جب حسن کو یہ معلوم ہوا کہ جوب نے بیزنطی لشکر کو عقبی حصہ پر

خیمہ زن ہونے کا مشورہ دیا ہے۔ تو اس نے عقبی حصّہ کے مورچے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کے لئے فوری اقدامات شروع کر دیئے۔ اس اثنا میں ہینر نلی لشکر بھی شہر سے بالکل قریب آلگا تھا۔ لشکر کا شان و شکوہ اور جاہ و جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ فصیل پر کھڑے ہوئے عیسائی اپنے مہمانوں کا استقبال پُرجوش نعروں سے کر رہے تھے۔ ہزارہا لہراتے ہوئے ہاتھ خوش آمدید کا ایک ایسا خوشگوار مظاہرہ تھا۔ جس سے آنے والوں کے گرد آلود چہروں پر جوش مسرت کی سرخیاں دوڑ رہی تھیں۔

سب سے آگے بے شمار علمبردار گھڑسوار تھے۔ جو صلیبی پھریروں کو بڑے بانکپن سے ہوا میں لہراتے۔ ایک خاص باضابطگی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد سرخ گھوڑوں پر سرخ ہی وردی پہنے ایک بہت لمبی قطار تھی۔ سپاہیوں کے تنے ہوئے سینے اور اکڑی ہوئی گردنیں۔ پہلوؤں میں چمکتے ہوئے ہتھیار۔ رفتار کی ہم آہنگی۔ صفوں کی متوازی ترتیب۔ ان کی اعلیٰ تربیت یافتگی پر دلالت کر رہی تھیں۔ اس لالہ زار لمبی لکیر کے بعد آٹھ گھوڑوں کی ایک بہت بڑی گاڑی تھی۔ جس پر شوخ رنگوں سے بنی ہوئی رزمیہ تصویریں دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔ گاڑی چاروں طرف سے بند تھی۔ صرف دائیں بائیں دو چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں جو دراصل دروازوں ہی کا ایک حصّہ تھیں۔ کھلی ہوئی تھیں۔ جس میں سے ایمرس کا باہر جھانکتا ہوا چہرہ صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ اگلے اور پچھلے پائیدانوں پر چار خادم زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے بت بنے کھڑے تھے۔ ان کے اسلحہ بھی دوسروں سے مختلف اور بڑے قیمتی تھے۔ اس گاڑی کے پیچھے۔ دو گھوڑوں والی لاتعداد گاڑیاں تھیں۔ جن میں رضاکار عورتیں۔ اور دیگر فوجی سامان بھرا ہوا تھا۔ ان سے پیچھے پیادہ فوج تھی۔ جو دس دس سپاہیوں کی صفوں میں قدم سے قدم ملائی فوجی کروفر کے ساتھ رواں دواں تھی۔ فوج کا بڑا حصّہ انہیں پر مشتمل تھا۔ ان کے بعد آتش فشاں کلیں تھیں۔ جو خلافِ معمول۔ لکڑی کی بجائے فولاد سے بنائی گئی تھیں۔ یہ کل چار تھیں۔

جنھیں کئی کئی بیلوں کے علاوہ سینکڑوں مزدور موٹے موٹے رسّوں کی مدد سے کھینچ رہے تھے۔ ان سے پیچھے بیل گاڑیاں تھیں۔ خشک سامانِ خور و نوش سے لبالب۔ اور ان کے بعد حسبِ دستور جانوروں کے گلّے ـــــ جن میں سواروں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔

یہ بیزنطی لشکر کم و بیش ایک میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت شہری عیسائیوں کا یہ عالم تھا کہ نعرے لگاتے لگاتے گلے خشک ہو گئے تھے۔ آوازیں بیٹھ گئیں تھیں۔ لیکن پھر بھی پہلے سے زیادہ جوش و خروش سے استقبالیہ نعرے بلند کر رہے تھے۔ بعض کی فرطِ مسرّت سے گھگھی بندھی ہوئی تھی۔

ایمرسن کو اپنے آدمیوں سے جوب کا پیغام مِل چکا تھا۔ اور چونکہ وہ یہاں کے حالات سے پورے طور پر باخبر نہیں تھا۔ چنانچہ اسے عیسائیوں کی طرف سے عملی تعاون کے یکسر فقدان پر بڑی کوفت ہوئی۔ وقتی بہاؤ کے بعد جب اس نے ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کیا۔ تو اسے کوفت کی بجائے ان حقائق سے مطلع ہونے کی بیتابی پیدا ہو گئی۔ جنھوں نے یہاں کے عیسائیوں کو اس درجہ مجبور بنا ڈالا تھا کہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے جاں نثار دوستوں کی تھوڑی سی بھی عملی مدد نہ کر سکیں۔

اس نے فوج کے قیام کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا۔ جو جوب نے تجویز کی تھی۔

اگلی صبح سورج نے نوخیز محل کی رونمائی کی۔ تو نقشہ یہ تھا کہ عقبی دروازے سے کچھ فاصلہ پر مسلمانوں کے اس سلسلہ کا جماؤ تھا۔ جو پورے حصارِ شہر پر احاطہ کئے ہوئے تھا۔ مسلمانوں کے ان مورچوں سے کوئی ایک فرلانگ کے فاصلہ پر عیسائیوں کا پڑاؤ تھا۔ چونکہ بیزنطی لشکر کے قیام نے شہر کے عقبی حصّہ کو کافی اہمیت دیدی تھی۔ لہٰذا مسلمانوں کے اکثر ذمہ دار عہدیداروں کے

خیمے صدر دروازے کی طرف سے اٹھ کر اس طرف آ کھڑے ہوئے تھے۔

شہر کے عیسائی مسلمانوں کی اس نقل وحرکت سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ اب ان کا سب سے زیادہ طاقتور مورچہ عقبی دروازے کے اوپر جم رہا تھا۔ نیز اس صورتِ حالات سے اندرونِ شہر میں بھی کافی تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ امورِ جنگ سے ہمہ وقت مطلع رہنے کے لئے ایبی نے شاہی محل کی بجائے عقبی دروازے سے متصل ہی ایک عالیشان مکان کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ علاوہ ازیں مختلف فوجی اقامت گاہوں کی بجائے اسی طرف ایک بہت بڑا میدان ان کا مرکزی اڈہ قرار دے دیا گیا۔ جو دوپہر تک　ایک گنجان آبادی میں منتقل ہو گیا۔

مجموعی طور پر آج کا دن تینوں لشکروں کے لئے بڑی سرگرمی ومصروفیت کا دن تھا۔ بیزنطی لشکر اپنے جنگی پلان کے تحت مورچے لگانے میں منہمک رہا۔ اسلامی لشکر جو اس وقت دونوں فوجوں کے بیچ میں پڑا تھا۔ بیزنطی لشکر کی مورچہ بندی کے پیش نظر اپنے دستوں کو مناسب ٹھکانوں پر جماتا رہا۔ نیز جوابی مورچہ بندی پر غور وخوض کرتا رہا۔ اسی تگ ودو میں رات پڑ گئی۔ دن بھر کے تھکے ہارے سپاہی اپنے اپنے خیمہ میں پہنچ کر نڈھال ونزار بستروں پر گر پڑے۔ اسلامی لشکر میں مغرب کی نماز کے بعد اعلیٰ افسروں کا ایک خفیہ اجلاس ہونے والا تھا۔ چنانچہ افسران بالا حسن کے خیمہ میں جمع ہو رہے تھے کہ دربان نے عیسائی قاصدوں کی آمد کی اطلاع دی۔ گو ان کا یہ وقت بیحد قیمتی تھا۔ مگر اصولی قدروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسن نے انہیں ملاقات کی اجازت دیدی۔

دربان کی رہنمائی میں چار قاصد رومی طرزِ لباس کا اعلیٰ ترین مرقع بنے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ایک خاص پُرشکوہ انداز سے درمیانی فاصلہ طے کرتے ہوئے حسن کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ حسبِ دستور ادب سے سر جھکا کر تعظیم دی۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر مراسلہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

حاکمِ کلبریہ دخترِ سردغوس عالی جناب ایبی صاحبہ کی جانب سے۔"

حسن نے اس کے ہاتھ سے مراسلہ لے کر اسے دل ہی دل میں پڑھنا شروع کیا۔

عالی مقام۔ اسلامی امیر لشکر حسن بن علی کے لئے

حاکم کلبریہ ابنی بنت سرد غوس کا پیغام

گو یہ امر ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا کہ ہمارے معزز مہمان ہمارے دروازے پر آکر۔ ہماری خاطر و مدارات سے محروم رہیں۔ مگر جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ہم اس معاہدہ کا سختی سے پابند رہنے کا عزم رکھتے ہیں۔ جو ہمارے اور آپ کے درمیان قرار پایا ہے۔

میری رائے میں آپ ہماری اس خواہش کو ضرورت کے عین مطابق پائیں گے۔ کہ المیرسن اور اس کے ساتھی ایک رات کے لئے شہر میں ہمارے مہمان بنیں۔ اس موقعہ پر ہم نہ صرف کسی حد تک۔ اپنا حقِ میزبانی پورا کر سکیں گے۔ بلکہ وہ تمام معاملات بھی ان کے گوش گزار کر دیں گے۔ جن سے وہ قطعی لاعلم ہیں۔ معاہدہ کی تفصیلات سے مطلع ہونے کی صورت میں ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ بھی ہمارے اس معاہدہ کا احترام کریں۔ اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے معاہدہ کو صدمہ پہنچے۔

لہذا ہم جناب سے مودبانہ درخواست کرتے ہیں کہ آج کی رات المیرسن کو ہمارے ساتھ شہر میں گزارنے کے لئے راستہ دے دیا جائے۔ کل نکلتے سورج کے ساتھ وہ اپنے لشکر میں پہنچ جائیں گے

آپ کے خلوص۔ اور اثباتی رویہ کے پیشِ نظر ہم ان کی تواضع کا مناسب انتظام عمل میں لا چکے ہیں۔ اور اب صرف آپ کی منظوری کی دیر ہے۔

ہمیں پوری توقع ہے کہ ہماری اس معقول خواہش کو رد نہیں کیا جائے گا۔ فقط۔

مراسلہ پڑھنے کے بعد حسن نے تھوڑی دیر تامل کیا۔ پھر باواز بلند اس کا خلاصہ حاضرین کو سنا کر

مشورہ طلب لہجہ میں بولا۔

"میرے خیال میں بنتِ سردغوس کا یہ مطالبہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اور ہمیں بلا پس و پیش اسے منظور کر لینا چاہیئے۔"

"ہم آپ سے متفق ہیں"۔ عمار نے حاضرین کی نمائندگی کی۔

بعد ازاں ابنِ عمار کی سرکردگی میں بیس مجاہدوں کا ایک گروہ اس بات پر تعینات کر دیا گیا کہ وہ شہر جانے والے افراد کی تعداد اور شناخت وغیرہ کے فرائض انجام دے۔ نیز انہیں بخیر و خوبی اپنی حدود سے گزار کر دروازے کے راستے پر ڈال دے۔ ادھر سے فارغ ہو کر حسن از سر نو خفیہ اجلاس کی تجاویز پر غور و خوض کرنے لگا۔

عقبی دروازے سے متصل۔ اینی کی نئی رہائش گاہ میں۔ ایمرسن اور اس کے دیگر نو ساتھی رات کے بارہ ایک بجے تک طعام۔ شراب و کباب اور ضروری گفت و شنید میں مصروف رہے۔

ایمرسن ایک تیس سالہ طویل قد اور گٹھے جسم کا جوان تھا۔ لمبا چہرہ۔ کشادہ پیشانی۔ بھوری آنکھیں۔ اور ستواں ناک سے متصل باریک بھوری مونچھیں۔ اس کی ذہانت و علو ہمتی کی پیامی نظر آتی تھیں۔ اس کی خصوصی شخصیت میں اس کے حیرت انگیز حد تک سرخ بالوں کو کافی دخل تھا۔ جو عام طور پر بے ترتیبی سے پیشانی کے داہنے حصّہ پر پڑے رہتے تھے۔ اور خد و خال کی ہیئتِ ترکیبی کا ایک اہم جزو بن گئے تھے۔ موٹی موٹی گھنی بھنویں۔ جفاکشی اور سخت کوشی کی غمّاز تھیں۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت کافی بارعب اور پرکشش تھی۔

جنگِ ابراجہ کی فتح سے منسوب۔ شراب کے آخری دور کے ساتھ۔ یہ جلسہ برخاست ہو گیا مہمانوں کی شب باشی کا انتظام اسی عمارت میں کیا گیا تھا —— مہمانوں کو شب بخیر کہہ کر اینی اپنی خاص سواری میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہو گئی۔

دوبارہ شہر میں آجانے کے بعد ہار لے نے اپنی رہائش کا انتظام اپنے خصوصی شبستان میں کیا تھا۔ کیونکہ محل میں اینی کی موجودگی۔ اسے ان رنگینیوں کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ جو اس کی جوانی کا خاص حصہ تھیں۔

محل کے اکثر کمرے سردغوس کے قتل کے بعد مقفل کر دیئے گئے تھے۔ بقیہ کمروں میں جو زیادہ تر عقبی حصہ پر واقع تھے۔ خاص خاص ملازمین رہتے تھے۔ ادنیٰ درجہ کے خدام کے لئے محل سے علیحدہ بائیں حصہ کے احاطہ کی دیوار سے متعلق کئی یکساں کمرے بنے ہوئے تھے۔

اینی نے آج ہی محل میں رہنے والے اکثر ملازمین کو اپنی نئی عارضی رہائش گاہ میریٹ پیلس میں منتقل کر دیا تھا۔ جو شہر کے عقبی حصہ میں واقع تھا۔ سردغوس کے محافظوں میں دو حبشی النسل غلام جو اپنی وفاداری کے لئے اس کی عنایاتِ خاص سے بہرہ ور تھے۔ اب اینی کے حصہ میں آئے ہوئے تھے۔ ان پر اینی کو اسی قدر بھروسہ تھا۔ جتنا کہ اپنی ذات پر۔ ان کے نام تو کچھ اور تھے۔ مگر اینی اپنی سہولتِ نطق کے لئے انہیں۔ ہیپی۔ ہوپی کے نام سے پکارتی تھی۔ یہ دونوں نوجوان جسمانی اعتبار سے کافی مضبوط تھے۔ محل میں صرف یہی دو شخص تھے۔ جن کے لئے مکمل ستر پوشی ضروری نہیں سمجھی گئی تھی ان کے چمکتے ہوئے سیاہ جسموں پر افریقی طرز کا گھٹنوں سے اوپر اور سینے سے نیچے تک بھڑکیلی چھینٹ کا ڈھیلا سا بند دھا رہتا تھا۔ گردن میں موٹے موٹے چاندی کے طوق اور داہنے ہاتھ میں ایک ایک آہنی کڑا۔ اس کے علاوہ چوڑی باڑھ کی ننگی تلواریں بھی ان کی ہیئت ترکیبی کا جزو بن چکی تھیں ——— باپ کے مرنے کے بعد صرف یہی دو وفادار ایسے تھے جن کے فیل پیکر آہنی جسموں کی قوت اینی اپنے بازوؤں میں محسوس کرتی تھی۔

رات کو ڈیڑھ دو بجے کے قریب جب اینی محل کے برآمدہ میں پہنچی تو ہیپی ہوپی اس کے منتظر کھڑے تھے۔ تعظیم بجا کر۔ ہیپی نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"اتنی شب بیداری۔ آپ کی صحت کے لئے تشویشناک ہے حضور انور"

"مگر ـــــ" اینی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ہونٹ دبا کر رہ گئی۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ "ایسا روز روز تو نہیں ہوتا" ـــــ مگر اس احساس کے ساتھ کہ وہ اِس کی اُس بیداری سے بھی واقف ہیں جو تہہ خانہ سے متعلق ہے۔ تو اسے خاموش ہو جانا پڑا۔

"ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ جو لوگ ہماری وجہ سے جاگ رہے ہیں۔ انہیں آرام کرنے کی اطلاع دے دو" اینی نے اپنی خوابگاہ میں داخل ہو کر۔ شب خوابی کا لباس سنبھالتے ہوئے کہا ـــــ اور تھوڑی دیر بعد۔ اینی کی آواز مدھم ہو گئی "حسب معمول ہمیں اطلاع دو"

ہیپی ہوپی قدرے جھک کر خوابگاہ کے دروازے سے پیچھے کی طرف پلٹ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ "اطلاع دو" کا کیا مطلب ہے۔ اب انہیں اس وقت اینی کے پاس آنا تھا جب کہ محل کے تمام افراد نیند کی آغوش میں پہنچ چکے ہوں۔ خصوصاً محل کے وہ مکین جو ان کی گزرگاہ میں پڑتے تھے۔

آج میریٹ پیلس میں دیر ہو جانے کے سبب۔ اینی کے لئے ڈھائی بجے سے پہلے محل کا ماحول سازگار نہ ہو سکا۔ اور جب وہ ہیپی ہوپی کی ہمراہی میں دبے پاؤں اسلحہ سے بھرپور تہہ خانوں سے گزرتی ہوئی عنبر کی کوٹھری کی طرف بڑھ رہی تھی۔ تو اسے اس بات کا بڑا افسوس تھا۔ کہ آج وہ بہت تھوڑے وقت کے لئے عنبر کا قرب حاصل کر سکے گی۔ تہہ خانہ کے خفیہ دروازے پر پہنچ کر ہیپی ہوپی آہنی ستونوں کی طرح چوکھٹ پر نصب ہو گئے۔ اور اپنی اپنی دلآویزیوں کو مسکراہٹ کا عنوان دیتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

عنبر بارہ ایک بجے تک اینی کا انتظار کر کے سو چکا تھا۔ اور چونکہ اسے کافی رات گئے تک جاگنا پڑا تھا۔ لہذا دروازے کی کھڑکھڑاہٹ اور اینی کی آہٹ کے باوجود گہری نیند میں ڈوبا رہا۔ اینی آہستہ آہستہ چل کر اس کی پائنتی جا کھڑی ہوئی۔ اگر اسے اپنی خواب گاہ میں یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کا محبوب اس کی آمد سے مایوس ہو کر گہری نیند سو چکا ہے۔ تو شاید وہ اس

کے آرام میں مخل ہونا پسند نہ کرتی۔ مگر اب۔ جب کہ وہ اس کی امیدِ ملاقات پر ممکنہ خطروں کو مول لے چکی تھی۔ اس نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنے مرکزِ الفت کا جی بھر دیدار کئے بغیر لوٹ جائے۔ گو وہ اس مختصر سے دورِ اسیری میں اس سے کئی بار مل چکی تھی۔ مگر۔ اینی کی بے پناہ خواہش کے باوجود۔ ہم آغوشی تو دور کی بات ہے۔ وہ ایک دوسرے کو چھو تک نہ سکے تھے اینی کے ایما پر اب اس تہہ خانہ میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ چنانچہ اینی ایک اونچی سی میز پر بیٹھ جاتی۔ اور عنبر دو ڈھائی گز کے فاصلہ پر پڑی ہوئی ایک تپائی پر۔ اینی کی طرف سے موضوعِ گفتگو صرف ایک ہی تھا —— مجھے ہمیشہ کے لئے اپنے دل میں جذب کر لو —— اور چونکہ عنبر دفع الوقتی کے فیصلہ پر کاربند تھا۔ لہذا ان کی بات چیت روزِ اول کی سطح سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ ہر بار شب بخیر کہہ کر رخصت ہوتے وقت اینی کے پیاسے۔ اور بہت ہی پیاسے ہونٹ۔ بڑی طرح مچل مچل پڑے۔ اور کل تو اس نے اپنی تشنگی کی وضاحت کے لئے وقتِ رخصت۔ اپنی زبان کچھ اس طرح ہونٹوں پر پھیری تھی۔ کہ اگر عنبر کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بے اختیار اپنا سب کچھ لٹا دیتا۔ مگر عنبر اس صبر آزما تشنگی کا جواب۔ ایک بے معنی سی مسکراہٹ کے سوا اور کچھ نہ دے سکا تھا۔

اس وقت اینی کی عجیب حالت تھی۔ جیسے پیدائشی مفلس و قلاش زندگی بھر کی جدوجہد کے باوجود اپنی جائز ضروریات کی کفالت کے لئے تھوڑی سی رقم بھی مہیّا نہ کر سکا ہو۔ اور پھر اچانک لاوارث مال و دولت کے انبار کے انبار اس کے قدموں میں آپڑے ہوں۔

عنبر سو رہا تھا۔ اپنی ان تمام دلفریبیوں کے ساتھ۔ جو اینی کے ذوقِ طلب کی روح تھیں۔ اس کے سینہ کا ہیجانی زیر و بم فزوں سے فزوں تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں عنبر کی طرف لپکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے جذبات سیلاب کی طرح امڈے چلے آرہے تھے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ افلاس زدہ جی۔ کہ وہ مال و دولت کے اس لاوارث انبار پر ٹوٹ پڑے

اور لوٹ لے۔ جس قدر بھی لوٹ سکے۔ اس کے اندر کی عورت قطعی طور پر بے قابو ہو چکی تھی۔ مگر اس سب کے باوجود۔ کوئی چیز تھی۔ جو منوں وزنی بیڑیوں کی طرح اس کے پیروں کو جکڑے ہوئے تھی۔ ایک مضبوط قفل تھا۔ جو جذباتی بہاؤ کو اپنی حدود سے متجاوز نہ ہونے دینے کے درپے تھا۔ ایک بے رحم ہاتھ تھا جو اس کے تڑپتے دل کو مٹھی میں دبائے جا رہا تھا۔ وہ بظاہر بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ لیکن دیکھتے دیکھتے اس کا نازک جسم پسینہ میں شرابور ہو گیا۔ پسینے کے موٹے موٹے قطرے اس کی پیشانی سے ڈھلک کر اس کے متلاطم سینے میں جذب ہونے لگے۔ جیسے وہ کسی غیبی طاقت سے۔ کسی کوہ پیکر دیو سے۔ اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ جیسے اس نے شکست سے بچنے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ اس کشاکش کے عالم میں وہ بڑی دیر تک عنبر کے قدموں میں کھڑی رہی۔ اور نہ جانے کب تک کھڑی رہتی کہ عنبر نے کروٹ بدلی۔

"عنبر!" وہ تذبذب کے عالم میں گھٹنے کے بل زمین پر بیٹھ کر عنبر سے بالکل متصل ہو گئی۔

"پیارے عنبر!" اس نے محبت سے لبریز پیرایہ میں بڑی بیباکی سے جگانے کی کوشش کی گویا زر و جواہر کے اس انبار کی لاوارثی اس کی نیت میں فتور کا موجب بن رہی ہو۔

اینی کی آواز سن کر عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور دولتِ کلبریہ کی تنہا مالکہ کو ایک پجارن کی طرح گھٹنوں کے سہارے بیٹھا دیکھ کر مدہوش کن خوابی کیفیت کے باوجود ایک دم پلنگ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کب تشریف لائیں۔ میرا تو خیال تھا۔۔" غلبۂ خواب کی زد سے نکلنے کے لئے اس نے ایک زوردار انگڑائی لی۔ "کہ آج کوئی خاص مصروفیت آڑے آ گئی۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔۔ لیکن آپ کھڑے کیوں ہو گئے۔ لیٹ جائیے۔۔ آج میں ایسا ہی چاہتی ہوں۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" عنبر کے اسٹول کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ "یہ اس بداخلاقی ——"

"وقت بہت تھوڑا ہے میرے محبوب! اصرار نہ کراؤ۔ یہ بداخلاقی نہیں ہے۔ میری التجا ہے۔ لیٹ جاؤ۔ میں یہاں بیٹھوں گی۔" اس نے پلنگ کے سرہانے کی جانب اشارہ کیا۔

یک لحہ توقف کے بعد عنبر نے آگے بڑھ کر اسٹول اٹھایا اور اسے اپنے سرہانے رکھ کر بولا۔ "اگر یہ ناگزیر ہے۔ تو آپ یہاں تشریف رکھیں۔"

اور جب اینی خاموشی کے ساتھ اسٹول پر بیٹھ گئی۔ تو عنبر کو بھی بمجبوری پلنگ پر نیم دراز ہو جانا پڑا۔ عنبر کے پلنگ پر بیٹھتے ہی اینی نے اپنا اسٹول پلنگ کی پٹی سے بالکل ملا لیا۔ اور عنبر کے سینے سے کپڑا اٹھاتے ہوئے بولی۔ "زخم کا کیا حال ہے۔"

عنبر نے اینی کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر بے پرواہ لہجہ میں جواب دیا۔ تیزی سے مندمل ہو رہا ہے۔ اور یہ بلاشبہ آپ کے التفاتِ خاص کا کرشمہ ہے۔ ورنہ بقول آپ کے۔ بالوں کی وجہ سے یہ زخم بڑا خطرناک ——"

"شریر!" اینی نے محبوبانہ انداز میں عنبر کے ہاتھ پر خفیف سی چٹکی لی۔ "اچھا بتائیے تو۔ کب سوئے تھے آپ۔"

عنبر نے موم بتی کی طرف دیکھا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "اس کے اندازے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِدھر میں سویا ہوں اور اُدھر آپ تشریف لائی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے۔" اینی کا لہجہ فرطِ مسرت سے بے ربط ہو گیا۔ "آپ کافی رات گئے تک میری راہ دیکھتے رہے۔"

"جی۔" عنبر نے نفسِ موضوع کو پا کر معنی خیز لہجہ میں جواب دیا۔

"زہے نصیب۔" اس کی آنکھوں میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس نے بے اختیاری کے عالم

میں عنبر کے مضبوط ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر اپنے سینے کی طرف گھسیٹ لیا۔ گویا دل کی شدید دھڑکن کا اظہار چاہتی ہو۔ یہ اوّلین جرأت عنبر کے لئے بڑی صبر آزما ثابت ہوئی۔ اگر ایک طرف اسے اینی کی دل شکنی منظور نہ تھی تو دوسری جانب اسے اپنا وہ دامن بھی بہت عزیز تھا۔ جو تا حال اس قسم کی ہر کثافت سے پاک تھا۔

"اینی!" عنبر نے ہاتھ کو ڈھیلا چھوڑ کر ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"ہاں میرے محبوب ـــ" اینی نے جواب دیا۔ جو اب اپنے اور عنبر کے ہاتھ کو اپنے رخسار کا سہارا بنائے پلنگ پر جھکی ہوئی تھی۔

"اگر تمہیں معلوم ہو کہ جس کے پیچھے تم دوڑ رہی ہو۔ وہ حقیقت نہیں۔ بلکہ سراب ہے۔ تو ـ"

"تو ــــ تو ــــ تو ــــ"

اور عنبر کو معلوم ہوا کہ اس کا ہاتھ اینی کے گرم گرم آنسوؤں سے نم ہونے لگا ہے۔ سوائے آنسوؤں کے اور کوئی علامت ایسی ظاہر نہیں ہوئی جس سے اینی کی گریہ وزاری محسوس کی جا سکتی۔ اینی نے آہستہ آہستہ عنبر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور چہرے کو بانہوں کے حلقے میں لے کر پٹی کے سہارے ہو بیٹھی۔ غم و مسرت کی یہ زود اثری عنبر کے لئے بڑی حیرت انگیز تھی۔ خصوصاً اینی کے لئے۔ جو اپنے ملک و قوم کے لئے عزم و ثبات کا سراپا تھی۔ میدانِ جنگ کی ایک جرأت مند سپاہی۔ اور قتل و غارتگری کے دوران آہنی دل گردہ رکھنے والی۔

"کیا سے کیا بنا ڈالا ہے۔ ظالم محبّت نے۔ اس غریب کو۔" عنبر نے سوچا جو پچھلے کئی دنوں سے اس کے معاملہ پر ہمدردانہ غور کر رہا تھا۔ وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور تھا۔ کیونکہ اینی اس کے لئے حاکم کلبریہ نہ تھی۔ اس نے خود کو عنبر کا ہم پلّہ خیال نہ کیا تھا۔ بلکہ وہ دل و جان سے اس کے تابع ہو گئی تھی ــــ ایک ایسی ہستی۔ جو پہلے ہی کسی کے رحم و کرم پر جی رہی ہو۔ کون قزاق ہوگا جو اس پر بھی سخت گیریوں کو روا رکھے گا۔ اور پھر بحیثیت عورت ــــ اینی کا کیا قصور تھا۔ صرف یہی نا

کہ اس نے بھرپور خلوص کے ساتھ ایک شخص کو چاہا - اور اب اس کی طلب کے لئے کوشاں ہے -
کیا اینی کی سچی محبت کے لئے یہ ثبوت کچھ کم تھا کہ وہ اپنے ملک وقوم اور اپنے باپ کے قاتل
سے پیار کر رہی تھی - وہ دنیا بھر کے لئے قابلِ نفرت ہو سکتی تھی ــــ مگر عنبر ــ وہ کس دل سے نفرت کرتا -
"کاش یہ مجھ سے نفرت کر سکتی - مگر ــــ آخرالامر یہ تلخی برداشت کرنا ہی پڑے گی - مجھے بھی -
اور اس خاکسترِ محبت کو بھی ــــ لیکن یہ کیونکر ہو سکے گا - کن صورتوں ہیں - کس وقت؟"
"اینی!" عنبر پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا - اور اس کی پریشان لٹوں کو سنوارتے ہوئے گھمبیر
لہجہ میں گویا ہوا - "تمہیں یقین کرنا چاہیئے کہ میں تمہاری محبت سے بیحد متاثر ہوں - اور میری دلی خواہش ہے
کہ میری طرف سے تمہیں کوئی دکھ نہ پہنچے - لیکن ــــــ"
اینی کی رشک آلود نگاہیں بیقراری کے ساتھ عنبر کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں - گویا وہ "لیکن" کی تفصیل
قبل از وقت اس کے چہرے سے پڑھ لینا چاہتی ہو ــــ عنبر کی افسردہ خاموشی - اس کی بیقراریوں
میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ کرنے لگی -
"لیکن کیا ــ آپ رک کیوں گئے - کہہ دیجیئے ــ کہہ دیجئے ــــ میں اپنی بدقسمتی سے ڈرنے
والی نہیں ہوں - محبت ان چرکوں سے بہت بلند ہے میرے محبوب! بہت بلند ہے - آپ کہہ دیجئے
میں سکونِ قلب کے ساتھ سننے کا وعدہ کرتی ہوں ــــ میں وعدہ کرتی ہوں کہ - آپ کی طرف سے
زہر بھی میرے لئے شربت سے کم نہ ہوگا ــــ کہہ دیجئے نا"
"آخر لوگ مر بھی تو جاتے ہیں؟" عنبر نے نیا اسلوب اختیار کیا -
"ہاں مر جاتے ہیں - جس طرح میرے والد مر گئے - گلبرٹ مر گیا - ہزاروں اہالیانِ کلبریہ مر گئے"
"اور آخرکار تمہیں صبر کرنا پڑا"
"ہاں" اینی نے عنبر کے نفسِ مفہوم کو پاتے ہوئے تائید کی -
"کیا تم مجھے مردہ سمجھ کر صبر نہیں کر سکتیں - اس سلسلہ میں میں واقعی مردہ ہوں اینی"

"کیا آپ کسی سے محبت کرتے ہیں" ۔ اینی کی حالت غیر ہونے لگی۔

عنبر کے لئے یہ بڑا نازک مقام تھا۔ کیونکہ اس کا جواب اثبات کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ اور اس کے بعد اینی کو یہ جاننے کی مطلق ضرورت نہیں رہتی تھی کہ اس کا حاصلِ محبت کون ہو سکتی ہے صہبا اور صرف صہبا۔ جس کی طرف سے وہ پہلے ہی مشکوک ہے۔ اور جو آج اس کی قید میں ہے۔ اینی جنونِ محبت کی جن حدوں پر نظر آ رہی تھی۔ ان کے پیشِ نظر عنبر کو یہ بعید از قیاس معلوم نہ ہوا کہ وہ اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے صہبا کی زندگی سے کھیل جائے۔ اور یہ کام آج اس کے ادنیٰ سے اشارۂ ابرو پر انجام پا سکتا تھا۔۔۔۔ عنبر کو کسی گہرے سوچ میں مبتلا پا کر اینی نے عنبر کے ہاتھ کو۔ جو پٹی پر رکھا تھا۔ پیار کے ساتھ تھپتھپایا۔

"سوچ میں کیوں پڑ گئے میرے محبوب! اینی تمہاری امیدوں سے زیادہ وسیع الظرف ثابت ہونے کی کوشش کرے گی۔ مجھے سچ سچ بتا دو۔ میں تمہارے لئے خوشبو کی طرح سبک اور خوشگوار بننا چاہتی ہوں۔ تمہاری راہ کا کانٹا نہیں بن سکوں گی۔ مجھے بتا دو میرے محبوب"۔

"وقت کا کچھ احساس ہے آپ کو" عنبر نے پگھلتی ہوئی موم بتی کی جانب اشارہ کیا۔ جو صبح صادق کی پیامی بنی ہوئی تھی۔ اینی گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔

"کاش یہ راتیں صدیوں میں بدل سکتیں" اینی نے اپنا پرانا فقرہ اس وقت بڑی بیکسی کے عالم میں دہرایا۔ اور ادھوری گفتگو کی خلش لئے۔ حسبِ سابق۔ عنبر کو مڑ مڑ کر دیکھتی ہوئی دروازے پر پہنچی اور الوداعی تعظیم کے بعد۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

چشمکیں

آج معاہدے کے بعد کا آٹھواں دن ہے۔ اور اب بظاہر میدانِ کارزار گرم ہونے میں صرف ایک ہفتہ کا وقفہ درمیان میں رہ گیا ہے۔ وہ اور بات ہے کہ عیسائی اپنی سہولت کے لئے دور روز اور آمادہ جنگ نہ ہوں۔

آج کئی روز سے رات ڈھلے اسلامی لشکر کے بائیں حصہ پر خصوصی سرگرمی دیکھنے میں آرہی تھی۔ چونکہ یہ حصہ عیسائی فوج کی دستِ برد سے محفوظ تھا۔ نیز اس رُخ پر اونچے اونچے خیموں کی گنجان قطاریں عیسائیوں کی حدِ نگاہ بنی ہوئی تھیں۔ اس لئے عیسائی لوہ لگانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود اصل حقیقت سے بے خبر تھے۔ ممکن ہے وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دیتے۔ مگر وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی لشکر میں سامانِ رسد کے ذخیروں۔ جانوروں کے گلوں اور دیگر ضروری چیزوں میں حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ دیکھ سکتے تھے کہ اسلامی پڑاؤ کا وہ حصہ۔ جو گھوڑوں اور اونٹوں کے اصطبل کا کام دیتا تھا۔ اور جس کا اکثر حصہ خالی رہا کرتا تھا۔ اب نہ صرف یہ کہ اس میں تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برابر ہی ایک اور اصطبل کی حد بندی کر دی گئی ہے۔ اور وہ بھی تیزی کے ساتھ اعلیٰ قسم کے گھوڑوں سے پُر ہوتی جا رہی ہے۔ اسی طرح گائے۔ بیلوں۔ بھیڑوں اور بکریوں کے احاطوں کی توسیع بھی ان کی نگاہ میں تھی۔ اندرونی اور بیرونی عیسائیوں کے لئے اسلامی لشکر کی یہ برق رفتار تیاریاں بڑی تشویشناک صورت اختیار کر گئی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ یہ سب کچھ

زمین اگل رہی ہے۔ یا آسمان پھینک رہا ہے۔

اور بالآخر آج دوپہر یہ معمہ از خود حل ہوگیا۔ جب کہ مضافاتِ جراجہ کے کئی گروہ انتہائی خستہ حالی کے عالم میں بیرونی عیسائی لشکر کو دُہائی دیتے یہاں آ پہنچے۔ ان گروہوں نے ایمرسن کو بتایا کہ کس طرح اچانک ہی ان کے گاؤں کھیڑوں میں مسلمان پہنچتے ہیں۔ اور کس طرح انہیں مسلمان ہونے کی ترغیب دے کر اپنا دینی بھائی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب ہم لوگ ان کا مذہب قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ تو کس طرح قتل و غارت گری کر کے ہمارا مال و اسباب اور مویشی لے جاتے ہیں۔

ایک گروہ کے سرغنہ نے بتایا۔

"میرے ساتھ جتنے بھی لوگ ہیں۔ وہ مختلف دیہاتوں کے ترجمان ہیں۔ یہ لوگ آج تین روز سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے میرے مکان پر جمع ہو رہے تھے۔"

اور جب ایمرسن نے سرغنہ کی نشاندہی پر اس گروہ کے افراد کو شمار کیا۔ تو وہ چونتیس شخص تھے۔ بالفاظِ دگر چونتیس آبادیاں مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئی تھیں۔ اور یہ تو صرف ایک گروہ کی پرسش تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی گروہ تھے۔

ایمرسن مضافات میں مسلمانوں کی ان طوفانی یلغاروں کا احوال سن کر غیض و غضب سے انگارہ ہوگیا۔

"ہم مسلمان لٹیروں کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہرگز نہیں۔ کہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے عارضی صلح کے جھنجھنے بجائیں۔ اور وہ ہمارے بھائیوں کے سروں کو اپنے نیزوں پر اُچھالتے پھریں۔" وہ بُری طرح دہاڑنے لگا۔ اس کی گرجدار آواز نے خیمہ کی ہنگامی فضا پر سکوت سا طاری کر دیا۔

"پامر!" اس نے اپنے نائب کو افسرانہ لہجہ میں مخاطب کیا۔ جو فوراً ہی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "کیا مسلمان ایسا کر کے ہمارے گال پر طمانچے نہیں مار رہے ہیں۔ اور کیا یہ ہمارے لئے

ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے۔"

"بیشک جناب والا۔" پامر نے فوجی تناؤ کے ساتھ سر تسلیم خم کیا۔

"لاؤ۔ وہ معاہدے کی نقل کہاں ہے۔ جو ہمیں سہر دغوس کی بیٹی نے دی تھی۔ اس ناتجربہ کار لڑکی نے ہماری راہ میں کانٹے بوئے ہیں۔ اب تک ہم کبھی کے اپنی پاک زمین کے گڈھوں کو ان لٹیروں کی لاشوں سے پاٹ چکے ہوتے۔" پامر کے جانے پر اس کا نزلۂ عتاب لٹے پٹے گروہوں کی طرف ڈھلک گیا۔

"یہ نجس لوگ تمہاری بستیوں میں کس تعداد کے ساتھ پہنچتے رہے ہیں ــــ تم بتاؤ!" اس نے گروہ کے سرغنہ کی طرف انگلی اٹھائی۔ "صرف اپنے گاؤں کے بارے میں۔"

"میرا خیال ہے۔ پانچ سو سے اوپر ہی ہوں گے۔"

"ہوں۔" ایمرسن نے نتھنے پھلا کر گردن کو جھٹکا دیا۔ "تمہارا گاؤں کتنا بڑا ہے۔ اس کی کل آبادی کتنی ہوگی۔"

"بڑا قصبہ ہے جناب۔ دو ڈھائی ہزار مکان ہیں۔ دس ہزار سے کیا کم لوگ ہوں گے۔" سرغنہ نے دیہی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔

"نامردو!" ایمرسن کا پارہ پھر نکتۂ عروج پر پہنچ گیا۔ "تین چار ہزار جوانوں کے ہوتے۔ پانچ سو ڈاکوؤں سے پٹ کر ہمارے پاس فریاد کرنے آئے ہو۔"

"مگر حضور والا۔" سرغنہ خوف سے کانپنے لگا۔ "وہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے اتنی تیزی سے ہم پر حملہ کیا کہ ہمیں سنبھلنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔"

"جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ تم نے کہا تھا کہ پہلے انہوں نے تمہیں اپنا ہم مذہب بنانے کی ترغیب دی تھی۔ لہذا جب تمہیں یہ ترغیب دی گئی تو تمہارا اس ترغیب پر لبیک نہ کہنا ہی اعلانِ جنگ تھا۔ تم اپنا عندیہ ظاہر کرنے سے قبل ہی جنگی تیاریاں کر سکتے تھے۔ مگر اس

کے لئے تمہارے جسم میں بہادر باپ کا خون ہونا ضروری تھا۔ جس سے تم بالکل محروم ہو۔ تمہیں زنانے کپڑے پہن لینا چاہئیں "۔

"عہد نامہ حاضر ہے عالی جاہ!"

ایمرسن نے پامر کے ہاتھ سے کاغذ لے کر بے صبری کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ یہ موقعہ گروہوں کے ان افراد کے لئے بڑا قیمتی تھا۔ جو اپنی تباہ حالی پر لعنت و ملامت کے روادار نہیں تھے۔ انہوں نے خیمہ سے کھسکنا شروع کر دیا۔ اور جب ایمرسن نے عہد نامے سے نظر ہٹائی ہے تو حاضرین کا چوتھا حصّہ غائب تھا۔

"یہ لوگ میرے پاس اپنے زخموں کے لئے مرہم کی تمنّا لے کر آئے تھے۔ لیکن یہاں اُلٹی نمک پاشی ہو رہی تھی۔ وہ اسے کیسے برداشت کر سکتے تھے "۔ ایمرسن نے خیال کیا۔۔۔ لیکن ایمرسن۔ جو بزدلوں کا ٹھکانہ دنیا کی بجائے جہنّم قرار دیتا تھا۔ اور جس کے خیال میں ایک مرد کے لئے "بزدلی" سے زیادہ قابلِ ملامت اور کوئی فعل نہ تھا۔ جانے والوں سے قطعی متاثر نہ ہوا۔

"میرے خیال کے مطابق اس معاہدہ میں یہ خامی موجود ہے "۔ اس کی توجہ خانماں برباد لوگوں سے ہٹ کر اپنے افسران کی جانب مبذول ہو گئی"۔ لیکن ۔۔۔ لیکن ۔۔۔ ہاں"۔ اس نے سوچتے سوچتے کسی خاص فیصلے کی حامی بھری۔ "اگر اس معاہدہ میں ان لوگوں کو ڈاکے ڈالنے سے منع نہیں کیا گیا۔ تو انہیں اس بات کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مجھے حق ہے کہ میں اپنے بھائیوں کی تباہی و بربادی پر احتجاج کروں۔ اور اگر یہ لٹیرے اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں تو اس معاہدے کے پُرزے پُرزے کر کے انہیں قرار واقعی سزا دوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔۔۔ یقیناً ہمارا ایسا نہ کرنا ہمارے قومی وقار کی تذلیل ہے "۔

"بیشک!" حاضرین یک زبان ہو کر چیخ پڑے "۔ ان حالات میں معاہدے کا احترام نہیں کیا جا سکتا "۔

"مراسلہ نویس کو حاضر کرو۔" ایمرسن نے خیمہ کے ایک خالی گوشہ کو اپنی بیقراریوں کی آماجگاہ قرار دیتے ہوئے حکم دیا۔

چند لمحوں بعد خیمہ پر کامل سکوت طاری ہو گیا۔ ایمرسن خالی گوشہ میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اور مراسلہ نویس تحریرِ مراسلہ کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

حسنِ اتفاق کہ جونہی عیسائی قاصد مراسلہ لے کر اسلامی پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ پورا اسلامی لشکر نعرۂ تکبیر کے والہانہ نعروں سے لرز اٹھا۔ مسلمان سپاہی انتہائی جوش و خروش اور اشتیاق و انبساط کے عالم میں اپنے خیموں سے نکل نکل کر پڑاؤ کے بائیں حصے پر جمع ہونے لگے۔ جوشِ مسرت میں بیسیوں عقال فضا میں لہراتے نظر آنے لگے۔ بعض پُرجوش مجاہدوں نے اپنے لبادوں کو نیزوں کی نوک پر لے کر ہوا میں لہرانا شروع کر دیا۔ شور و غل کے اس طوفان نے دونوں عیسائی لشکروں کو مبہوت سا بنا دیا۔ اندرونِ شہر کے عیسائی تیزی کے ساتھ فصیل پر جمع ہونے لگے۔ اور دیکھتے دیکھتے شہر کی ساری آبادی حصارِ شہر پر سمٹ آئی۔ ان کے برعکس باہر کی عیسائی فوج مسلمانوں کے اس پُرمسرت مظاہرے سے یکسر محروم تھے البتہ شور و غل کی آوازیں واضح طور پر سنی جا رہی تھیں۔ ایمرسن سے نہ رہا گیا۔ اس نے ایک گھوڑ سوار ٹولی کو حقائق معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جو اپنے پڑاؤ کے عقب سے نکل کر۔ اسلامی پڑاؤ کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ قائم کرتی ہوئی اسلامی لشکر کے بائیں حصہ کی طرف بڑھنے لگی۔

دراصل شمالی افریقہ کے خلیفہ ابوالمنصور اور جزیرہ سسلی کا امدادی لشکر آ پہنچا تھا۔ اسلامی مخبر کا بیان تھا کہ یہ لشکر آٹھ دس ہزار مجاہدین پر مشتمل ہے۔ نیز اس کے ہمراہ کئی جدید قسم کی کلیں اور سینکڑوں بیل گاڑیاں سامانِ جنگ و رسد سے لبریز ہیں۔ اس وقت اسلامی لشکر کو مزید سپاہ کی جتنی شدید ضرورت تھی۔ اس کے پیشِ نظر۔ وہ اس امدادی فوج پر جس قدر خوشیاں مناتا کم تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسلامی فوج کے پچاس گھڑسوار۔ بطور ہیش رو دستہ۔ اسلامی پڑاؤ پر آلگا۔ اس کے آتے ہی حسن اپنے معزز ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مخصوص خیمہ میں پہنچ گیا۔ تاکہ باطمینان ہیش رو دستے سے امدادی فوج کی تفصیلات دریافت کرسکے۔ مگر یہاں المیرسن کے فرستادہ عیسائی قاصد پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ لہذا حسن کے مسند نشین ہوتے ہی سب سے پہلے انہیں کی شنوائی ہوئی۔ عیسائی قاصد حسن کو مراسلہ دے کر ایک طرف کو کھڑے ہو گئے۔

حسن نے اس مراسلہ کو خاموشی کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ اس پُرمسرت اور مبارک ترین موقعہ پر حسن کا چہرہ فرطِ غضب سے سُرخ ہو گیا ہے۔ آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگی ہیں۔ اور وہ دانتوں کو پیستے ہوئے غصہ کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہے حاضرین میں سے خصوصاً عمار۔ احمد۔ ابن عمار اور اشعر وغیرہ پر حسن کی یہ کیفیت بہت گراں ثابت ہوئی۔ وہ اپنی جگہ کسمسا کر دریافتِ حال کا تقاضہ کر رہے تھے۔ مگر حسن ان کی طرف سے بے پروا۔ اپنے غم و غصہ کا رُخ کسی فوری فیصلہ کی طرف بدلنے کی سعی کر رہا تھا۔ کچھ دیر اسی عالم میں گزار کر حسن نے عیسائی قاصدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ہمارے لئے سب سے مقدم کام اپنے مہمانوں کا خیر مقدم اور قیام و طعام کا بندوبست کرنا ہے۔ لہذا اس کا جواب عشاء کی نماز سے پہلے نہیں دیا جاسکتا۔ آپ جاسکتے ہیں۔"

عیسائی قاصدوں نے مودبانہ انداز میں سر جھکایا اور خیمہ سے باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد حسن اپنی پیشانی کو انگلیوں اور انگوٹھے کے درمیان لے کر زور زور سے رگڑنے لگا۔ گویا غم و غصہ کی سرگرانی دور کرنا چاہتا ہو۔ ہیش رو دستے کے تمام ارکان معمہ بنے اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ حسن نے ایک سطحی سی نظر مجمع کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ڈالی۔ اور پھر مراسلہ اشعر کی طرف بڑھاتے ہوئے متحمل لہجہ میں بولا۔ "پڑھ کر سنا دو۔"

اشعر نے مراسلہ لے کر اسے بآوازِ بلند بنیا بانہ پڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں مراسلہ

کی گستاخانہ عبارت آگے بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں کے دورانِ خون میں تلاطم سا برپا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر کئی نوجوانوں کا خون بُری طرح کھول اٹھا۔

"ٹھہرو!" احمد غصے سے بے قابو آواز میں چیخا۔ "ہم اس کی تابِ سماعت نہیں لا سکتے۔ ایسی غیر مہذّب اور دلآزار تحریریں ہماری مجلسوں میں بار نہیں پا سکتیں۔ اس کے پرزے پرزے کر کے ایمرسن کے منہ پر مار دینا ہی اس کا مناسب جواب ہے۔"

"احمد!" حسن نے ڈانٹ بتائی۔ "یہ ہمارے احکام کی تعمیل میں مداخلتِ بیجا ہے۔ ہم اس معاملہ میں تم سے بہتر جانتے ہیں۔ مراسلہ حرفِ آخر تک پڑھا جائے۔"

احمد کی جوشِ انتقام سے تنی ہوئی گردن۔ فرمانبرداری کی ضرب سے ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ سر لٹکائے خاموشی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور اشعر ہیجان انگیز لہجہ میں مراسلہ کا اگلا حصّہ پڑھنے لگا۔

مراسلہ کے خاتمہ پر۔ جب کہ یہاں کا ہر فرد آگ بگولا بنا ہوا ایک دوسرے کی صورت تک رہا تھا۔ حسن گرجدار آواز میں چلّایا۔

"غصّہ ایک قوی ہیکل دیو ہے۔ جو انسان کو مغلوب کر کے اس کی عقلِ سلیم کو سلب کر لیتا ہے۔ ہم اس سے شکست نہیں کھائیں گے۔ غصّہ کی لپیٹ میں بے قابو ہو جانے والے کی نسبت۔ اس پر فتح حاصل کرنے والا زیادہ بہادر ہوتا ہے۔ لہذا اپنی مثال پیش کرتے ہوئے میں درخواست کروں گا کہ آپ غصّہ اور اشتعال کی بجائے صبر و شکر سے کام لیں۔ اپنی عقلِ سلیم کو معقولیت سے کنارہ کش نہ ہونے دیں۔ میں اس سلسلہ میں آپ کو تمام ضروری معلومات فراہم کروں گا۔ فی الوقت ہمیں تھکے ہارے بھائیوں کو دلی مسرّت کے ساتھ خوش آمدید کہنا ہے۔ کچھ ذمّہ داریاں ہیں۔ جن سے فوری طور پر عہدہ برآ ہونا ہے۔ لہذا اس ناخوشگوار واقعہ کو بھول کر پہلے اس طرف توجہ دیجیے۔۔۔ تم۔۔۔" حسن کا روئے سخن احمد کی طرف مبذول ہوا۔ "اپنے چچا اور دیگر افسروں کے ساتھ آگے بڑھ کر امدادی لشکر کی پیشوائی کرو۔۔۔ تم۔۔۔" اس نے ابنِ عمار کی طرف انگلی اٹھائی۔ "طبلِ جنگ کے ساتھ

دشمن کے پڑاؤ پر گہری نظر رکھو۔ اگر دشمن کی فوج میں خلاف معمول سرگرمی دیکھنے میں آئے۔ تو نقارۂ رزم کے ذریعہ فوراً اعلانِ صف آرائی کر دو۔ عمل!"

ان لوگوں کے جانے کے بعد خیمہ میں حسن کے خصوصی محافظوں اور پیش رو دستے کے سوا اور کوئی نہ رہا۔

"امدادی لشکر کے بارے میں" حسن پیش رو دستے سے مخاطب ہوا۔ "کچھ ضروری معلومات درکار ہیں۔ آپ میں سے جو شخص اس بارے میں زیادہ باخبر ہو وہ میرے قریب آجائے۔"

حسن کا جملہ ختم ہوتے ہی۔ ایک خوبرو نوجوان۔ جو اپنے لباس سے افریقی فوج کا متوسط عہدیدار معلوم ہوتا تھا۔ اپنے گروہ سے نکل کر حسن کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ!" حسن نے اسے اپنی نشست کے مقابل جگہ دیتے ہوئے کہا۔ "فوج کی صحیح تعداد کیا ہے۔"

"گیارہ ہزار۔" ترجمان نے جواب دیا۔

"اس میں افریقی فوج کتنی ہے۔"

"چھ ہزار۔"

"افریقی فوج کن لوگوں پر مشتمل ہے۔"

"اس ضمن میں ہمیں خلیفۂ افریقہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے دنیا کے بہترین جنگجو۔ بربر اور قبیلۂ بنو اسمار کے عرب عطا فرمائے ہیں۔"

"سچ کہتے ہو۔" فرطِ حیرت سے حسن کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ حسن کو معلوم تھا کہ یہی دونوں فوجی دستے مرکزی فوج کی جان تھے۔ اور عموماً اس وقت میدانِ جنگ میں اترتے تھے جب کہ خلیفہ بنفسِ نفیس شریکِ جنگ ہوتا تھا۔ یہ وہی بربر تھے۔ جو کسی زمانے میں حسن کی زیر نگرانی۔ افریقہ کے بیسیوں محاذوں پر لڑ چکے تھے۔ صرف دو ہزار کی تعداد میں۔ جب کہ ان کے مقابلہ پر دس دس

اور پندرہ پندرہ ہزار باغیوں کی تلواریں کو ندتی تھیں۔ اس دوران حسن ایسے بہادر شمشیر زن کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا تھا کہ بربروں کی شمشیریں بلاشبہ چلتا ہوا جادو ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سرزمینِ افریقہ کی نگہداشت کے لئے مرحمت ہوئی ہیں ــــ بربر افریقہ ہی کے باشندے تھے۔ دوسرے باشندوں کی طرح بت پرست۔ اور سورج و سمندر کی پرستش کرنے والے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان جنگجوؤں کے دلوں کو اسلام کی روشنی سے منور کر کے انہیں عربوں کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔ حالانکہ اس سے قبل اطاعت و فرمانبرداری۔ وہ بھی غیر افریقی کی۔ ان کی لغتِ حیات سے یکسر معدوم تھی۔ رومیوں نے انہیں مغلوب کرنے کے لئے سالہا سال سر توڑ کوشش کی۔ مگر ناکام رہے۔ وہ بلا کے مضبوط۔ جفاکش اور سخت جان تھے۔ میدانِ جنگ میں ان کا وجود اس بات کی ضمانت ہوتا تھا۔ کہ دشمن ان کی لاشوں سے گزرے بغیر ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ جہاں جم جاتے تھے۔ یا تو کٹ کر گر پڑتے تھے۔ یا پھر دشمن کی سر بریدہ لاشوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے تھے۔ ان کے آگے بڑھے ہوئے قدم۔ شاذ و نادر ہی پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ اپنے افسر کی آواز پر موت کے منہ میں کود پڑنا ان کا روایتی حصّہ تھا۔ اور افریقہ کی جنگی تاریخ میں یہی مقام بنو اسمار کو بھی حاصل تھا ــــ اس نازک موقعہ پر بربروں اور بنو اسمار کی اتنی بڑی تعداد کا حاصل ہو جانا حسن کے لئے ایک حیرت انگیز مسرّت تھی۔

"اس سلسلہ میں ہم خلیفۂ افریقہ کے جتنے بھی شکر گزار ہوں کم ہے۔" حسن نے کہا۔ "اچھا یہ تو بتاؤ۔ افریقی فوج کا سپہ سالار کون ہے؟" یہ سوال حسن نے بڑے اشتیاق کے ساتھ کیا۔ کیونکہ افریقی فوج کے تمام بڑے بڑے افسر نہ صرف اس کے ہم عصر تھے۔ بلکہ اکثر سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے ــــ "کیا عجب ہے کہ سپہ سالار میرا کوئی عزیز دوست ہو" حسن کو ایکا ایکی خیال آیا۔

"عمران بن خلدون"

"فتح کی بشارت مبارک ہو" حسن کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ حالانکہ وہ جنگی حالات کی

پیش گوئیوں میں بڑا احتیاط رہتا تھا۔

عمران بن خلدون اس کے ان گنے چنے دوستوں میں سے ایک تھا جنھیں یہ ان کی اعلیٰ جنگی خدمات کے سبب بڑا عزیز رکھتا تھا۔

"کُل گھوڑ سوار کتنے ہیں؟"

"ساڑھے تین ہزار۔"

"ان میں سسلی کے کتنے گھوڑ سوار ہیں؟"

"بارہ سو۔"

"کلیں کتنی ہیں۔ اور کون کون سی ہیں؟"

"سنگ بار ۳ عدد۔ دیوار شکن ایک عدد۔ برق انداز ۲ عدد۔ جدید آتش فشاں ۲ عدد۔"

"بہت خوب! راستہ میں کہیں مزاحمت تو نہیں ہوئی؟"

"ساحلِ مسینا سے گزر کر مقامِ ریو پر عیسائیوں نے سدِ راہ ہونے کی کوشش کی تھی۔ مگر زیادہ دیر نہ جم سکے۔"

"اسلامی فوج کا کچھ نقصان تو نہیں ہوا؟"

"ساٹھ مجاہد ہلاک اور سو کے قریب مجروح ہوئے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے ہاتھ سے ان کے چار پانچ سو آدمی مارے گئے۔ نیز خاصہ مالِ غنیمت حصّہ میں آیا۔"

"پہل تو انہوں نے ہی کی تھی نا؟"

"جی جناب۔"

"اپنی ضرورت کے مطابق فوج کے پاس خیمے موجود ہیں؟"

"خیموں کی کمی تھی۔ مگر ریو کے عیسائیوں نے اسے دور کر دیا۔ ان کے پڑاؤ سے ہمیں ہزار کے قریب خیمے دستیاب ہوئے تھے۔"

"ہزار کے قریب ؟" حسن نے حیرت سے پوچھا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق تو وہاں صرف تین چار ہزار عیسائی مقیم تھے۔ ان کے لئے اتنے خیمے کیونکر نصب ہو سکتے ہیں"۔

"جناب کی معلومات درست ہیں۔ ریو کے مسلمانوں سے ہمیں معلوم ہوا تھا کہ چند روز قبل یہاں بتیس ہزار عیسائی اقامت پذیر تھے۔ اور اب صرف تین ہزار باقی رہ گئے ہیں"۔

"اب یہ بتاؤ کہ سسلی کا کارِ حکومت کیسا چل رہا ہے"۔

"بہت اچھا عالی جناب۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ ہلال وصلیب کی ان معرکہ آرائیوں کے باوجود وہاں کے عیسائی اور مسلمان بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ پورے جزیرہ میں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ عیسائی مسلمانوں سے زیادہ خوش و خرم نظر آتے ہیں"۔

"الحمد اللہ! شکر ہے اسے رب العزت!! تیرا ہزار ہزار شکر ہے —— شور و غل سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکر قریب آ پہنچا۔ آپ کو اجازت ہے۔ کہ باہر نکل کر اپنے بھائیوں کے شریکِ مسرّت بنیں"۔

"شکریہ!" ترجمان نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اور حسن کے پیچھے خیمہ سے باہر نکل کر پڑاؤ کے بائیں حصّہ کی طرف چل دیا۔ جہاں اس وقت ہنگامہ آرائی اپنے پورے شباب پر تھی۔

سپاہیوں کی کمی کے باعث اسلامی فوج پوری طرح شہر کو اپنے محاصرہ میں نہ لے سکی تھی۔ اور بعض مقامات پر تو کافی کافی فاصلہ پر خیمے نصب تھے۔ لہٰذا حسن نے حکم دیا کہ ایسے تمام مقامات کو خیموں کی دوہری گنجان قطاروں سے پُر کر دیا جائے۔ اور حصارِ شہر کا کوئی حصّہ ایسا نہ رہے۔ جہاں محاصرہ پوری پوری طرح مضبوط و مستحکم نہ ہو۔ اس حکم کے ساتھ ہی سینکڑوں مزدور کھدائی کے آلات لے کر منتظمین کی رہنمائی میں عقبی دروازے کو چھوڑ کر ہر طرف پھیل گئے۔ اور خیمے نصب کرنے کی طوفانی مہم شروع کر دی۔

امدادی فوج کا پہلا گھوڑ سوار دستہ اسلامی پڑاؤ میں داخل ہو چکا تھا۔ اور منتظمینِ قیام کی

ہدایات پر مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر اپنے مقررہ ٹھکانوں پر قائم ہوتا جا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ فوج کا وہ حصہ بھی آ پہنچا جہاں عمران بن خلدون اور فوج کے دیگر افسران جاگزین تھے۔ اسلامی پڑاؤ کے موڑ پر آ کر یہ تمام لوگ فوجی قطار سے کٹ گئے۔ حسن اور عمران اس درجہ برادرانہ جوش و خروش سے بغل گیر ہوئے جیسے دو سگے بھائی مدّت کے بچھڑے ملے ہوں۔ رسمی دریافت حال کے بعد حسن دیگر افسران کی طرف بڑھا۔ یہ تمام بھی کسی نہ کسی زمانہ میں اس کے جنگی رفیقِ خاص کی حیثیت سے رہ چکے تھے۔ فوج کی لگاتار آمد سے یہاں کا مطلع ناقابلِ برداشت حد تک گرد آلود ہو چکا تھا۔ مجاہدوں کے قدموں سے اڑی ہوئی دھول نے یہاں کی فضا پر ایک اور آسمان چھا ڈالا تھا۔ حسن نے خیال کیا کہ وہ ان افسروں کو اپنے خیمہ میں لے جا کر آرام سے بٹھائے۔ مگر پوری فوج کو خوش آمدید کہے بغیر یہاں سے ہٹنے کو جی نہ چاہا۔ اس نے گلے میں پڑے ہوئے ایک بڑے سے رومال کو اپنے منہ اور ناک پر لپیٹ لیا۔ اور عمران کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اس ایمان پرور مظاہرے سے محظوظ ہونے لگا۔

یوں تو فصیل پر کھڑے ہوئے عیسائیوں کے لئے یہ منظر تھا ہی بڑا وحشت اثر۔ مگر جب آخری قطاروں میں انہوں نے رسیوں سے جکڑے ہوئے خاک بسر عیسائیوں کو مسلمانوں کے مسلح حلقے میں گھسٹتے دیکھا۔ تو ان کے رنگ فق ہو گئے۔ انہیں یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ یہ ساحلِ مینا کا وہ دستہ ہے۔ جو مسلمانوں کی پیشقدمی کو روکنے کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ جب یہ قیدی اس مقام سے گزرے۔ جو حصارِ شہر سے قدرے متصل تھا۔ تو فصیل پر کھڑے ہوئے عیسائیوں نے دیوانہ وار نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اور پھر فوراً ہی ہزاروں چمکتی ہوئی تلواریں فضا میں لہرانے لگیں۔ گویا وہ ان قیدیوں سے بریّت کا وعدہ کر رہی ہیں۔ استقبالی اڈّہ پر مسلمانوں نے ان تلواروں کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ ایسے مظاہروں کے معانی و مطالب سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ اس کا جواب کیا ہونا چاہیئے۔ مگر حسن

کے برونت انتباہ نے انہیں جوابی کارروائی سے باز رکھا۔۔۔ اور جب ڈوبتے سورج کی ملگجی سی روشنی میں اس قافلہ کا آخری حصّہ بھی گزر گیا۔ تو حسن اس اجتماعِ عظیم کو منظم طریق پر منتشر کر کے معزز مہمانوں کو ساتھ لئے اپنے خیمے کی طرف چل دیا۔

عشار کی نماز کے وقت امیرسن کے قاصد اپنے مراسلے کا جواب لینے کے لئے اسلامی پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں عزت کے ساتھ ایک طرف بٹھا دیا۔ تاکہ نماز سے فراغت پانے کے بعد انہیں حسن کے روبرو پیش کیا جا سکے۔۔۔ اور جب نماز کے بعد حسن کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے انہیں اس ممبر کے قریب بٹھا کر جہاں وہ مسلمانوں سے خطاب کرنے والا تھا۔ کہا۔ "آپ قلمدان لے کر بیٹھ جائیں۔ پہلے آپ کا مراسلہ پڑھا جائیگا پھر میری طرف سے اس کا جواب دیا جائے گا۔ آپ لکھتے جائیں۔ آخر میں میری طرف سے اس پر دستخط کر دیئے جائیں گے"۔۔۔ اِدھر سے فارغ ہو کر حسن نے نمازیوں کے اجتماع کو ایک جلسہ کی صورت میں تبدیل کرتے ہوئے اشعر سے اعلان کرایا۔

" برادرانِ ملت!

اس وقت چند اہم مسائل پر روشنی ڈالنا ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا جو حضرات بآسانی اس جلسہ کے لئے وقت دے سکتے ہیں۔ وہ بیٹھے رہیں۔ امیرِ لشکر عالی جناب حسن بن علی آپ سے خطاب کریں گے۔ واضح ہو کہ یہ جلسہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بیحد اہم ہے۔ لہٰذا بہتر ہو گا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس کے شریک ہوں "

اس اعلان کو سنتے ہی حاضرین ممبر سے قریبی صفوں کی طرف دوڑ پڑے اور دیکھتے دیکھتے نہ صرف اس جماعت کے تمام نمازی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ بلکہ جن مجاہدوں نے دوسری جماعتوں کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ وہ بھی بصد جوش و خروش یہاں جمع ہونے لگے۔ دراصل امیرسن کے گستاخانہ مراسلہ کا تذکرہ موقعہ کے سامعین کی زبانی دونوں اسلامی لشکروں میں پھیل گیا تھا۔ اور

گو یہ وقت بڑی مصروفیت اور ہماہمی کا تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ بدعتی مراسلہ دور دور پہنچ گیا۔
اس وقت حسن کے گرداگرد جن نامور اسلامی سپہ سالاروں کو جھمگٹ تھا۔ ان میں عمران بن خلدون کی شخصیت کافی نمایاں تھی۔ اس کے بعد عمار۔ ابن عمار۔ احمد بن حسن۔ اشعر جیسے درخشندہ ستارے چمک رہے تھے۔ مشعلوں کی بہتات نے اس ہنگامہ پرور خطۂ ارض کو بقۂ نور بنا رکھا تھا اجتماعی حد بیں تیزی کے ساتھ وسیع ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ اور اب جن صفوں کی ترتیب عمل میں آ رہی تھی وہاں تک مشکل ہی سے آواز پہنچ سکتی تھی۔

عزیز از جان بھائیو! حسن نے بھرپور آواز سے بولنا شروع کیا۔
اس سے پہلے کہ میں حقائق کو آپ کے سامنے لاؤں۔ آپ کے لئے اس مراسلہ کی سماعت ضروری خیال کرتا ہوں۔ جو آج آپ کی آمد کے دوران۔ حکومتِ بیزنطی کے امدادی لشکر کے رئیس المیرسن نے بھیجا تھا۔ واضح ہو کہ غم و غصہ کے تھپیڑوں سے مخبوط الحواس ہو جانا۔ کمزوری کی دلیل ہے۔ اور ہمیں تہیہ کر لینا چاہیئے کہ ہم کسی بھی حال میں اس کمزوری کے مرتکب نہ ہوں گے اور پوری پوری معقولیت کے ساتھ حالات کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی کریں گے۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد حسن نے قبا کی بغلی جیب سے مراسلہ نکال کر اشعر کو دیا اور خود ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اشعر اس مراسلہ کو ایک بار پہلے بھی پڑھ چکا تھا۔ اور جانتا تھا کہ اس میں کیا کچھ بدتمیزیاں سمائی ہوئی ہیں۔ لہذا مراسلہ ہاتھ میں لیتے ہی اس کی پیشانی ناخوشگوار شکنوں سے پُر ہو گئی۔ اس نے بہتیری کوشش کی کہ وہ اس ناپاک مراسلے کو مشینی انداز میں پڑھ جائے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اور اس کی ہیجانی کیفیت واضح طور پر اس کی آواز میں عود کر آئی۔

جراجہ کے محاذ پر حکومت بیزنطی کی امدادی فوج کے افسر اعلیٰ المیرسن کی جانب سے
لٹیروں کے سرپرست حسن کے لئے

ہمیں انتہائی افسوس ہے۔ کہ ہم آپ کے لئے پیغام اجل کی بجائے۔ کاغذ کا ایک پرزہ بھیجنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ ایک بھولی بھالی ناتجربہ کار لڑکی آپ کے دامِ فریب میں آچکی ہے۔ اور ایک بہادر قوم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی چیز کو قبول کر کے بغیر کسی خاص وجہ کے اسے رد کر دے۔ لیکن آج کاغذ کے اس ٹکڑے کو جسے آپ معاہدے کا نام دیتے ہیں۔ ردّی سمجھ کر پھاڑ پھینکنے کی معقول وجوہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ معاہدہ کا لبِ لباب یہ تھا کہ دونوں فریق جنگی اعتبار سے روزِ اوّل کی سطح پر آجائیں۔ لہذا اس نادان لڑکی نے نہایت دیانتداری کے ساتھ اپنی فوجی سرگرمیوں کو معاہدہ کا پابند کر لیا۔ مگر تم اس دیانتداری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر۔ جراجہ کے گرد و نواح میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے رہے۔ پچاسوں بستیوں کا مال و متاع اپنے مرکز میں سمیٹ لیا۔ ہزاروں مرد و زن کو موت کے گھاٹ اتارا۔ کیا یہ سب کچھ روزِ اوّل کی سطح پر عمل میں لایا گیا ہے۔ کیا تمہاری یہ لوٹ مار اور ڈکیتیاں معاہدے کی رو سے جائز ہیں۔

ہمیں افسوس ہے۔ اور بہت افسوس ہے۔ کہ جراجہ کے اس محاذ پر ہمیں ایک ایسے دشمن کا قلع قمع کرنے کی خدمت تفویض کی گئی ہے۔ جو بہادر اور جنگجو ہونے کی بجائے آدابِ جنگ کے سینہ پر رستا ہوا ناسور ہے۔ جو بدعہد ہے بدمعاملہ ہے۔ لٹیرا ہے۔ اور شاید چور بھی۔

پس ایک ایسے ذلیل و حقیر دشمن سے کیا ہوا معاہدہ ہمارے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ۔ اب واقعات نے بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ تم مردوں کی طرح کسی معاہدے کا احترام کرنے کے ناقابل ہو۔ لہذا اپنی فوج کے انتہائی غیض و غضب کے ... ہم تمہیں اپنی صفائی میں بیان پیش کرنے کا آخری موقعہ دیتے ہیں۔

گو ہم جانتے ہیں کہ اس ضمن میں تمہارے پاس کوئی بھی معقول دلیل موجود نہیں ہے تاہم ہمیں اپنے اگلے اقدام کے لئے زمین ہموار کرنا ہے۔ اور یہ بتانا بھی۔ کہ ہم دشمن کو للکار کر حملہ کرنے کے عادی ہیں۔

ہم اس مراسلہ کے جواب کا زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکیں گے۔ اگر ہمیں آج ڈوبتے سورج تک اس کا جواب نہ ملا تو ہمیں حق ہوگا کہ ہم مطالبہ وقت پر عمل پیرا ہو جائیں۔ فقط۔

اور جب مراسلہ ختم ہوا۔ تو حسن نے دیکھا کہ اس کی ترغیب و تلقین بالکل بے اثر ثابت ہو رہی ہے۔ عام سپاہیوں سے عمران بن خلدون تک ہر شخص شعلہ آتش بنا بیٹھا تھا۔

فرزندانِ توحید!　　حسن نے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی۔

اس مراسلے کے بعد میری جانب سے جو انکشافات ہونے والے ہیں۔ ان کی سماعت کے لئے آپ کا بیدار مغز ہونا اشد ضروری ہے۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ فی الوقت ایسا نہیں ہے۔ مگر ایسا ہونا چاہیئے —— یہ شجاعت نہیں دیوانگی ہے۔ ایک لاحاصل اور مضحکہ خیز اشتعال۔ جس سے آپ کا دشمن نہیں۔ خود آپ کی اپنی ذات محزون و متاثر ہو رہی ہے۔

ان پُرجوش جملوں کی ادائیگی کے بعد حسن نے گہری نگاہ سے پورے مجمع کا جائزہ لیا۔ اور عوامی ذہنیت کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھلتا پا کر ناصحانہ لہجہ میں بولا" خدا آپکو اس کا اجر دے"۔

راہِ حق کے سرفروش مجاہدو!

اس ضمن میں سب سے پہلی بات، جو مجھے بیان کرنا چاہیئے۔ یہ ہے۔ کہ ہمارا معاہدہ خالص فوجی نوعیت کا تھا۔ جس کی تمام شرائط خود عیسائی امیر لشکر نے مرتب کی تھیں۔ جملہ حالات کو روزِ اوّل کی سطح پر لانے سے ان کی مراد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ ہم آغازِ جنگ سے قبل کی حالت پر بحال ہو جائیں۔ لہذا ہم نے پوری دیانتداری

کے ساتھ اپنے آپ کو سابقہ معمولات پر ڈال دیا۔ واضح ہو کہ اس وقت ایک لاکھ عیسائی فوج مختلف مقامات پر پڑی تھی۔ جو معاہدہ کے بعد۔ ہمارے پڑاؤ کے سامنے سے گزر گزر کر شہر کی دیواروں کے پیچھے اوجھل ہوتی گئی۔ ہم نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہم نے دیکھا کہ عیسائی فوج اگلے مقابلہ کی از سرِ نو طوفانی تیاریوں میں منہمک ہے۔ مگر ہم نے اس میں کسی قسم کی رخنہ اندازی نہیں کی۔ پھر ہم نے دیکھا کہ ایک لاکھ پر سنہزاد۔ حکومتِ بیزنطی کا امدادی لشکر اعلیٰ ترین سازوسامان سے مزیّن۔ ہمارے سینے پر چڑھا چلا آرہا ہے۔ ہم نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ ہم نے دیکھا کہ خلافِ معاہدہ عیسائی فوج ساحلِ مسینا پر ہماری مدد کے لئے آنے والے مسلمانوں کا راستہ روکے پڑی ہے۔ مگر ہم نے اُف نہ کی۔ اور اب ہم نے یہ بھی دیکھ لیا۔ کہ معاہدہ کے بالکل ہی خلاف ساحلِ مسینا کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے امدادی لشکر کو آگے بڑھنے سے نہ صرف روکا۔ بلکہ کشت و خون پر بھی آمادہ ہو گئے۔

کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ سوا لاکھ سے اوپر عیسائی اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ مضبوط و مستحکم بننے کی شب و روز کوشش و کاوش کریں۔ تو یہ عین معاہدے کے مطابق۔ اور ان کے مقابلہ پر صرف آٹھ دس ہزار مسلمان اپنے مذہبی وسائل سے کام لے کر اپنی زبوں حالی کو دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ تو وہ ڈاکہ ہے۔ لوٹ ہے۔ چوری ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ فراہمی بھی سپاہیوں کی نہیں۔ محض سامان کی۔ ان آٹھ دس ہزار آدمیوں کے لئے۔ جو بہرکیف آٹھ دس ہزار تک ہی محدود رہنے والے ہیں — خدا گواہ ہے کہ ہم نے لوٹ مار نہیں کی۔ ہم نے اپنے مذہبی احکامات کے عین مطابق مضافات کے عوام کو مذہب

اسلام کی دعوت دی۔ پھر انہیں جزیہ کی ادائیگی پر رضامند کرنا چاہا۔ اور پھر ایک ایک ہزار سپاہیوں نے دس دس ہزار کا مقابلہ کر کے بعد از قتال مالِ غنیمت حاصل کیا— اگر یہ ڈاکہ ہے۔ اگر یہ لوٹ مار ہے۔ تو میں ایمرسن کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آگے بڑھے۔ اور جس طرح ہم نے لوٹ مار کیا ہے۔ ہمارے ساتھ لوٹ مار کر کے۔ ہمارا سب کچھ چھین کر لے جائے۔

"نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!" نوجوانوں کا خون اچھالے لینے لگا۔

"مذہب اسلام!"

"زندہ باد!!"

ہماری کاوشوں کو لوٹ مار سے تعبیر کرنے والو۔ اگر یہ واقعی لوٹ مار ہے تو پھر آج تک دنیا میں کوئی جنگ لڑی ہی نہیں گئی۔ لوٹ مار ہوئی ہے —— محض لوٹ مار۔ اور پھر تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ تم ہم سے بھی پرانے ڈاکو ہو۔ اور جنگ و جدل کے بعد۔ تم نے مختلف قوموں کی جو املاک دبائی ہوئی ہیں وہ مالِ غنیمت نہیں۔ مالِ مسروقہ ہے۔ اور اپنے دامنِ شرافت کو بے داغ ثابت کرنے کے لئے۔ تمہیں یہ سب کچھ واپس کر دینا چاہیئے۔

آپ کو افسوس ہے۔ اس لئے کہ آپ کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے برسرِ پیکار ہونا پڑے گا۔ مگر ہمیں افسوس نہیں ہے۔ کہ ہمیں ایسے سورماؤں سے نبرد آزما ہونا ہے جو ایک کے مقابلہ پر بارہ ہوتے ہوئے بھی اپنی تعداد میں مزید اضافہ کے خواستگار ہیں۔ جو بڑی بہادری کے ساتھ شب خون مارتے ہیں۔ اور ——

حسن کی رفتارِ گفتگو کو ٹھوکر سی لگی۔ جیسے اس کی پروازِ خیال غلط راستہ پر پڑ گئی ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ میری طرف سے ایمرسن کے مراسلہ کا جواب دیا جاچکا ہے۔ عیسائی قاصد میرے اس بیان کو احاطۂ تحریر میں لاکر مجھ سے دستخط کرا سکتے ہیں۔ میرے لئے مراسلہ کی خرافات پر اس سے زیادہ وقت دینا۔ اصرافِ وقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

—— "تم" معاً اس نے اشعر کی طرف اشارہ کیا۔ "عیسائی قاصدوں کو کسی خیمہ میں لے جاؤ اور مراسلہ کی تیاری میں ان کی مدد کرو۔"

اشعر اور عیسائی قاصدوں کے جانے کے بعد۔ حسن نے اپنے لب و لہجہ میں نمایاں تبدیلی کے ساتھ پھر بولنا شروع کیا۔

تو میرے عزیز بھائیو! یہ تھے وہ واقعات۔ جو حقائق کے نام سے یاد کئے جا سکتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مبارک موقعہ پر اپنے معزز مہمانوں سے گفت و شنید کی بجائے ہمیں اس خرافات کو مقدم رکھنا پڑا۔ ہیں اور شاید میرے رفیق بھی۔ یہ جاننے کے آرزومند ہیں کہ ہمارے بارے میں خلیفۂ افریقہ کا کیا خیال ہے۔ وہ اس معاہدے کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ جو ہمیں مصلحت وقت کے ہاتھوں مجبوری اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں خوشی ہوگی اگر جناب عمران صاحب ان امور پر روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔

ان الفاظ کے ساتھ حسن نے اپنی جگہ عمران کے لئے خالی کر دی۔ عمران کے رونما ہوتے ہی ایک بار پھر سارا لشکر اللہ اکبر کے زوردار نعروں سے متزلزل ہوگیا۔ عربی طرزِ معاشرت کی حسین ترین تصویر عمران نے اپنے مخصوص محتاط لہجے میں کہنا شروع کیا۔

برادرانِ اسلام!

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ عزت مآب خلیفۂ افریقہ کو آج تک کسی محاذِ جنگ سے اتنی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ جتنی کہ اس مہم سے دیکھنے میں آرہی ہے۔ آپ

حضرات نے جس جانبازی و فداکاری کے ساتھ سسلی کو باغیوں سے پاک کرکے اسے امن وامان کا گہوارہ بنایا ہے۔ عالی مقام خلیفہ کے دل میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ پھر جس وقت مسیحی طوفان کو روکنے کے لئے سسلی سے جراجہ کی جانب رُخ کیا ہے۔ تو وہ آپ کی جنگی بے مائیگی اور غیر تسلّی بخش وسائل سے بڑے متفکر تھے۔ اور اسی وقت سے افریقی فوج کے سب سے بہتر دستوں کو آپ کی اعانت کے لئے منتخب کرکے انہیں جدید ترین اسلحہ جات سے مسلح کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس وقت اس امدادی فوج کی تعداد کُل چار ہزار تھی۔ اور اس کا غالب عنصر قبیلۂ بنو اسمار تھا جس کی شجاعت و بہادری آپ کے لئے محتاجِ بیان نہیں ہے۔ مگر اس انقلابی روداد کا ایک پہلو ان کے لئے بڑا رنج دِہ ثابت ہوا۔ اور وہ تھا۔ عنبر کا انتہائی تشویشناک حالات میں دشمنوں کے ہتھے پڑ جانا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ انہیں اپنے اس خوش نصیب خادم سے والہانہ انسیت ہے۔ ہم نے محسوس کیا کہ اب انہیں عنبر کے پنجۂ اجل سے بچ نکلنے کی بہت کم امید ہے۔ انہوں نے اپنی الوداعی تقریر میں ہمیں ہر ممکن کوشش کے ساتھ عنبر کو دوبارہ حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے — اور ہمارا عزم صمیم ہے۔ کہ ہم اس گرانقدر خادم اسلام کو خیر و سلامتی کے ساتھ اپنے درمیان لانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔

نئے حالات کی نزاکت متقاضی تھی کہ امیر المومنین اعانتی لشکر پر نظر ثانی فرمائیں۔ لہٰذا دو روز کی مسلسل جدوجہد کے بعد بربروں اور بنو اسمار کا وہ لشکر وجود میں آیا۔ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ محترم خلیفہ کے اندازے کے مطابق سسلی سے مزید کم از کم دس ہزار سپاہی ملنا چاہیئے تھے۔ مگر یہ تعداد پانچ ہزار سے زاید نہ ہو سکی۔ لہٰذا کوئی عجب نہیں کہ اس قلیل تعداد کی خبر پاکر وہ افریقہ سے مزید فوجی امداد کی فراہمی پر

غور فرمائیں۔

"خلیفۂ افریقہ!"

"زندہ باد!!"

"عالمِ اسلام!"

"پائندہ باد!!" فضا کے ٹھہراؤ میں یکلخت کہرام سا مچ گیا۔

"فرمانِ خلافت کی رو سے اس لشکر میں میری شخصیت اعلیٰ حضرت ابوالغنائم حسن بن علی کے نائب کی ہے۔ اور یہ سعادت میرے لئے قابلِ فخر ہے —— میرا خیال ہے کہ اب کوئی قابلِ ذکر پہلو باقی نہیں رہا۔ تاہم آپ کو اجازت ہے کہ اگر کوئی دریافت طلب بات رہ گئی ہے تو یاد دہانی فرما کر اس کا جواب حاصل کریں۔"

کچھ دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد جب کسی طرف سے کوئی سوال نہ ہوا تو عمران حسن کی اجازت کے ساتھ اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اشعر حسن کا ایک تحریری اعلان پڑھ کر سنانے کے لئے کھڑا ہی ہوا تھا کہ چند سپاہیوں نے حسن کے قریب پہنچ کر عیسائی قاصدوں کی دوبارہ آمد سے مطلع کیا۔ اور اجازت ملنے پر۔ چند ہی لمحوں کے بعد انہیں لئے ہوئے واپس ہوئے۔ چونکہ حاضرین کی توجہ سپاہیوں کی آمد سے عیسائی قاصدوں کی رونمائی تک اسی طرف لگی رہی۔ لہٰذا اشعر کو اعلان سنانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اب اس کے ہاتھ میں اعلان کی بجائے ایمرن کا مراسلہ تھا۔ جو حسن کی نظر سے گزر کر عوامی آگاہی کے لئے ملا تھا۔ اشعر نے باآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

جراجہ کے محاذ پر سپہ سالارِ اعلیٰ لشکرِ بیزنطی ایمرن کا دوسرا پیغام

محاصرینِ جراجہ کے افسرِ اعلیٰ جناب حسن بن علی کے نام

ہمارے پہلے خفیف افروز مراسلہ کے جواب میں۔ آپ جس غیر مہذبانہ رویّہ کے شکار

ہوئے ہیں۔ اس۔ کے پیش نظر اب ہمارے مسائل کا واحد حل ہماری تلوار ہے۔ اگر آپ نے اپنے معاہدے کو بالکل ہی کالعدم قرار نہیں دیا ہے۔ تو ہمارے قاصدوں کو اجازت دیجئے کہ وہ شہر میں جا کر وہاں کے افسرِ اعلیٰ کو ہمارا پیغام پہنچا دیں۔ جو جنگی منصوبہ پر مشتمل ہے۔ فقط۔

مراسلہ کی یہ مختصر سی عبارت سننے کے بعد۔ حاضرین کی توجہ حسن پر مرکوز ہو گئی۔ جو اپنے مراسلہ نگار سے ایرمن کے اس مراسلہ کا جواب لکھوانے میں مشغول ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اس عظیم الشان اجتماع پر سنّاٹا سا چھایا رہا۔ اس کے بعد جب جوابی مراسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ کر برائے سماعت اشعر کے ہاتھ میں پہنچا۔ تو ایک بھاری بھرکم آواز سناٹے کے سینے میں تیرنے لگی۔

منجانب اسلامی امیر لشکر برائے جراجمہ۔ ابوالغنائم حسن بن علی

بجواب۔ مراسلۂ دوئم سپہ سالارِ اعظم لشکر بیزنطی جناب ایرمن

مکرم و محترم!

ایک بار اور معاہدہ کا بغور مطالعہ فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس میں آپ کو کوئی ایسی شق نہیں مل سکے گی جو آپ کے دونوں لشکروں کے درمیان رابطۂ اتحاد قائم رکھنے کے لئے ہمیں پابند کرتی ہو۔ آپ کی پہلی ملاقات بنتِ سرغوس کی عاجزانہ درخواست کا نتیجہ تھی۔ اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہم آپ کے ساتھ بھی ایسی ہی مساوات و رواداری کا مظاہرہ نہ کرتے۔ بشرطیکہ آپ کے زعمِ باطل نے از خود اس قسم کے رجحانات کا خاتمہ نہ فرما دیا ہوتا۔ اور میں سمجھ نہیں سکا کہ جب آپ نے اپنے تمام مسائل تلوار کی نوک سے حل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ تو ہم لٹیروں کا مرہونِ منّت ہونا کیونکر گوارا کیا گیا۔ بہر حال۔ اس ضمن میں ہم آپ کی مدد کرنے سے معذور رہیں۔ فقط۔

مراسلہ کی عبارت حاضرین میں متفقہ طور پر مناسب خیال کی گئی۔ اور پھر پیغامی آداب کے ساتھ عیسائی قاصدوں کے حوالے کر دیا گیا۔ قاصدوں کے جانے پر اشعر نے حسن کا دیا ہوا تحریری اعلان پڑھنا شروع کیا۔ جو ہر وقت تیاری اور دشمن کی کڑی نگہداشت پر مبنی تھا۔

تاج نہیں۔ محبّت!

حسب معمول نصف رات گزرنے پر اینی۔ بیپی ہوپی کی حفاظت میں تہہ خانہ کے دروازے پر پہنچی۔ انہیں دروازے پر مسلط کر کے اندر داخل ہو گئی۔ گزشتہ رات عنبر اور اینی کے درمیان گفت و شنید جس مرحلہ پر ختم ہوئی تھی۔ اس نے اینی کو سخت متفکر اور پریشان رکھا تھا۔ اور مسلسل سوچ بچار کے درمیان کچھ ایسے لمحات بھی آئے جب کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو ہو گئیں۔ اس وقت اس کی نفسیاتی کیفیت پر غم و اندوہ کا گہرا دباؤ تھا۔ اس کے دل پر جو کچھ گزر رہی تھی۔ وہ تو گزر رہی رہی تھی۔ خارجی حالات نے جو اپنی ہنگامہ خیزی و اہمیت کے اعتبار سے عین شباب پر تھے۔ اس کے ذہن و فکر پر دیوانگی کی حد تک برا اثر ڈالا تھا۔ نہ اس بیچاری کو دل پر قابو تھا۔ نہ دماغ پر زور چلتا تھا۔ وہ ان چند دنوں میں بیکسی و لاچاری کی منہ بولتی تصویر بن کر رہ گئی تھی۔ اس کے شکست خوردہ اعصاب۔ اب ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے کے قطعی ناقابل تھے۔ جو قوم کی طرف سے اس پر ڈالی گئی تھیں۔ یا جنھیں کسی زمانہ میں اس نے بزعم خود قبول کیا تھا۔ اس کی نمایاں طور پر روز بروز گرتی ہوئی صحت اور گرمیٔ عمل کا فقدان اس کے قریبی حلقہ کے لئے بڑا حیرت انگیز اور تشویشناک تھا۔ وہ یہ تو دیکھ رہے تھے کہ ان کی اولوالعزم رہنما شمع روشن کی طرح پگھلی چلی جا رہی ہے۔ لیکن ایسا کیوں ہو رہا ہے وہ یہ جاننے سے قاصر تھے۔ ایک اور صرف ایک ہی شخص تھا۔ جو اینی کے ظاہر و باطن کا یکساں طور پر مطالعہ کر رہا تھا۔ اور جسے نہ صرف اینی کے روحانی درد و کرب کا علم تھا۔ بلکہ وہ اس کا شافی و

مسیحا بھی تھا۔ جی ہاں — عنبر —

آج جس حال میں ایلی عنبر کے پاس پہنچی تھی۔ وہ اس درجہ یاس انگیز تھا کہ عنبر ایک بار تو لڑکھڑا کر رہ گیا۔ ایلی سرتاپا ایک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے لمبے ریشمی بال شانوں پر یوں بکھرے پڑے تھے۔ گویا ان کے ساتھ دائمی سوگ کا رشتہ استوار ہو چکا ہے۔ یاقوتی لبوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ رنگ ہلدی کی مانند زرد۔ سیاہی مائل حلقوں میں سُرخ سُرخ سی بلگجی آنکھیں۔ جن میں ضبطِ غم کا حاصل۔ پارے کی طرح لرز رہا تھا۔ مسلسل بے خوابیوں سے بوجھل لمبی لمبی پلکیں۔ اور پھر وہ گہری یاسیت۔ جو اس کی تمام کائنات پر چھائی ہوئی تھی۔

نڈھال و زار۔ بیجان بیجان سے قدم بڑھاتی ہوئی وہ عنبر کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔ جو ایلی کو آتے دیکھ کر ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔ اور پھر دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔

"تشریف رکھیے"۔ ایلی نے التجا کی "آپ کھڑے کیوں ہو جاتے ہیں"۔

عنبر قدرے توقف کے بعد پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"آج میں یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں"۔ ایلی نے عنبر کے قدموں کی طرف اشارہ کیا۔ "اور مجھے امید ہے کہ میری اس دلی خواہش کو رد نہیں کیا جائے گا"۔ اور اس سے پہلے کہ عنبر کچھ جواب دیتا۔ ایلی ایک جذبۂ بے اختیار کے ساتھ اس کے قدموں پر جا پڑی۔ اور عنبر کی پنڈلیوں کو اپنے دونوں ہاتھوں کے حلقہ میں لے کر۔ سر اس کے زانو پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کی ریشمی سیاہ پوشاک خاک آلود ہو گئی۔ عنبر کا جی چاہا کہ وہ ایلی کو اس طرح زمین پر بیٹھنے سے روکے مگر یہ صورت کچھ اس درجہ اثر انگیز تھی کہ عنبر کو اپنے پاؤں چھڑانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

"یاد ہے"۔ ایلی نے عالمِ سُکرات سے آواز دی۔ "میں نے آپ سے کیا پوچھا تھا"۔ اور پھر خود ہی جواب بھی دے دیا۔ "میں نے پوچھا تھا۔ کیا آپ کسی سے محبت کرتے ہیں"۔

عنبر کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس سے پہلے جب ایلی کی طرف سے یہ سوال کیا گیا

تھا۔ تو اس کی بے قراریاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ مگر آج۔ وہی سوال اس نے یوں دہرایا تھا۔ گویا وہ اس زہر ہلاہل کو بھی پی ڈالنے کی سکت پیدا کر چکی ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ جو اس کے لئے فکر و تشویش کا موجب بن سکے۔

"آپ مجھ سے چھپانے کی کوشش نہ کیجئے" وہ بدستور زانو پر سر رکھے۔ پگھلتی شمع کی طرف ٹکٹکی لگائے۔ بولتی چلی گئی ۔" میں سب کچھ جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں۔ آپ صہبا سے محبت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ خود صہبا بھی آپ سے بے حد محبت کرتی ہے۔ وہ بھی۔ اپنے باپ کے قاتل سے محبت کرنے میں بالکل میری طرح بے بس ہے۔ میں آپ کی۔ اور صہبا کی محبت کا اسی طرح احترام کروں گی۔ جتنا کہ اپنی محبت کا کر سکتی ہوں۔ صہبا میری بہن ہے۔ ہم ایک ہی کشتی کے دو سوار ہیں۔ ایک آخری حد تک خوش قسمت۔ اور دوسری آخری حد تک بد قسمت۔ میں تم دونوں کے درمیان اپنی اس بد قسمتی کو خوشی سے قبول کر لوں گی۔ میں یہ سب کچھ خوشی سے منظور کر لوں گی میرے محبوب۔ مگر مجھے ان قدموں سے دور نہ کرو۔"

اینی! عنبر کا پیمانۂ صبر لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ اس نے اینی کے بازوؤں کو تھام کر موم کی گڑیا کی مانند اپنی جانب موڑ لیا۔ اینی کا طوفانِ اشک۔ جواب تک نہ جانے کس طرح دبا ہوا تھا ایک دم پھوٹ بہا۔ آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کے زرد زرد رخساروں سے تیزی کے ساتھ ڈھلکنے لگے۔ پھر ایکا ایکی اس نے اپنا چہرہ عنبر کی گود میں یوں ڈال دیا۔ گویا وہ اپنی اس کمزوری کو چھپانا چاہتی ہو۔

عین اس موقعہ پر۔ ایک لمحہ کے لئے زلزلہ سا آیا۔ اور پھر چشم زدن میں ہارلے کی ہیبت میں جوب اور اس کے دو نائبین تہہ خانہ کے اندر تھے۔ عنبر نے اس آفتِ ناگہانی سے بوکھلا کر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ مگر آفریں اور صد آفریں ہے اینی کے جذبۂ استقلال پر کہ وہ جس طرح عنبر کی گود میں سر ڈالے زمین پر بیٹھی تھی۔ بالکل اسی طرح بیٹھی رہی۔ اور اس نے نہایت آہستگی کے ساتھ

گردن اٹھا کر یہ سب کچھ اس انداز سے دیکھا گویا کوئی بات ہی نہ ہو۔ اور اس کے بعد ان لوگوں کی طرف سے نگاہیں موڑ کر پھر اپنے چہرے کو عنبر کی آغوش میں ڈال دیا۔

ہارلے کی آتش فشانیاں بھڑک اٹھیں۔

"میری باتوں پر کان نہ دھرنے والو! اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ ہارلے جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کے فیلفے کبھی خطا نہیں کرتے۔ یہی ہے ناوہ ننگِ قوم۔ اور آبرو باختہ۔ جس کی پاکیزگی و پارسائی کی تم قسمیں کھاتے ہو۔ جس کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے تمہارے گلے نہیں دُکھتے۔ اور جس کے احکامات تمہارے جسم پر اطاعت و فرمانبرداری کا رعشہ پیدا کر دیتے ہیں۔ پھٹکار ہے اس ماں پر جس نے ہمارے خاندان میں اس حرام کار قلوپطرہ کو جنم دیا۔ تھو ہے اس نامراد عورت پر۔ جس نے ہمارے خاندان کی ممتاز روایات کو ایک ذلیل انسان کی ہوس پر قربان کر دیا۔ میں اس منظر کی۔ اس کی اس ڈھٹائی اور حرامزدگی کی تاب نہیں لا سکتا مسٹر جوب۔ گناہ کی اس پوٹ کو گھسیٹ کر ایک طرف پھینک دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری تلوار ایک عورت کے خون سے داغدار ہو جائے۔"

"براہِ کرم!" جوب نے مدبّرانہ تحمّل سے استدعا کی۔ "زور زور سے بول کر اس شرمناک منظر کو تماشائے عام بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ ہماری حالت بھی آپ سے مختلف نہیں ہے۔ کاش اپنی آقازادی کو اس عالم میں دیکھنے سے پہلے ہماری آنکھیں پھوٹ جاتیں۔ اور ــــــ اور مجھے تو اب بھی شک ہے کہ کہیں ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ ہماری آنکھیں ہمیں دھوکا تو نہیں دے رہیں۔"

"یہ خواب نہیں ہے مسٹر جوب! میں اس حقیقت کو کئی روز سے دیکھ رہا ہوں۔ پہلے پہل میں نے بھی اسے نظر کا دھوکہ ہی سمجھا تھا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ ہمارا سرمایۂ عزّت دشمنوں پر عام ہو گیا۔ ہماری غیرت و حمیت دشمنوں کے پیروں تلے کچلی جا چکی۔ ہمارا قومی وقار ایک نجس انسان کی ٹھوکروں سے روند ڈالا گیا۔ اور ہمیں اس قابل نہیں رکھا کہ ہم ان لٹیروں سے آنکھ ملا کر بات کر سکیں۔ جرأت و

دلیری تو دیکھئے۔ کس ڈھٹائی کے ساتھ نجس قدموں میں پڑی۔ ہماری غیرتوں کو للکار رہی ہے۔"

"میں حالات دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہوں عالی جاہ! اگر اس مقام پر آپ کے لئے خاموش رہنا ممکن نہیں ہے۔ تو میں درخواست کروں گا کہ حضور تھوڑی دیر کے لئے دروازے پر تشریف رکھیں۔"

"مسٹر جوب!" ہارلے برس پڑا۔ "تم گستاخی کے مرتکب ہو رہے ہو۔ میرے جسم میں ایک بہادر باپ کا خون ہے۔ میں مکروہ حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ میں اپنے خاندان پر اِن بیسواؤں کو ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔ اس صورت کی موجودگی میں حالات دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس بدکار عورت کی عیاشانہ روداد سن کر۔ اس کی بریت کی وجہ جواز پیدا کریں۔"

جوب نے گردن ڈھیلی چھوڑ دی۔ جیسے وہ سوچنے لگا ہو کہ اس موقعہ پر ہارلے کا اس درجہ برافروختہ ہونا کس حد تک جائز ہے۔ اور کیا اس واقعہ کے بعد اس کی آقازادی ایک بدکار عورت کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہو سکتی۔ جوب کے ساتھ دیگر افسران بھی دم بخود کھڑے تھے۔

"میں اس خاموشی کا مطلب اچھی طرح سمجھتا ہوں"۔ ہارلے دہاڑا۔ "اگر آپ لوگ یہ خیال کر رہے ہیں کہ کلبریہ کا مقدس تختِ حکومت۔ ایک ایسی عورت کا بوجھ سہار سکتا ہے۔ جس کی بداعمالیوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ تو یہ غلط فہمی ہے۔ اور اس کا اسی وقت دور ہو جانا ضروری ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اس کے جسم میں میرے محترم چچا سر دغوس کا خون ہرگز نہیں ہے۔ یہ اپنی ماں کی بے ایمانی کا نتیجہ ہے۔ اور ———"

"ہارلے!" عنبر کی تابِ سماعت تڑپ اٹھی۔ وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح چشم زدن میں ہارلے پر جا پڑا۔ اور پھر حاضرین کی آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ یہ ہارلے کی تلوار تھی جسے عنبر نے کمال پھرتی سے اپنے قبضہ میں لے کر فضا میں بلند کیا تھا۔

"عنبر!" اینی تڑپ کر عنبر سے لپٹ گئی - اور اس طرح وہ ہاتھ جو دوسرے لمحے ہارلے کے لئے موت کا پیامی بننے والا تھا - ہوا میں لہراتا رہ گیا - اب وہ جوب اور دیگر افسران کی گرفت میں تھا۔

"چھوڑ دو مجھے -" عنبر دہاڑا - "اس بھیڑیے کو جہنّم رسید ہونا ہی چاہیئے - میں اسے زندہ چھوڑ کر معصوم عصمتوں کا خون نہیں بہنے دوں گا --- چھوڑ دو !" اور ایک بار وہ پھر اپنی قوّت کی آخری ترنگ کے ساتھ لوگوں کے ہاتھوں سے پھسل پڑا --- اب ہارلے بھی ایک افسر کی تلوار کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہو چکا تھا -

"ٹھہرو !" اینی پھر دونوں کے درمیان حائل ہو گئی - اور عنبر دوبارہ افسروں کے شکنجے میں پھنس گیا - اینی اسی عالم میں عنبر کے قدموں میں ڈھیر ہو گئی --- "یہ جو بھی کہتے ہیں - انہیں کہنے دو - انہیں کہنے دو میرے محبوب !"

ہارلے جو عنبر کی دیدہ دلیری سے بالکل بے قابو ہو گیا تھا - اینی کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر غصّہ سے دیوانہ ہو گیا - اور تلوار کھینچتا ہوا عقاب کی طرح ان پر جھپٹ پڑا - مگر اس سے پہلے کہ کوئی ناخوشگوار حادثہ ظہور میں آتا - جوب نے درمیان میں حائل ہو کر ہارلے کو تھام لیا - اور اسے سمجھاتا بجھاتا دروازے کی طرف کھینچ لے گیا - جہاں ہیپی اور ہوپی مزاحمت کے صلے میں شدید ضربات کے سبب بیہوش پڑے تھے -

"ہم نے جناب ہارلے کی زبانی باتیں سُنی تھیں -" جوب نے موقعہ غنیمت سمجھ کر کہنا شروع کیا - "مگر ہمیں یقین نہ آتا تھا - خیال تھا کہ کہیں تخت و تاج کے لالچ میں انہوں نے آپ کو کسی سازش کا شکار نہ بنا ڈالا ہو - مگر یہ صورت جو اس وقت ہمارے سامنے ہے - ہمارے خیالات کی حیرت انگیز نفی کرتی ہے - اب ہم لوگ جو ہمیشہ کے لئے آپ کے وفادار تھے - سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے ہاتھوں اپنی اس حیثیت کا خاتمہ کر ڈالا - جو ہمارے لئے قابلِ پرستش تھی - اور اب ہمارے پاس سوائے سرد مہری کے آپ کے لئے اور کچھ نہیں ہو سکتا - آپ کی اس حالت پر ہمارے

دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ آپ نے جس نازک موقعہ پر ہمارا ساتھ چھوڑا ہے۔ اسے ہم زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتے "

اینی نے جوب کی بات سُنی اَن سنی کرتے ہوئے عنبر کی طرف دیکھا۔ جو غصّے میں اژدہے کی طرح پھنکار رہا تھا۔

" تم بیٹھ جاؤ میرے محبوب! اور ان کی طرف سے منہ موڑ لو۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس تنگ و تاریک کوٹھری میں میرے چاند کو گہن نہ لگ جائے۔ میری بات مان لو میرے محبوب! یہ غصّے کا وقت نہیں ہے۔ تم اکیلے ہو۔ ان کی قید میں ہو۔ میں تمہیں قسم دلاتی ہوں اس ہستی کی۔ جو تمہیں سب سے عزیز ہے۔ ان کے مقابل نہ آؤ۔ میری کائنات میں اندھیرا نہ کرو میرے محبوب!

" بہادر آدمی صرف ایک بار مرتا ہے اینی۔ میں ان بزدلانہ موتوں کا عادی نہیں ہوں "

" ٹھیک ہے میرے سرتاج! لیکن اس وقت میری بات مان لو " اینی کا سر عنبر کے قدموں کی طرف جُھکنے لگا۔ اور اس طرح لاچار ہو کر عنبر خاموشی کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اینی عنبر کو اپنی آڑ میں لے کر کھڑی ہو گئی۔ اور جراُتمندانہ سنجیدگی کے ساتھ جوب سے مخاطب ہوئی۔

" ہارلے کو بُلا لو۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کہ تمہاری غلط فہمیوں کا اسی وقت دور ہو جانا ضروری ہے "

" میرا خیال ہے کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے " ایک افسر نے اینی کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا " اور ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے جب کہ یہ اثر پورے طور پر زائل ہو جائے "

" فضول باتوں میں وقت برباد نہ کرو! " اینی نے سنجیدگی سے کہا " ہارلے کو لے آؤ "

" اگر ان کی یہی خواہش ہے تو اسے پورا ہونا چاہیئے " جوب نے کہا۔ اور اس کے چند ہی ثانیوں بعد ہارلے اینی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اینی متانت سے بھرپور لہجہ میں گویا ہوئی۔

" محبّت عورت کا پہلا حق ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی "

" میں ایسی بیہودہ باتیں سننے کا روادار نہیں ہو سکتا " ہارلے نے اینی کو دھمکا کر خاموش رہنے

کی تاکید کی۔ لیکن اینی اس سے قطعی مرعوب نہ ہوئی۔ اس لئے اپنا بیان جاری رکھا۔

"اگر تمہارے خیال میں اینی جیسی لڑکی کے لئے محبّت گناہ ہے۔ تو اینی کو صبر کر لو۔ وہ مر چکی اب اس کی جگہ صرف ایک عورت ہے۔ جس کا دین۔ ایمان اور مذہب۔ محبّت اور صرف محبّت ہے۔ اینی کی وصیّت ہے کہ اہالیانِ کلبریہ جسے چاہیں۔ اپنا رہنما اور حکمران مقرر کر لیں۔ اور اب۔ جب کہ میں اپنے ملک۔ اپنی قوم۔ اپنے عزیز و اقارب۔ سب سے ناتا توڑ چکی ہوں۔ تو کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے کسی بھی فعل پر معترض ہو۔"

"لیکن یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" ہارلے بھنّا پڑا۔ "جتنا کہ آپ سمجھ رہی ہیں۔ آپ اپنی بداعمالیوں کی سزا پائے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اور اس کے لئے۔ اس نجس انسان کے ساتھ کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا ——— مسٹر جوب۔ ان دونوں پہریداروں کو بھی گھسیٹ کر اندر ڈال دو۔ جنھوں نے تختِ کلبریہ کی بے آبروئی میں حصّہ لیا ہے۔ اور اس تہہ خانہ پر زبردست پہرہ لگا دو۔ تمہاری گواہیوں کے ساتھ انہیں اپنے جرائم کے ثبوت میں اس وقت تک یہاں رہنا ہے۔ جب تک مطلع کلبریہ پورے طور پر صاف نہیں ہو جاتا۔ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہمارا خاندان۔ جس کے تم ہمیشہ وفادار رہے ہو۔ رسوائی و بدنامی سے بچا رہے۔ تو اس راز کو اپنے سینے کی گہرائیوں میں دفن کر دو۔ اور ——— آؤ میرے ساتھ۔ میں بتاتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

ہارلے تمام افسروں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سپاہی مہرپلی کو جواب نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ گھسیٹ کر تہہ خانہ میں پھینک دیا گیا۔ اور پھر کھٹ سے دروازہ بند ہو گیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد عنبر پلٹ کر اینی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور اس کے دونوں شانوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیتے ہوئے بیتابانہ چیخ پڑا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا اینی۔ بچپن کی بھی حد ہوتی ہے۔ کاش تم جان سکتیں کہ تمہاری اس روش نے ہمارے لئے مشکلات کے کتنے پہاڑ کھڑے کر دیئے ہیں۔ تم نے میرے ہاتھ سے ہارلے کو نہیں

ایک موذی سانپ کو بچایا ہے۔ اور اب کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا زہر یلا پن کتنے بے گناہوں کا خون کرے۔ آہ بیچاری صہبا!" عنبر کو ایک زبردست جھٹکا سا لگا۔ اور پھر اس کا دماغ سُن سا ہو گیا — عنبر کی یہ کیفیت دیکھ کر اینی عنبر کے ہاتھوں سے پھسل کر اس کے قدموں پر ڈھیر ہو گئی اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رفتہ رفتہ اس کی سسکیوں اور ہچکیوں نے تہہ خانہ کے سکوت کو تہہ و بالا کر دیا — عنبر! جو بے اختیاری کے عالم میں دل کی باتیں زبان تک لے آیا تھا اپنے نامناسب الفاظ پر نادم ہو کر اینی پر جھک گیا۔ اور اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں کو شانوں کی طرف سمیٹتے ہوئے محبّت بھرے لہجہ میں بولا۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اینی! مجھے اس سنگدلی کے لئے معاف کر دو۔ میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں — میں احترام کرتا ہوں — میں احترام کرتا ہوں —"

عنبر کے یہ بے ربط سے جملے اینی کے ہوش و حواس پر ادائے سکر بن کر چھا گئے۔ اس کی آنکھیں مُند گئیں۔ گویا بیہوش ہو رہی ہو۔ عنبر نے اسے گڑیا کی طرح گود میں اٹھا لیا۔ اور پلنگ پر لٹا کر۔ سرہانے رکھے ہوئے اسٹول پر بیٹھ گیا۔ ابھی جب اس نے اینی کے ماتھے سے بال ہٹائے تھے۔ تو اس کی پیشانی بیحد گرم تھی۔ اور پھر جب اسے گود میں اٹھایا تو معلوم ہوا کہ سارا جسم پیشانی کی طرح گرم ہے۔ آہٹ پا کر اس نے گردن گھمائی تو ہیپی ہوپی کو گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے پایا۔ جیسے وہ کسی عملِ طلسم کی زد سے نکلے ہوں۔ اور جب انہوں نے اپنی محبوب مالکہ کو پلنگ پر بے سدھ پڑا پایا۔ تو ضعف کے باوجود بجلی کا سا جھٹکا کھا کر اس طرف دوڑ پڑے۔

"کیا ہو گیا ہماری آقا کو" دونوں نے اینی کے پیروں اور پنجوں کو سہلاتے ہوئے بیقراری سے پوچھا۔

"کچھ نہیں" عنبر نے سرسرے لہجہ میں جواب دیا۔ "انہیں آرام کی ضرورت ہے۔ خاموشی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ جاؤ"

"مگر وہ لوگ کہاں ہیں؟" ہوپی سے نہ رہا گیا۔ وہ دیوانہ وار دروازے پر پہنچا۔ اور جب اسے باہر سے مقفل پایا۔ تو وہیں سے چلایا۔ "یہ کس نے بند کیا۔ مہربانی کر کے ہمیں بتائیے۔ یہ سب کیا ہے؟"

"چلاؤ نہیں" عنبر نے ڈانٹا۔ "یہاں آ کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے اپنے اسٹول کے قریب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور دونوں جاں نثار خادم متحیر بنے عنبر کے پاس آ کر بیٹھ گئے

اس وقت جو قیامت خیز واقعہ رونما ہوا تھا۔ عنبر کی نفسیات پر اس کے سنسنی خیز اثرات تا حال شدّت پذیر تھے۔ ممکن ہے وہ اس صدمۂ جانکاہ کو کسی حد تک برداشت کر لیتا۔ مگر ان حالات کے ایک پہلو نے اس کے سینے میں بھونچال سا برپا کر رکھا تھا۔ ایسا بھونچال۔ جس نے اس کے دل و دماغ کو بُری طرح جھنجھوڑ پھینکا تھا۔۔۔ یہ پہلو۔ صہبا کا مسئلہ تھا۔ جو اب بیک اشارۂ ابرو۔ ہارلے کی قربان گاہِ ہوس پر بھینٹ چڑھ سکتی تھی۔ الزامِ قتل کے سلسلہ میں اپنی کی زبانی صہبا کے بیان کا ایک ایک لفظ اس کے دل پر نقش تھا۔ اور اس وقت یہ تمام نقوش سنسناتے تیروں میں تبدیل ہو کر اس کے دل و دماغ کو چھلنی کر رہے تھے۔ یہی وہ خدشہ تھا۔ جس نے بے اختیار اپنی کے روحانی خلوص پر نادانی کی چھاپ لگا دی تھی۔ اس وقت اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح موت کی سیاہیوں میں تحلیل ہوئی جا رہی ہو۔ تہہ خانہ کی مدھم روشنی۔ عنبر کی چشمِ تصوّر کے لئے طلسمی دھندلکوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ ہارلے کی جہنمی آغوش میں تڑپتی۔ مچلتی اور تلملاتی ہوئی صہبا کا۔ وہ سب کچھ خاکستر ہوتے ہوئے۔ جس سے محروم ہونا۔ کسی شریف عورت کے لئے اس کی موت سے زیادہ اندوہناک ہوتا ہے۔ کبھی صہبا ہاتھ میں چمکدار خنجر لئے ہارلے کی طرف بڑھتی نظر آتی تھی۔ اور کبھی یہی خنجر خود صہبا کے سینے میں پیوست دکھائی دیتا تھا کبھی اس کا ازلی ساتھی اسے کسی شکنجہ میں کھنچتا نظر آتا۔ کبھی شیطانی ہاتھ اس کے کپڑوں کی دھجیاں

اڑاتے دکھائی دیتے۔ کبھی وہ تاب مدافعت نہ لاکر بے ہوش پڑی ہوتی۔ اور ہارے۔ خونخوار بھیڑیا۔ اس کا خون پی رہا ہوتا ـــــ عنبر نے پوری طاقت سے سر کو جھٹکا دیا۔ اور اسٹول سے اٹھ کر انتہائے بیقراری کے عالم میں تہہ خانے کے چکّر کاٹنے لگا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ کس طرح اپنے ان تمام اعضا کو کاٹ پھینکے۔ جو ان وحشت ناک مناظر کو جنم دے رہے ہیں۔

"میں اس کی تاب نہیں لاسکتا ـــــ نہیں لاسکتا" جوشِ جنوں میں اس کا سر اس بُری طرح دیوار سے ٹکرایا کہ تہہ خانہ اس تصادم کی آواز سے چونک سا پڑا۔ عنبر شدّتِ تکلیف سے چکرا کر زمین پر گر پڑا اس کی پیشانی سے گرم گرم لہو کا فوّارہ پھوٹ پڑا۔ اور اس طرح اس نے خود کو ان خدشوں سے نجات دلادی۔ جو تصوّرات کا سہارا لے کر اس کی روح پر انگاروں کی بارش کر رہے تھے۔ اِدھر ہیپی ہوپی نے دوڑ کر عنبر کو سنبھالا اور اُدھر ان پیہم آہٹوں کے ٹھوکوں نے اینی کی آنکھیں کھولدیں۔ عنبر کو خون میں لت پت دیکھ کر اینی کی نقاہت چشم زدن میں کافور ہو گئی۔ وہ تڑپ کر عنبر پر آپڑی۔

"ظالمو! عنبر کی زخمی پیشانی پر ہتھیلی جماتے ہوئے وہ بھوکی شیرنی کی طرح دونوں پر بپھر پڑی۔ "یہ تم نے کیا کر دیا"

"ہم نے کچھ نہیں کیا سرکار والا۔ انہوں نے خود اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر یہ حال کیا ہے۔"

"اوہ میرے خدا۔ اٹھاؤ انہیں۔ جلدی کرو۔"

"مجھے چھوڑ دو" عنبر نے ہیپی ہوپی کی گود سے اپنا بدن چرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اور جب یہ دونوں الگ ہو گئے۔ تو وہ ہر سہارے سے بے نیاز اپنے پیروں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"پلنگ کی فالتو چادر زمین پر بچھا دو" اس نے ہوپی سے درخواست کی۔

"نہیں" اینی مچل گئی۔ "آپ پلنگ پر آرام کریں گے۔ میں ـــــ"

"ضد نہ کرو اینی۔ میں زیادہ دیر اس حالت میں نہیں رہ سکوں گا۔ چادر بچھا دو۔ جلدی ـــــ"

ناچار چادر کو زمین پر بچھا دیا گیا۔ اور عنبر اس پر دراز ہوتے ہوئے بے سدھ ہو گیا۔

بلوریں جوانی میں چھلکتی ہوئی صہبا — ہارلے کی "شباب شناس" نگاہوں کے لئے وہ پہلی دوشیزہ تھی۔ جس سے لطف اندوز نہ ہوسکنا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ متصور ہوچکا تھا۔ اوّلین کوشش میں ناکامی۔ صہبا کی پاکبازی و پارسائی کا بیّن ثبوت بن کر۔ اس کے لئے اور بھی پُرکشش ہوگئی تھی۔ بلے داغ جوانی۔ اگر حسین بھی نہ ہوتی۔ تو بھی اس کے جذبۂ عیاش پرستی کے لئے ایک انمول شے تھی۔ پھر صہبا۔ جس کا حسن وجمال داغدار ہونے کے بعد بھی انمول خیال کیا جاسکتا تھا۔ ہارلے اسے کیونکر نظر انداز کرسکتا تھا۔ ایسے محاذوں پر تو وہ اپنی جان تک کی بازی لگا دینا۔ سستا سودا سمجھتا تھا۔

اندرونِ شہر آنے کے بعد۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ صہبا شاہی محل ہی کے ایک کمرے میں نظربند کی جائے گی۔ تو ایک بار پھر اس کا دل اس بات کے لئے مچل پڑا تھا کہ وہ بھی اسی محل میں سکونت اختیار کرکے صہبا پر دوسرا کامیاب حملہ کرنے کی سعی کرے۔ لیکن پہلے حملے پر اپنی کے مشکوک رویّہ نے اسے انتہائی محتاط چلن اختیار کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ لہٰذا اس نے محل میں ٹھہرنے کی نسبت اپنے آبائی مکان میں ٹھہرنا زیادہ بہتر سمجھا۔ جہاں اس کی عیاشانہ جذبات کی تکمیل کے لئے کافی وسائل موجود تھے۔

پچھلے دنوں محل کی رہائش نے اسے محل کی کئی اوباش کنیزوں کا محبوب بنا دیا تھا۔ اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ "شرفِ باریابی" کے وعدے اور طلائی سکّے۔ ان کنیزوں کو اس کی ہر قسم کی مدد پر بآسانی رضامند کرلیں گے۔ لہٰذا صہبا کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہنچانے نیز کسی رات صہبا کو اغوا کرانے کی ہر ممکن کوشش کے لئے اس نے کئی کنیزوں کو اپنا آلۂ کار بنالیا۔ صہبا جس کمرے میں قید تھی۔ اس کی چابی ہوپی کی تحویل میں رہتی تھی۔ چنانچہ ان کنیزوں میں سے ایک حسین ترین کنیز کے ذمّہ یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہوپی کو اپنے دامِ فریب میں لاکر اس کی گرہ سے چابیوں کا گچھا اُڑا لائے۔ اور جب اس حسین کنیز نے اس مقصد کے لئے ہوپی کا

تعاقب شروع کیا۔ تو ایک رات اچانک ہی یہ عقدہ کھلا۔ کہ ان کی آقا زادی مسلمان قیدی سے ملنے کے لئے تہہ خانہ میں جاتی ہے۔ اور ہوپی ایپی اس دوران اس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اگلی رات کے تعاقب سے معلوم ہوا کہ یہ روز کا معمول ہے۔ اور جب اس کی معرفت یہ خبر ہارلے تک پہنچی۔ تو ایک روز رات کو وہ خفیہ طور پر محل کی ایک کنیز کے کمرے میں مقیم رہا۔ اور اپنی آنکھوں سے اپنی کو عنبر کے پاس جاتے ہوئے دیکھ کر۔ صبح یہ خبر تمام بڑے افسروں تک پہنچا دی۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ آپ کے علم میں ہے۔

اب نہ صرف صہبا اس کے جذبۂ عیش کی زد میں تھی۔ بلکہ کلبریہ کا تاج و تخت بھی اس کے لئے سازگار ہو چکا تھا۔ مگر آج یہ صوبہ۔ جن ہنگامی حالات سے گزر رہا تھا۔ اور اس کے سامنے مشکلات کے جو پہاڑ کھڑے تھے۔ انہیں عبور کرنے۔ اور حالات پر قابو پانے کے لئے ایک عرصہ درکار تھا۔ اور ـــ وہ افسران جو ہارلے کو اس کی اصلیت کے ساتھ پہچانتے تھے۔ اپنے مستقبل کی طرف سے سخت فکر مند ہو گئے تھے۔ ان کے خیال میں آج کی ذمہ داریوں کے لئے ہارلے کی ذات قطعی طور پر ناموزوں تھی۔ خود ہارلے بھی اپنی سابقہ بدنام زندگی کے لئے کچھ کم فکر مند نہ تھا۔ عوامی اعتماد حاصل کرنے کے لئے اس نے جو کئی وقتی فیصلے کئے تھے۔ ان میں سے ایک آج شام کا جلسۂ عام تھا۔ جس کا آج صبح سے شہر کے گوشہ گوشہ میں ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا تھا۔

روبہ تغیر حالات نے اہالیانِ شہر کو سخت متوحش کر رکھا تھا۔ ایسے موقعہ پر جب کہ ادنٰی ادنٰی خبریں بڑی اہمیت کے ساتھ سنی جا رہی تھیں۔ جلسہ گاہ نے انہیں ہر طرف سے سمیٹ کر اپنے اندر سمو لیا۔ سامعین میں غالب اکثریت فوجیوں کی تھی۔ عام شہری خال خال نظر آ رہے تھے۔

وقت مقررہ پر ہارلے جلسہ گاہ کے عقب سے رونما ہو کر قلب میں کھڑا ہو گیا۔ اعلیٰ عہدیداران کا وہ غول جو اس کے ہمراہ آیا تھا۔ عقبی کرسیوں پر بیٹھ گیا۔ جلسہ کی ابتدائی رسوم کے بعد جب ہارلے اس اجتماعِ عظیم سے خطاب کرنے کے لئے لب کشا ہوا۔ تو اس کی پیشانی پر چمکتے ہوئے پسینے کے

موٹے موٹے قطروں۔ اور کانپتے ہوئے قدموں نے واضح طور پر یہ ثابت کر دیا۔ کہ وہ اس راہ کا مردِ میدان نہیں ہے۔ اور یہ رنگ۔ جس میں وہ اس وقت رنگا ہوا ہے۔ اس نے زبردستی اختیار کیا ہوا ہے۔ تقریر سے قبل ہارلے کے ذہن میں اتنا کچھ موجود تھا کہ طوالتِ تقریر کے خیال نے اسے خائف سا کر رکھا تھا۔ مگر جب اس نے ہزاروں افراد کو اپنے بیان کا محاسب محسوس کیا۔ تو اس کا دماغ کچھ بھی اُگلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور اب یہ بھی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اتنے سارے لوگوں کو جمع کر کے انہیں اپنی نالائقی پر ہنسنے کا موقعہ دے۔ چنانچہ بصد جرأت خشک و مرتعش آواز میں چلانا شروع کر دیا۔

میرے پیارے مسیحی ساتھیو!

آپ کو یہ جان لینے کے بعد افسوس ہوگا۔ کہ میری بہن۔ میری پیاری بہن اپنی یک لخت علیل ہو کر بستر پر دراز ہو گئی ہے۔ اور طبیبِ شاہی نے ہمیں سخت تنبیہہ کر دی ہے کہ ہم اسے آرام کرنے کے لئے لیٹا رہنے دیں۔ اور اس سے بالکل ملاقات نہ کریں۔ جب ایسا ہو گیا ہے۔ خدا کی مرضی سے۔ تو میری خاندانی غیرت نے۔ اور اس محبت نے جو آپ کے ساتھ مجھے ہے۔ جوش کھایا۔ اور اس بات کے لئے تیار کر دیا کہ آگے بڑھ کر اپنی کی جگہ سنبھال لوں۔ اور دروازے پر پڑے ہوئے دشمن کو۔ خدا کی مہربانی کے ساتھ مار کر۔ ان کی لاشیں سینا کے سمندر میں پھنکوا دوں۔ تاکہ ہماری ایک انچ زمین بھی ان کی قبروں پر ضائع نہ ہو —— اور یہ خبر تو آپ کے علم میں آ ہی چکی ہوگی کہ بہادر ایمرسن نے وادئ جراجہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور جنگی مورچہ بندیاں اپنے آخری مراحل میں پہنچ گئی ہیں۔

سامعین اس سنسنی خیز دور میں ہارلے کی اس "پُر از معلومات" تقریر سے متاثر نہ ہو سکے۔ ان کے چہرے احساسِ ناگواری کے آئینہ دار بن گئے۔ اس منظر نے ہارلے کا رہا سہا ذہنی توازن بھی

ختم کر دیا۔ تقریر کی بے ربطی بتدریج "نازک صورت" اختیار کرتی چلی گئی۔ مگر چونکہ اس کے لئے بولنا ضروری تھا۔ اس لئے بولے چلا گیا۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ شریر اور بدمعاش لوگوں نے میرے بارے میں آپ کو بہت زیادہ ورغلایا ہے — یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جنھیں میں نے ان کی نالائقی کی وجہ سے۔ اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں۔ کہ نمک حرام ملازمین اپنے دل کا بخار کیسے کیسے نکالتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت — حقیقت یہ ہے کہ میں اتنا برا شخص نہیں ہوں۔ کہ جتنا مشہور ہوں۔ ہر آدمی میں کچھ برائیاں اور بھلائیاں ہوتی ہیں۔ مثل مشہور ہے۔ کہ بے عیب ذات تو بس خداوند کی ہے۔ مگر ———

معاً داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے سامعین میں سے ایک شخص ہزار ضبط کے باوجود کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ہارلے کی آواز اس کے گلے میں گھُٹ کر دم توڑ گئی۔ اس نے گھوم کر ہنسنے والے کی طرف قہر آلود نگاہوں سے گھورا۔ اور اب۔ جیسا کہ اجتماعی نفسیات کا خاصہ ہے۔ ہر طرف سے بھانت بھانت کے آوازے بلند ہونے لگے۔ اس سے پہلے کہ ہارلے اور سامعین کے درمیان کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہوتا۔ جوب نے آگے بڑھ کر حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"معزز حضرات! آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ محترم ہارلے صاحب زندگی میں پہلی بار۔ بغیر کسی خاص تیاری کے۔ آپ سے مخاطب ہو رہے ہیں۔ اور یہ مخاطبت فنِ تقریر کا لوہا منوانے کے نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو چند ضروری حقائق سے مطلع کرنے کے لئے ہے۔ انسان کا قیمتی جوہر تقریر نہیں۔ عمل ہے۔ اور پچھلے شب خون میں ہارلے صاحب نے جس جوشِ عمل کا مظاہرہ فرمایا تھا۔ وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے براہ نوازش ———"

"شکریہ مسٹر جوب! ہارلے نے بدحواسی کے عالم میں قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔" اب میں

تقریر نہیں کرسکوں گا۔ آپ حالات سے پوری طرح واقف ہیں۔ لہذا میری طرف سے یہ فرض آپ ہی ادا کردیجئے۔ مجھے خوشی ہو گی۔" اور جوب کی طرف سے جواب کا انتظار کئے بغیر اپنی شاہی کرسی پر جا بیٹھا۔

جوب نے اس کی طرف پیٹھ کر کے ہنسی ضبط کرتے ہوئے مجمع پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اور پھر باشعور مقررانہ انداز میں مقررہ موضوع پر روشنی ڈالنے لگا۔

عہد شکنی

جس رات ہارلے تہہ خانہ پہنچ کر "عنبروایبی" کی خفیہ ملاقاتوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے محل کے عقبی حصّہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت۔

شہر سے باہر اندھیرے کے سینے میں ایمرسن کی فوج کا دو تہائی حصّہ اسلامی فوج کے درمیان دو تین میل کا فاصلہ دے کر وادئ جراجہ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

وہی وادئ جراجہ۔ جہاں مسلمانوں نے عیسائی قیدیوں کو خیموں میں نظر بند کر رکھا تھا۔ اور جہاں کی شفاف جھیل شہریوں کے علاوہ آج کل مسلمانوں کو بھی فیاضی سے پانی دے رہی تھی۔ جیسا کہ آپ اس سے قبل بھی پڑھ چکے ہیں۔ جھیل شہر کے صدر دروازے سے کوئی میل کے فاصلہ پر۔ ریو کی جانب واقع تھی۔ جسے اہلِ جراجہ اپنے مصرف میں لانے کے لئے ایک چھوٹی سی نہر کی شکل میں اندرونِ شہر تک لے گئے تھے۔ یہ نہر حصارِ شہر کے بائیں حصّہ کے ایک کوٹھری نما تنگ و تاریک پل کے ذریعہ اندر داخل ہوتی تھی — ایک ایسے کوٹھری نما پل سے۔ جہاں صرف پانی کا گزر ہو سکتا تھا۔ اس پُل کی بناوٹ میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا کہ جنگی موقعوں پر غنیم کے لئے یہ راستہ شہر میں داخل ہونے کے کام نہ آسکے۔ جہاں سے یہ نہر اندرونِ شہر کی طرف مڑتی تھی اس وقت وہ تمام حصّہ مسلمان محاصرین کے قبضہ میں تھا۔ اور پوری فوج پانی کی ضرورت کو یہیں

سے پورا کرتی تھی۔ ایمرسن کی فوج کی پیشقدمی جھیل کی طرف تھی۔ جہاں سے مسلمان اپنے سارے خیمے اکھیڑ کر شہر کے عقبی حصہ کی طرف لے گئے تھے۔

ایمرسن کی فوج نے رات کے وقت جھیل کا درمیانی راستہ اس خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ طے کیا کہ سینکڑوں مشعل بردار مسلمان پہریداروں میں سے کسی ایک کو بھی ان کی نقل و حرکت کا پتہ نہ چل سکا۔ اور جب سورج طلوع ہوا تو صدر دروازے کے مسلمان محاصرین یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ وادی جراجہ پر عیسائی فوج کا قبضہ ہے۔ یہ درست ہے کہ جراجہ کوئی اہم فوجی مقام نہ تھا۔ اور نہ یہ جگہ کسی موزوں مورچے کے لئے مناسب تھی۔ پھر بھی ان کا اس طرح چوروں کی طرح پلٹ پڑنا۔ مسلمانوں کی دور اندیشی کے لئے فوری طور پر قابلِ غور بن گیا۔ اسلامی لشکر کے قائد نے اعلیٰ عہدیداروں کو طلب کر کے نئی صورت حال پر غور و خوض شروع کر دیا۔

دوسری طرف۔

وادی جراجہ تیزی کے ساتھ ایک چھوٹی سی فوجی چھاؤنی کی صورت میں متشکل ہونے لگی۔ اور دیکھتے دیکھتے اسلامی محاصرے کے گرد عیسائی لشکر کمان کی صورت میں مسلّط ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی ایک میل کا فاصلہ حائل تھا۔ اس لئے عیسائیوں کی یہ کوشش کسی خاص تشویش کا باعث نہ سمجھی گئی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے فوجی دستوں کو مضافات میں بھیجنے کے لئے جو اڈّہ بنایا ہوا تھا۔ وہ عیسائیوں کے تسلط سے مسدود ہو گیا۔ مگر یہ بھی کوئی خاص بات نہ تھی۔ یہ اڈّہ بائیں سمت کی بجائے داہنی سمت بنایا جا سکتا تھا۔

اسلامی افسروں کو حیرت اس بات پر تھی۔ کہ انہیں ان مسلمان جاسوسوں کی طرف سے بھی عیسائی عزائم کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی تھی۔ جو آج چار روز سے ایمرسن کے لشکر میں تیرا ہوا تھا۔ اسلامی افسر یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ عیسائی فوج کے اس انقلابی اقدام کی بابتہ جاسوس کی طرف سے کیوں کوئی پیغام ارسال نہ کیا گیا۔ خصوصاً ایسے وقت جب کہ دونوں فوجوں کے اکثر

حصوں کو رات نے لگن رکھا تھا۔ اور تیراندازی کے ذریعہ یہ پیغام بآسانی اسلامی لشکر میں پہنچائے جاسکتے تھے۔ اور بالکل یہی معاملہ اندرونِ شہر کے جاسوس ارقم و عاصم کا تھا۔ ان کی طرف سے بھی اس پورے ہفتہ میں کوئی پیغام نہ مل سکا تھا۔ بیرونی جاسوس کی نسبت حسن کو ارقم و عاصم کا زیادہ فکر تھا۔ اور ان کی طرف سے کئی بُرے خیالات سر اُٹھائے ہوئے تھے۔

اِدھر یہ مشاورت جاری تھی۔ اور اُدھر احمد اور ابنِ عمار شہر کے صدر دروازے کی جانب مقابلہ کا مورچہ لگانے میں مصروف تھے۔ اس مورچہ کی سپہ سالاری احمد کو تفویض کی گئی تھی۔ ابنِ عمار اس کا معاون تھا۔ ہزاروں مجاہدین کمال مستعدی و تن دہی کے ساتھ مورچے کو مضبوط و مستحکم بنانے میں محو تھے۔ اس حصہ پر جراجہ کی فوج کی طرف سے کھودی ہوئی خندق اور مٹی کے لمبے لمبے ٹیلے پہلے سے موجود تھے۔ علاوہ ازیں سنگبار کلوں کی کرسیاں بھی پہلے سے تیار تھیں۔ کلوں کو جمانے۔ اور مجاہدین کو موقعہ کی مناسبت سے تعینات کرنے کی ضرورت تھی ـــــ ابھی اس مورچہ کی تکمیل پوری طرح عمل میں نہ آئی تھی کہ عقبی حصہ کی عیسائی فوج سے فلک شگاف نعروں کا شور بلند ہوا۔ اس شورِ قیامت نے جہاں مجاہدین کے حواس پر زوردار ضرب لگائی۔ وہاں اندرونِ شہر کے تمام عیسائیوں کو بھی عقبی فصیل پر لا کھڑا کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شہر میں ہارسے اور جوب کی تقریر کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا تھا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ عنبر کی پارٹی کے دونوں جاسوس ارقم و عاصم جو تا حال شہر میں موجود۔ اور عنبر سے بے تعلق ہونے کے باوجود یہاں کے منجملہ حالات سے پوری طرح باخبر۔ انہیں لوگوں میں خلط ملط فصیل کے کنارے کھڑے عیسائی لشکر کی چیخ و پکار کا نظارہ کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب کہ۔ ایک طرف مسلمان جنگ کے لئے کیل کانٹے سے لیس۔ اور دوسری طرف شہر کی فصیل تماشائیوں سے لبالب ہو چکی تھی۔ ایمرسن کی فوج سے دو اونچے

اونچے بانسوں کے سروں سے منسلک ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا پورے تناؤ کے ساتھ رونما ہوا
اس سرخ جھنڈے پر موٹے موٹے سفید حروف میں لکھا تھا۔

"پرسوں صبح جنگ ۔ تیار"

اور اب جا کر اسلامی لشکر کو معلوم ہوا کہ یہ واویلا جنگ کے لئے اندرونِ شہر کی فوج کو خبردار کرنے کے لئے ہے۔ اسلامی لشکر کی طرف سے رابطہ کی اجازت نہ ملنے پر۔ ایمرسن کا یہ طریقۂ کار اسلامی افسروں کے لبوں پر مسکراہٹ لائے بغیر نہ رہ سکا۔ ایمرسن نے اپنے مراسلہ میں لکھا تھا کہ وہ اپنے دشمن کو للکار کر حملہ کرنے کا عادی ہے۔ چنانچہ اس کی یہ روش ایک پنتھ دو کاج کی حامل تھی۔ ایک طرف اس نے اندرونِ شہر کی عیسائی فوج کو جنگ کے تعیّن سے مطلع کر دیا۔ اور دوسری طرف اسلامی فوج پر بھی واضح کر دیا کہ وہ خلافِ معاہدہ جنگ میں کودنے والا ہے۔

ارقم — فصیلِ شہر کے اس ہنگامہ میں بڑی دور کی کوڑی لایا۔ وہ ایک دم مجمع کو چیرتا پھاڑتا یہاں سے غائب ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد جب وہ یہاں آیا تو اس کے ہاتھ میں کمان تھی اور تیروں سے بھرا ترکش پیٹھ پر لٹک رہا تھا۔ اس نے یہاں پہنچتے ہی چشم زدن میں ایک تیر پوری طاقت سے پھینکا۔ جو اسلامی لشکر کی آخری قطار کے قریب گرا۔ ارقم کی اس حرکت پر اس کے قریب کھڑے ہوئے عیسائی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔ مگر ارقم نے ان کی کوئی پرواہ نہ کی اور ترکش سے ایک اور تیر نکال کمان میں درست کرنے لگا۔ پہلے تیر کی طرح اس میں بھی کاغذ کا ایک پرزہ بندھا ہوا تھا۔ اسے پھینکنے کے لئے اس نے کمان کو کھینچا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور حقائقِ حالات کو جاننے کے لئے جب تیر سے بندھا ہوا رقعہ کھل کر لوگوں کے سامنے آیا تو اس میں لکھا تھا۔

"عالی جناب ایمرسن کو معلوم ہو کہ ہمیں اس کا پیغام مل گیا ہے۔ پرسوں صبح ہم میدانِ جنگ

ہیں اس کے ساتھ ہوں گے ۔"

اور جب اس کے ترکش سے مزید تیر نکال کر دیکھے گئے ۔ تو دو اور تیروں پر بھی اسی عبارت کے رقعے لپٹے ہوئے تھے ۔ اسی اثنا میں عیسائی افسروں کے بھیجے ہوئے چند سپاہی یہاں آ پہنچے اور تحقیقات کے دوران ان رقعوں کو دیکھ کر بے تحاشہ قہقہے لگانے لگے ۔

"بے وقوف نوجوان !" ایک سپاہی نے ارقم کے جوش کا مذاق اڑایا ۔ "دیکھتے نہیں ۔ ہمارے اور امیر سن کی فوج کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے ۔ اور اب اس کی ضرورت ہی کیا ہے ۔" ۔

"مگر جناب ۔" ارقم نے دھڑا شاہی رومن میں جواب دیا ۔ "میرے بازوؤں میں اتنی طاقت موجود ہے کہ میں تیر کو عیسائی لشکر تک پھینک سکوں ۔ اور ضروری کیوں نہیں ہے جناب ۔ امیر سن کو یہ معلوم ہونا اشد ضروری ہے کہ اس کا پیغام ہم نے سمجھ لیا ہے ۔ اور پرسوں ہم اس کے شریک ہوں گے ۔"

"ہو سکتا ہے ۔" سپاہی نے جواب دیا ۔ "مگر یہ آپ کا کام نہیں ہے ۔ مہربانی کر کے اسے یہاں رکھ لیجیے ۔" سپاہی نے کمان کو ارقم کے ہاتھ سے چھین کر اس کے کندھے میں اڑا دیا ۔

لوگ ارقم کی "معصوم صورتی" پر کھلکھلا پڑے ۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ جس مراسلہ کو وہ کئی روز سے اسلامی لشکر تک پہنچانے میں ناکام رہا تھا ۔ اس وقت ہزاروں آنکھوں میں دھول جھونک کر کس صفائی سے اپنا کام کر گیا ۔

ارقم کا مراسلہ بردار تیر جب اسلامی لشکر میں جا کر گرا ۔ تو اسے دشمن کا پیغام سمجھ کر جون کا توں حسن کے حضور پیش کر دیا گیا ۔ حسن نے اس مراسلہ کی شانِ نزول کا بچشم خود مطالعہ کیا تھا ۔ لہذا اسے بڑی دلچسپی کے ساتھ کھولا گیا ۔ مگر جب اوپر ہی ارقم کا جاسوسی نشان نظر آیا ۔ تو فرطِ حیرت سے ششدر رہ گیا ۔ کیونکہ دن دہاڑے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں ۔ مراسلہ کا یہ ذریعہ ترسیل ایک ایسا اقدام تھا جو ارقم کو گرفتار کرائے بغیر نہ رہ سکتا تھا ۔

۱۔ م

جناب والا — آج۔ جب کہ پورے شہر میں یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ دختر سردغوس اپنی بستر علالت پر دراز ہو گئی ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کل رات محترم عنبر کے ساتھ زنداں میں ڈال دی گئی ہے۔ ایک خاص حلقہ میں خیال کیا جا رہا ہے کہ عنبر اور رابنی ایک دوسرے کے والا و مفتوں ہیں۔ مگر میری ذاتی رائے اس کے برعکس ہے۔

اس واقعہ کے بعد جراجہ کی فوج اور کرسئی حکومت ہارلے کے حصہ میں آگئی ہے۔ واضح ہو کہ ہارلے ایک نہایت نالائق شخص ہے۔ جس کا یہاں کے عوام پر ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہے۔ وہ اس کی قیادت پر بھروسہ نہیں کر سکیں گے۔ اور اگر ایسا ممکن بھی ہوا تو ہارلے کی نالائقی انہیں جلد ہی اپنی غلطی محسوس کرا دے گی۔ ہارلے شروع سے مجوزہ معاہدے کے خلاف تھا۔ لہٰذا اب جب کہ اسے یہاں کے سپید و سیاہ کا پورا اختیار ہے۔ اس کی طرف سے معاہدے کی پابندی نہیں ہو سکے گی۔ دورانِ جنگ میں اس بات کو یاد رکھا جائے کہ شہر میں فوج کا زیادہ تر دباؤ عقبی حصہ پر ہے۔ تمام بڑے بڑے افسر۔ سامانِ رسد کے ذخائر۔ اور جنگی دفاتر اسی جانب سمٹ آئے ہیں۔

شہر کی فوج نے سوائے عقبی دروازے کے بالائے فصیل پر کوئی خاص مورچہ قائم نہیں کیا۔

یہاں کی فوج باہر نکل کر ایمرسن کی فوج کے دوش بدوش جنگ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

یہاں کی فوج کم و بیش ستر ہزار ہے۔

بعض منتشر عیسائی فوجی دستے تاحال یہاں نہیں پہنچ سکے ہیں۔ چنانچہ ہو سکتا ہے
کہ یہ دورانِ جنگ ہیں آموجود ہوں۔

ضروری اضافہ۔

ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ صدر دروازے سے متصل اسلامی مورچے کے لئے۔
دروازے سے ملحقہ فصیل پر ایک مضبوط مورچہ قائم کرنے کی تیاریاں شروع
کردی گئی ہیں۔

مراسلہ ختم کرنے۔ اور یہ جان لینے کے بعد کہ اندر کے عیسائیوں کی طرف سے بھی معاہدے
کو بالائے طاق رکھدیا گیا۔ اور اب طرفین کے لئے معاہدہ ایک بے معنی شے ہے۔ حسن کو عنبر کی
طرف سے سخت تشویش ہو گئی۔ کیونکہ ان حالات میں اس کا زندہ بچ نکلنا بہت دشوار تھا۔

اور پھر جب یہ مراسلہ احمد کی نظر سے گزرا تو اس کا ذہن متضاد خیالوں سے مفلوج ہو کر رہ گیا
جہاں اپنی اور عنبر کے اختلاط پر ارقم کی رائے زنی نے اسے تسلّی دی۔ وہاں درندہ صفت ہارلے
کے اقتدار و اختیار نے اسے صہبا کی عصمت و عفت کے خطرہ کا احساس دلاکر روحانی کچوکے
دینا شروع کردیئے۔ وہ اب تک نہایت صبر و سکون کے ساتھ اپنے اندر کے آدمی سے سرد
جنگ لڑتا رہا تھا۔ اپنے اندر کے اس آدمی سے جو صہبا کا دیوانہ تھا اور جس کا پُرزور مطالبہ تھا کہ
وہ صہبا کے حصول کو اپنے دیگر فرائض پر مقدم رکھے۔

جب احمد حسن کے خیمہ سے نکل کر صدر دروازے کے مقابل مورچے کی طرف چلا۔ تو ابنِ عمار
اس کے ساتھ تھا۔ اور اپنے عزیز ترین رفیق کی ذہنی کیفیت سے بیحد متاثر۔ اس نے باگ موڑ کر
اپنے گھوڑے کو احمد کے گھوڑے سے بالکل قریب کر لیا۔ اور احمد کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا۔
ہمّت سے کام لو عزیز دوست۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"
احمد نے کھوئے ہوئے عالم میں ابنِ عمار کی طرف دیکھا اور باگ کو جھٹکا دے کر رفتار تیز

کرتے ہوئے بولا۔" واللہ عالم بالصواب۔"

ابنِ عمار نے محسوس کیا کہ احمد سخت مایوس کن وسوسوں کی زد میں ہے۔ چنانچہ درمیانی راستہ مکمل خاموشی میں طے ہوا۔ مگر جونہی مورچے پر پہنچ کر دونوں اپنے خاص خیمہ میں داخل ہوئے۔ ابنِ عمار نے ایک بار پھر احمد کو عالمِ مایوسی سے گھسیٹنے کی کوشش کی۔

"آؤ۔ ہم یہاں بیٹھ کر حقائق کی چھان بین کرتے ہیں۔ تفکرات کی گرد آلود راہوں میں بھٹکنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم سچائی کی روشنی سے قریب ہونے کی کوشش کریں۔" ابنِ عمار احمد کا ہاتھ پکڑ کر چوکی پر بیٹھ گیا۔" ہمیں حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ہم خس وخاشاک نہیں ہیں۔ کہ حالات ہمیں جس طرف چاہیں۔ بہالے جائیں۔ ایسا نہیں ہوگا میرے دوست۔ بتاؤ تم کیوں فکرمند ہو۔"

"فکر!" احمد نے سنجیدگی سے کہا" مجھے اس بیکس و مجبور لڑکی کا فکر ہے۔ جو اس وقت شیطانی چنگل میں ہے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ شیطانی چنگل کب اس معصوم ہستی کو گناہ کی گود میں گھسیٹ لے۔ مجھے فکر ہے کہ صہبا۔ ہماری عزت وآبرو کہیں اس شیطانیت کے خلاف اپنی زندگی سے بغاوت نہ کردے۔ مجھے فکر ہے کہ ہمارے حالات جتنی جلدی شہر پر قابض ہونے کے خواہاں ہیں۔ ہم شاید اتنی جلدی شہر پر قبضہ نہ کرسکیں۔ مجھے فکر ہے کہ معاہدے کی شکست کا بار اب میری گردن پر ہے۔ اور اگر عنبر کی زندگی اس معاہدہ شکنی کی لپیٹ میں آگئی تو شاید میرا سر بارِ ندامت سے اوپر نہ اٹھ سکے گا۔"

"ٹھیک!" ابنِ عمار نے معقول لہجہ میں احمد کے اظہارِ بیان کی تائید کی۔" اب ہم یہاں تک پہنچے کہ ہمیں صہبا اور عنبر کو بچانے کے لئے شہر پر جلد از جلد قبضہ کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز یہ کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ ہمیں شہر پر قابض ہونا ہی چاہیئے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کن تدابیر پر عمل کرکے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔"

ابھی ابنِ عمار یہیں تک کہہ پایا تھا کہ مغرب کی اذان سنائی دی۔ اور دونوں اپنے ہی مورچے کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے خیمہ سے نکل گئے۔

اللہ تعالیٰ کی حضوری سے فارغ ہو کر جب یہ دونوں اپنے خیمہ کے دروازے پر پہنچے، تو فوجی نقیب کو گشتی مراسلہ کے ساتھ اپنا منتظر کھڑا پایا۔ احمد نے دروازے کی مشعل سے قریب ہو کر مراسلہ پر نگاہ ڈالی۔

تمام افسروں کے لئے
حسن بن علی کی طرف سے

ان دو جملوں کو پڑھنے کے بعد احمد نے ابنِ عمار کو بھی شریکِ سماعت بنانے کے لئے ذرا اونچی آواز سے پڑھنا شروع کیا۔

آج بعد نماز عشاء۔ میرے خیمے میں جمع ہو کر جنگی احکامات حاصل کیجیے۔ ہر حال میں بروقت پہنچنے کی کوشش کیجیے۔

مراسلے کے خاتمہ پر نقیب نے قلمدان آگے بڑھایا اور کاغذ کی پشت پر احمد اور ابن عمار کے دستخط لے کر آگے بڑھ گیا۔

احمد اور عنبر عشاء کی نماز سے کچھ دیر قبل ہی حسن کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ اس وقت خیمہ کے چاروں طرف زبردست پہرہ تھا۔ اور پہرے پر بھی وہ لوگ تعینات کئے گئے تھے۔ جو ذاتی طور پر حسن کے جانے پہچانے لوگ تھے۔ خیمہ میں داخلہ بھی شناختی ناموں کے ساتھ تھا۔ اس وقت حسن۔ اس کا بھائی عمار اور عمران بن خلدون کسی خاص موضوع پر سرگرم گفتگو تھے۔

"کہو صاحبزادے!" عمار نے احمد کو مخاطب کیا۔ "مورچہ پوری طرح قائم ہو گیا یا ابھی

کام باقی رہتا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" احمد نے جواب دیا۔" بس تھوڑا سا کام باقی ہے۔ اگر دو طرفہ مورچے کی اچانک ضرورت محسوس نہ ہو جاتی۔ تو عصر کے وقت ہی کام ختم ہو چکا ہوتا۔"

"بہت خوب۔" اور اس کے بعد پھر جنگی امور پر ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ تمام افسران جمع ہو گئے۔ اور جلسہ کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز حسن کی ذات سے عمل میں آیا۔

"عزیز بھائیو!" حسن ایک بڑا سا کاغذ کھولتے ہوئے مخاطب ہوا۔" ایمرسن کی طرف سے قبل از وقت اعلانِ جنگ کے بعد۔ ہمارے اور بنتِ سرد غوس کے درمیان جو معاہدہ قرار پایا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ اور جب معاہدہ ٹوٹ گیا۔ تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم دشمن کی طرف سے آغازِ جنگ کا انتظار کریں۔ اب یہ جنگ ہماری مرضی کے مطابق شروع ہو گی۔ اور اس وقت سے پہلے ہی۔ جو ایمرسن کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ مقابل فوجیں ایک دوسرے کی مورچہ بندی کے پیشِ نظر صفیں درست کرتی ہیں۔ اور آج پہلی بار عیسائی فوج نے وادی جراجہ پر مورچہ قائم کر کے جنگی عزائم کے چہرے کی نقاب کشائی کی ہے۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ عقبی دروازے سے لے کر وادی جراجہ تک فوج کا جال بچھ گیا ہے۔ دشمن کا یہ نصف دائرہ جن ارادوں کے تحت عمل میں آیا ہے ہم اسے اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ اور چونکہ اس کا علاج تجویز ہو چکا ہے۔ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ دشمن کی فوج کے اس پھیلاؤ کی غرض و غایت بیان کی جائیں۔

ہمارے اوّلین جنگی معرکہ کا مقصد۔ بہر حال۔ اور بہر قیمت شہر کو حاصل کرنا ہے۔ یہاں یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ شہر کا حصول ہم اپنی پوری فوج کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کم سے کم فوجی دستوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ جو شہر میں موجود دشمنوں کو قابو میں رکھ

سکیں۔ کچھ فوج اسی حصّہ میں رہے گی۔ جہاں اس وقت ہمارا پڑاؤ ہے۔ اور ہمارا اصل میدانِ جنگ۔ وہ حصّۂ زمین ہوگا۔ جہاں حصارِ شہر میں آبی سرنگ واقع ہے۔ ہمارے عملی اندازے کے مطابق حصارِ شہر کا وہ حصّہ جہاں سے جھیل کا پانی شہر میں داخل ہوتا ہے۔ قابلِ تسخیر ہے۔ بشرطیکہ ہمارے دبابوں کو باطمینان نصف پہر عمل کی مہلت حاصل ہوجائے۔ اور چونکہ آپ ہی میں بعض کو اس اہم کام پر متعین ہونا ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل بھی سُن لیجئے پانی کی اس گزرگاہ کی پہلی آہنی دیوار پانی کی سطح سے دو تین بالشت نیچے لے جاکر۔ پانی کے بہاؤ کے لئے کُھلی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس کے پیچھے موٹی موٹی آہنی سلاخوں کی ایک اور دیوار ہے۔ جو اوپر فصیل کے پتھروں میں۔ اور نیچے پانی کی تہہ پر پکّی زمین میں اُتری ہوئی ہے۔ اس کے بعد ایسی ہی سلاخوں کی ایک اور دیوار ہے۔ اور اس کے پیچھے بالکل اسی طرز کی دیوار ہے جو بیرونی حصّہ پر دکھائی دیتی ہے۔ اس مقام پر کم و بیش ایک بلّم گہرا پانی ہے۔ بیرونی دہانے کی چوڑائی ڈیڑھ بلّم ہے۔ جس پر بآسانی بند باندھ کر پانی کے بہاؤ کو روکا جاسکتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہمیں یہاں نصف پہر کی مہلت کیونکر میسّر ہوسکتی ہے ـــــ

آپ صبر کے ساتھ سنتے جائیں۔" حسن نے بعض افسروں کی اضطراری کیفیت کو بھانپتے ہوئے کہا۔" اس وقت میدانِ جنگ کا گوشہ گوشہ۔ بلکہ ایک ایک انچ زمین میری نگاہ میں ہے۔ اوّل تو انشاء اللہ۔ کوئی بھی صورتِ کار مجہول ثابت نہیں ہوگی۔ اور اگر ہو۔ تو آپ کو تنقید کی پوری اجازت ہے۔ مگر میرے وضاحتی بیان کے بعد۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد۔ چند گھنے درختوں کی صورت میں ہمارے شریکِ حال ہے۔ جو آبی سرنگ کے عین مقابل کچھ فاصلہ پر واقع ہیں۔ ان پر مچانیں باندھ کر۔ بالائی مورچہ کا۔ جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ اور جس کی بروقت توقع کی جاسکتی ہے۔ کامیاب مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ بظاہر اس حصّہ کو میدانِ جنگ میں کوئی خاص اہمیت نہ ہوگی۔ مگر درحقیقت یہی حصّہ ہماری

شدید کارروائیوں کا محور ہوگا - یہاں ہمارے جوانوں کو۔ ناقابلِ تسخیر آہنی حلقہ ثابت ہونے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانا ہوگی - خاکسار نے اپنی خدمات کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا ہے - مزید تفصیلات سے قبل آپ کو ایک بار پھر عقبی دروازے کی طرف چلنا ہوگا - چونکہ جنگ کا آغاز اسی مقام سے ہونا ہے - اگر ہم چاہتے ہیں کہ شہر بہتر صورت حالات میں ہمارے ہاتھ آئے تو یہیں میدانِ جنگ کو اس لائق بنانا ہوگا کہ اندر کی عیسائی فوج شہر سے باہر نکل کر صف آرا ہو۔ کیونکہ جب تک اندر کی عیسائی فوج باہر نہیں نکلتی اس وقت تک ہمارا شہر پر قابو پانا مشکل بلکہ ناممکن ہوگا - اور چونکہ ستر ہزار کے قریب فوج اندر موجود ہے - اس لئے ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ سکیں گے - ایسی صورت میں ہم صرف تین مورچوں پر جنگ کرینگے شہر کے دونوں دروازوں پر ہمارے ظاہرا عزائم یہ ہوں گے کہ ہم دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونا چاہتے ہیں - حالانکہ درحقیقت ان مورچوں پر۔ ہمارا مقصد دشمنوں کی توجہات کو اپنی طرف مرکوز رکھنے کے علاوہ انہیں باہر نکلنے کا موقعہ دینا ہے - ہماری فداکاریوں کا اصلی مسکن تیسرا مورچہ - یعنی آبی دروازہ ہے - جس کی دیگر تفصیلات کچھ ترتیب پا چکی ہیں - اور کچھ زیرِ غور ہیں - میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہمارے مرتبہ نقشۂ جنگ کے خلاصہ سے واضح طور پر متعارف ہو چکے ہیں - اگر کوئی نکتہ رہ گیا ہے تو میں جوابدہی کے لئے حاضر ہوں - اب آپ لوگوں کو اختیار ہے کہ اس کے مفید یا غیر مفید ہونے پر اپنی رائے پیش کریں — ہم بلا امتیاز - ہر اس شے کو قبول کرنے میں خوشی محسوس کریں گے - جو واقعی طور پر بہتر ہوگی ۔"

حسن کی خاموشی پر حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا - اور پھر متفقہ طور پر اسے منظور کر لیا گیا — بعد ازاں ان زبردست رازدارانہ بندشوں کے باوجود - حسن نے جلسہ کی بقیہ کارروائی سرگوشی کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دی - اور جب جلسہ ختم ہوا تو ہر افسر ایک نئی ترنگ کے ساتھ سرگرم عمل تھا -

شیطان کی فتح!

عین اس وقت جب کہ حسن کے خیمہ میں نقشہ جنگ کا ذکر ہو رہا تھا۔

شہر کے اندر

شاہی محل میں وہ خطرہ اپنی پوری شیطانیت کے ساتھ صہبا کے گرد منڈلا رہا تھا۔ جس کے لئے احمد اور عنبر کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔

ہارلے ذاتی طور پر اس حقیقت سے واقف تھا کہ عنبر اور صہبا ایک عرصہ تک ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ پھر اس نے اپنی آنکھوں سے صہبا کو دیکھا۔ اور یقین کرنا پڑا کہ وہ بہر قیمت حاصل کی جانے والی چیز ہے۔ اور عنبر تو عنبر زاہد صد سالہ بھی اس کے حسن دلآویز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اسماعیل کے روپ میں عنبر کی پُر شکوہ شخصیت سے بخوبی واقف تھا۔ لہذا اس کا یہ گمان یقین میں بدل گیا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔

اب محل کا سارا ماحول ہارلے کی خواہش کے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ اینی کے تمام خادم شہر کے عقبی دروازے کے سیریٹ پیلس میں بھیج دیئے گئے تھے۔ اور ان کی جگہ ہارلے کے وہ ملازم و مصاحب آ ڈٹے تھے۔ جو نہ صرف اپنے آقا کی شرمناک حرکتوں کے شاہد تھے۔ بلکہ اس کی حرص و ہوس کی تسکین کے لئے نت نئے تحفوں کی تلاش و جستجو بھی ان کے فرائض میں داخل تھی۔ اور چونکہ ہارلے کا شبستان ایک خاص شعار و سلیقہ کا حامل تھا۔ چنانچہ خدام میں چند عورتیں بھی تھیں۔ جو ہر نئے شکار کو ہارلے کی مرضی کے

مطابق بنا سنوار کر حجلۂ عروسی کی زینت بنانے پر مامور تھیں۔ اس مقصد کے لئے بھڑکیلے حریری ملبوسات اور نگاہ کو خیرہ کر دینے والے جڑاؤ زیورات۔ اور انمول مشکی عطریات بافراط موجود تھے۔ جو صرف صبح تک کے لئے ہر حسینہ کا حصّہ ہوتے۔ اور اس کے بعد یہ تمام چیزیں اُتروا کر کسی اور کے لئے باحتیاط رکھدی جاتیں ـــــ مغرب کے بعد یہ تمام لوازمات بھی مع خادماؤں کے محل میں پہنچ چکے تھے۔

دوپہر کو ہارلے کے ایما پر۔ صہبا کو یہ اطلاع پہنچ چکی تھی کہ اب ہارلے صوبۂ کلبریہ کا بلاشرکتِ غیرے۔ مالک و وارث ہے۔ اس اطلاع سے ہارلے کی مراد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ وہ بیچاری ذہنی طور پر شکست کھا کر اپنے کردار کی اس کجی کو دور کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ جس کی بنا پر وہ ہارلے کو دھتکارنے کی گستاخی کر چکی ہے

مغرب کے بعد صہبا کے پاس ہارلے کا پیغام آیا کہ وہ چند ضروری مسائل پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اسے چاہیئے کہ وہ ہمارے حضور پیش ہو۔

صہبا اس پیغام سے سٹ پٹائی تو بہت۔ مگر یہ سوچ کر کہ محل میں پچاسوں لوگ آباد ہیں۔ لہذا بوقتِ ضرورت چیخ و پکار سے تمام آدمیوں کو ننگے ہارلے کا محاسب بنا سکوں گی۔ وہ ہارلے سے ملنے کے لئے تیار ہو گئی۔ مگر اس کے فوراً بعد خادماؤں نے آ کر اسے دلہن بنانا شروع کیا تو یہ چونکی۔

"یہ کیا واہیات ہے۔" اس نے خود کو خادماؤں کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے ڈانٹا۔ "اُٹھا لے جاؤ ان سب کو۔"

"مگر جناب عالی جاہ حضور ہارلے کی خدمت میں پیش ہونے کے لئے صرف آپ ہی کو نہیں۔ اب ہر مرد اور ہر عورت کو اعلیٰ حیثیت کا پابند ہونا پڑے گا۔ ادنیٰ پوشاک میں حاکم کے روبرو ہونا۔ ہمارے ہاں درباری ہتک خیال کی جاتی ہے۔" خادمہ نے ہارلے کا پڑھایا ہوا سبق سنانا شروع کیا۔

" جھوٹ " صہبا کے تیور خطرناک ہو گئے " میں تمہارے اور سرد غوس کے درباروں سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ میں لنے ایسا کبھی نہیں سُنا۔ اور اگر تمہارے آقا لنے یہ ضروری قرار دیا ہے۔ تو جا کر کہدو۔ میں اس بیہودگی کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور اب میں ملاقات سے بھی انکاری ہوں "

" ایسا نہ فرمائیے محترم خاتون " ایک عورت لنے نہایت ادب کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی " اس وقت حاکم کے پاس بہت سے اعلیٰ مرتبہ حضرات تشریف فرما ہیں۔ ان کی موجودگی میں آپ کا یہ تلخ جواب۔ یہی ڈر ہے۔ کہیں آپ کے لئے زحمت ثابت نہ ہو جائے۔

عورت لنے یہ الفاظ کچھ اس انداز میں ادا کئے۔ جیسے صہبا کا مسئلہ اجتماعی نوعیت کا حامل ہے اور اسے صرف ہارلے کے نہیں۔ بلکہ کئی اور ذمہ دار لوگوں کے روبرو پیش ہونا ہے ــــ وہ اپنی موجودہ حالت سے حد درجہ بیزار تھی۔ اور اپنے لئے کسی فیصلہ کن اقدام کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ لہذا وہ ایک بار پھر مدھم پڑ کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہو گئی ــــ چند ساعتوں بعد۔ اسے اپنی سابقہ روش ہی صائب معلوم ہوئی۔

" میں کہہ چکی ہوں۔ اگر گئی۔ تو اسی حال میں جاؤں گی جس میں اب ہوں۔ ورنہ نہیں "

" جنابہ کی مرضی۔ لیکن اس خلاف ورزی کے لئے آپ خود ہی ذمہ دار ہوں گی " خادمہ ہارلے کی آخری ہدایت تک آ پہنچی۔

" ہاں۔ اگر یہ بات قابلِ گرفت سمجھی گئی۔ تو اس کے نتائج میں تم پر کوئی حرف نہ آنے دونگی "

اور اس طرح بھولی بھالی معصوم صہبا۔ ان ریاکاروں کے جال میں پھنس کر۔ ہارلے کے پاس اس کمرے میں پہنچا دی گئی۔ جو شکارگاہ کے عنوان سے سنوارا گیا تھا۔

یہاں ہارلے کے علاوہ دو شخص اور تھے۔ جو ہارلے کے ساتھ خورونوش میں مصروف تھے۔ ان کے عقب میں جالی پوش نقرئی مسہری۔ معطر معطر ماحول۔ نیم برہنہ خادمائیں صہبا کے درباری تصورات ایک ایسی قربان گاہ میں تحلیل ہونے لگے۔ جس کی اوّلین بھینٹ۔ خود اس کی

اپنی ذات ہو۔ وہ ایک دم پلٹ کر پیچھے مڑی۔ مگر دروازہ باہر سے بند ہو چکا تھا۔ اور وہ دونوں خادمائیں جو اسے لائی تھیں۔ اس کی پشت پر کھڑی معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھیں صہبا ان حرافہ عورتوں کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"یہی وہ دربار ہے۔ جس کی بابتہ تم نے مجھے بتایا تھا۔" اور پھر اس کا انداز بالواسطہ گفتگو میں بدل گیا۔ "یاد رکھو! اگر تمہارا مقصد میری زندگی کا خاتمہ ہے۔ تو یہ باآسانی ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ تم کسی اور کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"نادان لڑکی!" ہارلے جو نشۂ شراب کی ابتدائی کیفیت میں تھا۔ پر شعلہ لہجہ میں بولا۔ "میں نے تمہیں چند ایسی باتوں کے لئے یہاں بلایا ہے۔ جنھیں سن کر تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ اور اگر تم کسی دوست و دشمن کی تمیز نہیں کھو بیٹھی ہو۔ تو ابھی۔ تھوڑی دیر بعد۔ تم میری شکر گزار نظر آؤ گی آؤ — یہاں بیٹھ جاؤ۔"

"شکریہ!" صہبا کے شکوک اپنی جگہ نہ صرف سلامت بلکہ روبہ ترقی تھے۔ "میں اسی جگہ ٹھیک ہوں۔ اور آپ کی آواز بخوبی سن سکتی ہوں۔ فرمائیے!"

"بچپن چھوڑ دو۔" ہارلے نے سمجھایا۔ "یہ کونسی شرافت ہے کہ تم دروازے پر کھڑی رہو۔ اور میں اونچی آواز میں تمہارے ساتھ اوروں کو بھی اس راز میں شریک کر لوں۔"

صہبا قدرے توقف کے بعد مثبت قدم بڑھاتی ہوئی ہارلے سے متصل ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ جیسے اس نے ہر قسم کے خطرے سے عہدہ برآ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

"شاباش!" ہارلے نے ہمت افزائی کی۔ "دراصل وہ باتیں اس قدر ذاتی نوعیت کی ہیں۔ کہ ان کا ایک خاص وقت کے لئے راز رہنا ضروری ہے۔"

ہارلے کے اس جملے نے اس کمرے میں خاصی تبدیلی پیدا کر دی۔ دونوں مرد کمرے سے باہر نکل گئے۔ کنیزیں ان کے قرب سے کٹ کر دور جا بیٹھیں۔ صہبا نے یہ سب اس طرح دیکھا جیسے

اسے ذبح کرنے کے لئے زمین ہموار کی جا رہی ہو۔ اس کا جی چاہا کہ دونوں مردوں کے ساتھ یہ بھی یہاں سے نکل بھاگے۔ مگر اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ وہ سنسناتے جسم کے ساتھ۔ توکل بخدا جس طرح بیٹھی تھی۔ بیٹھی رہی۔ ممکنہ خطروں سے کان کی لوئیں انگاروں کی طرح دہکنے لگیں۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔ تم حد سے زیادہ گھبرائی ہوئی ہو" ہارلے نے دلجوئی کی۔ "دراصل تمہاری ذات پر میرا پہلا اثر بڑا غلط مرتّب ہوا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی میں نے اس بات کا عہد کر لیا تھا کہ میں ہر ممکن طور پر تمہارا معاون و مددگار رہوں گا۔ اور اسی نیک جذبہ کے ساتھ میں ایک بار رات کو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ مگر آپ کی حد سے زیادہ احتیاط۔ بلکہ بچپن نے صورت حال ایسی بنا دی۔ کہ یا تو میں اپنے آپ کو اخلاقی مجرم ثابت کرنے پر رضامند ہو جاؤں۔ یا پھر آپ کو وقتی طور پر پریشانی میں مبتلا کر دوں۔ وقتی طور پر اس لئے کہہ رہا ہوں۔ کہ آئندہ حالات قبل از وقت میرے علم میں تھے۔ اور میں اچھی طرح جانتا تھا کہ آپ کا معاملہ خود میرے ہاتھوں طے ہو گا۔ لہٰذا اس وقت آپ کو باعزت طریق پر بری کر دیا جائے گا۔ آج وہ وقت آ چکا ہے۔ اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ اپنے ارادے کے مطابق میں آپ کو اینی کے الزامِ قتل سے۔ جو سراسر فریب تھا۔ بَری کرتا ہوں۔"

ہارلے کی گفتگو کے اس مرحلہ پر سیدھی سادی صہبا۔ کسی حد تک اس کے فریب میں آ گئی۔

"اس مہربانی کے لئے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ میں اسلامی لشکر میں جانا پسند کروں گی۔ کیا یہ ممکن ہے۔"

"فی الحال نہیں۔ مگر ——"

صہبا کی مسرت انگیزیاں۔ ہارلے کی نہیں پر سوالیہ بن کر ہارلے کا منہ تکنے لگیں۔

"آپ کی نامکمل آزادی آپ ہی کے ایک دوست کی بیہودگی کا نتیجہ ہے۔"

"کیا مطلب؟" صہبا نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"وہ نابنجار عنبر! ہماری خاندانی عزّت و آبرو کا ڈاکو۔ کاش ہم اسے پہلے روز ہی ہلاک کر ڈالتے۔ جانتی ہو اس بدمعاش نے کیا ظلم ڈھایا ہے؟ اس نے قید خانہ میں اینی کی عصمت پر چھاپہ مارا۔ اور ایک شریف عورت کی طرح اینی کو مجبور کر دیا۔ کہ جس کے ہاتھوں اس کا جسم ناپاک ہوا ہے۔ وہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنا کر۔ غلطی کا اعادہ کرے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

ہارلے کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ صہبا اپنے محبوب کی اس لرزش پر ہکّا بکّا سی رہ گئی۔

"میں وہ کہہ رہا ہوں۔ جو میرے علاوہ اور بھی بیسیوں آنکھوں نے دیکھا ہے۔ سنا گیا ہے کہ اس کی ابتدا۔ عنبر کی چیرہ دستی سے ہوئی تھی۔ اور اینی کی رضامندی کے ساتھ جاری تھی کہ مجھے پتہ لگ گیا۔ اور ایک رات جب میں نے کئی افسروں کی موجودگی میں تہہ خانہ پر چھاپہ مارا۔ تو ان دونوں کو بڑی شرمناک حالت میں پایا گیا۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ اپنی اس روش پر نادم نہیں ہوئے۔ بلکہ انتہائی ڈھٹائی سے ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا ساتھی بن جانے کا اعلان کر دیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ حسب سابق اپنی حیثیتوں پر بحال رہیں۔ مگر وہ تو جیسے ایک دوسرے کے رشتۂ ازدواج میں منسلک تھے۔ مجبوراً ہمیں اینی کو بھی اسی قید خانہ میں چھوڑنا پڑا۔ اب وہ دونوں ایک ہی زنداں میں وقت گزار رہے ہیں۔ ان کی بابت بھی اس جنگی بحران سے گزر کر ہی کچھ سوچا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنی خاندانی عزّتِ نفس کو تسکین دینے کے لئے اینی کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ درحقیقت میں ان دونوں کے ارادوں کو بہت پہلے سے تاڑے ہوئے تھا۔ اور اس میں کسی ایک کا نہیں۔ دونوں برابر کے قصور وار ہیں۔"

ان جملوں کی ادائیگی کے بعد ہارلے تیز تیز نگاہوں سے صہبا کی اندرونی کیفیت کا جائزہ لینے لگا۔ اور اس احساس کے ساتھ کہ صہبا کے ضبطِ اضطراب کا پیمانہ چھلکنے ہی والا ہے۔ ناصحانہ انداز میں گویا ہوا۔

"اپنی کے بھائی کی حیثیت سے مجھے بھی اس بات کا کچھ کم دُکھ نہیں ہوا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ کوئی اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا شروع کر دے۔"

"کوئی اور بات"۔ صہبا صبر آزما لہجہ میں بولی۔

"ہاں ابھی اور بھی کئی اہم باتیں باقی ہیں"۔

"سنیئے"۔ صہبا نے ہارلے کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔"آپ جانتے ہیں۔ عنبر ہمارے ساتھ کافی عرصہ رہا ہے۔ ہمارے درمیان اس کی حیثیت ایک فرشتہ خصلت انسان کی تھی۔ ہم اس کے بارے میں کسی برائی کا وہم و گمان تک نہیں کر سکتے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک اتنا اونچا انسان اس درجہ نیچے کیسے ہو گیا۔ کیا آپ مجھے ان دونوں کو قید خانہ میں دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں"۔

"اس کا مطلب ہے"۔ ہارلے سنجیدہ ہو گیا۔"کہ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اس ثبوت کے باوجود کہ آج جراجہ کی باگ ڈور اپنی کی بجائے میرے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو میری باتوں کا یقین نہیں آیا"۔

"یہ بات"۔ صہبا جھوٹ بولنا چاہتی تھی۔ مگر اس کی راست گوئی آڑے آ گئی — "جی ہاں۔ کیونکہ میرے لئے یہ بات ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ آج دنیا میں کوئی متنفس باقی نہیں رہا"۔ صہبا کی توقع کے خلاف ہارلے نے اس کی باتوں کا برا نہیں مانا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ آپ انہیں قید خانہ میں یکجا پا کر بھی۔ اس حقیقت کو نظر کا دھوکہ قرار دے سکتی ہیں۔ مجھے عنبر کی تقدیر پر رشک آ رہا ہے کہ اسے آپ جیسی لڑکی کا اتنا اعتماد حاصل ہے۔ کاش وہ قدر کر سکتا"۔

"میں نگاہ کے دھوکے کی قائل نہیں ہوں۔ اور نہ کسی پر اندھا اعتماد کر سکتی ہوں۔ عنبر کا تضادِ کردار میرے لئے موجبِ حیرت ثابت ہوا ہے۔ محض موجبِ حیرت!"

"اچھا! اگر تمہیں اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ سچ ہے۔ تو ___؟"
ہارلے نے صہبا کو شرطیہ داؤ پر لانے کی کوشش کی۔

"تو میری یہ حیرانی دور ہو جائے گی۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ صرف "دوریٔ حیرت" کے لئے اتنی زحمت گوارا نہیں کیجا سکتی تو؟"

"تو میں اپنی استدعا کو واپس لے لوں گی۔"

"صہبا!" ہارلے جھنجھوڑنے والے انداز میں چلایا۔ "تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہی ہو تمہیں صرف حیرت ہی نہیں۔ روحانی دُکھ بھی ہے۔ بالکل اسی طرح۔ اور اتنا ہی شدید۔ جتنا کہ مجھے۔ شاید تمہیں معلوم نہ ہو کہ اینی کسی زمانہ میں مجھ سے منسوب رہی ہے۔ اور میں مدّت مدید تک اسے دیوانہ وار چاہتا رہا ہوں۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش۔ اینی کے ساتھ شادی کرنا تھی۔ اور شادی ہو کر رہتی۔ اگر یہ منحوس عنبر تمہارے قافلہ کے ساتھ جراجر میں نہ آمرا ہوتا۔ اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں عنبر و اینی کا کب سے تعاقب کر رہا ہوں۔"

"جی!" صہبا آنے والے خطرے سے نپٹنے کے لئے سنبھل کر بیٹھ گئی۔ "معلوم ہو گیا۔ لیکن آپ کا اصلی رقیب عنبر نہیں۔ گلبرٹ تھا۔ آپ عنبر پر بہتان لگا رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ گلبرٹ کا خاتمہ کر کے آپ کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ مگر ___ مگر میں اینی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ مرد کے اعلیٰ جوہروں کی خریدار ہو سکتی ہے۔"

ہارلے کو یہ معلوم نہ تھا کہ صہبا جملہ حالات سے اس حد تک باخبر ہے۔ صہبا نے جس مرحلہ پر بات ختم کی تھی۔ اس کی رو سے ہارلے گویا اعلیٰ مردانہ جوہروں سے محروم تھا۔

"میں ابتدا سے اس بات کے لئے کوشاں ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی بدمزگی نہ پیدا ہو۔" ہارلے نے افسوسناک سنجیدگی سے کہا۔ "مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ میرے اس جذبہ کی قدر نہیں کر رہی ہیں میں نہیں چاہتا کہ ایک "فیصلہ" جو بہرحال تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ صلح و آشتی۔ اور امن و محبت کی

بچائے۔ طاقت ونفرت کی راہ اختیار کرے۔ میرے مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

ہارلے ننگا ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خونخوار بھیڑیے کی سی وحشت و بربریت جھانکنے لگی۔ صہبا منطقی گورکھ دھندوں میں اُلجھنے کے باوجود۔ ہارلے کی ہوسناکیوں سے خوفزدہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس راگ کی تان کہاں ٹوٹے گی۔ لہٰذا اس نے شروع ہی سے مدافعانہ رویّہ اختیار کیا ہوا تھا۔ اب ہارلے جس روپ میں ظاہر ہو رہا تھا۔ وہ صہبا کے لئے بڑا مخدوش تھا۔

تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد صہبا نے طے کیا کہ اس طرح گفتگو کو طوالت دینا تضیع اوقات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ پہلے یقینی طور پر یہ معلوم کیا جائے کہ میرے لئے ہارلے کے پاس اب اور کیا کچھ باقی ہے۔ اس فیصلہ کے ساتھ ہی اس کا رویّہ خاصہ پُرسکون ہو گیا۔ اور وہ ہارلے کو یوں دیکھنے لگی۔ گویا اسے پوری معقولیت کے ساتھ سننے کی خواہشمند ہو۔ صہبا کے اس موڈ کا ہارلے پر بڑا اچھا اثر پڑا۔ اس نے خیال کیا کہ شکار اپنی بے بسی سے مجبور ہو کر اس کے بچھائے ہوئے جال کی طرف بڑھنے پر مجبور ہو گیا ہے

"تمہاری معلومات خام ہیں۔ میں گلبرٹ کے قتل پر یقیناً عنبر کا شکر گزار ہوتا۔ بشرطیکہ حالات میرے حق میں ہوتے۔ عنبر نے یہ قتل اپنے مفاد کے لئے کئے تھے۔ اور جیسا کہ آج ظاہر ہے۔ اس کا فائدہ اس کی ذات کو پہنچا ہے۔ اس نے گلبرٹ اور اینی کے باپ کو محض اس لئے قتل کیا تھا کہ ان کی موجودگی میں وہ اینی کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اور تمہارے والد کو اس لئے قتل کیا تھا کہ وہ سرکاری طور پر اسی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اپنے اس بیان کی حمایت میں میرے پاس کافی ثبوت موجود ہیں۔ تم خواہ اقرار کرو۔ یا نہ کرو۔ مگر میں جانتا ہوں کہ عنبر نے تمہیں دھوکہ دیا۔ اور وہ اپنی بدنفسی کی وجہ سے۔ تمہاری ان توقعات پر پورا نہیں اُتر سکا۔ جو تم اس کے دم سے وابستہ کئے بیٹھی تھیں۔ اور بالکل یہی صورت میرے اور اینی کے درمیان کارفرما ہے۔ وہ نہ صرف میری توقعات پر پوری نہ اُتر سکی۔ بلکہ اس نے شاہی خاندان کی عزّت و آبرو کو ایک ایسے بدقماش دشمن کے ہاتھوں داغدار کرایا

جو کسی بھی حیثیت سے اس کا مستحق نہ تھا۔ لیکن میں خداوندِ عالم کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنی کے نعم البدل سے سرفراز فرمایا۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایک مفلس و قلاش اور بدقماش انسان کے بدلہ میں۔ تاجدارِ کلبریہ کو حاصل کر کے۔ تم بھی خدا کا شکر بجا نہ لاؤ۔ اس موضوع پر سوچتے ہوئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا۔ کہ اگر معاملہ خلوص و انسانیت کی بنیاد پر حل نہ ہو سکا تو پھر اس میں کئی مسموم حقیقتیں بھی شامل ہو جائیں گی۔ اور یہ تمہاری ذات کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوں گی۔ جنگی بحران۔ اور اینی و عنبر کا اختلاط۔ اس سلسلہ میں کسی بھی چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تمہاری ہاں یا نہ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

سرد غوس اور گلبرٹ کے قتل کے بارے میں ہارلے نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ کسی حد تک صہبا کو قرینِ قیاس معلوم ہوا۔ اور ابھی وہ اس مسئلہ پر پوری طرح غور بھی نہ کرنے پائی تھی کہ ہارلے بالکل ہی برہنہ ہو گیا۔ اور صہبا کا جسم نازک ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے سے تر ہونے لگا۔ خوف و ہراس سے اس کے جسم میں کپکپی سی پیدا ہو گئی۔ اسے یوں معلوم ہوا گویا ہارلے کے ساتھ وہ خود بھی برہنہ ہو گئی ہے۔ غصے اور شرم و حیا کے دباؤ نے اس کے حسین مکھڑے کو دہکتے ہوئے انگارے میں بدل دیا۔ اس نے کمرے کے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ گویا معلوم کرنا چاہتی ہو کہ اس متعفن قربان گاہ پر کسی طرف سے انسانیت کی بو باس بھی آ سکتی ہے۔ لیکن یہاں چند نیم برہنہ خادماؤں کے سوا۔ جن کی چشم پوشیاں حرام کاری کی معاونت پر دلالت کر رہی تھیں۔ اسے کوئی ایسا نظر نہ آیا۔ جو ایک مجبور و بیکس عورت کی دست گیری کر سکتا۔ اس کے پاس ہارلے کے مطالبہ کا فوری جواب موجود تھا۔ لیکن وہ اس جواب کے نتائج سے آشنا تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس موقعہ پر اس کی "نہیں" کن آفات و مصائب کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ جواب کے تصور ہی سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک بت بنی بیٹھی رہی۔ شراب کے ہلکے ہلکے رچاؤ نے ہارلے کو دوسری طلب کے لئے سر تا پا اضطراب بنا دیا تھا۔

"میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں صہبا! میرے پاس اب صرف دو راہیں ہیں۔ اور اس کے

بعد ___ اس کے بعد کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ جنگ کی آندھی ہمیں کب تک سکون کا سانس نہ لینے دے۔" اس لئے ٹکڑ زیادہ دہائی کرائی ___ لیکن صہبا۔ وہ بدستور ساکت وجامد بیٹھی رہی شکست خوردہ اعصاب نے اس کی کمرِ ہمت کو توڑ دیا۔ عورت کی ازلی کمزوریاں اس کے ہوش وحواس پر غالب آگئیں۔ اور عورت کا وہ آخری سرمایہ۔ جو ظالموں سے ہمیشہ رحم وکرم کی بھیک مانگتا رہا ہے۔ آنکھوں سے پھوٹ پڑا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہارلے پر یہ واضح ہوگیا کہ وہ عنبر کی بدچلنی پر اس سے نفرت تو کر سکتی ہے۔ مگر اس سے انتقام لینے کے لئے خود کو کسی اور کی آغوش میں نہیں ڈال سکتی ___

"میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتا۔" ہارلے نے جھنجھوڑا۔" اور ___ اور تمہارے یہ آنسو میرے سینے کی اس آگ کو ٹھنڈا نہیں کرسکتے۔ جو مجھے خاکستر کئے دے رہی ہے۔ میں نے تمہیں اپنی محبوب ترین ہستی کے عوض پایا ہے۔ میں تمہیں گنوا نہیں سکتا۔ کسی قیمت پر نہیں۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ ایک پُروقار خاتون کی طرح میرے کاشانۂ محبت میں قدم رکھو۔ یا ___

بقیہ مفہوم ہارلے نے اپنے خطرناک تیوروں سے ادا کردیا۔ اور پھر اس کی سوالیہ نظریں صہبا کے چہرے پر یوں جم گئیں۔ گویا اب وہ اس کی خاموشی کو برداشت نہیں کرسکے گا۔ ان خونخوار نگاہوں سے صہبا پر لرزہ سا طاری ہوگیا۔ حسن ولطافت کا نورانی مجسمہ۔ غم واندوہ کی بھیانک تصویر بن کر بھی اپنی کشش ودلآویزی سے دست کش نہ ہوسکا۔ بلکہ اس کی یہ مظلومانہ کیفیت جو کسی اور کے لئے قابلِ رحم ہوسکتی تھی۔ ہارلے کے لئے اور بھی موجبِ اشتعال ثابت ہوئی۔ شاید اس لئے۔ کہ اسے عموماً ایسی لڑکیوں سے سابقہ پڑتا تھا جن کے دل ودماغ پہلے ہی سے "خودسپردگی" کو قبول کئے ہوتے تھے۔ اور آمادۂ گناہ جوانیوں کے کثرتِ اتصال نے ہم آہنگیٔ جذبات میں کوئی کشش باقی نہ چھوڑی تھی۔ صہبا کا یہ فراری رویّہ۔ دستورِ کہنہ میں ایک نئی تبدیلی تھا۔ تبدیلی ___ جو انسان کو بیحد عزیز ہے۔

"یہ پہلا موقعہ ہے۔ جب کہ میں کسی کو اتنی طرح دے رہا ہوں۔" ہارلے کا پیمانہ صبر چھلک پڑا۔ "اگر تم نے اس سے فوری طور پر فائدہ نہ اٹھایا تو اگلے لمحے اس التفات سے بھی محروم کر دی جاؤ گی۔"

"مہربانی فرما کر۔" بالآخر صہبا کو بولنا پڑا۔ "مجھے قید خانہ میں بھجوا دیجئے۔ میں آپ کی ان نوازشات سے فیضیاب نہیں ہو سکوں گی۔"

"اس طرف دیکھو۔" ہارلے نے تازہ بتازہ پھولوں سے مرصع و معطر مسہری کی طرف اشارہ کیا اور جب صہبا کی نگاہ مسہری کو دیکھ کر فرطِ حیا سے زمین میں گڑ گئی۔ تو ہارلے دھمکی آمیز لہجہ میں بولا۔ "پھولوں کی اس سیج کو اپنے لئے شکنجہ نہ بنواؤ۔ ہارلے کی تمنائیں۔ کسی رکاوٹ کو قبول نہیں کریں گی۔"

"میں دنیا کے تمام رشتوں کو رو چکی۔" صہبا نے رقّت انگیز جذباتی زبان میں کہا۔ "میں مسلمان ہوں۔ میرے لئے زندگی کی سلامتی سے۔ ایمان کی سلامتی ضروری ہے۔ اگر ایک کمزور عورت اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی۔ تو اپنے آپ کو ہلاک ضرور کر سکتی ہے۔ میں نے موت کو قبول کر لیا ہے۔ اور آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ صہبا کے ارادے کس قدر مضبوط ہوتے ہیں۔ میں ہنستی ہوئی زندگی سے گزر سکتی ہوں۔ مگر چلتے سانس کے ساتھ گناہ سے نہیں گزر سکتی۔"

"لیکن یہ فراست نہیں۔ نادانی ہے۔ زندگی بار بار نہیں ملتی۔" ہارلے نے عزم و ثبات کی چٹان کو دلائل سے نرم کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی کی زبانی صہبا کے تقدس اور مضبوطیٔ کردار کے بارے میں بہت کچھ سُن چکا تھا۔ اور اس سماعت کے نتیجے۔ صہبا کے اچھوتے بدن کی حلاوتیں اس کی ہوسناکیوں کو اور بھی بھڑکائے ہوئے تھیں۔ صہبا کی طرف سے زندگی کی طلب کا ذرا سا اشارہ اگر ہارلے کو مل جاتا۔ تو اس وقت کچھ اور ہی حالات درپیش ہوتے۔ وہ اس گراں قدر کھلونے سے ایک ہی بار کھیل کر اس سے دست بردار ہونے پر تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسے

اس وقت ٹنک اپنے زرغۂ ہوس میں مقید رکھنے کا متمنی تھا جب تک کہ اسے اس سے بہتر حاصل نہ ہو جائے۔ اور یہ صورت صہبا کی رضا و رغبت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ ہارلے کے شیطانی ارادے تھوڑی دیر کے لئے سرد پڑ گئے۔ اور اس نے ضروری سمجھا کہ جور و ستم سے پہلے معقولیت کے تمام ہتھیاروں کو آزما لیا جائے۔

"تمام بڑے بڑے مفکر زندگی کو پکڑنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ محظوظ ہونے کا نعرہ لگاتے رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ تمہارا حاصلِ زندگی لطافتوں سے فرار محض اس لئے ہے۔ کہ تم تا حال اس سے محروم رہی ہو۔ اگر تم عورت، مرد کے بنیادی رشتہ سے آگاہ۔ اور ازدواجی کیف و کم سے لذت آشنا ہوتیں۔ تو اس وقت۔ بھرپور جوانی کے عالم میں۔ تمہاری زبان سے یہ کلمات ہرگز نہ نکلتے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں صہبا۔ اور مجھے کامل یقین ہے۔ کہ جب ایک بار تم نے ان مسرور و مسحور لمحات کا ذائقہ چکھ لیا۔ تو تمہارا موجودہ رویّہ۔ تمہیں دیوانے کے خواب سے زیادہ مضحکہ خیز معلوم ہوگا۔ یہ مدھ بھری جوانی۔ یہ ساحرانہ شباب۔ یہ بلوریں جسم۔ تم ان سب کے ساتھ سخت ناانصافی کر رہی ہو۔ میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا — اچھا آؤ۔ ہم ایک معاہدہ کریں — میرے کہنے سے — تم ایک بار — اور صرف ایک بار — زندگی کے ان لطیف حقایق سے دوچار ہونے کے لئے رضامند ہو جاؤ — اور اس کے بعد — اگر یہ حقائق تمہارے لئے واقعی طور پر لائق حصول ثابت نہ ہوں۔ تو پھر تمہیں اختیار ہوگا کہ تم اپنے لئے جو بھی راستہ مناسب سمجھو۔ اختیار کر لو۔ بولو کیا خیال ہے؟"

ہارلے کی ان باتوں نے جرأت پذیر صہبا کو ایک بار پھر شرم و ندامت سے پانی پانی کر دیا اس قدر۔ کہ اس کے لئے منہ اٹھا کر بات کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس کے مقدس عزائم اپنی جگہ قائم تھے اور ان کی روشنی میں اس کا خائف ہونا۔ ایک بے معنی سی بات تھی۔ مگر اس کی ذات سے جو شرمناک تصوّرات وابستہ کئے جا رہے تھے۔ وہ ایک دوشیزہ کے لئے۔ ایک ایسی دوشیزہ کے لئے

جس کی پرورش ٹھیٹ اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ جو شروع سے نیکیوں کی امین رہی تھی۔ جس کی ساری زندگی باطل کے خلاف جہاد کرتے گزری تھی۔ جس کی ذات مشرقی شرم وحیا کا گہوارہ تھی۔ اپنے پاک جسم کو گناہ آلود تیروں سے چھدتا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن مشرقی شرم وحیا کے شدید دباؤ نے اس کی زبان و اعصاب کو بے قابو کر دیا۔

بے وقوف ہارلے نے صہبا کی اس ندامت و خاموشی کا کچھ اور ہی مطلب لیا۔ اس نے سمجھا کہ صہبا اس کے مشورے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے لگی ہے۔ اور شرم وحیا کی یہ سرخیاں مشورے کے قابلِ قبول ہونے کی علامت ہیں۔ چنانچہ اپنی راہ پر لانے کے لئے اس نے مزید سہارا دیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تمہارا اعلیٰ شعور تمہیں صحیح مقام پر لا کر رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اب تک زور کی بجائے معقولیت کا حامی رہا۔ اب مزید وقت ضائع کرنا بیسود ہے —— شیلی! جشنِ طرب آراستہ کرو۔ اپنی ملکہ —— !

"ہارلے!" صہبا بپھر پڑی۔ "تم میری زندگی میں میری عزتِ نفس کو پامال نہیں کر سکتے ہیں تمہاری ملکہ بننے کی نسبت جہنم کا ایندھن بننا زیادہ پسند کروں گی۔ میں کہہ چکی ہوں۔ مجھے قیدخانہ میں بھجوادو۔ میں تمہاری کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اور اگر تم نے زور یا زبردستی سے کام لیا۔ تو صہبا کی بجائے تمہیں اس کی لاش ملے گی۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"اگر تمہارا یہ اٹل فیصلہ ہے۔" ہارلے نے ترش رو ہو کر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "تو یاد رکھو۔ میں تمہیں بزور زندہ رکھوں گا۔ اور تمہارے ساتھ وہ سب کچھ روا رکھا جائے گا۔ جو میں چاہوں گا۔ میں تم سے اپنی کا انتقام لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ بالکل ناممکن۔"

"یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ انسان بھی کسی کو مارنے اور جلانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی یہ منطق بھی بہت خوب ہے کہ عنبر کا انتقام —— ایک

مجبور و بیکس عورت سے لینا چاہتے ہیں۔ ایسا کہتے ہوئے آپ کو شرم آنا چاہیئے۔"

"خاموش!" ہارلے کی وحشت جاگ اٹھی۔" اب تمہیں بولنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ میکا ــــــ" سکڑی سمٹی کنیزوں میں سے ایک۔ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر ہارلے کے حضور میں جھک گئی۔

" اس سے پیشتر کہ تم ذلّت و خواری کے ساتھ مسہری کے شکنجہ پر بے بس کر دی جاؤ۔ تمہیں ایک موقعہ اور دیا جاتا ہے۔ تم صرف ہاں یا نا کہو گی۔ تیسری کوئی بات نہیں۔"

جواب میں صہبا کا ہاتھ بجلی کی طرح ہارلے کے پہلو میں لگے ہوئے خنجر کی طرف اٹھ گیا ــــ اور اس سے پہلے کہ وہ خنجر کھینچ کر پیچھے لوٹے ــــ درمیان ہی میں پکڑ لیا گیا ــــ اور اس قدر مضبوطی سے کہ صہبا شدّتِ درد سے بُری طرح کراہنے لگی۔ ہارلے نے صہبا کی نازک کلائی کو بیدردی کے ساتھ مروڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ صہبا کی پشت ہارلے کے سامنے آگئی۔ وہ شدّتِ تکلیف سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔

" حضور والا!" میکا نے رحم طلب لہجہ میں درخواست کی۔" ہم جانتے ہیں یہ نادان خاتون غلطی پر ہیں۔ اور خواہ مخواہ ہڈیاں تڑوانے کے درپے ہو رہی ہیں۔ ایک موقعہ ہمیں بھی عنایت فرمائیے۔ ممکن ہے یہ ہماری بات مان جائیں۔ بحیثیت عورت۔ ہم انہیں زیادہ واضح الفاظ میں سمجھا سکتے ہیں۔"

ہارلے نے ایک نفرت انگیز جھٹکے کے ساتھ صہبا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

" مجھے اس کی جوانی پر ترس آتا ہے۔" ہارلے نے ہمدردی کا پہلو اب بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ "سمجھاؤ! مگر اس کے لئے تمہیں اس کی زندگی کی ضمانت دینا ہو گی۔"

ہم اس دوران میں اس کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی رکھیں گے۔ ان کی اس جراٴت سے ہمیں پوری طرح خبردار کر دیا ہے۔"

" ہم زیادہ دیر بھی نہیں لیں گے۔"

میکا صہبا کا ہاتھ پکڑ کر مسہری کے عقب میں لے گئی۔ ہارلے ان کی طرف سے پیٹھ موڑ کر نا و نوش میں مصروف ہوگیا۔ اس کے اور صہبا کے درمیان اب پندرہ بیس گز کا فاصلہ حائل تھا۔ مسہری کے عقب میں یہاں کی تمام کنیزیں صہبا کے ارد گرد بکھر گئیں۔

"مہربانی کر کے تم لوگ تھوڑی دیر کے لئے ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔" میکا نے درخواست کی — اور جب یہ تمام ادھر ادھر ہوگئیں تو میکا نے بڑے رازدارانہ۔ اور محتاط مدھم لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ میں ہر حال میں تمہاری بھلائی کے لئے پابند کی گئی ہوں۔ تم مجھے اپنے ہمدردوں میں سے ایک خیال کر سکتی ہو۔ افسوس! وقت نے ہمارے ساتھ وفا نہ کی۔ ورنہ ایسا ہرگز نہ ہو سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک عصمت شعار بیٹی کو۔ برائی کی ترغیب دے رہی ہوں۔ خدا شاہد ہے کہ مجھے تمہاری عصمت اتنی ہی عزیز ہے۔ جتنی کہ اپنی بہن یا بیٹی کی ہو سکتی ہے۔ میں اس حد تک تمہارے ساتھ ہوں کہ تم عزت و آبرو کے ساتھ خدا کو پیاری ہو جاؤ۔ مگر مجھے علم ہے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ہم اس نابکار کی ہٹیلی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کے دماغ میں جو سما جاتی ہے وہ اسے پورا کر کے چھوڑتا ہے۔ ہماری ان آنکھوں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ اس بدذات آدمی نے کئی نابالغ لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں تم سے صرف چند باتیں کہوں گی۔ بالفرض۔ جیسا کہ یہ شیطان کہہ رہا ہے۔ اور جیسا کہ واقعی یہ کر گزرے گا۔ اگر تمہیں اس مسہری سے اس طرح جکڑ دیا گیا کہ تم اف تک نہ کر سکو۔ اور پھر تمہارے جامۂ دوشیزگی کی دھجیاں اڑائی جانے لگیں۔ تو تم اس بربریت کا کیونکر مقابلہ کر سکو گی۔ ممکن ہے تم اس کا کوئی الٹا سیدھا جواب دے سکو۔ لیکن جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی بار دیکھنے میں آیا ہے۔ تم مذبوحہ بکری کی طرح تڑپنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکو گی — تم مرنا چاہتی ہو۔ اس لئے ۔ کہ چند غلیظ لمحوں سے محفوظ رہو۔ لیکن صورت یہ ہے کہ تم مر بھی نہیں سکتیں۔ ان غلیظ لمحوں سے گزرے بغیر۔ اور جب حالات ایسے ہوں۔ تو تمہیں کسی اندھے فیصلہ کا پابند ہونے کی بجائے۔ ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہیئے جو تمہارے لئے کم سے کم تکلیف دہ ہو۔ میری یہ تجویز مستقبل کے

لئے نہیں ہے۔ مستقبل کے لئے تو میں دعاگو ہوں کہ آج جس طرح یہ تمہارے لہو سے اپنی ہوس کو
سرخرو کرنا چاہتا ہے۔ کسی روز تم اسے زمین میں آدھا گڑوا کر متوقع تیروں کا نشانہ بناؤ۔ مگر وقتی
طور پر تو مصلحتِ وقت کا یہ تقاضہ تمہیں پورا کرنا ہی پڑے گا۔ اور ہاں —— ! جیسے میکا کو کوئی
اشد ضروری بات یاد آ گئی ہو —— تمہارا اس وقت کا رویّہ۔ بڑے دور رس نتائج کا ذمہ دار ہے
مختصر الفاظ میں یوں سمجھو کہ ایک طاقتور بدمعاش تم سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تمہارے
لئے صرف دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ تم یہ جانتے ہوئے بھی۔ کہ وہ مطلوبہ شے کو بزور چھین سکتا ہے۔
تم انکار کر دو۔ لڑو۔ جھگڑو۔ نقصان اٹھاؤ۔ اور نہ صرف اس شے سے محروم ہو جاؤ۔ بلکہ مستقل دشمنی
بھی مول لے لو —— دوسری صورت یہ ہے کہ۔ تم اس ظلم کے باوجود۔ مسکراتے ہوئے اس شے کو
بدمعاش کے حوالے کر کے۔ اسے اپنا احسان مند بنا لو۔ اور پھر انتقام کے لئے کسی مناسب وقت
کا انتظار کرو —— اب میں صرف یہ جاننا چاہوں گی۔ کہ ایک عقلمند آدمی ان دونوں صورتوں میں
سے کس کو پسند کرے گا۔"

"اسلامی تعلیم ان ریاکاریوں کی اجازت نہیں دیتی۔" صہبا اپنے مورچے پر جمی رہی۔ "ہمارے
مذہب میں نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اگر میری نیت نیک ہے۔ اگر میں واقعی طور پر بدی
سے گریزاں ہوں۔ تو وہ تمام برائیاں۔ جو میری نیت کے خلاف ظہور میں آئیں گی۔ میرے نامۂ اعمال
سے انہیں کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے
کہ میں بے قصور ہوں۔ اس وقت ہارلے مجھے برہنہ کر سکتا ہے۔ میری عصمت کے خون سے اپنی
تمناؤں کو نہال کر سکتا ہے۔ میری لاچاریوں سے اپنی قوت و جبروت کو تسلیم کرا سکتا ہے۔ مگر ایک
دن ایسا بھی آئے گا جب کہ ظالم و مظلوم اپنے اصلی روپ میں پہچانے جائیں گے۔ دہکتا ہوا جہنم
اسے خوش آمدید کہے گا۔ اور فرشتوں کے گرز اس کا بھاؤ معلوم کریں گے۔ میں نادان ہوں۔ دیوانی
ہوں۔ کہ اس حباب آسا زندگی میں چند گناہوں کے عوض اپنی آخرت کو غارت کر لوں۔ اور ہارلے

عاقل و دانا ہے۔ جو اپنی حیاتِ دوام کو نفسِ امارہ کی طلب پر قربان کر ڈالنے کو تیار رہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح تمہارے جی میں جی ڈال دوں۔" میکا زچ سی ہو گئی۔

"آپ کی ہمدردی و مشورہ دہی کا شکریہ۔" صہبا نے گویا مزید گفتگو کو بیسود قرار دیا۔ "انسان تقدیر یں نہیں بدل سکتا۔ میں اپنے لکھے پر شاکر ہوں۔ میں ظلم کے سامنے سرنگوں نہیں ہوں گی۔"

"مان جاؤ خاتون ـــ مان جاؤ ـــ میری آنکھیں اس شرمناک منظر کے تصوّر سے کانپ رہی ہیں۔ جو تمہاری اس ہٹ کے نتیجہ میں رونما ہونے والا ہے۔ میں تمہارے بھلے کو سمجھا رہی ہوں۔ اس لئے کہ ایک عورت ہوں۔ اور ایک عورت کے درد کو مرد سے بہتر طریق پر محسوس کر سکتی ہوں۔"

"کتنی عجیب بات ہے۔ کہ تم اس موذی کو سمجھانے کی بجائے۔ اس کی بجائے کہ ایک ظالم کو جور و استبداد سے باز رکھنے کی کوشش کرو۔ اسے خدا کا خوف دلاؤ۔ اُلٹا مظلوم کو آمادۂ گناہ کرنے کی سعی کر رہی ہو۔"

"میں یقیناً ایسا ہی کرتی۔ اگر یہ نہ جانتی کہ اسے سمجھانا۔ شیطان کو نیکی کا سبق دینا ہے۔ اس شیطان کو جس نے خدا کے حضور سرکشی کی تھی۔ خدا کی نہ ماننے والا انسان کی کیونکر مان سکتا ہے۔"

"تو پھر پیاری بہن! نیکی بھی اتنی حقیر نہیں ہے کہ بدی کا ثبات اسے اپنی ٹھوکروں میں لے لے۔ مجھے میری بدقسمتی کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ میرے ذہن و فکر نے موت کو قبول کر لیا ہے۔ اس سے زیادہ ایک زندگی کے ساتھ ہو بھی کیا سکتا ہے۔"

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔" ہارلے نے انتظار سے اُکتا کر میکا کو مخاطب کیا ـــ اور میکا کی خاموشی نے اس پر واضح کر دیا کہ حالات اس کے حق میں سازگار نہیں ہو سکے۔ وہ چوٹ کھائے کتّے کی طرح چلایا۔

"اچھا۔ اب میں اس خرافات میں اپنا ایک بھی قیمتی لمحہ برباد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں ـــ شیلی! اسے برہنہ کر کے پلنگ پر کس ڈالو۔ اب میں اور کچھ نہیں سنوں گا۔ کچھ بھی نہیں ـــ شیلی!!ـــ

اور اس آواز کے ساتھ ہی شیلی اور اس کی دیگر ساتھیوں کا تیزی سے حرکت میں آنا۔ یوں معلوم ہوا گویا وقت نے شیطان کی حکمرانی کو تسلیم کر لیا ہو۔ اور وہ اپنے شکار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دم دوڑ پڑے ہوں۔ ان تربیت یافتہ قزاق کنیزوں نے صہبا کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور اسے بیدردی کے ساتھ گھسیٹتی ہوئی پلنگ کی طرف لے جانے لگیں۔ ہارلے اس ماحول میں۔ جو ایک مظلوم و مقہور دوشیزہ کی آہ و فریاد سے متزلزل تھا۔ کمال صبر و سکون کے ساتھ پھر جام و سبو میں محو ہو گیا۔ میکا۔ جو طبعاً نرم دل واقع ہوئی تھی۔ اس ننگ انسانیت منظر سے ہٹ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ماہی بے آب کی مانند تڑپتی ہوئی صہبا پلنگ تک پہنچتے پہنچتے کئی بار کنیزوں کی مضبوط گرفت سے آزاد ہوئی۔ کئی بار اس کے ہاتھ اپنے گلے تک پہنچے۔ کئی بار اس نے اپنے سر کو سنگین گلدانوں سے ٹکرایا۔ مگر ہر بار اپنی کوشش کی تکمیل سے پہلے ہی قابو کر لی گئی۔

"چھوڑ دو مجھے —— چھوڑ دو ظالمو! میں باعزت مرنا چاہتی ہوں۔ مجھے گناہ کے جہنم میں نہ دھکیلو۔ ڈرو اس خدا سے جو تمہاری ان بے رحمیوں کا حساب لینے والا ہے۔ مجھے اس بھیڑیے کے غار میں نہ دھکیلو۔ خدا کے لئے رحم کرو۔ میں مر جانا چاہتی ہوں۔ چند لمحوں کے لئے چھوڑ دو —— چھوڑ دو —— میرے معبود! تو دیکھ رہا ہے —— تو دیکھ رہا ہے اس ظلم و بربریت کو۔ کیوں نہیں اس چھت کو ان کے سروں پر گرا دیتا —— کیوں نہیں ان شیاطین ——"

"پہلے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر پٹی کس دو۔" ہارلے کی گرجدار آواز ہنگامی سطح پر کوند گئی۔ "اب اگر اس کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تو تمہارے جسموں کو دُرّوں سے سُرخ کر دیا جائے گا۔"

ہارلے کا نشہ رنگ لانے لگا تھا۔ شراب و شباب کی خوشگوار آمیزش کا تصوّر اس کے اعصاب پر سنسناہٹ طاری کئے ہوئے تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اسے وہ وقت۔ بہت ہی مختصر معلوم ہو رہا تھا۔ جو صہبا ایسے شاہکار شباب کے زیر سایہ بسر ہونا تھا۔ اب اسے جلدی تھی۔ بہت جلدی۔ چنانچہ یہ جاننے کے لئے کہ اس کے اور اس کے ارمانوں کی تکمیل کے درمیان کتنا

فاصلہ باقی ہے۔ اس نے پلنگ کی طرف نگاہ کی۔ کنیزوں نے صہبا کو پلنگ پر پچھاڑ رکھا تھا۔ اور تڑپتے ہوئے جسم کو قابو پانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ صہبا کے جسم نازک میں معلوم نہیں اس وقت اتنی طاقت و توانائی کہاں سے آگئی تھی کہ وہ چھ تنومند کنیزوں کی جکڑ بند سے بار بار آزاد ہو جاتی اور ذرا سا موقعہ ملتے ہی اپنا سر بُری طرح پٹکنے لگتی۔

"میرے پاک جسم پر گناہ کے آرے چلوانے والیو! اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت کا خیال کرو۔ کیا تم انہیں بھی۔ اس طرح ذبح کر کے۔ بھیڑیوں کے سامنے ڈال سکتی ہو۔ قدرت تم سے انتقام لے گی۔ قدرت تمہاری ان بداعمالیوں کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ تمہاری بچیوں کو بھی یہی دن دیکھنے پڑیں گے۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ صرف چند لمحوں کے لئے چھوڑ دو۔ اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ چھوڑ دو بے رحمو! یا پھر اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ ڈالو۔"

فریاد کناں صہبا۔ اپنی طاقت کی آخری تڑنگوں کے باوجود۔ بیدرد کنیزوں کے ہاتھوں۔ زباں بندی کا شکار ہو گئی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا۔ اور اوپر سے ایک مضبوط پٹی باندھ کر اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا گیا کہ کہیں مظلوم کی دلدوز چیخیں کسی دل میں انسانیت کی روشنی نہ پیدا کر دیں۔ اس مرحلہ پر صہبا کی زبان۔ اس کے جسم کے مقبوضہ حصوں میں بُری طرح تڑپنے لگی۔ اس بُری طرح کہ اس پر دوبارہ قابض ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کنیزوں کے جسم پسینے سے نہا گئے۔

"بہت دیر کر دی تم نے۔" ہارلے کی آتشِ شوق بُری طرح بھڑک اٹھی۔ اگر تمہارے لئے جلد از جلد اسے شکنجہ میں کھینچنا ممکن نہیں ہے تو باہر سے دو مرد پہریداروں کو بھی بلا لو۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں حضور والا" میکا جو پہلے ہی مشتعل کھڑی تھی۔ ہارلے کے یہ الفاظ سن کر بے قابو ہو گئی۔ "آپ نے اسے اپنی بیوی بنانے کا خواب دیکھا ہے۔ کیا مردوں کے سامنے اس کی برہنگی آپ کے اس خواب کی تذلیل نہیں ہے۔"

"تم خاموش رہو۔" ہارلے جھنجھلا پڑا۔ تمہارا رویہ شروع سے مخاصمانہ رہا ہے۔ اگر تم درمیان

میں پڑ کر وقت خراب نہ کرتیں۔ تو اس وقت یہاں سوائے میرے اور صہبا کے اور کوئی نہ ہوتا۔"

میکا بھی آخر ایک عورت ہی تھی۔ پیٹ کی خاطر ہارلے کے ٹکڑوں پر پلنے والی۔ خون کا سا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہی۔

منہ پر قابو پانے کے بعد صہبا کے دونوں ہاتھوں کو مضبوط ریشمی ڈوریوں سے مسہری کے تکیوں سے باندھ دیا گیا۔ جیسے اسے مسہری پر مصلوب کیا جا رہا ہو۔ اوپر سے بے بس کرنے کے بعد چھوؤں کنیزیں صہبا کی مرمریں ٹانگوں پر گُتھ گئیں۔

"بس عالی جاہ!" ایک کنیز نے پیشانی سے پسینہ نچوڑتے ہوئے جواب دیا۔ اب مردوں کی مدد بےسود ہے۔ کام ختم ہوا چاہتا ہے۔ بس چند لمحے اور ———"

اور چند ساعتوں کے بعد۔ گناہ کی دلدل میں پھنسنے کی نسبت موت کو ترجیح دینے والا فرشتۂ غیرت مظلومی و بیچارگی پر ماتم کناں۔ انجانے گناہوں سے لرزاں و ترساں۔ شدید بند بندھنوں میں یوں کسمسا رہا تھا۔ جیسے اس کے گلے پر چھری پھر گئی ہو۔ اور اس کے اکڑتے ہوئے اعضا اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہے ہوں۔ کئی جسمانی بندشوں کے سبب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ اس کے لباس کو صحیح سالم اُتارا جا سکتا۔ لہٰذا ایک کنیز کے ہاتھوں لباس کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر دور جا پڑا۔ اور پاک دامن صہبا کا نامحرم شباب۔ اپنی اس بے آبروئی پر زرد پڑ گیا۔ پھر اس بے گور و کفن نعش کو ایک معطر حریری چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔

"ہم اپنا کام ختم کر چکے حضور والا۔" کنیز نے ہارلے کو خوشخبری سنائی۔

"بہت دیر کر دی۔ خیر!" ہارلے کی لڑکھڑائی ہوئی آواز نے واضح کر دیا کہ وہ اس وقفہ میں ایک معیاری شباب سے کھیلنے کے لئے۔ شراب کا معیاری نشہ حاصل کر چکا ہے۔

"اب تم سب جا سکتی ہو ——— یہاں کوئی نہ رہے ——— یہ صراحی ——— یہ پیمانہ ——— یہ پلیٹ ——— اور یہ پلیٹ بھی ——— وہاں لے جا کر رکھ دو۔" اس نے مسہری کے سرہانے رکھی ہوئی میز کی جانب

اشارہ کیا۔ ایک کنیز نے یہ تمام چیزیں میز پر رکھنے کے بعد اس خیال سے کہ شاید ہارلے کو بھی وہاں تک "رکھنے" کی ضرورت ہو۔ اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"اب تم جا سکتی ہو —— تم سب —— صرف گیری۔ رباب پر نغمۂ عیش سنائے گی۔ ہماری طرف سے پیٹھ موڑ کر وہاں ——" اس نے کمرے کے ایک نیم تاریک گوشہ کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔ "صرف گیری ——" ہارلے نے میز کا سہارا لے کر ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے مسہری کا رُخ کیا۔

صہبا جو اپنی مدافعت کے قصور میں چھ کنیزوں کی زور آزمائیوں سے نیم جان ہو چکی تھی۔ اور جس کے دل و دماغ اپنی عفت و آبرو پر معصیت کے ناآشنا دھماکوں کے پیش رو احساسات سے ہلکان ہو کر موت کا سا سکوت اختیار کر چکے تھے۔ اس وقت گردو پیش سے بالکل بے نیاز۔ کچھ اس طرح مسہری پر پڑی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی معصوم بچہ تھکن سے چور ہو کر گہری نیند سو رہا ہو —— ان گھڑیوں میں —— جو ہارلے کے خیال میں —— صہبا کے لئے قیامت خیز گھڑیاں تھیں۔ اور جن کے خلاف وہ ایک بار پھر مقدور بھر تڑپ کر احتجاج کرنے والی تھی۔ صہبا کو یوں بے حس و حرکت دیکھ کر۔ ایک بار ٹھٹکا۔ اور پھر ایک ہی ترنگ میں پلنگ تک پہنچ جانے کی کوشش میں جسمانی توازن کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اور اس طرح پلنگ پر گرا۔ کہ اگر صہبا ہوش میں ہوتی۔ تو اس بوجھ سے بلبلا اٹھتی۔

"معاف کرنا۔" ہارلے کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اور ابھی وہ سنبھلنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ گیری آپہنچی۔

"اوہ! اس نے کسیلا منہ بناتے ہوئے گیری کو ڈانٹا۔ "تم کو کس احمق نے یہاں آنے کو کہا تھا۔ واپس جاؤ۔ تم صرف نغمۂ عیش —— نغمۂ عیش —— جاؤ ——"

گیری "نیکی برباد گناہ لازم" کی تفسیر بنی اُلٹے پیروں اپنی جگہ آبیٹھی۔ اور حسب الحکم ان لوگوں کی جانب سے پیٹھ موڑ کر رباب کے تاروں کو درست اکرنے لگی۔

ہارلے سرہانے کی طرف سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اور صہبا کے کفن کو۔ جو چہرے کے علاوہ تمام جسم کو چھپائے

ہوئے تھا۔ ناف تک کھسکا کر۔ بجائے اپنے اس وہم کو دور کرنے کے کہ کہیں وہ مر تو نہیں گئی۔
بھونچکا ہو کر اس کے شفاف مرمریں جسم کو گھورنے لگا۔
"اُف!" اس کی شرابی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔ سینہ دھونکنی کی طرح پھولنے اور
پچکنے لگا۔ "کس بلا کی جوانی ہے!۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔" صہبا کے سینے کا خفیف سا تموج۔
ہارنے کو یوں معلوم ہوا۔ جیسے کوئی عزیز ترین کھوئی ہوئی شے پڑی مل گئی ہو۔۔۔ "زندہ ہے"۔
اس نے ایک چٹخارے دار پھریری سی لی۔ اور صراحی کو منہ سے لگا کر۔ ایک ہی سانس میں کئی
لمبے لمبے گھونٹ بھر گیا۔ اس کے بے قرار ہاتھ نے صہبا کے کفن کا کنارہ پکڑ کر اسے ہوا میں اُڑا دیا۔
اور صہبا کی برہنہ میت آنسو کی طرح جھلملانے لگی۔ نیکی و پارسائی کی اس بے آبروئی پر ماحول
دُہائی دینے لگا۔ رباب کے تاروں سے شیطانی قہقہے پھوٹ پڑے۔ سہمی ہوئی انسانیت کا
کلیجہ شق ہونے لگا۔ وقت نے شرم سے منہ چھپا لیا۔۔۔ بے ہوش جوانی کی بساط پر۔ گناہ کے
مُہرے حرکت میں آنے لگے۔ بے سدھ مسافر اپنا وہ سب کچھ لُٹا بیٹھا۔ جس کی سلامتی اسے
اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی۔ جسے نہ گنوانے کے لیے اس نے زندگی گنوا دینے کا عزم کیا تھا۔
وہ گوہرِ آبدار۔ جس میں فرشتوں کو اپنا عکس نظر آتا تھا۔ حق و صداقت کا وہ سرچشمہ۔ جو باطل کی
آتشیں فضاؤں میں روز افزوں اُبلتا رہا۔ حسن و شباب اور غیرت و حمیت کا وہ مرقع۔ جس کا ہر ہر
خط زہد و تقدس کے نور سے عبارت تھا۔ ابلیسِ لعین کی خوش وقتی و خوش قسمتی کی بھینٹ چڑھ کر۔
سرمستیٔ گناہ کی یادگار بن گیا۔ ایک ایسی خونچکاں یادگار۔ جسے ایک صاحبِ دل۔ ایک صحیح الضمیر
جب بھی دیکھے گا۔ اس کی بابت جب بھی سنے گا۔ تڑپ کر رہ جائے گا۔
روحِ قدس کی بیدردانہ پامالی کے بعد۔ ہارنے مسہری کے سرہانے آ بیٹھا۔ چکراتے ہوئے
سر کو پٹی کے سہارے ڈال کر اس نے صہبا کو یوں گھورنا شروع کیا۔ گویا وہ قرب و اتصال کی
انتہائی حدیں پار کر جانے کے باوجود۔ حسن و لطافت کے اس عظیم جسم سے بالکل اجنبی ہے۔۔۔ اور

یہ چہرہ۔ جو اس وقت اسے نظر آرہا ہے۔ اس بدن کا نہیں ہے۔ جو ابھی اس کا مشقِ ستم بنا تھا۔ اس نے نمایاں طور پر محسوس کیا کہ اس چہرہ کا باوقار کنوارپن۔ تقدس مآب جاہ وجلال۔ اور ناقابلِ تسخیر نسوانی افتخار۔ پہلے سے کچھ زیادہ دلکش و ناپاک ہے۔ وہ اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے صہبا کے سر کی طرف کھسکا۔ اور اس کے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اپنا گال اس کے تپتے ہوئے رخسار پر رکھ دیا۔ گویا اس معصوم چہرے کی اجنبیت اسے انتہائی شاق گزر رہی ہو۔ وہ اس چہرے کو اسی جسم کا ایک حصّہ دیکھنا چاہتا تھا۔ جس نے ابھی ابھی اس کی مکروہ تمناؤں سے شکست کھائی تھی۔ اس کا منہ۔ جس سے شراب کی بو کے بھبکے نکل رہے تھے۔ بے قراری کے ساتھ صہبا کے چہرے کو بھنبھوڑنے لگا۔ مرتعش ہاتھ بلوریں جسم کے ہیجانی نقوش پر پھسلنے لگا۔ اس کی نفسانی غلاظتوں میں ایک بار پھر کیڑے بدبدانے لگے۔ کیف وسرور کے وہ جرعے جن سے وہ ابھی ابھی سیراب ہوا تھا۔ خواب وخیال معلوم ہونے لگے ـــــ تشنگی ایک بار پھر بھڑکی۔ زندہ۔ اور مجروح نعش پر ایک بار پھر حرص وہوس کے بھیڑیے کی رال ٹپکنے لگی۔ لیکن اس بار انہیں اپنے شکار کا ریشم کے ڈھیر کی طرح پڑا رہنا گوارا نہ ہوا۔ اب یہ بھیڑیا اپنے شکار کو جاندار مدافعانہ کس بل کے ساتھ ہڑپ کرنا چاہتا تھا۔ یا پھر خوف وہراس اور سراسیمگی ہی سہی۔ کم از کم شکار۔ شکار تو معلوم ہو۔ ہارلے نے مطلب براری کے جدید تقاضے کی تکمیل کے متعلق معطل دماغ کو بروئے کار لانے کی کوشش کی۔

رباب نواز خاتون کا ہاتھ مضراب کی پیہم گردش سے شل ہو چکا تھا۔ اور اب رباب سے نغمۂ عیش کی بجائے نغمۂ شکست سنائی دے رہا تھا۔ تاروں کی نغمگی۔ مطربہ کے برافروختہ احساسات کی نمائندگی کرنے لگی تھی۔

ہارلے ـــــ جس کے عزائم ایک ولولہ انگیز زندگی کے لئے کہسار رہے تھے۔ اب اندرونی

تقویت کے علاوہ بیرونی سہاروں کا محتاج تھا۔ چنانچہ وہ ایک دم جھلاّ پڑا۔

" یہ نغمۂ عیش ہے ۔ یا تمہارے کسی عزیز کا ماتم! ان پُرمسرّت لمحات کو تلخ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ یاد رکھو۔ میں اس مذاق کے لئے تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا۔"

" میں تھک کر چُور ہو چکی ہوں محترم آقا۔" مطربہ کا پیمانۂ ضبط لبریز ہو کر چھلک پڑا۔ ہاتھ بے قابو ہو چکا ہے۔ اور اب کچھ دیر آرام کئے بغیر یہ صحیح طور پر کام نہیں کر سکتا۔ مجھے افسوس ہے۔"

" جہنّم میں جاؤ۔" ہارلے پھٹ پڑا۔

جہنم پھٹ پڑا

آدھی رات کے قریب۔

پورے جراجہ میں جہنم سا پھٹ پڑا

صہبا کی آہ و فریاد قہرِ خداوندی کو جوش میں لے آئی۔

مسلمان آبی شاہراہ کو توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ اور شہر میں ہر بیدار شخص کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے دس ہزار فوج کو اندر لانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اور اس درجہ حکمت عملی کے ساتھ کہ عیسائی فوجیوں کی اقامت گاہ پر اس وقت تک نہ تو شور و غل ہونے دیا۔ اور نہ بھگدڑ پڑنے دی جب تک کہ ہر مجاہد نے اپنے حصہ میں آنے والے زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیا۔ جس وقت یہاں شورِ قیامت برپا ہوا ہے۔ اس وقت مسلمان اپنی تعداد سے تین گنی تعداد کو۔ موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ ان کا یہ حملہ اس قدر محتاط۔ اچانک اور زور دار تھا کہ دشمنوں کے سنبھلتے سنبھلتے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اور اس کے بعد جو فلک شگاف نعروں اور وحشت ناک جنگی آوازوں کا طوفان مچا ہے۔ تو پُر سکوت فضائیں دور دور تک تھرا اٹھیں۔

یہ فجر سے تھوڑی دیر پہلے کا وقت تھا۔ دیکھتے دیکھتے شہر کے اندر اور باہر ہزاروں مشعلیں روشن ہو گئیں۔ اور جب ظلمتِ شب کے چہرے سے نقاب اٹھا۔ اور میدانِ جنگ کے صحیح خد و

خال نظر آئے۔ تو بیرونِ شہر البرٹن نے۔ اور اندرونِ شہر جوب نے اپنی سپاہ کو اسلامی لشکر کی چمکتی تلواروں کے سایہ میں پایا۔

اس وقت کئی اہم مقامات جنگ کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ لہذا تمام محاذوں کا احاطہ بیک نگاہ کافی دشوار ہے۔ اس وقت ہم آپ کو صرف انہیں حصّوں کا شاہد بنانے کی سعی کرینگے جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے دوسرے حصّوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اور فی الوقت یہ اہمیت اندرونِ شہر کو حاصل ہے۔ شہر کا اسلامی لشکر تین ٹکڑیوں میں تقسیم ہے۔ اور یہ تینوں ٹکڑیاں اپنے امتیازی جنگی نشانات۔ اور نظم و ضبط کے ساتھ واضح تر نظر آ رہی ہیں۔ ان میں سے ایک ٹکڑی۔ جس کے سپاہیوں کے بازو پر سرخ پٹّی بندھی ہوئی ہے۔ دائیں بازو کے ماہرِ فن شیر دل جنگجو عمار کی نگرانی میں ہے۔

دوسری ٹکڑی جس کے جانباز سر پر سیاہ خود اور جسم پر زرہ بکتر کے سبب فولاد میں ڈھلے معلوم ہوتے ہیں۔ احمد کے زیرِ اطاعت ہیں۔ اس ٹکڑی کے فدائیوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مگر اس مقام پر یہ اسلامی لشکر کا سب سے زیادہ سرگرم عمل حصّہ ہے۔ اور بجائے شمشیر، نیزے سنبھالے ہوئے ہے۔

تیسرا حصّہ بائیں بازو کے ہونہار سپہ سالار ابنِ عمار کی قیادت میں ہے۔ اس حصّہ کے اکثر جنگجو تیر کمان سے مسلح۔ مورچہ بند جنگ کا انداز اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان کی پوری وردی سفید ہے۔ خاکی ہے۔ اس وقت یہ تینوں ٹکڑیاں شہر کے عقبی دروازے پر ڈٹی ہوئی ہیں۔ اور ان کا حاصلِ شجاعت عیسائی سپاہ کی وہ عارضی اقامت گاہیں ہیں۔ جو عقبی دروازے سے شروع ہو کر دور دراز تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کچھ سپاہ پختہ عمارتوں میں ہے۔ اور کچھ خیموں میں۔ مسلمانوں کا پہلا حملہ خیموں میں مقیم سپاہ پر ہوا تھا۔ اور وہاں کی اکثر تعداد کو تہہ تیغ کر کے۔ اب ان کا مقابلہ ایک پٹّی کی شکل میں دور تک پھیلی ہوئی اس سپاہ سے تھا۔ جو اپنے تحفظ کے لئے مکانات کی دیواروں کو ڈھال

بنا سکتی تھی۔ ان عمارتوں میں بعض مکانات دومنزلہ بھی تھے۔ جنھیں ان کے مکینوں سے عارضی طور پر فوج کے لئے خالی کرالیا گیا تھا۔ چنانچہ اس موقعہ پر مکانوں کے وہ تمام بالائی حصّے جن میں سپاہی متیم تھے۔ موثر ترین مورچے ثابت ہوئے۔ ان کی مار مسلمانوں کے لئے بڑی نقصان دہ ثابت ہو رہی تھی۔

عین اس موقعہ پر جب کہ عیسائی سپاہ سنبھل کر۔ پوری پامردی کے ساتھ مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھیں۔ اندرونِ شہر کا اسلامی جاسوس ارقم۔ چھوٹا سا لشکری پرچم لہراتا۔ بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا آہن پوش دستہ کے قلب میں جا گزیں احمد کے روبرو جا کھڑا ہوا۔

"ارقم!" اپنے جاسوس کو ایکا ایکی سامنے دیکھ کر احمد کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "بقیہ ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ عیسائی لشکر میں تیرے ہوئے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم اس وقت یہاں آ گئے۔ ہمیں تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"میں اپنے فرائض سے کلی طور پر ہمکنار ہوں عالی جاہ! اس وقت شاہی محل پر زیادہ سے زیادہ ایک ہزار عیسائی جوانوں کے ٹکراؤ کا امکان ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ یہاں سے دشمن کو پیشقدمی کا موقعہ نہ دیا جائے۔ محترم عنبر محل کے جس زیریں حصّہ میں نظر بند ہیں۔ اس سے میں واقف ہوں۔ وہیں ضروریاتِ فوج کے بڑے بڑے ذخائر ہیں — وہیں صہبا بھی قید ہے — وہیں بارلے بھی ہے۔ جس کی گرفتاری۔ یا موت۔ عیسائی لشکر کی شکستگی کا موجب بن سکتی ہے — ان مکانات میں بھی —" اس نے عیسائیوں کے کئی بالائی مورچوں کے نچلے حصّوں کی طرف اشارہ کیا "اناج اور دیگر خورونوش کے بہت سے ذخائر ہیں۔ لیکن یہ عیسائیوں کی مکمل پسپائی سے پہلے حاصل نہیں کئے جا سکتے۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتا دیا۔ ورنہ ہمارا اگلا اقدام۔ ان تمام ذخائر کا خاتمہ کر ڈالتا۔ جو بالآخر

ہمارے ہی کام آنے والے ہیں۔" اس کے بعد احمد نے اپنے جنگی نقیب کو مخاطب کیا۔
"اشعر کو اطلاع دو کہ ہم اپنے دستے کے پانچ سو جوانوں کے ساتھ شاہی محل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لہذا انہیں چاہیئے کہ وہ اس کمی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے۔ اس مورچے کو اپنی نگرانی میں لے لیں۔ سامنے کی عمارتوں میں اشیائے خورونوش کے بہت سے ذخائر محفوظ ہیں۔ لہذا حتی الامکان آتشزنی سے احتراز کیا جائے۔ اب آتش زنی اس وقت ہو گی۔ جب اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ رہے۔ حتی الامکان عیسائیوں کو یہاں سے آگے بڑھنے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ اس لمحہ کے بعد اس مورچہ کی قیادت ان کے ذمہ ہے۔ جا سکتے ہو۔"
"تم!" اس نے دوسرے نقیب کو متوجہ کیا۔ "آگے بڑھتے ہوئے زرہ پوش سپاہیوں کو عقبی حصّہ کی طرف جمع ہونے کو کہو۔ جلد—— اور بہت جلد——"
احمد ان ہدایات سے فارغ ہی ہوا تھا کہ ایک افسر ہانپتا ہوا آیا۔
فوجی اصطبل پر ہمارا چھاپہ کامیاب رہا۔ تقریباً ایک ہزار گھوڑے اس وقت ہمارے قبضہ میں ہیں۔ انہیں فوری طور پر ضرورت مند مجاہدوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔"
"نیک شگن مبارک ہو عالی جاہ!" ارقم فرطِ مسّرت سے بے اختیار ہو گیا۔ "اس وقت جناب کے جاں نثاروں سے زیادہ اور کسے ان کی ضرورت ہو سکتی ہے۔"
"ان گھوڑوں کو عقب میں ٹھہرایا جائے۔"
افسر فوجی سلام کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔
"تم!" احمد نے ارقم کو حکم دیا۔ "عقب میں جا کر زرہ پوش سپاہ کو گھوڑے دے کر شہر کے رُخ صف آرا کر لو۔" ان الفاظ کے ساتھ احمد نے مصروفِ پیکار مجاہدوں پر ایک سطحی سی نگاہ ڈالی۔ اور یہ دیکھ کر کہ داہنے حصّہ پر عیسائی اکثریت مسلمانوں پر غالب آ رہی ہے۔ صفیں چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور اس خون خرابے میں اپنے ایک سپاہی کے کندھوں پر چڑھ کر پُر جوش انداز میں چلّایا۔

حیدری غازیو!

تمہارے مقابل وہ لوگ شمشیر بکف ہیں۔ جو سسلی کی پُرامن اسلامی حکومت کو ہڑپ کر کے شمالی افریقہ پر چڑھائی کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ جنھوں نے ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا عہد کیا ہوا ہے۔ جو ساری دنیا کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کے متمنی ہیں۔ یہی ہیں وہ ناہنجار جنھوں نے ہماری پُرامن زندگی کو آفات و حوادث کی نظر کر رکھا ہے۔ جو مسلمانوں کو اپنا غلام اور ان کی بیٹیوں کو اپنی کنیزیں بنانے کے خواہشمند ہیں۔ جنھوں نے اپنے سوا دنیا کی کسی بھی قوم کو باعزت زندگی گزارنے کا حقدار نہیں سمجھا ہے۔

شیر دل مجاہدو! آج تمہیں ان کو وہ بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے۔ جو خالد و طارق اور عبید و عتبہ کی بے امان شمشیروں نے دیا تھا۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تمہاری رگوں میں انہیں دلاوروں کا خون ہے۔ جن کی تلواروں کا بے نیام ہونا۔ دشمن کی بے گور و کفن لاشوں کا قبرستان بننا تھا۔ انہیں بتا دو کہ پُرامن مسلمانوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا موت کے جبڑے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ یاد رکھو۔ یہ بہادر نہیں ہیں۔ شیر کی کھال میں گیدڑ ہیں۔ بھیڑوں کا غلہ ہیں۔ جن کے ریوڑ سینکڑوں بار میدان چھوڑ کر بھاگے ہیں۔ لیکن آج یہ بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ ان کی راہِ فرار مسدود ہے شہر کے دروازے ہمارے قبضہ میں ہیں۔ حیدر کرّار کی روح تمہارے ان حرکوں کی شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری سربلندی کا وعدہ فرما چکا ہے۔ تم حق پر ہو — تمہاری تلوار کی دھار باطل کے گلے تک پہنچ چکی ہے۔ آگے بڑھو۔ خالدی خون کے امینو! آگے بڑھیئے!! اور پھر تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد کس طرح ان کی بساط اُلٹتی ہے۔

"نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!"

احمد کی اس پرجوش تقریر نے مغلوب مسلمانوں میں گرمیٔ ایمان کی ایک ایسی تڑپ پیدا کردی کہ اس کا بپھراؤ سہارنا۔ مقابل عیسائیوں کے بس کی بات نہ رہا۔ اور وہ درمیان سے کٹ کر۔ دائیں بائیں کی دیگر فوجی ٹکڑیوں میں مدغم ہو گئے۔

اب سپیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا۔ اور شہر کا یہ حصّہ جو اب تک مشعلوں کی ناکافی روشنی میں اپنے اصلی خط و خال کی نمائندگی سے قاصر تھا۔ اپنی خونین ہولناکیوں کے ساتھ واضح سے واضح تر ہوتا جا رہا تھا۔

احمد نے ان سحری دھندلکوں کو غنیمت جان کر عقب کا رُخ کیا۔ یہاں ارقم کی کارکردگی میں سات سو آہن پوش سپاہ کا گھوڑ سوار دستہ حرکت کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا۔ ارقم دو اچھے سے گھوڑوں کی باگیں تھامے۔ بے چینی سے احمد کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی احمد یہاں پہنچا۔ ارقم نے ایک گھوڑا اس کے حوالے کر دیا۔ اور دوسرے پر خود سوار ہو کر زور سے چیخا۔

"کوچ!"

اور پھر یوں معلوم ہوا۔ گویا آندھی کا کوئی طوفانی بگولا — چھلاوہ کی طرح اُبھرا — بڑھا۔ اور غائب ہو گیا۔ شاہی محل تک پہنچتے پہنچتے اس طوفانی بگولے کی راہ میں عیسائی فوج کی کئی ٹکڑیاں آڑے آئیں۔ جنہیں مجاہدوں کے بھالوں اور گھوڑوں کی ٹاپوں نے راہ کے روڑوں کی طرح پرے پھینک دیا — البتہ محل کے صدر دروازے پر۔ ارقم کی اطلاع کے خلاف انہیں کوئی ڈیڑھ ہزار صلیبی جانبازوں سے اپنی پوری قوّت کے ساتھ نبرد آزما ہونا پڑا۔ محل کا یہ حصّہ جو اب تک دور کی جنگی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اب بجائے خود زخمیوں کی چیخوں اور ہولناک جنگی نعروں کا مرکز بن کر۔ محل کے گرد و پیش پر لرزہ طاری کرنے لگا۔

ہارلے اپنی چنڈال چوکڑی کے ساتھ محل کے برآمدے کی چھت پر کھڑا۔ انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں دروازے کے اس قیامت خیز ٹکراؤ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اس طرح شہر پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ شراب کی پُرنوشی کا عرصہ دراز سے عادی تھا۔ مگر رات کی شراب خوری اتنی بے اصل نہ تھی کہ اس کے احاطۂ ظرف میں رہ سکتی۔ وہ چھلکی۔ اور اس طرح۔ کہ اس کے ہوش و حواس ڈبکیاں کھانے لگے۔ وہ اسلامی فوج کے محل کی طرف روانہ ہونے تک اپنی مدہوشیوں کے ساتھ صہبا میں گم تھا۔ اور شاید اب بھی وہیں پڑا ہوتا۔ اگر اس کے اوباش مصاحب اور کنیزیں دروازہ پیٹ کر اسے باہر نکلنے پر مجبور نہ کر دیتے۔ اور پھر اسے حالات کا مشاہدہ کرانے کے لئے اوپر نہ کھینچ لاتے۔

ہارلے کے ہوشمند ساتھیوں کا خیال تھا کہ ہارلے اس آفتِ ناگہانی سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے گا۔ مگر ہارلے کی مدہوشی نے اس کے بالکل برعکس حالات پیدا کر دیئے۔ اب انہیں اپنی جانوں کے ساتھ۔ ایک ایسے شخص کی بھی فکر تھی۔ جو اس وقت ایک وزنی گٹھڑی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ گزرتے لمحوں کے ساتھ۔ خون کا سیلاب محل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس نازک وقت میں انہیں اپنی زندگیاں بچانے کے لئے کیا ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ ہر شخص اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا محسوس کر رہا تھا۔ سوائے میکا کے۔ اس کے چہرے کی طمانیت۔ اور نقل و حرکت کی بے خوفی۔ انتہائی پُراسرار تھی۔ اور یہ یقیناً یہاں کے ہر فرد کے لئے قابلِ غور ہوتی۔ اگر موت کا خوفناک پنجہ ان کے سر پر نہ منڈلا رہا ہوتا۔

"میرا خیال ہے۔" میکا نے صابرانہ لہجہ میں مشورہ دیا۔ "ہمیں اسی مقام پر اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔"

"ہرگز نہیں۔" ایک مصاحب چیخا۔ "اب یہاں ٹھہرنا خودکشی کے برابر ہے۔ ہمیں کسی محفوظ

مقام پر چھپ جانا چاہیئے۔ محترم ہارلے کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔"

"تو پھر آؤ۔ میں تمہیں محل کے تہہ خانے میں لے چلتی ہوں۔ اس محل میں۔ تہہ خانوں سے زیادہ محفوظ جگہ۔ اور کوئی نہیں مل سکتی۔ دشمن اُدھر کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔" میکا نے دوسری تجویز پیش کی۔

"لیکن اگر دشمن نے محل پر قبضہ کر لیا تو ــــ ؟ ہم بھوکے پیاسے کب تک تہہ خانے میں پڑے رہیں گے۔"

"اس کا فکر نہ کرو۔ لڑائی اتنا طول نہیں کھینچ سکتی۔" میکا نے جواب دیا ــــ "جلدی کرو ــــ !"
یہ سنتے ہوئے دو مصاحبوں نے ہارلے کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور سیڑھیاں یوں طے ہوئیں گویا ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہو۔

جلدی جلدی درمیانہ راستہ طے کرتے ہوئے جب یہ لوگ محل کے عقب پہنچے تو میکا نے کوٹھری کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" وہ ہے راستہ۔ قفل کی چابیاں ان کے پاس ہوں گی۔" میکا نے ہارلے کی طرف اشارہ کیا۔" آپ اندر پہنچیں۔ میں چور بُرجی سے جنگی حالات کا پتہ چلاتی ہوں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آپ کو اطلاع پہنچاتی رہوں گی۔" اور اس کے بعد میکا جواب کا انتظار کیئے بغیر ہوا کے جھونکے کی طرح ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔

اس وقت اس حصۂ زمین پر جنگ کی کیفیت یہ تھی۔ کہ احمد اپنے پیہم زوردار حملوں سے عیسائیوں کی اس صف بندی کا قلع قمع کر چکا تھا جو دروازے پر آہنی حصار کی شکل اختیار کیئے ہوئے تھی۔ اور اب اجتماعی ٹکراؤ کی بجائے۔ فرداً فرداً دست بدست جنگ ہو رہی تھی۔ اس مقام پر پیدل عیسائی فوج نے اسلامی گھڑسوار دستہ کا جس پامردی اور بلند حوصلگی سے مقابلہ کیا۔ وہ انہیں کا حصّہ تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا پوری فوج کے چنیدہ جنگجو یہاں تعینات تھے۔ دراصل اس دستہ کا تقرر اینی کی جانب سے ظہور میں آیا تھا۔ جس کا مقصد۔ اوّل تا آخر محل کی حفاظت تھا۔ اسلامی لشکر

کا خیال تھا کہ وہ چند ہی حملوں میں انہیں شکست دے کر محل پر قابض ہو جائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ دروازہ سر کرنے کی کوشش میں ہی سورج نکل آیا۔ عیسائیوں کی صفیں ٹوٹتے ہی جو شیلے مجاہد جنمیں احمد اور ارقم بھی تھے۔ پھاٹک پار کر گئے۔ پھاٹک سے اس طرف کا ماحول جنگی دست برد سے تاحال محفوظ تھا۔

"تم ! " احمد نے ارقم کو حکم دیا۔ "پچاس جوانوں کو محل کے چاروں طرف تعینات کر کے۔ انہیں تاکید کر دو کہ کوئی شخص محل سے باہر نہ نکلنے پائے۔ انتہائی کڑی نگرانی۔ ادھر سے فارغ ہو کر تم پھر اسی جگہ آؤ گے۔ تعمیل !"

ارقم کے پیٹھ موڑتے ہی۔ احمد بقیہ مجاہدوں کے ساتھ دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ گو اس طرف اسلامی لشکر بہت قلیل تعداد میں تھا لیکن دوطرفہ حملہ نے جنگی اسلوب میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی۔ عیسائیوں نے دوبارہ سدِ راہ بننے کی نسبت خود کو حسبِ ضرورت دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ان کی یہ روش ان مسلمانوں کے لئے انتہائی تشویشناک تھی۔ جو بہت تھوڑی تعداد میں اندر داخل ہوئے تھے۔ باہر کے مسلمانوں نے اس کیفیت کو بروقت محسوس کیا۔ اور جان پر کھیل کر۔ وہ تابڑ توڑ اور پے در پے حملے کئے کہ عیسائی لشکر ایک بار پھر اپنی تمام طاقت کے ساتھ اس طرف پلٹ پڑا۔ سر گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ زمین پر تڑپتی ہوئی نعشوں کا فرش گھوڑوں کی ٹاپوں میں رُندنے لگا۔ دونوں طرف کے جنگجو آہنی ستونوں کی طرح زمین میں گڑے معلوم ہوتے تھے۔ نہ عیسائیوں کے بھرپور حملے مسلمانوں کو ایک قدم پیچھے ہٹاتے تھے۔ نہ مسلمانوں کی یورشیں عیسائیوں کے پائے استقلال میں جنبش پیدا کرتی تھیں۔ تلواریں بجلیوں کی طرح فضا میں کوند رہی تھیں۔ برچھیوں کی خون آلود نوکیں طوفانی شعلوں کی مانند چمک رہی تھیں۔

ہلالی بہادرو ! اسلامی فوج کے عقب سے ایک افسر پوری آواز سے چیخا۔
جیدری حملوں کا وقت آپہنچا۔ یہ دروازہ۔ تمہارے لئے بہر صورت جنت کا دروازہ

ہے۔ گرمیٔ ایمان کی ایک ہی جست تمہیں اُس پار پہنچا سکتی ہے — اُس پار — جہاں ایک طرف اسلامی ستارۂ اقبال تمہیں خوش آمدید کہنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اور دوسری طرف جنّت کی حوریں تمہارے استقبال کے لئے بیتاب کھڑی ہیں۔

خوش نصیب غازیو!

زندہ جاوید شہیدو! اپنے اصلی منصب کو سنبھال لو۔ بے پناہ غیبی طاقت۔ تمہارے حوصلے کی تڑپ کا انتظار کر رہی ہے۔ شیر کی طرح سمٹو۔ اور اپنے شکار پر جا پڑو — نعرۂ تکبیر! "اللہ اکبر!"

اور حق یہ ہے۔ کہ مسلمانوں نے اپنی روایتی شجاعت و بہادری کا حق ادا کر دیا۔ دروازے کا بیشتر حصّہ طرفین کے سپاہیوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ بیک وقت سینکڑوں جوان خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ زخمیوں کی ہولناک چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اس عظیم ٹکراؤ نے عیسائیوں کو جوابی حملوں کی بجائے مدافعانہ جنگ پر مجبور کر دیا۔

زندہ باد بہادرانِ اسلام! زندہ باد!! — اسی بے جگری کے ساتھ۔ اگر ایک حملہ اور ہو جائے۔ تو خدا کی قسم۔ یہ میدان ہمارا ہے — حملہ! حملہ!! حملہ!!!

اور اس دفعہ واقعی عیسائیوں کے ترتیبِ اجتماع میں اتنا بڑا شگاف پڑ گیا کہ چشمِ زدن میں سینکڑوں گھوڑ سوار دروازہ پار کر گئے۔ یہ راستہ دوبارہ مسدود نہیں ہو سکا۔ اسلامی گھوڑ سوار لمبے لمبے بھالے تانے۔ شگاف چوڑا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آبِ رواں کی مانند بہے چلے گئے۔ اور اب جو احمد نے اندر کی طرف سے دشمن کو پیچھے رگیدنا شروع کیا۔ تو یوں معلوم ہوا۔ گویا عیسائیوں کے پیروں میں پہیے لگ گئے ہیں۔ اس صورتِ حال میں احمد نے یہاں اپنی موجودگی ضروری خیال نہ کی۔ ایک افسر کو یہاں کا نگراں مقرر کیا۔ اور ارقم کو ساتھ لے کر محل کی طرف پلٹ پڑا۔ اجتماع کے آخر سے بیس پچیس سپاہیوں کو اپنا شریک بنا کر محل کے برآمدے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک

نسوانی پکار نے چونکا دیا۔

"ارقم! ارقم!!" یہ میکا کی آواز تھی۔ جس کی نگاہیں ارقم کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"کون ہے یہ" احمد نے دریافت کیا۔

"یہ ہارسے کی وہی کنیز ہے" ارقم نے جواب دیا۔ جسے محترم عنبر کے حکم پر بمشکل جیتا گیا تھا۔ ہم اسلامی مفاد کے لئے اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

"اسے آزاد کر دو" احمد نے سپاہیوں کو حکم دیا جو اسے حراست میں لئے ہوئے تھے۔

رہائی پاتے ہی میکا ارقم کے گھوڑے کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"ان کمینوں سے جتنا ہولناک انتقام لے سکتے ہو — لو — انہوں نے مظلوم انسانیت پر جیسے جیسے ظلم توڑے ہیں۔ تمہاری بہو بیٹیوں کو جس بیدردی سے اپنی بوالہوسی پر قربان کیا ہے — اسے دیکھ کر میرا رواں رواں لرز اٹھا ہے۔ یہ ذلیل بھیڑیے محل کے پیچھے تہہ خانے میں چھپے ہوئے ہیں — آؤ میرے ساتھ" میکا عقبی حصّہ کی طرف لمبے لمبے قدم بڑھانے لگی۔

"لیکن سنو تو!" ارقم نے اسے روک کر کہا "ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے"

"تو آؤ!" میکا نے مشتعل انداز میں جواب دیا۔ "پہلے تمہیں مطلب سمجھا دوں" اس نے اپنا رُخ محل کے اندرونی حصے کی طرف موڑ دیا۔ "گھوڑے یہیں چھوڑ دو۔ محل میں اس وقت مزاحمت کا کوئی امکان نہیں ہے"

ارقم اور احمد۔ معمّہ بنے گھوڑوں سے اُترے۔ اور ان کی باگیں ایک سپاہی کو تھما کر میکا کے پیچھے ہو لئے۔ یکے بعد دیگرے کئی کمروں سے گزرنے کے بعد میکا ایک خوبصورت دروازے پر کھڑی ہو گئی۔

"یہ ہے وہ قتل گاہ۔ جہاں تمہاری عزّت و آبرو کو کُند چھُری سے ذبح کیا گیا۔ اور جس کے تصور نے مجھے رات بھر خون کے آنسو رُلائے ہیں — آؤ! اور دشمن کے اس ظالمانہ سلوک کا پورا پورا بدلہ لو —"

میکا غصے سے کف بدہن احمدؔ ارقم کو لئے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔
اپنی عصمت و عفت کے خون میں نہائی ہوئی — سر تا پا برہنہ — اور دست و پا کی قزاقانہ
بندشوں سے — نیم جان صہبا۔ آنکھیں بند کئے نزع کے عالم میں پڑی تھی۔
"صہبا!" احمد کی دلسوز چیخ فضا کے سینے میں تیر گئی۔ ایک بے پناہ تڑپ نے اسے کمرے
سے باہر پھینک دیا۔ جیسے وہ صہبا نہیں۔ کوئی جہازی اژدہا تھا۔ جس کی طوفانی پھنکار سے وہ
دُور جا پڑا ہو۔ یا ایک ایسی آتشِ بے امان۔ جس کے بے رحم شعلے اس کے حواسِ خمسہ کو بھسم کر کے
اس کی روح کو خاکستر کر دینا چاہتے تھے۔ اور پھر جیسے اس کی تاب و توانائی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔
اس کی خون آلود تلوار۔ جو گردشِ اجل کے ہم رکاب تھی۔ جس کی بے پناہ مار نے دشمنوں کی صفوں میں ہیجے
ڈال دیئے تھے۔ اس کے آہنی ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا پڑی۔ دماغ چکرانے لگا۔ اور اس شدت
کے ساتھ کہ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا — "آخر کار وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔" سینے کی روح فرسا ہلچل۔ دل و
دماغ کو لے بیٹھی — اس کی زندگی کا حاصل۔ اس کے ارمانوں کا سرچشمہ۔ اس کی تنہائیوں کا مرکزِ تصور
اس کے خوابوں کی روحِ رواں۔ اس کے مستقبل کی جنت — اسے اس حال میں ملے گی۔ تقدیر کا خنجر
اس بُری طرح اس پر حملہ کرے گا۔ وقت کی تلوار اس بیدردی سے اس کے قلب و نگاہ کو گھائل کرے گی
معصوم آرزوؤں کا سفاکانہ مذاق اس درجہ روح فرسا ہو گا۔ یہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔
میکا نے صہبا کے جسم پر چادر ڈالی۔ اور ارقم کی مدد سے جلدی جلدی اس کے ہاتھ پاؤں کھول
ڈالے۔ ارقم نے صہبا کی نبض ٹٹولی۔ اور زندگی کے آثار پا کر اسے ہوش میں لانے کی سعی کرنے لگا۔
صہبا کی شرمناک زبوں حالی۔ اور فوری طور پر طبی امداد کے تقاضے نے ارقم کو احمد کی طرف سے
بالکل بے خبر کر دیا تھا۔ معاً اسے احمد کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ اور ساتھ ہی وقت کی نزاکت کا بھی۔
ارقم صہبا کی شخصیت سے قطعی نا آشنا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ یہ لڑکی خلیل کی بیٹی ہے۔ تو عنبر کی
نیک دل میزبان کی حیثیت سے صہبا کی ذات بڑی واجب الاحترام ہو جاتی۔ مگر اس وقت وہ بقول

میکا اسے محض ایک مسلمان لڑکی سمجھے ہوئے تھا۔

"تم اسے سنبھالو۔ میں باہر جا کر اس کی وقتی دیکھ بھال کے لئے کسی کا انتظام کرتا ہوں۔"

ارقم، صہبا کو میکا کے حوالے کر کے باہر آیا۔ اور اپنے شیر دل آقا کو ڈھیر کی طرح زمین پر پڑا دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ احمد کے ارد گرد کئی سپاہی کھڑے تھے۔ مگر کسی میں اس قدر جرأت نہ تھی کہ وہ آگے بڑھ کر واقفِ حال ہونے کی کوشش کرتا۔ ارقم نے احمد کے قریب پہنچ کر اسے بازوؤں کے ذریعہ اوپر اٹھاتے ہوئے تشویشناک لہجہ میں دریافت کیا۔

"یہ کیا ہو گیا سرکار والا کو۔ دیکھو!" اس نے بے قراری کے عالم میں ایک سپاہی سے کہا کسی کمرے سے جا کر کوئی پلنگ یا چوکی ——"

"نہیں۔" احمد نے بات کاٹی۔ اور دائیں ہاتھ سے سینہ کو دباتے ہوئے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "میکا نے غلطی کی ہے —— ہمارا —— اس طرح یہاں —— پہنچنا مناسب نہ تھا۔ میں —— ایسے جھٹکے برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں —— خیر۔ چھوڑ دو مجھے۔" درد و کرب کے دباؤ نے احمد کو اس سے زیادہ نہ بولنے دیا —— ایک سپاہی نے احمد کی گری ہوئی تلوار اٹھائی اور انتہائی خلوص کے ساتھ دستہ کو بوسہ دے کر احمد کو پیش کی۔ تلوار نیام میں ڈال کر احمد نے سطحی نگاہ سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اور ایک بار پھر نگاہ مقتل کے دروازے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔

"لڑکی کا کیا حال ہے۔ زندہ ہے —— یا —— ؟" احمد نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"زندہ ہے حضور والا۔ میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں نکلا تھا جو اسے ہوش میں لا سکے۔"

"ایسا ایک نہیں۔ کئی آدمی تلاش کرو —— جاؤ۔ میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔ جلدی ——"

ارقم کے جانے کے بعد احمد بے قابو قدموں سے۔ جس راستے سے آیا تھا۔ واپس ہونے لگا۔ ابھی —

یہ درمیان ہی میں تھا کہ نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعروں نے اسے کسی نئے مرحلے کی خبر دی ۔ غیر ارادی طور پر اس کے پیر تیزی کے ساتھ باہر کی طرف بڑھنے لگے ۔ اس کے برآمدہ میں نمودار ہوتے ہی ۔ آہن پوش سپاہیوں کے ایک گروہ نے از سر نو نعرے لگانے شروع کر دیئے ۔

"خدا کے فضل و کرم سے ۔" ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر خوشخبری سُنائی "ہم اس مورچے پر کامیاب رہے ۔ تین سو عیسائی گرفتار کر لئے گئے ہیں ۔ کُل سو سوا سو سپاہی بھاگنے میں کامیاب ہو سکے ۔ اور یہ بھی شہر سے باہر نہیں نکل سکتے ۔"

"شکر ہے رب العزّت کا !" احمد کا سر احسان مندانہ طور پر جُھک گیا ۔ "قیدیوں کو کسی بڑے کمرے میں مقفّل کر دو ۔ صرف پانچ سپاہی چوکسی کریں گے ۔ عقبی دروازے کی جنگ ——" احمد کا نفسِ مفہوم صہبا کی لرزہ خیز صورتِ حال میں اُلجھ گیا ۔ اس وقت اس کے ذہن کی یہ حالت تھی ۔ گویا اس پر سکوت کا عالم طاری ہو ۔ اور کبھی کبھی شدید سی ہوش سے ۔ لمحہ دو لمحہ کے لئے صلاحیتِ کار عود کر آتی ہو ۔ مخاطب افسر احمد کے ادھورے فقرے کا پورا مطلب سمجھ گیا ۔

"قاصد آیا تھا ۔ حالات امید افزا ہیں ۔ محترم عمّار کو یہاں کے کوائف سے آگاہ کر دیا گیا ہے ۔ باہر کی فوج کا مقابلہ سخت ہے ۔"

احمد کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ارقم وہ ادھیڑ عمر مسلمان فوجیوں کو لئے ہوئے آپہنچا ۔

"لڑکی کو ان کی تیمارداری میں دے کر ——" احمد نے ارقم کو ہدایت کی ۔ "اور میکا کو ساتھ لیکر یہاں آجاؤ ۔ جلدی ۔"

ارقم تعظیم دے کر محل میں داخل ہو گیا ۔ اور چند ساعتوں بعد میکا کو لئے ہوئے واپس آگیا ۔

"تم نے کہا تھا کہ چند ظالم —— !"

"جی ! آنش بھبکا میکا احمد کی بات کو پا کر درمیان ہی میں بول پڑی ۔ "ہارلے ! اور اس کے کئی شیطان ساتھی ——"

"ہارلے؟ وہ یہیں موجود ہے۔"

"جی ہاں۔ اس معصوم لڑکی کا قاتل اپنے کیفر کردار کو پہنچنے کیلئے یہیں موجود ہے — آئیے۔"

احمد نے سپاہیوں کے اجتماع سے پندرہ بیس جیالے سپاہی اپنے ساتھ لئے اور میکا کی رہنمائی میں محل کے عقبی حصّہ کی جانب بڑھنے لگا۔

عنبر اور رائنی — وہ بھی تو یہیں کہیں —"

"جی بندہ پرور۔" ارقم نے جواب دیا — "سنو!" اس نے ہوا کی طرح اڑتی ہوئی میکا کو ٹھہرایا۔ "عنبر اور رائنی کس تہہ خانہ میں ہیں۔ جانتی ہو۔"

"جانتی ہوں۔ اسی تہہ خانہ کے ایک حصّہ میں ہیں۔ جہاں یہ تمام موذی پہنچے ہوئے ہیں — بزدل ہارلے۔ سر پر قضا کو منڈلاتا دیکھ کر سب کچھ بتا دے گا۔"

کوٹھری کے دروازے پر پہنچ کر میکا نے قفل کی چابی ارقم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کوٹھری جس میں کاٹ کباڑ بھرا پڑا ہے۔ تہہ خانوں کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔" — ارقم نے قفل کھولا۔

"دروازے کو بلّموں کی زد پر لے لو۔" احمد نے ہمراہیوں کو حکم دیا۔ اور بیک لمحہ پندرہ بیس نیزوں کی جھلجھلاتی ہوئی نوکیں دروازے پر مرکوز ہو گئیں۔ پٹ کھلے۔ مگر اس نیم تاریک اور پُر اسرار کوٹھری انسانی وجود سے پاک تھی۔

"دو آدمی اندر داخل ہو کر کاٹ کباڑ اِدھر اُدھر سرکا کر اچھی طرح دیکھیں۔" احمد نے کہا۔ اور پھر اس کا روئے سخن میکا کی جانب پھر گیا۔ "غالباً تم ان تہہ خانوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتیں۔"

"حضور کا خیال درست ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ تہہ خانوں کو راستہ اسی کوٹھری سے جاتا ہے۔ اور اگر یہاں سے اگلا راستہ دریافت کر لیا گیا تو آگے بڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"ہوں۔" احمد نے ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچا۔ "میں خود اندر جاؤں گا۔" احمد نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ قرینِ مصلحت نہیں ہے معزز آقا!" ارقم نے آگے بڑھ کر راستہ روکا۔ "پہلے یہ دو آدمی اندر جا کر

حالات کا جائزہ لے لیں۔ اس کے بعد ——"

"یونہی سہی" احمد نے تائیدی انداز میں کہا۔

ارقم نے ایک سپاہی کو دو مشعلیں حاصل کر کے انہیں روشن کرنے کی تاکید کی۔ مشعلیں ہاتھ میں لے کر جب سپاہی اندر داخل ہونے لگے تو ارقم نے دروازے کے عین مقابل کھڑے ہو کر باآواز بلند اعلان کیا۔

"ہمارے آدمی اندر داخل ہو رہے ہیں۔ اگر انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو تمہارے سینے برچھیوں سے چھلنی بنا دیئے جائیں گے —— خبردار! اور اگر ہماری آواز تمہارے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔ تو فوراً باہر نکل آؤ۔ ورنہ سزائیں بڑی سنگین ہو جائیں گی —— خبردار۔ خبردار۔ خبردار —"

دونوں سپاہی ارقم کی آواز کی گونج میں کوٹھری کا کونہ کونہ چھان پھرے۔ مگر کوئی متنفس محسوس نہ ہوا۔ ناکام واپسی پر احمد معہ دیگر ہمراہیوں کے اندر داخل ہوا۔ داہنے کونے میں ایک جگہ کچھ اس طرح صاف پڑی تھی۔ گویا کسی نے جلدی میں یہاں کا سامان اِدھر اُدھر پھینکا ہو۔ کوٹھری کا یہی حصّہ احمد کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گیا۔ اسی حصّہ میں دیوار پر ایک غیر معمولی لمبی کھونٹی لگی ہوئی تھی۔ اس کے اندرونی حصّے میں خلافِ قاعدہ چاروں طرف کافی خلا رہتا۔

"سنو!" احمد نے ارقم کو متوجہ کیا۔ "اس لکڑی کو ہلا جلا کر تو دیکھو ذرا۔ میرے خیال میں اس کا وجود بے علّت نہیں ہو سکتا۔"

ارقم نے آگے بڑھ کر اسے اِدھر اُدھر آگے پیچھے بہتیرا جھنجھوڑا۔ مگر کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

"ذرا باہر کی طرف تو کھینچو۔ پوری طاقت سے۔"

ارقم نے کھونٹی کو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر اسے بھرپور طاقت سے باہر کی طرف کھینچا ہی تھا کہ زمین کے جس ٹکڑے پر وہ کھڑا ہوا تھا۔ اندر کی طرف دھنسنے لگا۔ گھبراہٹ میں کھونٹی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور زمین کے اس ٹکڑے نے ایک جھٹکے کے ساتھ ارقم کو اچھال کر ایک طرف پھینک دیا۔ یہ دریافت یقیناً بڑی مسرت انگیز تھی۔ مگر حالات کی سنسنی خیزی اور اندوہناکی کسی ایک کے چہرے پر بھی خوشی

کی لکیریں نہ کھینچ سکی۔ اب دو صحت مند سپاہیوں نے ایک طرف کھڑے ہو کر کھونٹی کو اپنی تمام تر طاقت سے اپنی طرف گھسیٹنا شروع کیا۔ ساتھ ہی ڈیڑھ گز مربع زمین کا فرش پھر نیچے کی طرف دھنس گیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ گز کا فاصلہ طے کر کے ایک جھٹکے کے ساتھ کسی چیز پر ٹک گیا۔ کھونٹی سے متعلق آہنی زنجیر بھی اسی قدر باہر کھنچ آئی تھی۔ جتنا کہ یہ فرش نیچے گیا تھا۔ زنجیر کو حدِ مناسب پر واقع ایک سوراخ میں اٹکا دیا گیا۔ اور اب بالترتیب پہلے چند سپاہی۔ اور اس کے بعد احمد وارقم اندر داخل ہوئے۔

"تم میں سے پانچ آدمی۔" احمد نے پیچھے آتے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "میکا کے ساتھ کوٹھری کے دروازے پر سخت پہرہ رکھو۔ اگر کوئی خطرے کی بات دیکھو تو فوراً اطلاع دینا۔" حسب الحکم آخری حصّے کے سپاہی کوٹھری کے دروازے پر چلے گئے۔

تہہ خانے میں اُترتے ہی ان کے سامنے تین دروازوں والا ایک کمرہ تھا جس کے چوبی کواڑوں کی زنجیریں پچھلی طرف سے چڑھی ہوئی تھیں۔ یہاں پہنچ کر مزید مشعلوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جو چند ہی ساعتوں میں مہیا ہو گئیں۔ دروازے کچھ زیادہ مضبوط نہ تھے۔ لہذا چند ہی ضربات سے چر کتے سمیٹ زمین پر آرہے۔ دونوں بغلی کمرے راستے کے لئے چھوڑی ہوئی ایک پتلی سی لکیر کے ساتھ۔ اناج کے ذخیرے سے لبالب تھے۔ سامنے والے کمرے میں اسلحہ کے انبار تھے۔ اس انبار کے درمیان بھی آگے جانے کے لئے ایک پتلا سا راستہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ وقت کا تقاضہ تھا کہ ان تینوں راستوں کو آخر تک ٹٹولا جائے۔ مگر یہ کام پندرہ بیس افراد کا نہ تھا کیونکہ میکا کے بیان کے مطابق ہارلے کے ساتھیوں کی تعداد دس بارہ نفوس پر مشتمل تھی۔ اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس راہ پر۔ کس نوعیت سے پیش آئیں۔

"تم۔" احمد نے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "باہر جاؤ۔ اور سو سوا سو سپاہیوں کو جس قدر جلد ممکن ہو یہاں لے آؤ۔۔۔ فوراً۔"

چند ساعتوں کے بعد جس جگہ احمد کھڑا تھا۔ وہ سپاہیوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔

"میں اس طرف بڑھتا ہوں۔" احمد نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "تیس تیس جوانوں

کی ٹکریاں بغلی تہہ خانوں میں آخر تک پہنچ کر ذخائر کے بارے میں پوری پوری معلومات فراہم کریں۔ اس کے علاوہ یہاں کچھ دیر قبل دس بارہ بدمعاشوں کا ایک گروہ پناہ گزین ہوا ہے۔ ان کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ زندہ یا مردہ انہیں بہر حال حاصل کرنا ہے۔ ان بدمعاشوں کے علاوہ یہاں ایک مسلمان، ایک عورت کے ساتھ مقید ہے۔ انہیں باعزت طریق پر اپنی امان میں لے لیا جائے۔ میں یا تو اس تہہ خانے کے اندر ملوں گا۔ یا پھر یہیں۔ جہاں اس وقت کھڑا ہوں۔"

ان ہدایات کے بعد یہ مجمع تین حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ دو حصّوں کو بغلی تہہ خانوں کی جانب بڑھا کر احمد مشعل بردار کی روشنی میں سامنے والے تہہ خانہ میں داخل ہو گیا۔ اس خانے کے اختتام پر ایک بیضاوی در نے دوسرے خانے کا پتہ دیا۔ یہ خانہ بھی پچھلے خانے کی طرح ڈھالوں۔ تلواروں۔ نیزوں اور تیروں وغیرہ سے چھت تک پٹا ہوا تھا۔ اسلحہ کی یہ بھر مار دیکھ کر احمد کا زخم خوردہ دل و دماغ یہ احساس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اپنی لئے معاہدۂ تلافی میں شہر کا حصول انہیں بنیادوں پر ضروری خیال کیا ہو گا۔ یہ خانے اس قدر وسیع و عریض تھے کہ ان میں سے ہر ایک میں دس دس ہزار فوجیوں کے مکمل ہتھیار محفوظ کئے جا سکتے تھے۔ دوسرے خانے کے آخر پر پھر ایک بیضاوی در سامنے آیا۔ اور یہ بھی حسبِ سابق اسلحہ سے لبالب تھا۔ احمد اور اس کے ہمراہیوں کو مشعلوں کی روشنی میں جھلملاتے ہوئے ہتھیار یوں معلوم ہو رہے تھے گویا وہ سلب و نہب کی طلسماتی دنیا میں آ گئے ہوں۔ اس دروازے کے خاتمہ پر ایک دروازہ نظر آیا۔ دروازے کے سامنے تھوڑی سی زمین بالکل صاف تھی۔ زنجیر پر ایک بڑا سا قفل آویزاں تھا۔ دروازے کی درازوں سے لَو چھنے پر اندر روشنی معلوم ہوئی۔

"قفل توڑ دو!" احمد نے حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی قفل پر تیر برسنے لگے۔ قفل ٹوٹ کر دور جا گرا۔ دروازہ کھلا۔ اور دیکھنے والے محوِ حیرت رہ گئے۔ ایک ماہ وش حسینہ۔ دو حبشی النسل پہلوان — اور ایک خوبرو جوان ان کے سامنے تھے۔ عنبر فرطِ مسرّت سے دیوانہ سا ہو کر احمد کے سینے سے آ لگا۔ حور شمائل اپنی کی محجوب نگاہیں منوں وزنی ہو کر زمین پر گر پڑیں — ہیپی۔ ہوپی۔ جو قفل شکنی کے شور سے

کسی نئی مصیبت کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو رہے تھے ان متحیر نما حالات پر مبہوت رہ گئے۔ عنبر کو دیکھتے ہی ارقم نے انتہائی احترام کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ وہ کافی عرصہ بعد اپنے افسر سے ملا تھا اور چاہتا تھا کہ سلسلۂ کلام کو متواتر جاری رکھے مگر وقت نے اس کی اجازت نہ دی۔ عنبر نے بے قراری کے ساتھ دریافت کیا۔ "کیا میں یقین کر لوں کہ اسلامی فوج فتحیاب ہو چکی ہے۔"

"افسوس کہ احمد کی طرف سے ہمارے معاہدے کا احترام نہ ہو سکا۔ اگر ہم آج حملہ نہ کرتے تو کل اس کی طرف سے حملہ ہوتا۔ جنگ جاری ہے۔" احمد نے جواب دیا۔ "اور یہ وقت بیحد قیمتی۔ آؤ چلیں" — اور یہ قافلہ فوراً ہی پیچھے کی طرف پلٹ پڑا۔

"آپ کی" احمد نے ایپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے درمیان کیا حیثیت ہے۔"

"ایک وفادار دوست کی۔" عنبر نے جواب دیا۔

"ہوں" احمد نے معنی خیز ہونکارا ابھرا — "آپ کا" احمد نے ایپی کو مخاطب کیا۔ "عمزاد بھائی ہار لے۔ جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا۔ انسانیت کا انتہائی سنگین مجرم ہے۔ وہ کچھ دیر قبل اپنے ساتھیوں سمیت یہاں آکر روپوش ہو گیا ہے۔ آپ ان تہہ خانوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کیا ہم آپ سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ یہاں کا کوئی خفیہ گوشہ ہم پر مخفی نہ رکھا جائے گا۔"

"اب میری سلامتی و بہتری آپ ہی حضرات کی فلاح و بہبود پر منحصر ہے۔ میرے اس بیان کی صداقت میری زبان سے زیادہ میرے عمل سے ظاہر ہوگی۔ یہاں سوائے ان خانوں کے اور کوئی خفیہ جگہ نہیں ہے اگر وہ لوگ واقعی یہاں داخل ہوئے ہیں تو انہیں خانوں میں سے کسی ایک میں ملنا چاہئیں۔"

ابھی ایپی یہیں تک کہہ پائی تھی کہ سامنے سے مشعلوں کی دھیمی روشنی کے ساتھ کئی آوازیں سنائی دیں۔ احمد کی چال غیر ارادی طور پر تیز ہو گئی۔ پہلے خانے کی طرف سے جہاں تہہ خانے کا دروازہ رونما ہوا تھا۔ ایک مجاہد مشعل ہاتھ میں لئے تیز قدمی کے ساتھ احمد کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"وہ لوگ!" آنے والے نے احمد کے قریب پہنچ کر اطلاع دی۔ "داہنے ہاتھ کے چوتھے رسد خانہ

میں گرفتار کر لئے گئے۔ کُل گیارہ اشخاص ہیں"۔

اس اطلاع کے بعد پورا قافلہ احمد کی تیز روی کا شریک بن کر اوّلین تہہ خانہ میں پہنچ گیا۔ ہارلے اور اس کے حواری ایک رسّی میں کسے بندھے کھڑے تھے۔ ہارلے کو دیکھتے ہی احمد کو یوں معلوم ہوا۔ گویا اسے زندہ درگور کر دینے والا۔ خدا کی طرف سے اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ عنبر اور ایپی کے چہرے پر بھی نفرت وحقارت کی تمتماتی ہوئی سرخیاں اُبل پڑیں۔ ہارلے نے یکے بعد دیگرے۔ ان لوگوں کو اس طرح دیکھا۔ جیسے یہ ملک الموت کا بڑھتا ہوا ہاتھ ہوں۔

"باہر لے آؤ انہیں" احمد نے حکم دیا۔ اور اس کے ساتھ خود تیز قدمی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

"تہہ خانہ کا دروازہ بند کیونکر ہوگا" احمد نے ایپی سے دریافت کیا۔

"اس لکڑی کو دوبارہ دیوار میں لگا دیجئے۔ دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا"۔

تہہ خانہ اور دروازہ مقفل کرا کے اس کی چابیاں احمد نے اپنے قبضے میں کیں اور پچاس سپاہیوں کو دروازے کے گرد وپیش پر تعینات کر کے۔ بقیہ سپاہیوں کو دروازے پر بھیج دیا۔ اب صرف زیرِ حراست ہارلے۔ اس کے ساتھی۔ میکا۔ عنبر۔ ایپی اور راقم رہ گئے۔

"آپ لوگ میرے ساتھ آئیے" احمد نے آگے قدم بڑھایا۔ اور جلد جلد درمیانی راستہ طے کرتا ہوا۔ اس قتل گاہ میں پہنچ گیا جہاں صہبا اب تک بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ عنبر، صہبا کو اس عالم میں پا کر دم بخود رہ گیا۔

"جب میں یہاں پہنچا تھا۔ تو یہ معصوم لڑکی اپنے خون میں لتھڑی برہنہ پڑی ہوئی تھی۔ اس عورت کا بیان ہے" احمد نے انتہائی صبر آزما لہجہ میں میکا کی طرف اشارہ کیا۔ "کہ ہارلے کی رات اس کمرے میں بسر ہوئی ہے۔۔۔ اب میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ میدانِ جنگ مجھے پکار رہا ہے۔ اب یہ محل تمہاری تحویل میں ہے" اس کا روئے سخن عنبر کی طرف تھا۔ "محل کے دروازے پر پانچ سو اسلامی سپاہ تمہارے احکامات کی تعمیل کرے گی۔ وقت نے اجازت دی۔ تو جلد ہی لوٹوں گا۔ ہارلے کی کڑی نگرانی رکھنا۔۔۔ یہ کہتے کہتے احمد راقم کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ گو اس وقت اس کے دل پر جو کچھ بیت رہی تھی۔

اس کی موجودگی میں اس کا جنگ میں حصّہ لینا۔ اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔ یوں بھی اس کی روح صہبا کے گرد بھٹک رہی تھی۔ لیکن ایک نامعلوم سا جذبہ اسے صہبا کے قرب سے فرار پر اکسا رہا تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی محبت کی بے اختیاریوں سے خائف ہو۔ یا اپنی پاکیزہ محبت کی اس تحقیر کو برداشت نہ کر سکتا ہو جس کا صہبا کی گناہ آلود بیچارگی اعلان کر رہی تھی۔

احمد کے کمرے سے نکلتے ہی عنبر ایک ہی ترنگ میں صہبا کے سرہانے جا پہنچا۔ اس کے بے قرار ہاتھ صہبا کے رخسار اور دست و بازو پر حرکت کرنے لگے۔ اب سے کچھ دیر قبل ارقم و احمد کی غیر موجودگی میں میکا اسے نیا لباس پہنا چکی تھی۔ لیکن بستر۔ جس پر صہبا کی ستم رسیدگی کی المناک داستان تحریر تھی۔ تا حال نہ بدلا جا سکا تھا۔

عنبر کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ کس طرح صہبا کو اپنی زندگی دے کر۔ فوراً ہوش میں لے آئے۔ اس کے ساتھ اینی بھی صہبا کو ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگی۔ حالانکہ پر شباب جنگ کا شورِ قیامت ان کی توجہات کو اپنے اندر جذب کئے لیتا تھا۔ وحشت ناک جنگی نعروں سے زمین و آسمان لرزتے معلوم ہو رہے تھے۔

"میں نے اپنی جیسی کوئی کوشش نہیں چھوڑی۔" ادھیڑ عمر نگہبان نے کہا۔ "لیکن خدا جانے کیسی بیہوشی ہے کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی۔"

"تم — تم سب باہر جاؤ۔" عنبر نے فالتو آدمیوں کا کمرے میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔

اب یہاں صرف میکا۔ اینی۔ ہارلے اور اس کے ساتھی رہ گئے۔

"یہ کیسی بیہوشی ہے خاتون! یہ کیا کیا گیا ہے اس معصوم کے ساتھ۔" عنبر نے میکا کو مخاطب کیا۔

"میں بتاتی ہوں جناب والا۔ لیکن یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ انہیں اس طرح بیان کیا جا سکے۔ اس کے لئے کامل تخلیہ کی ضرورت ہے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔" اینی نے میکا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی عنبر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسے۔" میکا نے گیری کی طرف اشارہ کیا جو ہارلے کے قریب ایک سپاہی کی نگرانی میں کھڑی تھی

آسے اور ہمراہ لے لیجئے۔ یہ واقعات کی چشم دید گواہ ہے "۔ عنبر کے اشارے کے ساتھ گیری کی نگرانی ختم کردی گئی۔ اب وہ بھی ان کی ہمراہ تھی۔

برابر کے کمرے میں جب عنبر اور ایپی نے میکا اور گیری کی زبانی ہارلے کے اس جور و استبداد کی روداد سُنی جس کے نتیجہ میں صہبا اب تک نیم مردہ پڑی تھی تو عنبر کو یوں محسوس ہوا گویا اس کے جسم میں خون کی بجائے پگھلا ہوا فولاد اُڑنے لگا۔ اور پھر فرطِ ضبط سے یہ سُرخ سُرخ پگھلا ہوا فولاد جسم کے باہر بھی پھوٹ پڑا۔ وہ سرتا پا ایک دہکتے ہوئے انگارے میں تبدیل ہوگیا۔ شیر دل عنبر کے یہ تغیرات کسی خطرناک اقدام کا پیش خیمہ تھے۔ جسے ایپی نے بروقت محسوس کر لیا۔ اس نے تشفی کے طور پر عنبر کی پیٹھ کو تھپتھپایا اور کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عنبر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایپی کے مقابل ہو کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

" اور اس خون میں —— پاکی و معصومیت کے اس خون میں۔ دوسروں کی نسبت تمہارے ہاتھوں کو زیادہ دخل ہے۔ اس لرزہ خیز قتل کی بنیاد اس کمرے میں نہیں۔ اس خیمہ میں پڑی تھی۔ جہاں اس خونخوار بھیڑیے نے صہبا کے لہو پر چھاپہ مارنے کی کوشش کی تھی۔ اور پھر وہ غریب دُہائی کے لئے تمہاری خوابگاہ کی طرف گئی۔ تو اس کتے نے " عنبر کی آواز میں وحشیانہ گرج عود کر آئی " صہبا کو تمہارے قتل کے الزام میں ماخوذ کرا دیا۔ تم صہبا کو جانتی تھیں۔ تمہیں معلوم تھا کہ صداقت کی دیوانی صہبا۔ جھوٹ نہیں بول سکتی۔ —— مگر تم نے —— ظالم! تم نے۔ ہارلے کی بات کا یقین کیا۔ اور جب اسلامی لشکر نے صہبا کو طلب کیا۔ تو تم نے اسے قانون کی امانت جتا کر۔ اس کی واپسی سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد۔ جب تہہ خانے میں۔ میں نے ہارلے کے ناپاک وجود کو ختم کر ڈالنا چاہا۔ تب بھی تم آڑے آگئیں۔ کاش میں اس حرام کار کے ساتھ تمہیں بھی قتل کر ڈالتا۔ صہبا کی عصمت کا یہ بڑا ہی سستا سودا ہوتا۔ بڑا ہی سستا۔ غالباً تم اس سازش میں برابر کی شریک تھیں۔ تم نے صہبا کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے اسے ہارلے ایسے درندے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ تم جانتی تھیں کہ ایک بار۔ وہ صہبا کے خون کی

طرف لپک چکا ہے۔ اور تمہاری غیر موجودگی۔ اسے کسی قیمت پر صہبا سے محروم نہیں رکھ سکے گی۔ میں تمہیں اس کامیاب سازش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں ـــــ مبارک ہو۔ صہبا کی شکستِ تقدیس۔ عنبر کی دیوانگی ـــــ اس محبت کی گناہ آلودگی!!"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے محبوب!" اپنی عنبر کے قدموں میں آپڑی ـــــ "میں قسم کھاتی ہوں خداوند عالم کی ـــ مقدس انجیل ـــــ"

"ہٹ جاؤ!" عنبر نے اسے روڑے کی طرح ایک طرف ٹھکرادیا اور دیوانہ وار لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا صہبا کے کمرے میں پہنچ گیا۔ جو نیم حال بے سُدھ پڑی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے اپنی۔ میکا اور گیری بھی یہاں پہنچ گئیں۔

"ذلیل کتے!" عنبر ہارلے کے عین مقابل پہنچ کر گرجا۔ اور اس کے ساتھ ہی ہارلے نے کچھ اس طرح جھٹکا کھایا گویا۔ اس نے آواز کی بجائے منوں وزنی ہتھوڑا سہار رہا ہو ـــــ "میں دعویٰ کرتا ہوں۔ اور خدا نے چاہا تو یہ پورا بھی ہوگا۔ کہ صہبا اکیلی ہی تجھ جیسے بزدل کمینہ کی ہڈیاں توڑ سکتی تھی۔ اور وہ یقیناً تیرے ناپاک جسم کو پھاڑ ڈالتی۔ اگر تو اپنی شیطانی ٹولی کے ساتھ اس پر حملہ آور نہ ہوتا ـــــ اور یاد رکھ ـــ وہ لہو۔ جس سے تو نے اپنی ناپاک تھوتھنی تر کی ہے ـــ مقدس صہبا کا نہیں۔ تیرے اپنے شیطانی وسوسوں کا تھا۔ دیکھ اس معصوم کو۔ جس کا چہرہ اب تک نا پاک پاکیزگیوں کا مسکن ہے۔ جو اپنے تمام قیمتی جوہروں کو خدا کے حوالے کئے بیہوش پڑی ہے۔ دیکھ اس کی تابندہ پیشانی کو۔ جس پر اب بھی ناقابلِ تسخیر نسوانی وقار و خصوصیت ہے۔ وہ اب الگ۔ محبت۔ شرافت اور تقدس کی امین ہے۔ اور پھر دیکھ اپنا یہ منحوس چہرہ جو ندامت ہی ندامت ہے۔ ذلالت ہی ذلالت ہے۔ گناہ ہی گناہ ہے۔ اور شاید جہنم کا ایندھن بھی۔ میکا! اس کندۂ ناتراش کو اسی کمرے میں دفن کردو۔ جہاں صہبا کو رکھا گیا تھا۔ اس مردود کو اس سے پہلے کہ میرا ہاتھ ایک بزدل کمینہ پر بلند ہو۔ لے جاؤ!"

میکا دروازے کے پہریداروں کی مدد سے ہارلے کو کمرے سے باہر لے گئی۔

"تخلیہ!" عنبر نے اپنی لوٹی ہوئی سی گردن کو ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ اور جب یہاں اینی اور بیہوش صہبا کے سوا اور کوئی نہ رہا تو عنبر کے لرزتے ہوئے ہاتھ پھر صہبا کے نازک نازک جسم میں زندگی کی حرارتیں ٹٹولنے لگے۔ اینی صہبا کی پائنتی بیٹھی اس کی پنڈلیوں کے دورانِ خون کو بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"صہبا!" عنبر بے بس ہو کر آبدیدہ ہو گیا۔ "صہبا!! ۔ آنکھیں کھولو صہبا ۔ خدا کے لئے آنکھیں کھولو ۔ دیکھو تمہارے پاس تمہارا ۔ تمہارا اپنا عنبر بیٹھا ہوا ہے ۔ تمہارا ازلی ساتھی ۔ تمہارا روحانی دوست!! ۔ صہبا ۔ صہبا!! اوہ میرے خدا!!!" وہ دیوانوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا ۔ "صہبا!" اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔ جیسے اس کی ساری کائنات اس کی آواز میں بکھری ہوئی ہو ۔ "میں تمہیں اس حال میں زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا ۔ میں پاگل ہو جاؤں گا صہبا ۔ صہبا ۔" عنبر کی ان مجنونانہ ترنگوں نے اینی کا دل ہلا دیا۔ وہ پائنتی سے اٹھ کر سرہانے پہنچی۔ اور عنبر کو بازوؤں سے پکڑ کر ایک طرف کرتے ہوئے محبت آمیز لہجہ میں بولی۔

"میں کوشش کرتی ہوں اپنی بہن کو ہوش میں لانے کی۔ آپ آرام سے یہاں بیٹھ جائیں۔" اس نے عنبر کو چوکی پر بٹھا دیا۔ اور صہبا کے کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ "عنبر! عنبر!! عنبر!!! عنبر تمہارے پاس ہے ۔ تمہارا عنبر تمہارے پاس کھڑا ہے ۔ صہبا! ۔ عنبر!" ۔ اور معاً اینی کو یوں معلوم ہوا۔ جیسے یاس کی سیاہیوں میں امید کی بجلی کوند گئی ہو۔ صہبا کے جسم میں خفیف سا ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ اینی اپنی تدبیر کی کارگری پر نئے عزم کے ساتھ زور زور سے چیخنے لگی۔ "صہبا بہن! عنبر!! تمہارا عنبر!!! عنبر!!! ۔ صہبا ہوش میں آ رہی ہے۔ یہاں آ جاؤ عنبر۔ میرے ۔" جملہ اینی کے حلق میں اٹک گیا۔ آنکھیں ضبطِ غم سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے اپنے جملے کو مناسب ترمیم کے ساتھ پھر دوہرانا چاہا۔ مگر عنبر اس خوش خبری کو سنتے ہی صہبا پر آ جھکا تھا۔

"صہبا!" عنبر چیخا۔ "دیکھو۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ تمہارے بالکل قریب ۔ تمہارا عنبر! صہبا

کے جسم میں ایک بار پھر توانائی کلبلائی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں کو جو ڈھیلے پڑے ہوئے تھے۔ اپنے سینے کی طرف سمیٹنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کے ساتھ اس کی دونوں ٹانگیں بُری طرح کپکپانے لگیں۔ عنبر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیکر اسے آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہوئے چلّایا۔

"صہبا! آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہارے پاس کون کھڑا ہے صہبا" صہبا کی لمبی لمبی پلکوں کو ہلکی سی حرکت ہوئی نحیف و نزار آنکھیں تھوڑی تھوڑی کھلیں اور گرد و پیش کا جائزہ لئے بغیر ہی پھر بند بند ہو گئیں۔ ایجی آگے بڑھی۔

"صہبا۔ دیکھو عنبر تمہارے پاس کھڑے ہیں۔ آنکھیں کھولو" اور اس بار صہبا کی نیم وا آنکھیں۔ سامنے کی اشیاء سے پھسلتی ہوئی۔ پہلے ایجی اور پھر عنبر کے چہرے پر پڑیں۔ عنبر کو دیکھتے ہی جیسے اس کے جسم میں تاب و توانائی ایک دم جاگ پڑی ہو۔ سب سے پہلے گھبرائے ہوئے انداز میں اس نے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ جو نئے کپڑوں میں ملبوس اور کمر تک چادر میں چھپا ہوا تھا۔ اس طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد وہ کچھ بجھ سی گئی۔ شاید اس لئے کہ یہ سب کچھ جو اس وقت اسے نظر آ رہا تھا۔ قطعی طور پر بعید از قیاس تھا۔ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر عنبر نے اسے سہارا دے کر پھر دراز کر دیا۔

"لیٹی رہو صہبا۔ تھوڑی دیر اور ــــــ"

"ٹھہریئے!" ایجی نے جلد بازی میں کہا۔ "میں ابھی آتی ہوں" اور یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ مگر بیرونی پہرہ داروں نے سنگینوں کے درمیان میں لے کر اسے روک لیا۔

"عنبر!" وہ باہر ہی سے چیخی۔ "میں ملازمین کے کمروں تک جانا چاہتی ہوں۔ پہرہ دار مجھے روک رہے ہیں"

"جانے دو" عنبر نے اندر سے آواز دی۔ مگر پہرہ داروں نے اس غائبانہ آواز پر اعتبار نہ کیا۔ بالآخر عنبر کو خود یہاں آ کر ایجی کے لئے راستہ بنانا پڑا۔

عنبر کی غیر موجودگی میں صہبا نے ایک بار پھر چادر الگ پھینک کر اُٹھنے کی کوشش کی ــــ مگر چادر کے ہٹتے ہی۔ ناپاک بستر نے اس کے جسم کی ساری توانائی از سر نو جذب کر لی۔ اس نے جلدی سے چادر کو دوبارہ اپنے اوپر گھسیٹ لیا۔ اور اس کا جسم ایک بار پھر بے جان ہو کر بستر پر آپڑا نفسیاتی طور پر۔ اب اسے جسم کا بند بند اینٹھتا ہوا سا معلوم ہوا۔ درد و کراہ کے غلبہ نے ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں بے چینیاں بھر کر انہیں بند کر دیا۔

شہر اور بیرونِ شہر کے فلک شگاف جنگی نعروں سے فضا انتہائی وحشت ناک صورت اختیار کر گئی۔ مار دھاڑ۔ زخمیوں کی پکار اور ہزاروں زخمی گھوڑوں کی ہنہناہٹوں نے جنگی زد سے محفوظ لوگوں کے بھی حواس معطل کئے ہوئے تھے۔ لیکن صہبا کا کمرہ اپنی درد انگیزیوں کے سبب جنگ و جدل کے ماحول سے قطعی غیر متاثر معلوم ہوتا تھا۔

عنبر جب دروازے سے واپس آیا تو اس نے خلاف توقع صہبا کو پھر بے سدھ پڑا پایا۔

"صہبا!" وہ صہبا کے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں بھر کر اوپر اٹھاتے ہوئے چلایا۔ جواب میں صہبا کی پھٹی پھٹی آنکھیں ایک دم کھل گئیں۔ مگر اس طرح کہ وہ اپنے ہوش و حواس پر اعتماد نہ کر رہی ہو۔ اس پر ایک خواب کی سی کیفیت طاری ہو۔ ایک ایسے خواب کی سی۔ جو سوتے جاگتے یکساں طور پر دکھائی دے رہا ہو۔ یا پھر وہ اپنے آپ کو ایک ایسی طلسمی دنیا میں پا رہی ہو۔ جس سے حقائق کا تعلق وہم و گمان میں بھی ممکن نہ ہو۔ عنبر ان بیگانہ وار نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے بوکھلا سا گیا۔

"میں عنبر ہوں صہبا ــــ وہی عنبر۔ جس سے تم نے پیمانِ وفا باندھا تھا۔ یاد ہے وہ مکان جہاں ہم سب اکٹھے رہا کرتے تھے۔ جس کے ایک کمرے میں ہم نے زندگی بھر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تم اسلامی لشکر کی فتحیابی کی دعائیں مانگا کرتی تھیں نا؟ اسلامی لشکر فتحیاب ہو گیا صہبا۔ ہم نے اپنے تمام دشمنوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ ہارلے بھی قید میں ہے ــــ"

"ہارلے!" صہبا نے وحشیوں کی طرح ایک زوردار چیخ لگائی۔ "اور تم ــــ" صہبا کا گلا رندھ گیا

زبان کی جگہ آنکھوں نے لے لی۔ جیسے کسی نے بڑے بڑے آبلوں کو نشتر سے چھیڑ دیا ہو۔

"ہاں — ہاں — کہو نا۔ کیا کہہ رہی تھیں میرے متعلق — خاموش کیوں ہو گئیں — بولو صہبا۔ خدا کے لئے وہ سب کچھ کہدو۔ جو تمہارے دل میں ہے — میں جانتا ہوں۔ تمہیں مجھ سے بدظن کیا گیا ہے۔ تم مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو۔ لیکن وہ سچ نہیں ہے۔ خدا کی قسم وہ سچ نہیں ہے۔" عنبر چیختا رہا۔ لیکن صہبا کی آنسو بہاتی ہوئی بند آنکھیں۔ بدستور بند رہیں۔

"نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!"

"مارو! مارو!"

ایکا ایکی محل کا سارا گردو پیش جنگی نعروں سے لرز اٹھا۔ عنبر دریافت حال کے لئے دروازے کی طرف لپکا ہی تھا کہ میکا گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ارقم شرفِ باریابی کا منتظر ہے۔"

"بھیجدو!" عنبر جہاں تک بڑھا تھا۔ وہیں ٹھہر گیا۔ چند ساعتوں کے بعد تازہ تازہ لہو میں نہایا ہوا ارقم۔ میکا کے سہارے۔ گرتا پڑتا عنبر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اپنے رفیقِ کار کو اس عالم میں دیکھ کر عنبر کے مجروح دل و دماغ پر ایک اور کاری ضرب پڑی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنے کندھے پر لے لیا اور قریب کی چوکی پر لٹاتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہاں تھے۔ اور یہ حالت کیسے ہو گئی۔"

"مجھے امیرِ لشکر نے محل کے دروازے پر تعینات سپاہ کا افسر مقرر کیا تھا جناب والا۔" ارقم نے رُک رُک کر کہنا شروع کیا۔ "اور وہ تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ شہر کے عقبی حصّہ کی طرف بڑھ گئے تھے۔ عیسائیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں تیزی کے ساتھ محل کی طرف آرہی ہیں۔ آثار اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ اگر اسلامی لشکر دیگر مورچوں پر غالب آیا ہوتا۔ تو یہ ٹکڑیاں ادھر کا رُخ نہیں کر سکتی تھیں — ان کا ادھر آنا

رب العزت ———" ارقم نے ناگفتنی سے دامن بچاتے ہوئے کہا۔ "مسلمانوں کا حافظ و معین ہو —— میری رائے ہیں ———" عین اس موقعہ پر اینی دودھ کا بڑا سا برتن لئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس پر خوف و ہراس کا گہرا اثر تھا۔ وہ باہر سے آئی تھی۔ جہاں اس وقت جنگ و جدل کا بازار گرم تھا۔ اینی نے برتن زمین پر رکھ کر صہبا کو سہارا دے کر اٹھایا اور بازو پر سہارا کر اسے تازہ تازہ دودھ کے زبردستی کئی گلاس پلائے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس کی حالت روبہ صحت ہے۔ وہ عنبر کی طرف بڑھ گئی۔

" باہر کی حالت بڑی نازک ہے۔ مسلمانوں نے محل کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے۔ لیکن وہ عیسائیوں کی پے در پے یلغاروں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ عیسائیوں کی تعداد دم بدم بڑھ رہی ہے جو عیسائی احاطہ کے اندر پہنچ چکے ہیں وہ مسلمانوں پر بھاری پڑ رہے ہیں۔ ہم یہاں سخت خطرہ میں ہیں۔ اگر ہم نے فوری طور پر اپنی جانوں کا فکر نہ کیا —— تو شاید —— مگر —— مگر —— !" اینی کی آواز کسی الہامی اندیشہ میں دب کر رہ گئی ——" آپ لوگ بے فکر رہیں ———" معاً اس کی آواز میں جراجہ کی شہزادی کا وقار عود کر آیا۔ "یہ بنت سرد غوس کا محل ہے۔ یہاں آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا ———" اینی نے آگے بڑھ کر ارقم کی خون آلود تلوار کھینچ لی —— "آپ لوگ بالاخانہ پر زیادہ محفوظ رہیں گے —— جلدی کیجئے۔ میں محل کے صدر دروازے کو مقفّل کرنا چاہتی ہوں۔"

عنبر نے جلدی سے صہبا کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ میکا نے ارقم کو سہارا دیا۔ اور یہ لوگ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اینی کی رہنمائی میں بالائی حصّہ پر پہنچ گئے۔

" تم یہاں سے جنگی حالات کا جائزہ لے سکتے ہو۔ کوئی پرواہ نہیں اگر عیسائی تمہیں یہاں دیکھ پائیں۔ میں تمہاری ذمّہ دار ہوں۔" اتنا کہہ کر اینی نے عنبر کو بھرپور نگاہوں سے۔ ایسی نگاہوں سے۔ جن میں محبّت ہی محبّت تھی۔ اعتماد ہی اعتماد تھا۔ وفا ہی وفا تھی۔ دیکھا۔ اور پھر وہ ایک دم زینہ کی طرف پلٹ گئی جب وہ محل کے سامنے والے باغ میں پہنچی۔ تو احاطہ کے اندر کے تمام مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ باہر کے عیسائیوں نے احاطہ کا دروازہ توڑ دیا تھا۔ اور اب ہر لمحے میں سینکڑوں عیسائی بلا کسی

مزاحمت کے محل کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔

"شاباش مسیحی شیرو!" اینی نے بڑھتے ہوئے طوفان کو آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی۔ "میں جانتی تھی کہ بالآخر جیت ہماری ہی ہو گی۔ مسیحی اقتدار!" اینی نے تلوار فضا میں لہرا کر پُرزور نعرہ لگایا۔

"زندہ باد!" سپاہیوں نے فلک شگاف ہم آہنگی سے جواب دیا۔ اینی کی محل میں موجودگی عیسائی سپاہیوں کے لئے بڑی حیرت انگیز تھی۔ کیونکہ ہارلے اور جوب کی طرف سے انہیں بتایا گیا تھا کہ اینی سخت علیل ہے۔ اور اینی اس علالت کے سبب جنگی سرگرمیوں میں کوئی حصّہ نہ لے سکے گی۔ علاوہ ازیں انہوں نے دیگر مورچوں پر سرکاری وسائل سے سنا تھا کہ محل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ محل پر تعینات اسلامی دستے سے ٹکر لینے کے بعد انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ محل کے تمام باشندے مسلمانوں کی قید و بند میں ہوں گے۔ مگر اینی کو اس طرح آزاد و تندرست بلکہ خون میں ڈوبی ہوئی تلوار دیکھ کر ان لوگوں کے حیرت و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ نہیں سمجھ سکے کہ محل پر اسلامی قبضہ کے بعد۔۔۔ اینی اس صورتِ حال میں کیونکر پائی جاسکتی ہے۔ تاہم وہ اینی کی آزادی سے واقف تھے۔ اور اتنی ساری آنکھیں دھوکہ نہیں کھاسکتی تھیں۔

"بہادرانِ وطن!" اینی نے مفکرانہ انداز میں کہا۔ "ہماری پاک سرزمین کا یہ حصّہ دشمن کے ناپاک وجود سے صاف ہو گیا۔ اب تمہارا کام محل پر اپنے قبضہ کو مضبوط بنانا ہے۔ ٹوٹے ہوئے پھاٹک کو سہارا دے کر اپنی جگہ جما دو۔ اور باہر نکل کر صف آرا ہو جاؤ۔ صرف دو تین سپاہی۔ جنہیں مختلف مورچوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ جنگی معلومات ہوں۔ یہاں رہ جائیں۔"

اینی کا حکم پاتے ہی یہ انسانی سیلاب پیچھے کی طرف پلٹ گیا۔ سینکڑوں سپاہی دروازے کو دوبارہ کھڑا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اینی دس بارہ سپاہیوں کو ساتھ لئے باغیچہ کے وسط میں آکھڑی ہوئی۔

"شہر کے عقبی حصّہ میں جنگ کا کیا حال ہے؟" اینی نے دریافت کیا۔

"وہاں زبردست جنگ جاری ہے۔ ایک فوجی نے آگے بڑھ کر نمائندگی کی۔ ہمارے بہادروں نے

دشمن کے نظم و نسق کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے۔ ان کی صفیں تتر بتر ہو گئی ہیں۔ زمین لاشوں سے پٹی پڑی ہے۔ دشمن چند بڑی بڑی عمارتوں پر۔ جن میں ہمارے قیمتی ذخائر موجود تھے۔ قابض ہو گیا تھا۔ ہماری فوج ان کی دوبارہ واپسی پر ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہے۔"

"صدر دروازے کا مورچہ کس حال میں ہے۔"

"وہاں بھی گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔" دوسرا فوجی آگے آیا۔ "دروازے کے دونوں طرف لاشوں کے اونچے اونچے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرف خون ہی خون ہے۔ ہمارا یہ مورچہ تاحال سلامت ہے۔ اور دو طرفہ مار کر رہا ہے۔ اندر کی طرف بھی اور باہر ——"

"اور باہر؟" اینی نے بات کاٹ دی۔

"باہر سب سے زوردار جنگ دونوں دروازوں پر لڑی جا رہی ہے۔ تیسرا بڑا محاذ ابلی دروازے پر لگا ہوا ہے۔ جس کے ذریعہ مسلمان شہر میں داخل ہوئے تھے اور جو اب تک انہیں کے قبضہ میں ہے۔"

"اور ——"؟ اینی نے وضاحت چاہی۔

"پورے شہر میں جا بجا جنگ و جدل کا بازار گرم ہے۔ اکثر مقامات پر دست بدست جنگ کی نوبت آ پہنچی ہے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔"

"پھر ایسے نازک وقت میں یہاں اتنی زیادہ فوج کا اجتماع کیوں ہو گیا ہے۔ محل کی حفاظت کے لئے سو سوا سو سپاہی کافی ہیں۔" اس گفتگو کے بعد اینی لمبے لمبے قدم بڑھاتی ہوئی آہنی پھاٹک پر پہنچی اور جنگلے کے سامنے صف آرا فوج سے پر جوش لہجہ میں خطاب کیا۔

"صلیبی جانبازو! یہ وقت بیکار بیٹھنے کا نہیں ہے۔ تمہارے بھائی میدانِ جنگ میں سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان کا شریک بن کر ان کی طاقت میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ محل کی حفاظت کے لئے وہ لوگ کافی ہیں۔ جنہیں میں نے اندر چھپا یا ہوا ہے۔ پھاٹک پر پچاس ساٹھ جیالے سپاہی تعینات کر دو۔ اور باقی تمام اپنے بھائیوں کی مدد

کیلئے روانہ ہو جاؤ۔ جلدی کرو۔ بُرا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ فوراً تعمیل ہو۔

محل کے بالائی حصے سے۔ ایک ستون کی آڑ لیے عنبر اینی کی یہ ساری کارروائی بغور دیکھ رہا تھا۔ اب صہبا بھی پوری طرح ہوش میں آچکی تھی۔ وہ فرش پر بیٹھی میکا کو گھورے جا رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کا ثبات واضح کر رہا تھا کہ وہ جنگ وجدل کی اُن آوازوں سے بالکل غیر متاثر ہے۔ جن کی لرزہ خیزیوں سے قیامت کا تصوّر سر بگریباں تھا۔ میکا کا چہرہ غالباً ان تحریروں کی نقاب کشائی کر رہا تھا۔ جنھیں ناقابلِ یقین حادثات نے خواب وخیال کی حیثیت دیدی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اب بھی یہ مترشح تھا کہ وہ موجودہ حقائق سے مطمئن نہیں ہے۔ ابھی پر خواب کی سی کیفیت طاری تھی۔

"نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!!"

"نعرہ تکبیر!"

"اللہ اکبر!!"

جنگ وجدل کا پُر شور ماحول ایک بار پھر اللہ کی بزرگی وبڑائی کے اعلان سے سنسنانے لگا۔ اللہ اکبر کے نعروں نے صہبا کو چونکا کر ایک دم کھڑا کر دیا۔ وہ ان پاکیزہ اور نعروں کا تعاقب کرنے کیلئے آگے بڑھی ہی تھی کہ عنبر نے ستون کی آڑ سے نکل کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

"اس وقت ہمارا یہاں نمودار ہونا خطرناک ہے۔ اس کی آڑ میں آجاؤ۔ وہ دیکھو اسلامی لشکر۔ پرچم لہراتا۔ محل کی طرف آرہا ہے۔۔۔ اور ان کے پیچھے۔ عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن یہ تعاقب کیسا؟ کیا اسلامی لشکر کے پاؤں۔۔۔ اے پاک بے نیاز!" عنبر کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ "مسلمانوں کو شکست کی ذلت وخواری سے محفوظ رکھ! اے رب العالمین۔ ان کی مشکل کشائی کر۔۔۔"

وہ اسلامی دستہ۔ جو نعرے لگاتا محل کی طرف اُمڈا چلا آرہا تھا۔ اسلامی لشکر کے نوجوان سپہ سالار احمد کی سرکردگی میں شہر کے عقبی دروازے پر مصروفِ پیکار تھا۔ کہ اچانک اسے محل پر عیسائی قبضہ کی اطلاع

لی۔ اور یہ بسرعت اپنے دستے کو لے کر اس طرف دوڑ پڑا۔ میدانِ جنگ میں ایک ذمّہ دار افسر کا
اس طرح کھلے بندوں، مختلف مورچوں پر لڑتے پھرنا کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں تھا۔ اور اس تھوڑے سے
عرصہ میں احمد کو اس کے کئی جاں نثار۔ اس غلطی کا احساس دلا چکے تھے۔ مگر احمد جانتے بوجھتے ان خطروں
سے کھیلتا پھر رہا تھا۔

اینی نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر پھاٹک کے قریب پہنچی۔ اسلامی لشکر بہت قریب آ چکا
تھا۔ اینی نے محل کو جن حالات کے حوالے کر رکھا تھا۔ اس کے پیشِ نگاہ۔ مسلمانوں کی یہ یلغار قطعی بے سود تھی۔
مفت کا جانی نقصان۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کس طرح باہر نکل کر یہاں کی صورتِ حال سے مطلع کر دے۔

"کہیں ایسا نہ ہو" اینی کو فکر ہوئی "کہ اسلامی دستہ کا تعاقب کرنے والی عیسائی فوج میں جوب
یا اس کے نائب موجود ہوں۔ جو میری بابتہ جملہ حالات سے باخبر ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو سارا بنا بنایا کھیل
ایک لمحہ میں بگڑ جائے گا" اس لئے یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور تیزی سے محل کے بالائی حصّہ پر پہنچ کر
عنبر کی شریک بن گئی۔ یہاں سے باہر کا سارا منظر بخوبی نظر آتا تھا۔ اینی نے عنبر کی طرح خود کو بھی ایک ستون
کی آڑ میں لے لیا۔ اس موقعہ پر اس کی تشویشناک نگاہیں۔ اسلامی دستے کا تعاقب کرنے والی عیسائی ٹکڑی کا
تعاقب کرنے لگیں۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے۔ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی نظر نہ آئی۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اسلامی لشکر کی بے تحاشہ دوڑ ایک دم سست پڑ گئی۔ جیسے
عقاب اپنے شکار پر جھپٹنے سے پہلے اپنے جسم کی تمام طاقت کو ایک مرکز پر سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

"اگلی چار قطاروں کے علاوہ" احمد نے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے حکم دیا "باقی تمام مجاہدین
پیچھے پلٹ کر تعاقب کرنے والی عیسائی سپاہ پر ٹوٹ پڑیں"

اس حکم کی گونج کے ساتھ۔ اسلامی دستہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اگلی چار قطاریں جو بمشکل چالیس افراد
پر مشتمل ہوں گی۔ احمد کے ساتھ دروازے پر تعینات عیسائی سپاہیوں پر جا پڑیں۔ اور پچھلا حصّہ جس میں
چار سو آہن پوش جوان تھے۔ ایکا ایکی دشمنوں پر پلٹ پڑا۔ تعاقب کرنے والوں کی تعداد پانچ سو سے

زیادہ نہ تھی۔ اسلامی دستے کے یہ دونوں حصے اس شدت کے ساتھ دشمنوں سے ٹکرائے کہ چشم زدن میں بیسیوں لاشیں زمین پر آ پڑیں۔ پچاسوں زخمی۔ خاک و خون میں مچھلیوں کی طرح تڑپنے لگے۔ چونکہ دروازے پر عیسائی سپاہیوں کی تعداد صرف پچاس ساٹھ تھی۔ اس لئے جنگی گرج برس کے بعد یہاں کا مطلع جلد ہی صاف ہو گیا۔ مسلمان سپاہی دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ اینی دوڑتی ہوئی یہاں آ پہنچی۔

"دروازہ کھولنے کی کوشش نہ کرو" اینی چلائی۔ "یہ ٹوٹ چکا ہے۔ اور ذرا سے دھکے سے نیچے آ پڑے گا ——— آپ یہاں تشریف لائیں۔ میرے بالکل قریب!" اینی نے اپنا سر دو سلاخوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ باہر نکال کر احمد سے درخواست کی۔

نڈھال و زار احمد۔ جس کا سارا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جسے چھوٹے چھوٹے زخموں نے سخت بدحال کر رکھا تھا۔ گھوڑے سے اتر کر شرابیوں ایسی چال سے اینی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اوہ!" اینی نے پھر یری سی لی۔ "آپ کا لباس تو بالکل ——— ارے! آپ کا یہ ہاتھ تو سخت زخمی ہے۔ آپ اندر آ جائیں۔ آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔ اسلامی لشکر میں آپ کی ذات انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ دشمن اس زبوں حالی سے فائدہ اٹھا جائیں۔ میں ضمنی کھڑکی کھولتی ہوں۔"

"میں ایسی باتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہوں محترم خاتون۔ ہر شخص اپنے بارے میں دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔"

"اچھا تو سنیئے!" اینی وقت کی نزاکت کا پاس کرتے ہوئے اصرار و تکرار سے دست بردار ہو گئی۔ "اس محل پر دخترِ سرقوس کا اس وقت تک قبضہ رہے گا۔ جب تک کہ جوب یا اس کے دو نائبین مجھے یہاں نہیں دیکھ لیتے۔ یا میری محل میں آزادانہ موجودگی کے بارے میں انہیں کوئی اطلاع نہیں مل جاتی۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ اس طرف ان لوگوں کا گزر نہ ہونے دیا جائے۔ جن کی واضح پہچان ان کی نیلی وردیوں پر سنہری گوٹ ہے۔ تو یہ محل آپ لوگوں کے لئے ایک بے ضرر آرام گاہ ثابت ہو سکتا ہے ——— صہبا ہوش میں آ چکی ہے۔ وہ کھڑی ہے ——— وہ!" اس نے انگلی سے بالائی حصہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور پھر فوراً ہی ہاتھ کو یوں سمیٹ لیا جیسے اس نے کسی زبردست حماقت کا ارتکاب کیا ہو۔

احمد نے دزدیدہ نگاہوں سے بالائی حصہ کی طرف دیکھا لیکن وہاں عنبر کے سر کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔

"مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔" احمد نے چلتے چلتے کہا۔ "اگر حالات نے زندہ چھوڑا۔"

"میرے ساتھ آؤ!" احمد اپنے ہمراہیوں کو سمیٹ کر اپنی دوسری ٹکڑی کا شریک بن گیا۔ جو لگاتار زوردار حملوں کے باوجود دشمن کو شکست نہ دے سکی تھی۔ احمد کے یہاں پہنچتے ہی اسلامی لشکر کے بازوؤں میں نئی قوت لہلہانے لگی۔

"اللہ کے انتھک بندو! ظہر کا وقت آ لگا ہے۔" احمد اپنے دستے کے قلب میں پہنچ کر پوری قوت سے چیخا۔ "شہر کی جنگ آخری مرحلے پر پہنچ چکی ہے۔ اور اب صرف چند اختتامیہ حیدری حملوں کی ضرورت ہے۔ ہم نماز پڑھیں گے۔ اور بروقت پڑھیں گے۔ تلواریں نیام میں ڈال کر بھالے سنبھال لو۔ اور بارگاہ ایزدی کے نام پر۔ ایک بھرپور حملہ۔ ایسا بھرپور۔ کہ بھیڑوں کا یہ حقیر سا گلہ۔ ہمارا مقابل نہ ہو سکے۔ نعرۂ تکبیر!"

"اللہ اکبر!" ——— اور مسلمانوں کا یہ پرجوش حملہ دشمنوں کے لئے برقِ بے امان ثابت ہوا۔ وہ اس ظلم بردار طاقت کی اس بے پناہ جھوک کو برداشت نہ کر سکے۔ بیسیوں مٹی کے پتلوں کی طرح زمین پر آ رہے۔ جو باقی بچے۔ وہ ایسے پھسلے۔ کہ ان کے قدموں کو دور تک استقامت کی مہلت نہ مل سکی۔ اور اس کے بعد جس کے جدھر سینگ سمائے۔ بھاگ پڑا۔

اس مختصر سے عرصہ میں محل کا اگلا حصہ لاشوں اور زخمیوں سے اس قدر گنجان ہو گیا تھا کہ گھڑسواروں کی آزادانہ نقل و حرکت ناممکن تھی۔ اس پر زخمیوں کی آہ و بکا۔ اور دل ہلا دینے والی چیخیں۔ بعض زخمی اپنی زندگی کی آخری ترنگوں کے ساتھ کھڑے ہوتے۔ اور دو ایک قدم چل کر پھر دھم سے ڈھیر ہو جاتے۔ بعض اپنے گلوں پر ہاتھ پھیر کر حلق کی خشکی اور پیاس کی بے پناہ شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس دردناک منظر کا بیشتر حصہ محل کے بالاخانہ پر کھڑے ہوئے انسانوں کی نگاہ میں تھا۔ وہ ان لوگوں کی مدد کے لئے بیتاب تھے جنھوں نے اپنے وطن اور اپنے قومی وقار کے لئے یہ برا وقت دیکھا تھا۔ مگر حالات کی مجبوریاں ان کے شریفانہ عزائم کی مخالف تھیں۔

کچھ دیر بعد۔

جب کہ دونوں لشکروں کو میدان میں اُترے پورے بارہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ اور اب وہ وقت آ چکا تھا جب کہ دونوں طرف کے سپاہی اپنی تاب و توانائی کی آخری جنبشوں تک کو داؤ پر لگا چکے تھے۔ تکان اور بھوک پیاس کی شدت نے انہیں اس حد تک خستہ حال کر دیا تھا کہ اب محض مدافعانہ جنگ ہو رہی تھی۔ سپاہیوں کے وہ اعضاء جو ابتدا میں تیز رفتار کلوں کی طرح چل رہے تھے۔ اب معمولی ہوا میں ہلتی ہوئی شاخوں کی طرح حرکت کر رہے تھے۔

شہر کے باہر۔ کئی افسروں نے ایمرسن کو فوج کی اس ناقابلِ برداشت حالت کا احساس دلایا۔ مگر ایمرسن کے پاس انہیں جنگ جاری رکھنے کے لئے کئی تسلی بخش جواب موجود تھے۔ جنہیں وہ انتہائی ترشروئی کے ساتھ بروئے کار لاتا رہا۔

"دشمن نے ہم پر قبل از وقت اچانک حملہ کیا ہے۔ اور ہمارے وقار کا تقاضہ ہے۔ کہ التوائے جنگ کا اعلان بھی انہیں کی جانب سے ہو۔

تمہارا سپہ سالار پھولوں کی سیج پر محوِ خواب نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہی میدانِ جنگ میں موجود ہے۔ اور تمہاری ہی طرح بھوکا پیاسا مصروفِ پیکار ہے۔

بھوک اور تکان ہر انسان کے لئے یکساں ہے۔ کیا دشمن بھی تمہاری طرح جنگ ملتوی کرانے کے لئے بے قرار ہے؟

التوائے جنگ کے سلسلے میں ہماری جانب سے پہل نہیں ہو سکتی۔ یہ بزدلی ہے۔ بے غیرتی ہے۔"

اور اب یہ حالت تھی۔ کہ افسران اس معقول مطالبہ کو ایمرسن کے سامنے بیان کرتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے خود مسلمانوں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ یکے بعد دیگرے کئی افسر فوج کی شکستہ حالی کی طرف اشارہ کر چکے تھے۔ بالآخر سپاہیوں کی ایک ٹولی نے حسن کے سامنے کھلے طور پر وقفۂ راحت کا مطالبہ کیا۔

"ہاں۔ ظہر کا وقت ہو چکا ہے۔" حسن نے جواب دیا۔ "میں قاصد بھیجتا ہوں۔ جب تک جواب نہ آئے۔ ہمیں یہ جنگ جاری رکھنا ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد۔

اسلامی لشکر سے ایک شتر سوار سفید علم لہراتا۔ تیزی کے ساتھ عیسائی لشکر کی جانب بڑھنے لگا۔ جن سپاہیوں نے اس شتر سوار کو دیکھا۔ ان کے مُردہ جسم میں جان سی پڑ گئی۔ کیونکہ اس موقعہ پر اس کا مطلب سوائے التوائے جنگ کے اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ ایک عیسائی افسر اور چند سپاہی شتر سوار کو اپنی نگرانی میں ایمرسن کے پاس لے گئے۔ شتر سوار نے اونٹ کی مہار ایک سپاہی کو تھمائی اور مودبانہ انداز میں کہا۔

"میں اپنے امیرِ لشکر جناب حسن بن علی کی جانب سے بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ وقت ہماری عبادت کا ہے۔ جس کے لئے ہمیں تھوڑی سی مہلت درکار ہے۔ لیکن اگر اس مختصر مہلت میں آپ کی طرف سے توسیع ضروری سمجھی گئی۔ تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہوں گے۔ بشرطیکہ۔ یہ وقفہ کل نکلتے سورج سے زیادہ طویل نہ ہو۔"

ایمرسن پیغام کے ان شاطرانہ الفاظ پر جھلا کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ بارہ گھنٹے کے تھکے ہارے فوجیوں کے لئے یہ مختصر سی مہلت۔ جو اسلامی امیرِ لشکر طلب کر رہا ہے۔ سراسر ڈھونگ ہے۔ مگر اس کے باوجود ایمرسن اس مختصر سی مہلت پر رضامند ہو کر اس ڈھونگ کی اصلیت معلوم کرنے کا روادار نہ ہو سکا۔ کیونکہ یہ آزمائش اجتماعی غم و غصّہ کا سبب بن سکتی تھی۔

"اپنے سپہ سالار سے کہنا۔" ایمرسن نے دل کی بھڑاس الفاظ پر نکالتے ہوئے کہا۔ "یا تو یہ جنگ جاری رہے گی۔ یا پھر اسے کل صبح تک کے لئے ملتوی کرنا ہو گا۔"

"ہمارا امیرِ لشکر التوائے جنگ کے اس وقفہ پر پہلے ہی اتفاق کا اظہار کر چکا ہے۔ لہٰذا جناب والا التوائے جنگ کا اعلان فرما سکتے ہیں۔"

ایمرسن نے قاصد کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ساعتیں انتظار کے بعد قاصد نے رخصتی تعظیم

دی۔ اور اونٹ پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کی طرف لوٹ گیا۔

کچھ دیر بعد مختلف مورچوں پر طبلِ جنگ اور سفید پھریروں کے ذریعہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔ التوائے جنگ کا اعلان۔ اس وقت سپاہیوں کے لئے اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ ایک بار تو وہ اپنے چُور چُور جسم کو بالکل ہی بھول گئے۔ التوائے جنگ کے طبل کی آواز جب شہر میں پہنچی۔ اور فصیل پر مصروفِ جنگ عیسائیوں نے باہر سفید پرچم لہراتے ہوئے دیکھے۔ تو یہاں بھی اس کی فوری تقلید کی گئی۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ اعلان سب سے پہلے شہر کے عقبی حصّہ پر جوب کے حکم سے ظہور میں آیا۔

"اللہ کے اولوالعزم بندو! عمار ہاتھ روکتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان گرجدار آواز میں چلّایا۔" یہ مورچہ جو چند ہی حملوں میں ہمارے نام فتح ہونے والا تھا۔ تمہارے انتشار سے کمزور ہو جائے گا۔ اس مورچہ پر جس قدر خون بہنا تھا۔ بہہ چکا۔ لہٰذا میں سختی کے ساتھ تاکید کرتا ہوں کہ جو مسلمان اس وقت جس جگہ کھڑا ہوا ہے۔ وہیں بیٹھ جائے۔ اور اپنی جگہ اس وقت تک ہرگز خالی نہ کرے۔ جب تک کہ اس کی جگہ دوسرے تازہ دم سپاہی سے پُر نہ ہو جائے۔ آپ کی تمام ضروریات۔ آپ کے آرام و آسائش کی تمام چیزیں۔ ہر ممکن عجلت کے ساتھ یہیں پہنچیں گی۔ اس اعلان کا اطلاق اندرونِ شہر کی تمام اسلامی فوج پر ہوتا ہے۔ نقیب اپنے فرائض انتہائی برق رفتاری سے پورے کریں۔ تعمیل ہو۔"

اس حکم کے صادر ہوتے ہی یہاں کے تمام سپاہی اپنے قدموں پر ڈھیر ہو گئے۔

شہر کا آبی راستہ جس پر ابنِ عمار۔ پچھلے کئی گھنٹوں سے مصروفِ جنگ تھا۔ اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اور اندرونی و بیرونی اسلامی فوج کے رابطہ کا محفوظ ترین مرکز بنا ہوا تھا۔ ابھی ابنِ عمار التوائے جنگ کے طریقۂ نشست و برخاست پر کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ عمار کے نقیب آ پہنچے۔ اور ابنِ عمار کو عمار کا پیغام پہنچا کر ہوا کی طرح آگے گزر گئے۔ ابنِ عمار نے عمار کے اعلان کو باآوازِ بلند دُہرایا۔ اور یہاں بھی عقبی میدان کی طرح تمام مسلمان جہاں کھڑے تھے وہیں بیٹھ گئے

فوج کا حصّہ . . . . جس کا کام بعد از جنگ شروع ہوتا تھا۔ کئی ٹکڑیوں میں بٹ کر انتہائی

مستعدی کے ساتھ مختلف فرائض پر پھیل پڑا۔ سپاہیوں کو ان کی ضروریات کا سامان تیزی کے ساتھ اعشاری افسروں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ پچاسوں اسفنج مشکیزے پیٹھ پر رکھے سپاہیوں کی صفوں میں جاگزین ہوگئے۔ تازہ فرمان کے مطابق زخمیوں کا مرکز شہر کے عقبی حصہ کی ایک تسخیر شدہ عمارت میں قائم ہوا تھا۔ لہذا زخمیوں کو ہتھوں والی چارپائیوں کے ذریعہ طبی عمارت میں پہنچانے کا کام شروع ہوگیا۔ شہیدوں کے لئے بڑی بڑی قبریں کھدنی شروع ہوگئیں۔ اسلامی فوج کی پیش قدمیوں کی حدوں پر خیمے اس سرعت کے ساتھ استادہ کئے گئے کہ دیکھنے والوں کو اس کارکردگی پر طلسم کا شبہ ہوتا تھا۔

زخمیوں نے طبی امداد پائی۔ شہید پیوندِ زمین ہوئے۔ زندوں نے کھانے سے فارغ ہو کر اللہ کی حضوری کے لئے صفیں قائم کیں۔ غرض دیکھتے دیکھتے زمین کا یہ جہنم زار خطہ۔ اپنی ان ہولناکیوں سے کسی حدتک پاک ہوگیا۔ جو انسانی نگاہ کے لئے انتہائی اذیت ناک تھا۔ لیکن اس کے باوجود۔ اب شہر کا کوئی ایسا حصہ نہ تھا جہاں سے زخمیوں کی آہ و کراہ کی دلدوز چیخیں نہ سنائی دے رہی ہوں۔

مسلمانوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کے محفوظ دستے کی خدمات بڑی سست تھیں۔ ان کے اکثر زخمی جو شدید زخموں کے سبب لقمۂ اجل بننے والے تھے۔ اسلامی طبی مرکز میں پہنچے ہوئے تھے جہاں ان کی نگہداشت اور تیمارداری مسلمانوں کی برابری پر ہو رہی تھی۔ اسلامی طبی جماعت کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا۔ لہذا تمام زخمی۔ خواہ وہ کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کی نگاہ میں مساوی سلوک کے مستحق تھے۔

"احمد بن علی کا پیغام!" ایک گھڑسوار نقیب نے عمارہ کے پاس پہنچ کر ایک تحریری اعلان پڑھنا شروع کیا۔ "تمام اسلامی افسروں کے نام!۔۔۔ التوائے جنگ کے دوران۔ عیسائیوں کو مسلمانوں کا طرزِ عمل اختیار کرنے پر رضامند کیا جائے۔ ان کی اس حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہونا چاہیئے۔۔۔ جو التوائے جنگ کے اعلان کے وقت تھی۔ دیکھنے میں آرہا ہے کہ بہت سے عیسائی اپنے اصلی ٹھکانے چھوڑ کر۔ محل اور دیگر اہم مقامات کی طرف حرکت کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ انہیں اپنی حدوں سے ہرگز متجاوز نہ ہونے دیا جائے۔ یہ وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ اور چونکہ ہماری یہ تجویز دونوں لشکروں کے لئے

یکساں ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر بھی اس کی پابندی ضروری ہے۔ واضح ہو کہ جب جنگ ملتوی ہوئی ہے تو شہر کے عقب سے شاہی محل تک سارا میدان اسلامی لشکر کے قبضہ میں تھا۔ لہذا مسلمان اس حصّہ میں آزادانہ نقل و حرکت کے حقدار ہیں۔ اور بالکل اسی طرح عیسائی بھی ان حلقوں میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ جو اس وقت ان کے قبضہ میں ہیں۔ اندرونی اسلامی لشکر کا عارضی جنگی دفتر محل میں قائم کر دیا گیا ہے۔ لہذا آج بعد نمازِ مغرب تمام ذمّہ دار افسران وہاں جمع ہوں۔ دیگر امور کے لئے بھی اسی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔" پیغام کے خاتمہ پر نقیب تعظیم دے کر آگے بڑھ گیا۔ ایک اور نقیب آبی دروازے کے ذریعہ شہر سے باہر نکل گیا۔ اس کے پاس حسن کے لئے ایک ضروری پیغام تھا۔

دروازوں کے باہر متصل ترین میدان۔ اور فصیل کے اہم مورچے مسلمانوں کے پاس تھے۔ اس طرح آبی دروازے کے ذریعہ اندر کے مسلمان باہر اور باہر کے مسلمان اندر بآسانی نقل و حرکت کر سکتے تھے۔ اس کے برعکس شہر کی عیسائی فوج کئی حصّوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کی رفاقت سے محروم ہو چکی تھی۔ صرف دو مورچے ایسے تھے جن کے درمیان مسلمان حائل نہ ہو سکتے تھے۔ اور اس طرح انہیں فصیل سے متعلقہ عمارات کی ایک لمبی پٹی آزادانہ نقل و حرکت کے لئے ہاتھ لگ گئی۔

شام کے جھٹپٹے میں۔ اسلامی امیر لشکر حسن۔ اور آج کی جنگ میں اس کا دست راست عمران ادنیٰ خادموں کے کپڑوں میں ملبوس۔ معمولی سی اور بے ترتیب دستاروں سے چہروں کو چھپائے ہوئے بیرونِ شہر کے ایک پوشیدہ سے خیمہ سے نمودار ہوئے۔ اور تیز تیز قدموں سے آبی دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کی پُراسرار ہیئت کے سبب دروازے کے مسلمان پہریداروں نے ان کا راستہ روک لیا۔

"حسن بن علی!" حسن نے چہرے سے دستار ہٹاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تعظیم کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ سنتے ہی چاروں پہریدار حسبِ سابق پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ اور یہ دونوں آبی دروازے سے گزر کر اندر پہنچ گئے۔

"سنو!" حسن نے ایک دوسرے کے سہارے لیٹے ہوئے سپاہیوں سے دریافت کیا۔ "اس مورچہ کا افسر کون ہے؟"

دونوں سپاہیوں نے اس حاکمانہ سوال پر حسن کو بغور دیکھا۔ اور پھر ایک دم اٹھ کر فوجی سلام کرنے ہی والے تھے کہ حسن بول پڑا۔

"یہ مصلحت کے خلاف ہے۔ ہمارے آگے ہو جاؤ۔ ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" سپاہی حسب الحکم ابنِ عمار کے چھوٹے سے عارضی خیمہ کی طرف بڑھ گئے۔

ابنِ عمار خیمہ کے دروازے پر کھڑا۔ اعشاری افسروں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔

"امیرِ لشکر تشریف لائے ہیں۔" پیشرو سپاہی نے اطلاع دی۔ اور ابھی ابنِ عمار نے خود کو پرتپاک خیر مقدم کے لئے تیار ہی کیا تھا کہ دونوں سپہ سالار جلدی سے خیمہ میں داخل ہو گئے۔ ساتھ ہی ابنِ عمار بھی اندر پہنچ گیا۔

"شاد باش بھتیجے!" حسن نے ابنِ عمار کو چھاتی سے لگا کر گلوگیر آواز میں کہا۔ "ہمیں تم لوگوں کی ذات سے ایسی ہی امید تھی۔ سنا ہے احمد کے کئی خطرناک زخم آئے ہیں۔ تم تو ٹھیک ہو نا؟"

"الحمدللہ! احمد بھائی سے مجھے ملے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے۔ جیسا کہ سننے میں آیا ہے۔ انہوں نے اس جنگ میں سپہ سالار کی بجائے ایک سپاہی کی حیثیت سے حصّہ لیا ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے یہ روش کیوں اختیار کی۔ حالانکہ یہ اصولِ جنگ کے سراسر منافی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔ کیا تم مجلسِ مشاورت میں شمولیت کا ارادہ نہیں رکھتے؟"

"یقیناً" ابنِ عمار نے جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں تیار ہو جانا چاہیئے۔ ہم مغرب کی نماز محل ہی میں پڑھنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور ضرور! بس چند لمحے!" اس گفتگو کے بعد ابنِ عمار پھر باہر آیا۔ اور اعشاری افسروں کو مکمل ہدایات دینے کے بعد۔ حسن اور عمران کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

طلسمِ اُلفت

اس وقت جراجہ کے شاہی محل کا ماحول اپنے تضاد کے لئے کئی حصوں میں تقسیم تھا۔
محل کے سامنے کا برآمدہ۔ اور اس سے متعلق دونوں بغلی کمرے۔ اسلامی لشکر کے فوجی دفتر کا کام دے رہے تھے۔ یہ حصّہ مجموعی طور پر احمد کی تحویل میں تھا۔ جہاں اس وقت عام سپاہیوں۔ افسروں۔ نقیبوں۔ اور دیگر خادمانِ فوج کی گہما گہمی تھی۔ اندرونِ محل میں دو وسیع کمروں کو چھوڑ کر تیسرا کمرہ عنبر۔ صہبا اور ریکا کے پاس تھا۔ اس سے متصل کمرے میں حرماں نصیب اینی۔ یوپی ریپی کے ساتھ مقیم تھی۔ پانچویں کمرے میں ہارلے اور اس کے دس ساتھی قید تھے۔ محل کے عقبی حصّہ پر۔ جہاں نہہ خانوں کا خفیہ دروازہ تھا۔ ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان سپاہی انتہائی مستعدی کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے۔
احمد داہنے بغلی کمرے میں میز سے متصل پڑے ہوئے ایک اسٹول پر انتہائی اداسی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ آج کی جنگ میں۔ اس کے جسم پر بے شمار چھوٹے چھوٹے زخم آئے تھے۔ خصوصاً بازو۔ ہاتھ اور دونوں پنڈلیوں پر۔ فوجی طبیب نے اس کے سارے جسم پر مرہم کا لیپ لگا دیا تھا۔ اور اسی سبب اسے دوہرا لباس پہننا پڑا تھا۔ اندر ایک لمبا سا کپڑا اوپر سے نیچے تک مرہم پر چپکا ہوا تھا۔ اس کے اوپر ایک ڈھیلا ڈھالا سفید لبادہ۔ اور تہبند۔ اس کے اوپر ایک سفید چادر۔ جو کندھوں سے پیروں تک محیط تھی۔ مغفر کے سبب اس کا چہرہ کئی خطرناک واروں سے بال بال بچ گیا تھا۔ پھر بھی مغفر کی کڑیاں اسے بالکل ہی بے داغ نہ چھوڑ سکیں۔ پیشانی۔ رخسار اور ٹھوڑی پر کئی خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

جن پر سفید مرہم کے دھبے اس کی مردانہ خوبصورتی میں نقص کی بجائے اور زیادہ کشش پیدا کئے ہوئے تھے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے۔ جو مرد کا سب سے بڑا جوہر اس کی شجاعت و بہادری خیال کرتے ہیں۔

یہ کمرہ۔ جس میں اس وقت احمد بُت بنا بیٹھا تھا۔ وہی تاریخی کمرہ تھا۔ جہاں عنبر کے ساتھیوں نے سر ڈغوس۔ گلبرٹ اور غلیس کے گلوں پر چھری چلائی تھی۔ سر ڈغوس کا مجلسی اڈہ ہونے کے سبب اس کی آرائش و زیبائش میں تاحال کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ جو قیمتی اشیاء سر ڈغوش کی موجودگی میں یہاں رکھی ہوئی تھیں وہ جوں کی توں موجود تھیں۔ نامور مصوروں کی بہترین تخلیقات۔ اعلیٰ درجہ کے نقشین گلدان۔ نادر و نایاب صندلیں فرنیچر۔ نادرِ روزگار ایرانی قالین۔ نقرئی چوکیاں اور نشستیں۔ در و دیوار پر ماہر ترین ہاتھوں کی گلکاریاں۔ یہ شاہی رکھ رکھاؤ اپنے اندر یقیناً اس قدر کشش رکھتا تھا کہ ہر اجنبی کو تھوڑی دیر کے لئے ہر طرف سے بے نیاز کر کے اپنے اندر جذب کر لے۔ مگر احمد کے ساتھ الٹا ہی معاملہ تھا۔ اس کے سینے میں جو انجانے طوفان گرج رہے تھے۔ اس کے دل میں جو نئے نئے انقلاب پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اس کے ذہن و فکر پر یاس و ناامیدی کی جو بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ اس کے نوجوان ارمانوں اور ولولوں میں جو آتش زدگی اور خاکستری پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے احمد کو بھری پُری۔ اور ہنگامہ خیز دنیا سے بالکل الگ تھلگ کیا ہوا تھا۔ اب سے تھوڑی دیر پیشتر۔ وہ اپنی اس خستہ حالی کے باوجود ضروری فوجی احکامات صادر کرتا رہا تھا۔ اس کا مجروح جسم بار رہا۔ افسروں کی ٹولیوں میں ادھر سے اُدھر گھسٹتا دکھائی دیا تھا۔ اسی اثناء میں اس نے ایک موقعہ پر عنبر کی ضرورت محسوس کی۔ وہ گھسٹتا ہوا عنبر کے کمرے تک پہنچا تھا۔ دروازے پر اپنی کھڑی تھی۔ جیسے وہ بھی احمد کی طرح کسی کام سے یہاں آئی ہو۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر احمد کا راستہ روک لیا۔

"جناب والا! اپنی نے آہستہ سے کہا۔ بہتر ہو گا اگر تھوڑی دیر کے لئے دونوں کو خلوت نشین رہنے دیا جائے"

"دونوں ؟" احمد الجھ سا گیا۔

"جی۔ عنبر اور صہبا۔ اور بس!"

یہ سن کر احمد کے لئے یہاں سے نبلی کمرے تک پہنچنا دوبھر ہوگیا تھا۔ اور اس وقت سے اب تک وہ کسی مجسمہ ساز کے شاہکار کی طرح فوجی دفتر کی میز کے سامنے والے اسٹول پر بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دوہری مار تھی۔ جہاں تک ہارنے کا تعلق تھا۔ صہبا کسی بھی سمجھدار آدمی کی ہمدردی سے محروم نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر بھی یہ ایک عظیم حملہ تھا۔ جسے جھیلنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں تھا۔ ابھی اس کے سینے سے دھواں اٹھ ہی رہا تھا کہ اپنی نے اسے اپنی محبت کی میت کے سرہانے لا کھڑا کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب کہ احمد کی وہ تمام غلط فہمیاں۔ جو اس کی بے پناہ محبت کی پیداوار تھیں۔ حقائق کے آئینے میں اپنی اصلیت کے ساتھ رونما ہوئیں۔

خیالات کے وہ تمام تانے بانے۔ جو عنبر و صہبا کی "دلی بے تعلقی" کے چوکٹے میں ترتیب دیئے گئے تھے۔ ایک بارگی شعلہ کی مانند بھک سے اڑ گئے۔ اسے معلوم ہوگیا کہ صہبا اپنے باپ کے قاتل اور اپنی خانہ خرابی کے محرک سے محبت کرسکتی ہے۔ اسے معلوم ہوگیا۔ کہ عنبر کی صہبا نوازی۔ انسانی ہمدردی کی اساس پر نہیں۔ محبت کی اساس پر تھی۔ عشق کی اساس پر۔ اگر دورانِ جنگ اسے اس بات کا پتہ چل جاتا تو اس وقت یہاں احمد کی بجائے اس کی خون آلود نعش ہوتی۔ اور — اور خدا جانے اس عظیم سانحہ سے اسلامی لشکر پر کیا کچھ بیت رہا ہوتا۔

اتفاقی امر۔ کہ اِدھر محل کے چاروں کونوں سے مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ اور اُدھر۔ حسن۔ عمران۔ عمار۔ ابن عمار۔ اشعر اور کئی بہت سے افسر احمد کے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں کی ایکا ایکی آمد سے احمد ایک دم چونک پڑا۔ حسن جوشِ پدری سے مغلوب ہو کر احمد کو سینے سے لگانے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر زخموں کا خیال آتے ہی اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر پیشانی چوم لی۔ اس موقعہ پر احمد ایسا آہنی انسان اس درجہ رقت کا شکار ہوا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ احمد نے چادر کی مدد سے اس کمزوری کو چھپانے کی بڑی کوشش کی۔ مگر ابنِ عمار جو اس کے بالکل قریب کھڑا تھا صورتِ حال کو تاڑ کر۔ جلدی سے آگے بڑھا اور اسے اپنی آڑ میں لیکر اسٹول کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"کاش میں تمہارے ساتھ ہوتا۔"

"زخم کھانا جنگجو کی شان ہے۔" حسن نے بزرگانہ لہجہ میں کہا۔ "مگر سالار ہو کر سپاہی کی طرح زخم کھانا جنگی اصولوں کے منافی ہے۔ ہم نے سُنا ہے کہ آج تم نے ان ذمّہ داریوں کو پورا نہیں کیا جو ایک افسر پر عاید ہوتی ہیں۔ بہرحال۔ تائیدِ غیبی تمہارے شریکِ حال تھی۔ اور ہم تمہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ حدودِ شہر میں خلافِ امید کامیابی حاصل ہوئی۔" ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد حسن کی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔

"عنبر! وہ کہاں ہے؟" حسن نے غیر معمولی لہجہ میں دریافت کیا۔

"اس کی طبیعت خراب ہے۔" احمد نے جواب دیا۔ "میں اطلاع کراتا ہوں ابھی آجائے گا۔"

"شکر ہے میرے معبود!" حسن کا سر جھک گیا۔ "میرا خیال ہے پہلے نماز کا انتظام ہو جانا چاہیے— برآمدے میں کافی جگہ ہے۔" حسن نے دروازے سے باہر جھانکا۔

"جی ہاں۔" عمار نے تائید کی۔ "ایک ہی جماعت میں ادا ہو سکتی ہے۔"

کچھ دیر بعد۔

محل کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے تمام سپاہی اور افسران برآمدہ کی لمبی لمبی صفوں میں اپنے خالق کے سامنے سربسجود تھے۔ نماز کے بعد آج کے شہیدوں اور زخمیوں کے لئے دعا کی گئی۔ اور پھر یہ ہجوم دو حصّوں میں تقسیم ہو کر منتشر ہو گیا۔ سپاہی اپنے مقررہ مقامات کی طرف ہو لئے اور افسر اُسی کمرے کی طرف۔

جب تمام افسر حسبِ مراتب فرش پر فروکش ہو گئے تو معاً عنبر اور اینی دروازے پر رونما ہوئے۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!" جواب میں کمرہ گونج اٹھا۔

حسن۔ عمران اور عمار یکے بعد دیگرے عنبر سے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد حسن نے اسے اپنے قریب ہی بٹھالیا۔ اینی کے لئے مردوں کی نشست سے دُور۔ ایک نشست کا انتظام کر دیا گیا۔

"یہ بنتِ اسد غوس ہیں۔" حسن کے تجسّس کی تہ پا کر عنبر نے کہا۔ "اور اب ان پر اتنا ہی بھروسہ کیا

جا سکتا ہے۔ جتنا کہ ایک ایماندار مسلمان پر۔ اس وقت یہ چند ضروری حقائق بیان کرنے آئی ہیں۔"
"مسلمانوں کے متعلق تمہیں ان کی نیک نیتی پر پورا بھروسہ ہے؟"
"جی حضور والا۔" عنبر نے پُر اعتماد لہجہ میں جواب دیا۔
"تو پھر جلسۂ مشاورت حسبِ ضرورت عمل میں آنا چاہیئے۔" حسن نے طے شدہ انداز میں کہا۔
عنبر و حسن کی یہ رازدارانہ گفتگو گوش بگوش حاضرین میں گھوم گئی۔
جلسہ کی کارروائی شروع کرتے ہوئے حسن نے قرآن شریف کی ایک سورۃ کچھ ایسی دلکش قرأت کے ساتھ سنائی کہ کمرے کا ماحول طہارت و پاکیزگی سے معمور ہو گیا۔
معزز حضرات! عمار نے پہل کی۔ اندرونِ شہر کے حالات و کوائف کے بارے میں صرف احمد کو ہی زیادہ بہتر معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں نہ صرف یہاں کے تمام مورچے رہے ہیں۔ بلکہ محل۔ خزانہ۔ اور کچہری پر مسلمانوں کا قبضہ بھی انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ عقبی دروازے کا اسلامی مورچہ بھی۔ جو میرے حصّہ میں آیا ہوا تھا۔ گاہ گاہ احمد کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس نشست میں ان کے ذریعہ چند ایسے حقائق کا انکشاف ہونے والا ہے۔ جو مسلمانوں کے لئے خوشخبری کی حیثیت رکھتے ہیں۔
کشتۂ جور و ستم۔ اور زخموں سے نڈھال وزار احمد عمار کی اس تمہید پر یوں رونما ہوا۔ گویا اسے لب کشائی کی دعوت دے کر۔ اس پر ظلم ڈھایا گیا ہے۔
"واجب الاحترام حضرات!" اس نے شرابیوں ایسے لڑکھڑائے لہجہ میں کہنا شروع کیا: "شہر کے اندر ہم نے جن مقامات کو حاصلِ نظر بنا کر جنگ کی تھی۔ ان میں سے کچھ حاصل کئے جا چکے ہیں۔ اور کچھ ــ ہنوز جد و جہد کے محتاج ہیں۔ سرد غوس کے ظالم بھتیجے ہارلے نے بنتِ سرد غوس ایمی کو جبراً معزول کر کے۔ اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا تھا۔ ایمی کو عنبر کے ساتھ زنداں میں مقید کیا گیا تھا۔ جنہیں آج

صبح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں رہائی دلائی۔ ہارلے جو اس وقت اسی محل کے ایک کمرے میں مقید ہے۔ اس کے بارے میں میں بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مگر صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کروں گا۔ کہ وہ انسانیت کے ساتھ آخری درجہ سنگین جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔ اور انصاف کی طرف سے اس کے لئے یہ وہ سزا نا کافی ہوگی جسے آپ آخری درجہ اذیت ناک تصوّر فرما سکتے ہیں۔ اس کی ناقابلِ بیان سفاکیوں سے ــــ بھرپور انتقام نہ لینا انسانیت پر ناقابلِ تلافی ظلم ہوگا۔

جس خوشخبری کے آپ متوقع ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ ان ذخائر کا لگنا ہے۔ جن کی مدد سے ہم کم و بیش نوّے روز جنگ جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہ ذخائر اس محل کے زیریں حصّے میں محفوظ ہیں ــــ وہ چابیاں پڑی ہیں۔" احمد نے میز کی طرف اشارہ کیا۔" اس سلسلہ میں عنبر آپ کی رہنمائی کریں گے۔ جناب کی نگاہ سے ان کا گزرنا ضروری ہے ــــ

صہبا ــــ خلیل کی وہ لڑکی۔ جو ایبی کے مفروضہ قتل میں ماخوذ تھی۔ اسی محل کے کسی حصّے میں مقیم ہے۔ اس لڑکی کی اسلام دوستی مسلم الثبوت ہے۔

آج کی جنگ میں اپنی صاحبہ کا کردار پوری پوری طرح مسلمانوں کے حق میں رہا ہے۔ خصوصاً محل پر مسلمانوں کا قبضہ انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور اس طرح۔ یہ جانے بغیر۔ کہ حقیقت کیا ہے۔ ہمیں ان کی اسلام دوستی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے ــــ بس! اب میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔"

اتنا کہہ کر احمد تپائی سے اٹھ کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور لوگوں کی متجسس نگاہیں اپنی کو گھورنے لگیں جو گردن خم کئے احمد کی آواز پر مرکوز تھی۔

"تم!" حسن نے ابنِ عمار کو مخاطب کیا۔ انہیں کسی کمرے میں لے جا کر آرام سے لٹا دو۔ ان کا یہاں ــــ"

"جناب والا۔ اگر میرا آرام کرنا ضروری ہے۔" احمد نے قطع کلام کرتے ہوئے التجا کی۔ "تو مجھے وہاں لیٹنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔" اس نے ایک چوکی کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر بآرام لیٹا جا سکتا تھا۔" اس اہم مشاورت سے محرومی مجھے شاق گزرے گی۔"

حسن نے احمد کی یہ استدعا منظور تو کرلی۔ مگر چہرے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس صورتِ حال سے متفق نہیں ہے۔

ابنِ عمار نے سہارا دے کر احمد کو چوکی پر لٹا کر اوپر سے چادر ڈال دی۔ یہ چوکی اجتماع سے پانچ چھ گز کے فاصلہ پر دیوار سے ملی ہوئی پڑی تھی۔ اور یہاں سے حاضرین کی آوازوں کو بآسانی سنا جاسکتا تھا۔

اس وقت احمد کی نفسیات ایک عجیب دَور سے گزر رہی تھی۔ کبھی اس کے قومی جذبات، جن کا وہ ابتدائے ہوش سے رہینِ منّت رہا تھا۔ اس کی نفسیات پر غالب آکر اسے قومی فرائض میں حصّہ لینے پر اُکسانے لگتے۔ اور کبھی اس کی ستم رسیدہ محبّت۔ اس کے سینے میں کہرام سا برپا کرکے ایکا ایکی دل و دماغ کو معطل کردیتی۔ تجربہ نے اسے بتادیا تھا کہ خلوت کی گھڑیوں پر احساسِ تنہا ہی چھا جاتا ہے۔ لہذا وہ اس روحانی تکلیف سے بچنے کے لئے خود کو ہنگاموں میں کھودینا چاہتا تھا۔

عزیز بھائیو! حسن نے کھڑے ہوکر اجتماع سے خطاب کیا۔

شکر ہے اس ربِ قدیر کا۔ جس نے اتنی تیز جنگ کے بعد اسلامی لشکر کی تمام اہم ہستیوں کو زندہ و سلامت رکھا۔ اور ہمارے مقاصد کو بڑی حد تک معجزانہ طریق پر پورا کیا۔ شہر کے باہر کی جنگ۔ خالص مدافعانہ جنگ تھی۔ جس کا مقصد باہر کی عیسائی فوج کو اندر داخل ہونے سے روکے رکھنا تھا۔ چنانچہ یہ خصوصیت کے ساتھ ان مقامات پر لڑی گئی۔ جہاں سے عیسائی فوج اندر داخل ہوسکتی تھی۔ عیسائی فوج کو معلوم ہوچکا تھا کہ ہم آبی راہ سے شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے پوری قوّت کے ساتھ اس اہم مقام کو ہم سے چھین لینے کی کوشش کی۔ مگر منشائے ایزدی یہی تھی کہ آبی راہ ہمارے قبضہ میں رہے اور وہ اب تک ہمارے قبضہ میں ہے ——— اندرونِ شہر میں۔ ہمیں آپ کی طرف سے شہیدوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد چار ہزار بتائی گئی ہے۔ یہ تعداد یقیناً بہت

زیادہ ہے۔ لیکن اس کے ردِ عمل پر نگاہ کر کے سوائے شکر کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ حصارِ شہر کے اس طرف شہیدوں کی تعداد بہت کم ہے۔ صرف چار پانچ سو۔ ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کا تناسب بعید از قیاس ہے۔ گو ہمیں ان کی مصدقہ تعداد معلوم نہیں ہے۔ پھر بھی ہمارا یہ اندازہ زیادہ غلط نہیں ہے کہ ان کی تعداد چار پانچ ہزار ہے۔ اس اعتبار سے اندرونِ شہر کی اسلامی فوج ہم سے جیت گئی۔ یہاں تیس ہزار عیسائیوں کا کھیت ہونا یقیناً حیرت انگیز ہے۔ جس کے لئے ہمیں ایک بار پھر خدائے قدوس کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اور سلام بھیجنا چاہیئے ان شہیدوں پر۔ جن کی اولوالعزمیوں نے ہمارے لئے اتنے اچھے حالات پیدا کئے ۔۔۔ اس سے پہلے کہ میں کل کے جنگی معاملات کو زیرِ بحث لاؤں۔ ماضی و حال کی روداد سے بے تعلقی ضروری خیال کرتا ہوں۔ لہٰذا اس ضمن میں جو صاحبان بولنا چاہتے ہوں۔ اس مختصر سے قیمتی وقت کا خیال رکھتے ہوئے خطاب فرما سکتے ہیں۔

اس اعلان کے خاتمہ پر عنبر نے ابنی کو اشارہ کیا۔ ابنی نے کھڑے ہوتے ہوئے حاضرین پر ایک سطحی سی نگاہ ڈالی۔ پورے مجمع پر کچھ ایسا سکوت طاری ہوا گویا لوگوں کے چلتے سانس بند ہو گئے ہیں۔ حاضرین میں سے اکثر اس کی عیسائی دوستی، جاں بازی و شعلہ نوائی کے چرچے سُن چکے تھے۔

محترم فدایانِ اسلام! ابنی نے اپنے مخصوص مقررانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

مجھے آپ کے قیمتی وقت کا پورا احساس ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی۔ یہ بھی توقع ہے۔ کہ میرے اس بیان کے بعد۔ آپ کا یہ وقت۔ جو اس موقعہ پر قیمتی تصوّر کیا جا رہا ہے۔ واقعی طور پر قیمتی نہ رہے۔ لہٰذا مجھے امید ہے کہ میری طوالتِ تقریر کو اس کی افادیت کے پیش نظر برداشت کر لیا جائے گا۔

گو اس وقت میں اس حیثیت میں نہیں ہوں۔ کہ خود کو حاکمِ کلبریہ تسلیم کرا سکوں۔ مگر اس حقیقت کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ سرد غوس اس صوبے کا مالک و مختار تھا۔ اور میں اس کی

اکلوتی بیٹی ہوں۔

عالی مرتبت امیرِ لشکر! ایمی کے لہجہ پر رقت طاری ہو گئی۔ میں آپ کے روبرو دستِ سوال دراز کرتی ہوں۔ اپنے اس حق کے لئے۔ جو مجھے براہ راست خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ اس وقت مجھے اس حق کی سخت ضرورت ہے۔ صرف اتنی دیر کے لئے۔ کہ میں اپنے اس بیان کو مکمل کر سکوں۔ اس کے بعد میں از خود اپنے اس حق سے دست بردار ہو جاؤں گی۔

"ہم قدرتی امور میں دخل اندازی کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔" حسن نے جواب دیا۔ "یہ حق ہے کہ تم اپنے باپ کے بعد اس صوبے کی واحد وارث ووالی ہو۔ اور تمہیں اس حیثیت سے بات چیت کرنے کا پورا پورا حق پہنچتا ہے۔ وہ اور بات ہے کہ موجودہ حالات ــــــ"

کافی ہے امیرِ محترم! ایمی نے بیتابانہ بات کاٹ دی۔ میری خواہش صرف اسی قدر تھی کہ میرے اس بیان کو والیٔ کلبریہ کا بیان تصور کیا جائے۔ اس سے آگے مجھے اس حق کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کوئی نہیں ـــ کبھی نہیں ـــ میں اپنی اور ان عیسائی لیڈروں کی سرگرمیوں کا بطور غلطی اعتراف کرتی ہوں۔ جو جزیرۂ سسلی اور صوبۂ کلبریہ میں روا رکھی گئیں۔ ان تخریبی کارروائیوں میں سسلی و کلبریہ کے عیسائیوں کے علاوہ۔ جن لوگوں نے موجودہ بدترین نتائج کو جنم دیا ہے۔ ان میں بنو طبری کے ان مسلمان باغیوں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ جن کا سردار خلیل تھا۔ عیسائی سسلی میں اپنی کھوئی حکومت کو بحال ضرور دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر ان کے عزائم میں اتنی شدید جارحیت نہیں تھی۔ یہ جارحیت۔ جو سسلی سے شمالی افریقہ تک قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے پر مبنی تھی۔ خلیل اور اس کے حامیوں کی پیدا کردہ تھی۔ والد صاحب نے خلیل کے بھڑکائے میں آکر یہاں کے عوام کی اقتصادی و معاشی حالت کو تباہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ہمارے تمام تر آمدنی کے وسائل

فوجی ضروریات کے سانچے میں ڈھل گئے ۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ اگر آپ جلد ہی پیش قدمی
کرکے یہاں تک نہ آپہنچتے ۔ تو پھر ہماری فوج آپ کے دروازے پر ہوتی ۔ اور جو کچھ آج
یہاں دیکھنے میں آرہا ہے ۔ وہ سسلی میں دکھائی دیتا ـــــ میں اپنے اس جرم کی اقراری
ہوں کہ میری طرف سے عملی طور پر جنگی شعلوں کو ہوا دی گئی ۔ حالانکہ والد صاحب کی
وفات کے بعد عنانِ حکومت میرے ہاتھوں میں منتقل ہو چکی تھی ۔ اور اس موقعہ پر اگر میں
چاہتی تو صلح صفائی کے بعد ملک کو اس نازک صورت سے بچا سکتی تھی ۔ مگر مجھے افسوس
ہے کہ اس وقت میری ذات میں وہ تبدیلیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں ۔ جنھیں آپ آج
ملاحظہ فرما رہے ہیں ۔ لہذا مجھے کہہ دینا چاہیئے ۔ کہ آج ۔ جو ہزاروں بچے یتیم ۔ ہزاروں
عورتیں بیوہ ۔ اور ہزاروں تندرست انسان مفلوج ہوئے ہیں ۔ ان کا بار ۔ میری ۔ اور
صرف میری گردن پر ہے ۔

سوال پیدا ہوگا ۔ کہ میری ذات میں یہ تبدیلی کیونکر پیدا ہوئی ۔ میرے پاس اس کا ایک
ہی مختاط جواب ہے ۔ اور وہ یہ کہ ۔ اس وقت میں خود کو قومی اثاثہ سمجھتی تھی ـــــ اور آج
میں اپنے آپ کو محض ایک عورت خیال کرتی ہوں ۔ پہلے میں قومی مفاد کی ٹھوکروں میں
لڑھکتا ہوا پتھر تھی ۔ آج اپنے ازلی حق کے لیئے دھڑکتا ہوا ایک دل ہوں ۔ کل میں اپنی
قوم کو دنیا کے تخت و تاج پر حکمراں دیکھنا چاہتی تھی ۔ آج میں دنیا پر خلوص و محبت اور
امن و سلامتی کی حکومت دیکھنا چاہتی ہوں ۔ آج میری نگاہ ۔ دنیا کے باشندوں کو نسل و
مذہب کی قیود سے بلند ہوکر دیکھنا چاہتی ہے ۔ میرا دل ایک عورت کا دل ہے ۔ خلوص و
محبت سے لبریز ۔

عنبر نے میرے باپ کو قتل کیا تھا ۔ میں بحیثیت وارث ۔ اس کے خون بہا سے دست بردار
ہوتی ہوں ۔ میں نے اسے معاف کیا ۔

میں بحیثیت والیٔ کلبریہ۔ ہر قیمت پر جنگ بندی کی خواستگار ہوں۔ اس قیمت پر بھی کہ صوبہ کلبریہ پر اسلامی پرچم لہرانے لگے۔ یہاں کی سرزمین مملکتِ اسلامیہ کا ایک حصّہ بن جائے۔ اس قیمت پر بھی۔ کہ آپ مجھے جنگی مجرم قرار دے کر پھانسی کا پھندا میرے گلے میں ڈال دیں۔ اور اس قیمت پر بھی۔ کہ اس خطّہ کے تمام عیسائی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کے غلام ہو جائیں۔

اس موقعہ پر اینی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ آواز پر رقّت طاری ہو گئی۔ ضبطِ گریہ سے لڑکھڑاتے ہوئے لہجہ میں بیکسی و بیچارگی کا رنگ اور زیادہ نمایاں ہو گیا۔

عالی مقام اسلامی امیر لشکر! میری آنکھیں جو اپنے گریبان کی طرف جھانک چکی ہیں اب عورت کی حق تلفیاں برداشت نہیں کر سکتیں۔ ان کے شوہروں پر رحم کیجئے۔ ان کے بھائیوں اور بچوں کو جنگ کی اس ہولناک آگ سے بچا لیجئے۔ میں اس منظر کی تاب نہیں لا سکتی۔ کسی قیمت پر نہیں۔ والیٔ کلبریہ آپ سے بھیک مانگتی ہے۔ انسانی خون کے تحفظ اور امن و سلامتی کی بھیک۔ اور امید کرتی ہے کہ اس کے مجروح اور شکست خوردہ دل کی یہ انسانیت نواز چیخیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔

اینی کی اس بیکسانہ انقلابی تقریر نے مجلسِ مشاورت پر طلسم کی سی کیفیت طاری کر دی۔ ہر شخص مبہوت اینی کی صورت تک رہا تھا۔ اینی۔ جو اب بیٹھ گئی تھی۔ اور اس تھوڑے سے وقفہ میں کئی بار اپنی آنکھوں کی نمی اپنے لبادے میں جذب کر چکی تھی۔ عنبر اینی کی اس تقریر سے بہت زیادہ متاثر ہوا اس لئے کہ وہ اینی کے دل کی گہرائیوں تک اُترا ہوا تھا۔

"حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔" حسن کی بڑبڑاہٹ عمار اور عمران سے متجاوز نہ ہو سکی۔

"جی ہاں۔" عمار بولا۔ "اب ہمیں مستقبل کے بارے میں ایک نئے اسلوب سے سوچنا ہو گا۔"

"اور اب ہم پر ایک اور بھی فرض عائد ہوتا ہے۔" عمران نے کہا۔ خلوص اور محبت کا۔ جو اب

خلوص اور محبت سے ـــــــ"

"اوں ؟ ہوں !!" حسن جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا ہو۔

"والاشان امیر لشکر ! اور معزز حاضرین !" یہ عنبر کی آواز تھی۔ "میں بنتِ سرد غوس اور اس کی نیک نیتی کی ضمانت دیتا ہوں۔ اینی کے بیان سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔ اس پر غور و خوض کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ کا پہلا کام صبح کی جنگ کو ملتوی کرنا ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اندرونِ شہر کے کلیدی عیسائی افسروں کو درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ صرف یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہارلے نے اینی کی طرف سے بدظن کر دیا ہے۔ اور جو یقیناً اینی کے احکامات کی تعمیل میں روڑے اٹکائیں گے۔ ان کے علاوہ پوری فوج اینی کی وفادار ہے۔ ان کے علاوہ ایمرسن بھی اینی کی صلاح کو رد نہیں کر سکتا۔ لہذا سب سے پہلے بلکہ ابھی اینی کی طرف سے ایمرسن کے نام التوائے جنگ کا پیغام بھجوایا جائے۔ دوسرا مرحلہ اندرونِ شہر کے کلیدی افسروں کی گرفت ہے۔ اگر ان حالات پر فوری طور پر قابو پا لیا گیا تو شاید اس محاذ پر جنگ کی ضرورت باقی نہ رہے۔"

"کیا بنتِ سرد غوس ایمرسن کو التوائے جنگ کے لئے" حسن نے دریافت کیا۔ "پیغام لکھنا پسند کریں گی۔"

"صرف یہی نہیں جناب والا" اینی ایک بار پھر کھڑی ہوئی۔ "میں ہر اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جو ابنِ آدم کو اس جہنم سے بچانے میں معاون ثابت ہو۔"

"تو پھر اس نیک کام میں دیر نہ کرنا چاہیئے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے چار روز کی مہلت کافی ہے۔"

اینی مراسلے کی تیاری کے لئے حسن سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف چلی دی۔ حسن اور اس کے ساتھی شہر کے کلیدی عیسائی افسروں کی دستیابی پر تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے۔" عنبر نے رائے دی۔ "یہ کام ہارلے سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ یہ کام مجھ پر چھوڑ دیجئے

ہیں ہارلے کے قلم سے شہر کے عیسائی افسروں کے نام التوائے جنگ کا پیغام بآسانی حاصل کر سکتا ہوں۔"

"اجازت ہے۔" حسن نے حکم دیا۔

عنبر چابیوں کا گچھا لے کر کمرے سے باہر نکلا۔ یہاں سے وہ اینی کے کمرے میں پہنچا تاکہ ہیپی اور ہوپی کے ذریعہ ہارلے کو اپنے کمرے میں طلب کرا سکے۔ ہوپی ہیپی کو جملہ ہدایات اور چابیوں کا گچھا دیتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اینی جو اب ایلرسن کے لئے مراسلہ تیار کر چکی تھی۔ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"کوئی نئی بات؟" اس نے گویا ہارلے کی طلبی کی وضاحت چاہی۔

"اس سے جوب اور اس کے نائبین کے لئے ایک پیغام حاصل کرنا ہے۔"

"لیکن ۔۔۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔ ممکن ہو جائے۔"

"میں اپنا کام ختم کر چکی ہوں۔ اگر آپ منظور فرمائیں تو میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

اینی عنبر کے ساتھ ہولی۔ عنبر کے کمرے میں پہنچ کر اینی صہبا کی طرف بڑھ گئی جو ایک مسہری پر نیم دراز چھت کی کڑیوں کو تکے جا رہی تھی۔ میکا آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبا رہی تھی۔

"اسے نہ چھیڑیئے۔" عنبر نے اینی کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ "اس کا شعور آپ کے بھائی کی ستم رانیوں میں جذب ہو چکا ہے۔"

اینی عنبر کے اس چبھتے ہوئے فقرے پر تڑپ کر رہ گئی۔ اس نے اپنی سمت تبدیل کر کے خود کو ایک اسٹول پر ڈال دیا جو یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر ایک طرف کو پڑا تھا۔ اس وقت اینی کا سراپا کچھ ایسا تھا گویا وہ عنبر سے کہہ رہی ہو۔ "صبر کرو میرے محبوب۔ میں تمہارے اس غم میں برابر کی شریک ہوں۔" ۔۔۔ معاً دروازے کی آہٹ نے سب کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ ہارلے ہوپی ہیپی کی

مضبوط گرفت میں ان کے سامنے تھا۔

"اسے چھوڑ دو" عنبر نے کہا "اور دروازے پر مستعد رہو۔"

ہارلے کو آزاد کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اپنے شیطانی جرم سے واقف تھا۔ اور یہاں۔ وہ دونوں ہستیاں۔ صہبا اور رائینی۔ جنھوں نے اس کی ستم رانیوں کا مزا چکھا تھا۔ اسے یوں معلوم ہو رہی تھیں۔ گویا دو تلواریں ہیں۔ جو اس کی گردن پر اب پڑیں۔ اور اب پڑیں — اور یہ عنبر۔ وہ اس کے متوقع قہر و غضب سے بری طرح کانپنے لگا۔ جیسے اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا پڑ چکا ہو۔ اور جلاد اس کے پیروں کے نیچے سے تختہ گھسیٹنے کی کوشش کر رہا ہو اس کے دماغ کی رگیں سنسنانے لگیں۔ اعصابی تشنج نے اعضا پر رعشہ طاری کر دیا۔ سر ڈھلک کر سینہ پر جھک گیا۔ خشک حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔

"بہادر آدمی" عنبر نے طنزیہ لہجہ میں کہا "وہاں بیٹھ جاؤ"

ہارلے نے ڈرتے ڈرتے گردن اٹھائی اور عنبر کو دوبارہ اشارہ کرنا پڑا۔ "وہاں"

ہارلے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے میز کے برابر پڑی ہوئی چند کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا یہاں پہنچ کر اس کی ٹھوڑی پھر سینے سے لگ گئی۔

"کاغذ اور قلمدان ان کے سامنے رکھ دیا جائے۔" عنبر نے میکا کو حکم دیا۔

اور جونہی قلمدان اور کاغذ ہارلے کے سامنے پہنچا۔ عنبر کی کمر سے برق کی مانند کوئی چیز نمودار ہوئی اور فضا میں جھلملا کر۔ ایک خوفناک آواز کے ساتھ قلمدان سے چند بالشت کے فاصلہ پر میز میں پیوست ہو گئی۔ ہارلے اس ناگہانی دھماکے سے یوں اچھل پڑا۔ جیسے اس کا پیر انگاروں پر پڑ گیا ہو۔ اور جب اس کی نگاہ اس شے پر پڑی۔ تو اس کی روح قبض ہو گئی۔ یہ خنجر تھا۔ جس کی ہیبت ناک چمک سے ہارلے کے ہوش و حواس چندھیا گئے۔ اس کی خوفزدہ نگاہیں عنبر کی طرف اٹھیں تو اس کی روح لرز اٹھی۔ عنبر کا ہاتھ ایک اور خوفناک خنجر سے کھیل رہا تھا۔

" قلم اٹھاؤ اور لکھنا شروع کردو " عنبر نے یہ الفاظ کچھ اس طرح کہے - گویا میرا حکم مانو - یا مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ - اور ہارلے نے فوراً ہی قلم اٹھا کر اسے کاغذ پر مرکوز کر دیا -

قائم مقام حاکم کلبریہ ہارلے کا پیغام

ہارلے کا قلم عنبر کے لفظی تعاقب میں تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا -

" واضح ہو " عنبر نے تنبیہہ کی " کہ یہاں تمہاری تحریر کو پرکھنے والے موجود ہیں - اگر تحریر میں ذرا بھی فرق ظاہر ہوا تو تمہاری اذیت ناک موت پر فرشتۂ اجل بھی تڑپ کر رہ جائے گا -

اندرونِ شہر کے تمام عیسائی مورچوں کے افسرانِ بالا کے نام

عنبر ٹہلتا ٹہلتا ہارلے کے سر پر پہنچ گیا - تاکہ تقریر و تحریر کے رابطہ سے باخبر رہے -

چند سیاسی وجوہ کی بنا پر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ حالیہ جنگ کو چار روز کے لئے ملتوی کر دیا جائے - مسلمان ہمارے اس فیصلہ پر اتفاق کر چکے ہیں - لہٰذا سرکاری طور پر تمہیں مطلع کیا جاتا ہے کہ اگلے چار روز کے لئے جنگی سرگرمیوں کو یکلخت بند کر دیا جائے -

باہر کی عیسائی فوج کے سپہ سالار ایمرسن کو بھی اس فیصلہ سے مطلع کر دیا گیا ہے -

" اس کے نیچے اپنے دستخط کر دو ——— شکریہ " عنبر نے یہ پیغام ہارلے کے سامنے سے گھسیٹ لیا اور اینی کے حوالے کرتے ہوئے بولا -

" اب عیسائی ایلچیوں کا حاصل کرنا - اور ان کے ذریعہ یہ پیغامات دونوں فوجوں تک پہنچانا آپ کا کام ہے "

" میں یہ خدمات بآسانی سرانجام دے سکوں گی "

" لیکن ابھی "

" ابھی لیجئے " اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی -

جب عنبر ہارلے سے پیغام لکھوا رہا تھا - تو صہبا - ہارلے کو کچھ اس طرح گھورتی رہی جیسے بیسیوں

سال پہلے دیکھے ہوئے کسی شخص کو پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر خود فراموشی کے عالم میں ہارلے کی طرف کھنچی آ رہی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ ہارلے کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ اینی کے چلے جانے کے بعد عنبر کی نگاہیں صہبا کے چہرے کو ٹٹولنے لگیں۔ جو بے حجاب اور بے باکانہ نگاہوں سے ہارلے کو گھور رہی تھی۔

"پہچانتی ہو اس ذلیل کتے کو۔" عنبر نے ٹھوکا دیا۔

"جی ہاں۔" صہبا کا سکوت ٹوٹا۔ "میں پہچانتی ہوں۔ میں صہبا تھی۔"

صہبا کے ان بے ربط الفاظ نے عنبر کو کھولا کر رکھ دیا۔ وہ بے اختیار ہارلے کی طرف جھپٹا۔ چشم زدن میں ہارلے کا گلا اس کے آہنی ہاتھوں میں تھا۔ اور اس کی گرفت بتدریج سخت ہوتی جا رہی تھی۔

"ذلیل آدمی! دیکھ اس فرشتے کو۔ جسے تو نے زندہ لاش بنا دیا ہے—— مردود! تجھے جہنم کا نچلا طبق بھی قبول نہیں کر سکتا۔"

گرفت کی سختی کے ساتھ ہارلے کی چیخ و پکار سن کر ہوپی اور ہیپی نے دروازے سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اور یہ خیال کر کے کہ کہیں تنہائی سے فائدہ اٹھا کر ہارلے نے عنبر پر حملہ نہ کر دیا ہو۔ لمبی لمبی قلانچیں بھرتے موقعہ پر پہنچ گئے۔

عنبر نے ہارلے کا گلا چھوڑ دیا۔

"اوف۔" اس نے ایک صبر آزما جھرجھری کے ساتھ ہارلے کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ "کتنا عظیم نقصان ہے یہ! کاش کوئی جان سکتا—— کوئی جان سکتا کہ ایسا ہونے سے۔ اور کتنے دل ہیں۔ جنھیں غموں کی برچھیوں نے چھلنی کر دیا ہے۔ کتنے ذہن ہیں——"

"سنیئے!" صہبا عنبر کی طرف پلٹی۔ "آپ اس کا گلا کیوں دبا رہے تھے—— یہ ظلم ہے۔ تم انسان نہیں۔ بھیڑیے ہو—— دیکھو وہ کیسا ڈرا جا رہا ہے—— اس کا بدن کانپنے لگا ہے—— تم اسے مار ڈالو گے—— تمہیں خدا کا بھی کچھ خوف نہیں ہے۔"—— اور عنبر کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

"لے جاؤ میرے سامنے سے" وہ دہاڑا۔ "مجھے ڈر ہے کہ میرا پاکیزہ خنجر اس کے سیاہ خون سے ناپاک نہ ہو جائے ـــ لے جاؤ!" عنبر کی گرجدار آواز سے کمرے کا ماحول تھرّانے لگا۔ ہوپی اور سپاہی بارلے کو گرفت میں لے کر جلدی جلدی کمرے سے نکل گئے۔

"اوہ! تم کس قدر سنگدل ہو" صہبا عنبر کو وحشیانہ نظروں سے گھورتے ہوئے چیخی۔ "کمزوروں پر بہادری جتاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی ـــ دور ہو جاؤ میری نظروں سے ـــ تم بھی چلے جاؤ یہاں سے ـــ جاؤ ـــ بھاگ جاؤ!"

"کاش تم مجھے پہچان سکتیں" عنبر کا روحانی درد و کرب آواز میں کھنچ آیا۔ "اسے پہچان سکتیں۔ جس نے اپنی زندگی کو تمہاری پرچھائیں سمجھا تھا۔ جسے تمہاری یادوں کے سوا اور کہیں پناہ نہیں ملتی۔ جس نے تمہیں پانے کے لئے سب کچھ کھو دیا ہے۔ جو تمہیں بھول کر۔ زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا ـــ تم اسے نہیں پہچان رہی ہو صہبا۔ جس کا دل ـــ تمہارے سوا ـــ اور کسی کو پہچاننے کا روادار نہیں ہے۔ جس کا دل ابدالآباد تک تمہاری محبت کا مسکن رہے گا ـــ آہ! میں اس بدنصیبی کو ـــ اس روح فرسا بدنصیبی کو کیسے قبول کر سکتا ہوں ـــ میں کیسے قبول کر سکتا ہوں کہ مجھے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ دینے والا ـــ زندگی کی نیرنگیوں سے اٹھا کر۔ یاس و حرماں کی گہرائیوں میں پھینک دینے والا۔ اس کے وجود سے بھی غافل رہے۔"

دروازے پر آہٹ کی آواز سن کر عنبر کی آواز خاموشی میں تحلیل ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ آنے والی اینی تھی۔

"پیغامات روانہ کر دیئے گئے" اینی نے عنبر کے قریب رک کر کہا۔

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا" عنبر نے گرتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ہی اینی بھی باہر آ گئی۔ یہ لوگ درمیانی کمروں کو طے کرتے ہوئے فوجی دفتر میں پہنچ گئے۔ جہاں اسلامی افسروں کے درمیان اینی کے خلوص و انسانیت پر قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔

ان لوگوں کے آتے ہی موضوع یکلخت بدل دیا گیا۔

"میرے خیال میں عشاء کا وقت ہو گیا"۔ حسن نے کہا۔

"جی ہاں۔ یقیناً"۔ اور عمران کی اس تائید کے ساتھ ہی تمام حاضرین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اذان ہوئی۔ برآمدہ میں بچھے ہوئے فرش پر پھر صفیں درست ہوئیں۔ اور مسلمانوں کے سر نیاز بارگاہِ خداوندی میں جھک گئے۔

سترہ رکعتوں کی ادائیگی کے بعد۔ جب تمام افسران فوجی دفتر میں پہنچے تو ابنی کے دونوں قاصد واپس آ چکے تھے۔ جب تمام افسران قرینے سے بیٹھ گئے۔ تو ابنی نے دونوں جوابی مراسلے بغیر پڑھے حسن کو پیش کر دیئے۔ حسن کی طرف سے ان کے مطالعہ کا فرض اشعر کو سونپا گیا۔ اشعر نے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند پڑھنا شروع کیا۔

حاکم کلبریہ حالی مقام ہارلے کے لئے
سپہ سالار افواجِ کلبریہ جوب کی طرف سے

معزز و محترم!
مسلمانوں کے اچانک حملہ سے ہماری فوج کو جس نقصانِ عظیم کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اور اس وقت وہ جس انتشار و بے مائیگی کا شکار بنی پڑی ہے۔ اس کے پیشِ نظر اس وقت ہمارے لئے اس سے بہتر صورت اور کوئی نہیں ہے کہ جنگ کو چند روز کے لئے ملتوی کر دیا جاتا۔ ہمیں خوشی ہے کہ اب ہمارا نقشۂ جنگ حالات کے عین مطابق مرتب ہو سکے گا۔

اشعر نے اس مراسلے کو ایک طرف کر کے دوسرا مراسلہ پڑھنا شروع کیا۔

والیٔ کلبریہ محترمہ ابنی صاحبہ کے نام
حکومت بیزنطی کی امدادی فوج کے سپہ سالار المیرسن کا پیغام

جنابِ!

میں اپنے اس فیصلہ کے لئے معافی کا خواستگار رہوں۔ کہ ہمارے لشکر پر آپ کی کمان۔ اور آپ کے احکامات کا اطلاق ناجائز ہے۔ ہم صلیبی وقار کے تحفظ کی خاطر بھیجے گئے ہیں۔ اور ہمارا کام آپ کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنا ہے۔ آپ کے حکم پر اپنے خیموں میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہیں ہے۔ ہم آپ کے غیر عاقلانہ معاہدے کے سبب پہلے ہی کافی بیکار بیٹھ چکے ہیں۔ اب ہم مزید دفع الوقتی کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا اس موقعہ پر آپ کو دو صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کرنا ہو گا۔

نمبر ۱:۔ یہ جنگ جو اچانک مسلمانوں کی طرف سے شروع کی گئی ہے۔ جاری رکھئے۔ یہاں تک کہ یہ فیصلہ کن ثابت ہو۔

نمبر ۲:۔ ہمیں حکومت بیزنطی کے نام یہ تحریر عنایت فرما دیجئے کہ اب آپ کو کسی بھی امدادی لشکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ یہ جنگ صوبہ کلبریہ کے فوجی بازوؤں پر لڑ سکتی ہیں۔ آپ کی یہ تحریر ہماری واپسی کا تسلی بخش سبب ہو گا۔

اس پیغام کا جواب مجھے اسی وقت ملنا چاہیئے۔

اور اس سے پہلے کہ جنگی بہیمیت ایک بار پھر حاضرین کے چہروں پر نمودار ہو۔ ایبی نے اسی لحہ کھڑے ہو کر زوردار لہجہ میں کہا۔

"یہ اور بھی اچھا ہے۔ جب ہمارا مقصد بہر قیمت جنگ کو ختم کرنا ہے تو ان کا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہو گا۔ میں حکومتِ بیزنطی کے نام یہ تحریر لکھنے کو تیار ہوں۔"

"مرحبا! اے فرشتۂ امن! صد مرحبا!" حسن کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "کوئی وجہ نہیں کہ تمہارے اس خلوص اور امن پرور جذبہ کا انتہائی فراخدلانہ جواب نہ دیا جائے۔"

"میں اس طرف سے بالکل بے نیاز ہوں امیر محترم ——— بالکل بے نیاز ———"

عرضِ حال

امیرسن نے اپنے مراسلے کا جواب پاکر۔ رات کو ہی لشکر میں یہ اعلان کرادیا تھا کہ کل دوپہر تک کوچ کی تیاریاں مکمل کرلی جائیں۔

لہذا اگلے روز۔ جب کہ تمام خیمے اور دیگر ساز وسامان گاڑیوں پر بار ہو چکا تھا۔ اور کوچ کے لئے لشکری ترتیبِ عمل میں لائی جارہی تھی۔ اندرونِ شہر کے وہ عیسائی فوجی گُرگے۔ جو فصیل سے متصل ہونے کے سبب یہ منظر دیکھ سکتے تھے۔ اور صبح سے دیکھے جارہے تھے۔ اس بعید القیاس فوجی نقل وحرکت پر حیران وششدر تھے۔ رات کے سرکاری پیغام کے مطابق انہیں جدید حالات کے بارے میں صرف اسی قدر معلوم تھا کہ ہلال وصلیب کی جنگ چار روز کے لئے معرضِ التوا میں پڑگئی ہے۔ اس لئے اس وقت ان کے ذہن میں بیرونی فوج کے اس اقدام پر طرح طرح کے خیالات گزر رہے تھے۔ تاہم یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ وہ جنگ کا فیصلہ ہوئے بغیر واپس جاسکتے ہیں۔

جس خیال میں انہیں سب سے زیادہ معقولیت نظر آئی تھی۔ وہ یہ تھا کہ وہ کسی نئے اور اہم محاذِ جنگ اکی تشکیل کے لئے یہ اکھیڑ پچھاڑ کر رہے ہیں۔ جیسا کہ اس سے پیشتر انہوں نے وادیٔ جراجہ کو اپنا ضمنی مرکز بنانے کی کوشش کی تھی۔

چونکہ امیرسن کی فوج بسرعت تیاری کے باوجود سہ پہر تک تیار نہ ہوسکی تھی۔ لہذا امیرسن نے فوج کا پہلا قیام یہاں سے آٹھ کوس دور ایک بستی کو مقرر کیا۔ جو نہر کے کنارے واقع تھی۔ فوج کو کوچ کا حکم

دے دیا۔ دیگر افسروں کے خیال میں رات یہیں گزار کر اگلی صبح کوچ کرنا مناسب تھا۔ مگر ایمرسن کو اپنی کی طرف سے جو حوصلہ شکن اور اشتعال انگیز جواب ملا تھا۔ اس کے پیش نگاہ اسے اس پڑاؤ سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ نیز اس کی خودداری متقاضی تھی کہ جس قدر جلد بن پڑے۔ وہ اس پڑاؤ کو چھوڑ دے۔

لہٰذا شام کے جھٹپٹے میں فوج کے کوچ نے گرد و غبار کے ایک زبردست طوفان کو جنم دیا۔ اور پھر اسی طوفان میں روپوش ہو کر۔ ایک بگولے کی صورت میں فصیل سے دور ہوتا گیا۔

اب ایمرسن کی فوج کے مدمقابل اسلامی لشکر کے سامنے۔ سوائے اس زمین کے۔ جو خونِ انسانی سے سیراب ہوئی تھی۔ اور سوائے ان مٹی کے ڈھیروں کے جن میں کوچ کرنے والوں کے جانباز سپاہی ابدی نیند سو رہے تھے اور کچھ نہ رہا ـــــ بیرونی اسلامی لشکر بھی سوائے چہار روزہ التوائے جنگ کے جملہ معلومات سے بے خبر تھا۔ لہٰذا اپنے حریفوں کی اس ایکا ایکی روانگی پر وہ معمّہ بنا اندرون شہر کے اعلانات کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

حکومت بیزنطی کی امدادی فوج کی روانگی۔ اور اندرونی عیسائی فوج کی شکستہ حالی نے اس خطّہ زمین کے تمام تر جنگی امکانات کو یکسر ختم کر ڈالا۔ اب عیسائیوں کی سرکشی زیادہ سے زیادہ کچھ برآمد کر سکتی تھی تو وہ ان کی قبریں تھیں۔ جنھیں مسلمانوں کی غیرت و حمیت کسی مقام پر گوارا نہ کر سکتی تھی۔ یہ درست ہے کہ گزشتہ رات عظیم فوجی نقصان کے باوجود شہر میں تیس سے چالیس ہزار تک عیسائی سپاہ موجود تھی۔ لیکن اس کا وجود۔ مسلمانوں کی اہم ترین جنگی حیثیت کے سامنے عدم کے برابر تھا۔ مسلمان شہر کے اندر اور باہر ہر اس مقام پر قابض ہو چکے تھے۔ جو فتح و نصرت کا ضامن تھا ـــــ یہ سب کچھ سہی ـــ مگر جنگ ـــــ بہرحال جنگ ہے۔ جس کے لئے میدان پورے طور پر سازگار تھا۔ اور یہ صرف اپنی کی ذات تھی جس نے نہ صرف جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ بلکہ اپنی ذات اور اپنے ملک و قوم کو اس درجہ اندھے اعتماد کے ساتھ مسلمانوں کے رحم و کرم پر ڈال دیا۔ کہ اس کی مثال۔ تسلیم و رضا کی دنیا میں شاید ہی کہیں مل سکے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ صرف اپنی ہی کا دل گردہ تھا کہ اس نے اس دلیری کے

ساتھ عیسائی وقار کو حسن کے ایثار و اختیار پر ڈال دیا۔۔۔۔ اور یہ بھی بالکل سچ ہے۔ کہ اس نے
جس نرٹرنگ میں یہ اہم ترین فیصلہ کیا تھا۔ وہ دنیاوی سود و زیاں سے بلند تھا۔

آج سارا دن اسلامی فوجی دفتر میں۔ لشکر کی اہم شخصیتوں کے درمیان۔ جدید صورت حالات پر
صلاح مشورے ہوتے رہے۔ یہ تمام مذاکرات رات کی اس نشست کے لئے تھے۔ جس میں آئندہ
دستور العمل کا فیصلہ کن اعلان ہونے والا تھا۔

دوسری قابلِ ذکر تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ عنبر نے صہبا کو محل سے اس مکان میں منتقل کر دیا تھا جہاں
ان دونوں کی محبت پروان چڑھی تھی۔ یعنی اس رہائش گاہ میں جو سرد غوس کی طرف سے صہبا کے باپ
خلیل کو پیش کی گئی تھی۔

احمد کے لئے یہ انتقالِ سکونت انتہائی دل آزار ثابت ہوا۔ اس کے باوجود کہ وہ عنبر و صہبا کو ایک
دوسرے کے لئے لازم و ملزوم خیال کر چکا تھا۔ اس وقت بھی وہ حالات کی ستم ظریفی میں جذب تھا کہ
دروازے کی آہٹ نے اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔ یہ اینی تھی۔ جو احمد کو تنہا پا کر۔ اندر آتے
ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"آسکتی ہو خاتون!" احمد نے اینی کی آمد کو اپنی ذہنی الجھنوں کے لئے امدادِ غیبی سمجھتے ہوئے
استقبال کیا۔

اینی خود کو اپنی پاکیزہ نفسیات کا آئینہ بنائے۔ احمد سے متصل ایک چوکی پر جا بیٹھی۔۔۔ کچھ دیر بعد
اینی نے گلوگیر آواز میں کہنا شروع کیا۔

"آپ کے دوست ابنِ عمار میرے پاس آئے تھے۔ ان کی طرف سے ایک افسوسناک حقیقت کا
اشارہ ملا تھا۔ گو کوئی واضح بات سامنے نہیں آئی۔ لیکن چونکہ اس حقیقت کے کچھ اسباب خود میرے اپنے
پیدا کردہ تھے۔ لہذا میں نے اپنا اخلاقی فرض خیال کیا ہے۔ کہ اس دنیا میں۔ ایک دوسری ہستی کے سامنے

بھی برہنہ ہوجاؤں — پہلا شخص عنبر تھا۔ عنبر —" اینی کی آواز پر رعشہ سا طاری ہو گیا۔ جیسے وہ اپنے اندر کی کسی طاقت سے جنگ کر رہی ہے — قدرے توقف کے بعد اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

"مجھے کہنا ہی پڑے گا — لیکن —" اس کی آواز پھر حلق میں جذب ہو گئی۔

"بے تکلّف بولئے۔ احمد آپ کے خلوص۔ اور سچائی کا دل سے معترف ہے۔ وہ آپ کے جذبات کی بہر نوع قدر کرے گا۔ اور — لیکن یہ قبل از وقت ہو گا — آپ کہیں — جو کہنے آئی ہیں۔"

"میں کہہ سکتی ہوں" اینی نے خود کو عزم صمیم کے حوالے کرنے کی کوشش کی —"جو میں کہنے آئی ہوں — مگر سوچتی ہوں — کون ایسی عورت ہو گی۔ جو یہ گوارا کر سکے۔ لیکن میں یہ سب کچھ گوارا کروں گی — ایک مٹتے ہوئے نقش کو۔ کم از کم کسی ایک کی نگاہ میں تو آنا ہی چاہیئے — ہاں!"

احمد کے لئے اینی کا شرابیوں کی طرح گر گر کر سنبھلنا۔ اور سنبھل سنبھل کر گرنا بے حد صبر آزما ثابت ہوا اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اینی کی طرف سے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ حاصل ہونے والا ہے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اینی نے تلخ و تند دوا کو زہر مار کر چکنے کے انداز میں کہا۔

"میں عنبر سے محبّت کرنے لگی — صوبۂ کلبریہ کے حاکم سرد غوس کی غیور اور وقارِ قومی کی علمبردار بیٹی۔ جزیرۂ سسلی کے باغی گروہ کے ایک ایسے فرد سے محبت کرنے لگی۔ جس کا نام اسماعیل تھا۔ اسماعیل۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے مازر کی بندرگاہ پر حاکمِ سسلی حسن پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔ اور جو مسلمانوں کی قید سے انتہائی دلیری کے ساتھ فرار ہو کر۔ خلیل کا ساتھی بن گیا ہے۔ اور پھر یہ اسماعیل خلیل کے ساتھ جراجہ میں آ گیا۔ میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اور بچپن ہی سے اس قدر حسّاس کہ اپنے والدین کو۔ جو بیٹے کی آرزو میں ٹھنڈی آہیں بھرتے تھے۔ یہ احساس دلانے کے لئے۔ کہ ان کی بیٹی ایک شاہزادے کی تمام ذمّہ داریاں سرانجام دینے کی اہلیت رکھتی ہے۔ اپنی نسوانیت کو

تاجدارانہ مردانگی پر قربان کر دیا ـــــ میرے لڑکپن کا بیشتر حصہ محل کی ناز پرور زندگی کی بجائے فوجی مشق گاہوں۔ جلسوں۔ جلوسوں اور میدانِ کارزار کی اولوالعزمیوں میں بسر ہوا تھا ـــ اس تمہید سے میرا مطلب یہ تھا کہ میں عام شہزادیوں کی طرح لہو لعب اور حرص و ہوس کا شکار نہیں تھی۔ میں اپنی شادی کے بھی خلاف تھی۔ اٹلی اور سسلی کے بیسیوں ہی اونچے گھرانے مجھے اپنانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ گلبرٹ جو والد کے ایما پر مجھے اپنی منگیتر سمجھنے لگا تھا۔ اپنی اَن تھک جاں نثاریوں کے صلہ میں میری سرد مہری کے سوا اور کچھ نہیں پا سکا۔ یہاں تک۔ کہ اسی بنیاد پر اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے ـــ لیکن عنبر ـــ یہ عنبر ـــ یہ پہلا شخص ثابت ہوا۔ جس نے ـــ نہیں ـــ میں اپنی والہانہ شیفتگی کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتی ـــ ناممکن ـــ بس ایسا معلوم ہوا۔ جیسے میں اس کے ساتھ کئی صدیاں گزار کر۔ ایک رات سوئی ـــ اور میرا یہ جنم۔ اسی ایک رات کا خوابِ پریشاں تھا۔ کہ عنبر کو دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی۔ اور صدیوں کی روحانی رفاقت جس پر خواب کا ہلکا پردہ پڑ گیا تھا۔ ہوش کی انگڑائی کے ساتھ دور جا پڑا ـــ اب میں ایک عورت تھی۔ ایک عورت۔ جو صرف محبّت کے لئے پیدا ہوتی ہے ـــ چاہنا۔ اور چاہا جانا جس کا مقدر رہے ـــ خدا جانتا ہے۔ یہ سب کچھ بے اختیار ہوا۔ بالکل ہی بے اختیار ـــ لیکن! اینی کی آنکھیں خون اُگلنے لگیں۔ جیسے سینے میں کوئی چیز سلگ اٹھی ہو۔ اور دھوئیں کے گھٹاؤ کی تاب نہ لا کر روح آنکھوں کی راہ بھاگ نکلنا چاہتی ہو ـــ" میرا یہ شک حقیقت ثابت ہو کر رہا کہ میں اپنے مرکز حقیقی سے کٹ چکی ہوں۔ بظاہر یہ بڑی عجیب بات ہے۔ مگر حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ۔ عنبر اور صہبا عرصہ دراز سے ایک دوسرے میں جذب ہیں ـــ"

اینی کی آواز پھر لڑکھڑا گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی احمد کی کائناتِ حیات بھی۔ وہ اب تک اینی کو مبہوت نگاہوں سے تکے جا رہا تھا۔ اب یوں معلوم ہونے لگا۔ جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اور اب اس پر سینہ و سر کا بوجھ نہیں سہارا جا سکتا۔ وہ بے خودی کے عالم میں جھکتا

ہی چلا گیا۔

"لیکن بجائے اس کے کہ میں اس حقیقت کو اپنی بدنصیبی سمجھ کر اسے قبول کر لینے کے لئے آمادہ ہو جاتی۔ میں اپنے مقسوم سے آمادہ جنگ ہو گئی۔ میں اپنی محبت کی سلامتی کے لئے اخلاق سوز حرکات پر اُتر آئی۔ مجبوری انسان سے سب کچھ کرا لیتی ہے معزز ولی عہد! صہبا ایک سیدھی سادی مذہبی لڑکی تھی۔ وہ اسلام کی سرخروئی کے لئے ہر وقت دست بدعا رہتی تھی ـــــ عنبر اس وقت اسماعیل تھا۔ مرکزی اسلامی حکومت کا باغی ـــ میرا خیال تھا کہ صہبا ایسی لڑکی۔ کسی خاص مجبوری کے ساتھ اسماعیل کو قبول کر بیٹھی ہے۔ اور اگر اسے کوئی ایسا شخص مل جائے جو اس کے نظریات سے مطابقت رکھتا ہو۔ تو وہ اسماعیل کو اپنے دل سے نکال پھینکے گی۔ حسنِ اتفاق کہ وقت نے مجھے آپ کا قیدی بنا کر۔ اسلامی لشکر میں پہنچا دیا۔ یہاں میں نے آپ کو دیکھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا گویا قدرت نے یہ حالات پیدا ہی اس لئے کئے ہیں کہ میں اپنے مرکزِ حقیقی سے وابستہ ہو جاؤں۔ میری رائے میں ـــ آپ ہر لحاظ سے صہبا کے معیار پر پورے اترتے تھے۔ آپ کی ذات میں وہ سب کچھ موجود تھا۔ جس کی صہبا کو ضرورت تھی۔ لہذا میں نے ایک رقعہ میں صہبا کو آپ کا گرویدہ ظاہر کرتے ہوئے آپ کو اپنے خیمہ میں بلایا۔ یہ بہت بُری بات تھی۔ مگر ـــ مجبوری ـــ مجبوری ـــ مگر حقیقت انجام کار حقیقت ہی رہی۔ صہبا کا دل آپ کی طرف مائل نہ ہو سکا ـــ ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ـــ اس لمحہ تک! صہبا یقیناً ایسی لڑکی نہیں ہے۔ جس سے کوئی حساس دل غیر متاثر رہے ـــ آپ صہبا کی تمنا کے لئے بالکل بے قصور ہیں۔

میری کمزوریوں کی فہرست بڑی طویل ہے معزز ولی عہد! بڑی طویل ہے۔ لیکن۔ اب ان کا اس مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جسے لے کر میں یہاں آئی تھی ـــ میں یہاں آئی تھی اس لئے کہ آپ کی ان غلط فہمیوں کو دور کر دوں۔ جو میری طرف سے پیدا کی گئی تھیں ـــ صہبا آپ سے ملنے کی کبھی شائق نہیں ہوئی۔ وہ آپ کو نائب امیر لشکر کی حیثیت سے جانتی تھی ـــ ہم دونوں ایک ہی راہ کے مسافر

ہیں۔ ایک ہی غرق شدہ کشتی کے دو بھولے بھٹکے راہی۔ خدا ہماری حالتوں پر رحم کرے۔ آپ صہبا کو بھول جائیں۔ جیسے میں عنبر کو بھول ——" اینی اپنا جملہ مکمّل نہیں کر سکی۔

عشاء کی نماز کے بعد جب عنبر حسن کی طرف سے آئندہ دستور العمل کا اعلان سننے کے لئے مکان سے نکلا تو اس کی پریشان حالی اس کی قوّتِ برداشت کے آخری مرحلے پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ صہبا اپنے مکان اور اپنے مانوس ملازمین کے درمیان پہنچ کر تھوڑا بہت سنبھالا لے گی۔ لیکن ہوا یہ کہ اس کی دیوانگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہو گیا۔ ملازمین اس کی نگرانی سے تنگ آ گئے۔ اور عنبر کو مجبوری اسے ایک کمرے میں بند کرنا پڑا۔

مکان سے نکل کر جب وہ محل کے سامنے والے حصّے میں پہنچا تو یہاں ابھی فرش فروش اور مشعلوں کا انتظام کیا جا رہا تھا۔

"ابھی دیر ہے۔" اس نے سوچا۔ اور پھر اس خیال سے کہ آج کے جلسہ کی کارروائی میں اینی کا خاص حصّہ ہے۔ وہ اینی کے ارادوں سے قبل از وقت اطلاع پانے کے لئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"ہوپی!" اس نے ہوپی کو آواز دی۔ جو تیزی کے ساتھ اسی راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اور پھر خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔

"اینی صاحبہ کہاں ہیں؟"

"نائب امیرِ لشکر کے پاس۔"

"کس جگہ۔"

"آیئے میرے ساتھ آجایئے۔"

عنبر ہوپی کے ساتھ ہو لیا۔ معمولی سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہوپی اسی دروازے پر رُک گیا جو صہبا کی قتل گاہ مقرّر ہوا تھا اور جہاں اس وقت احمد قیام پذیر تھا۔

"سنو! پہلے اندر جا کر اطلاع دیدو۔" ہوپی سر جھکا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔
"جلسہ شروع ہونے میں ابھی دیر ہے۔" ہوپی نے اطلاع دی۔ جس کے لیئے وہ یہاں سے بھیجا گیا تھا۔ اور جناب عنبر صاحب آپ سے ملاقات کے امیدوار ہیں۔"
یہ سنتے ہی ایمی فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور کچھ اس تپاک سے دروازے کی جانب بڑھی جیسے کسی اوتار کا خیر مقدم کیا جا رہا ہو۔ عنبر نے اندر آتے ہی احمد کو مودبانہ سلام کیا۔ احمد نے جواب دیتے ہوئے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی ایک نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عنبر کے بیٹھتے ہی ایمی بھی اپنی کرسی اس کے بالکل قریب گھسیٹ لائی۔

"میں اس لیئے آیا تھا۔" عنبر نے انتہائی اہم موضوع کو انتہائی غیر اہم انداز میں چھیڑا۔ "کہ آج کی کارروائی میں آپ کن جذبات کے ساتھ حصّہ لے رہی ہیں۔"
"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو میرے محبوب!"
"ایمی!" عنبر قریب قریب چیخ اٹھا۔ "آپ حاکم و محکوم کے لحاظ کو فراموش کر رہی ہیں۔"
ایمی دم بخود رہ گئی۔ جیسے اس سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔
احمد جو ایمی کے جذبات سے اب بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ اس کی بلند و بالا شخصیت کو اس کمترانہ حیثیت میں نہ دیکھ سکا۔ ایمی کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی —— بڑی ہی قابلِ رحم۔
"میں قدرت کی اس ستم ظریفی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔" احمد کا تحمل جواب دے گیا۔ "کہ ایک عالی مرتبہ دوشیزہ اپنا سب کچھ لٹا کر کے بھی۔ عزّت و احترام سے محروم رہی۔"
احمد کے ان پُر جلال جملوں نے۔ عنبر کو ایک گہری تشویش میں مبتلا کر دیا۔ وہ حیران و پریشان احمد کی صورت کو تکنے لگا۔ جیسے وہ اس معمہ کو حل کرنے سے قاصر ہو۔
"جناب والا۔" ایمی مچل گئی۔ "یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے۔ آپ کو ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ میں اپنے مقدر سے متفق ہو چکی ہوں۔ میری تباہی میری زندگی کی معراج ہے۔"

"چپ ہو جاؤ اینی ۔" عنبر نے التجا کی ۔" میں اپنے واجب الاحترام نائب امیر لشکر کے رو برو۔ ایسی باتوں کا اظہار خلافِ تہذیب خیال کرتا ہوں ۔"

عنبر کی اس گفتگو نے احمد کو اپنے رویّہ پر نظرِ ثانی کے لئے مجبور کر دیا ۔ اور دوسرے لمحے اس کا دل متقاضی تھا کہ وہ اپنے سخت الفاظ کے لئے معافی کا خواستگار ہو۔

" اگر ـــــ " وہ اپنے دل کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے تیار ہو گیا ۔ میرے کسی لفظ سے آپ کے دلوں کو ٹھیس لگی ہے تو میں معا ـــــــ "

" جناب والا !" عنبر چیخ اٹھا ۔" میں اس کا متحمل نہیں ہو سکوں گا ۔" میرا دل اپنے آقازادے کی طرف سے آئینہ کی طرح صاف ہے ـــــ اور تم ـــــ " اس نے اینی کو قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا ۔" ہمارے آقازادے سے اپنے گستاخانہ الفاظ کی معافی مانگو گی ۔ یہ ان کی شان میں بے ادبی ہے ۔ اسلامی وقار کے ساتھ بے ادبی ہے ۔ میں اسے ہرگز معاف نہیں کر سکتا ۔"

اینی احمد کے حضور کٹھ پتلی کی طرح سر جھکائے ہوئے گویا ہوئی ۔" میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں عالی جاہ ! میں آپ سے معافی چاہتی ہوں ۔ مجھے معاف کر دیجئے عالم پناہ !"

اینی کے یہ جملے چھریوں کی طرح احمد کے دل میں اتر گئے ۔ صوبۂ کلبریہ کی شہزادی ۔ ایک جاسوس کے ایما پر ۔ نائب امیر لشکر سے اس کی خوشنودئ طبع کی بھیک مانگ رہی تھی ـــــ ہرپی اور ہیپی جنھوں نے اپنی آقازادی کی زبان سے اس قسم کے الفاظ پہلے کبھی نہیں سنے تھے ۔ آبدیدہ ہو کر اینی کو یوں دیکھ رہے تھے گویا اس نے کوئی نیا جنم لیا ہو۔

" شاید میں اس بدمزگی کو کبھی فراموش نہ کر سکوں ۔" عنبر نے متاسف لہجہ میں کہا ۔ اور اٹھتے ہوئے نہایت ادب سے ملتجی ہوا ۔

" خادم اجازت کا خواستگار ہے ۔"

" جا سکتے ہو ۔" احمد نے کھوئے کھوئے سے لہجہ میں جواب دیا ۔

"اور میں بھی عالی مرتبت شہزادے" اینی نے کھڑے ہو کر تعظیم دی۔ اور ابھی احمد کی معنی خیز نگاہیں اس کے چہرے سے الگ نہ ہوئی تھیں کہ اینی عنبر کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایپی اور ہوپی بھی۔

"میں معافی چاہتی ہوں میرے محبوب!" اینی نے باہر پہنچتے ہی عنبر کا بازو پکڑ لیا۔

"ہم لوگ ایسی معاشرت کے خوگر نہیں ہیں۔ بازو چھوڑ دو۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو ——"

اینی نے بازو چھوڑ کر عنبر کو نگاہ کی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے معاف کر دو میرے سرتاج۔ خدا کے لئے معاف کر دو۔ میں اپنی اس متاع کو ہرگز تلف نہیں کر سکتی۔ جو میں نے اپنا سب کچھ کھو کر حاصل کی ہے۔"

"معاف کر دیا۔" بالآخر عنبر کو پسیجنا پڑا۔ اور اس سے پہلے کہ اس کی کوئی حرکت اس کی کمزوری کی چغلی کھاتی۔ وہ تیز قدمی سے برآمدہ کی طرف ہو لیا۔

"سنو!" اینی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ "کیا تم جلسہ میں میرے ساتھ نہیں رہو گے۔ میں نے جنگ بندی کا اعلان۔ تمہاری ہمسائیگی میں کیا تھا۔ اور آج اس اعلان کا نتیجہ بھی تمہاری ہی ہمسائیگی میں سننا چاہتی ہوں ——" اینی عنبر کے قریب پہنچ گئی —— "میں تمہاری اس تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔ آہستہ آہستہ چلو میرے محبوب! —— آہستہ آہستہ ——" اینی کی آواز گلے میں ڈوب گئی۔

"لیکن ——" اس نے تشویشناک لہجہ میں سوال کیا۔ "یہ نامناسب تو نہ ہوگا۔"

"کیا۔"

"یہی کہ تمام اسلامی افسر تمہیں میرے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔"

"وہ تو اس سے پہلے بھی ایک بار دیکھ چکے ہیں۔"

"کیا سوچتے ہوں گے یہ سب ہمارے بارے میں۔"

"واللہ عالم بالصواب۔ لیکن وہ لوگ برا نہیں سوچ سکتے۔"

"کتنے اچھے لوگ ہیں!"

جلسہ کا انتظام برآمدہ کے عین مقابل کیا گیا تھا۔ لہٰذا جونہی ایبی و عنبر برآمدہ میں رونما ہوئے جلسہ گاہ کے حاضرین کی نگاہیں ایک عجیب سے تجسس کے ساتھ ان کا تعاقب کرنے لگیں۔

"معزز حضرات! حسن کی آواز نے لوگوں کی توجہ کو جو عنبر اور ایبی پر مرکوز تھی۔ اپنی طرف موڑ لیا حسن نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لمبے سے کاغذ کو ایک نگاہ دیکھا جس میں تقریر کا خاص متن درج تھا۔

اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ کہ یہ جنگ مسلمانوں کی پیدا کردہ نہیں تھی۔ بقول بنت السردغوس۔ اگر ہم یہاں نہ آپہنچتے۔ تو میدانِ کارزار سسلی میں گرم ہوتا۔ یہ اتفاق ہمارے ایمان کے عین مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مفسدوں کو زیادہ دیر پنپنے کا موقعہ نہیں دیتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ان میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔ جو بنی نوع کو جنگ کی آگ میں دھکیلنے کا ذمہ دار تھا۔ ان لوگوں کے کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد۔ ہمیں جس ذمہ دار دشمن سے واسطہ پڑا ہے۔ میرا اشارہ بنت السردغوس کی طرف ہے۔ اس کے جذبات و احساسات آپ کے علم سے گزر چکے ہیں۔ اس پر خلوص اور انسان دوست لڑکی نے جس جرأت مندانہ بھروسہ کے ساتھ اپنی قوم کو اپنے دشمنوں کے حوالے کیا ہے اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ اور اگر ہم پوری دیانتداری سے کام لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا۔ کہ ہماری فتح سے ہمکنار تلوار۔ اس کے فراواں خلوص سے شکست کھا چکی ہے۔ اور اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم۔ تلوار کے دھنی۔ اخلاص کی دوڑ میں۔ اپنے مقابل کا کس حد تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ کیا ہم اس مقام پر جو انسانیت کی بہت بڑی آزمائش ہے۔ ثابت قدم رہ سکیں گے ——— اور میں کہتا ہوں یقیناً۔ اس لئے کہ شاہانہ جاہ و جلال۔ ریاستی سطوت و جبروت۔ اور دنیاوی اقتدار و فتوحات کا نام "اسلام" نہیں ہے۔ وہ اسلام نہیں ہو سکتا جو راہِ اقتدار کی ناہمواریوں کو کمزوروں کی لاشوں سے پاٹتا ہوا آگے بڑھے۔ اسلام سرچشمہ ہے۔ امن کا۔ خلوص کا۔ محبت کا۔ رواداری کا۔

انسانی فلاح و بہبود کا۔

وہ شمشیرِ بے امان بھی ہے۔ ظالموں اور غاصبوں کیلئے۔ اور بے ایمانوں کے لئے۔

اسلام دنیاوی سود و زیاں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اسلام امن کا پیامی ہے ـــــ امن پسندوں کا سچّا دوست۔

اسلام اپنے ہمسایوں کے لئے رحمت ہے۔ وہ بنی نوعِ انسان کی ترقی یافتہ روحانی اقدار کا حامل۔ اور خیر و سلامتی کا ضامن ہے۔

پھر اے شمع توحید کے پروانو! یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ دشمن ہماری ہی بنیاد پر ہم سے بازی لے جائے۔ لہذا۔

میں اعلان کرتا ہوں کہ

ہم بنتِ سرد غوس کی خواہش کے مطابق۔ جراجہ کی سرزمین کو خونِ انسانی سے داغدار نہیں کریں گے۔

اس کے باوجود۔ کہ جنگ کی ابتدا اہلِ کلبریہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ نیز ہمارا لشکر فتح سے بالکل قریب ہے۔

ہم نہ اہلِ جراجہ کا مالِ غنیمت لیں گے۔ نہ ان پر تاوانِ جنگ ڈالیں گے۔

ہم اپنے جنگی اخراجات۔ نیز جانی نقصانات۔ اپنی جان پر برداشت کریں گے۔

صوبۂ کلبریہ کی حکومت بنتِ سرد غوس کا حق ہے۔ ہم اس حق کو بحال کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیں مرکزی حکومت کے سامنے ان تمام امور کے لئے جوابدہ ہونا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صوبۂ کلبریہ کو دس سال کے لئے ہمارا باجگزار بنایا جائے۔ خراج کی رقم کا تعین سسلی پہنچ کر کیا جائے گا۔ تاہم یہ رقم جو صوبۂ کلبریہ پر لگائی جائے گی۔ اس رقم سے ہرگز زائد نہ ہوگی جو کسی بڑے شہر پر لاگو ہو سکتی ہے۔

اگر بنتِ اسرد غوس کی حکومت کے کچھ مخالفین ہیں۔ تو اینی کی درخواست پر ہم ان کی سرکوبی کے لئے تیار ہیں۔

جراجہ کے وہ تمام ہتھیار جو جارحانہ عزائم کے زیر اہتمام ذخیرہ کئے گئے ہیں۔ تباہ کر دیئے جائیں گے۔

اس اعلان کے بعد ہماری حیثیت حکومتِ جراجہ کے مہمان کی ہے۔

کل صبح سے ہماری وہ فوج جو شہر میں موجود ہے۔ باہر نکلنا شروع ہو جائے گی۔ اور اگر کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ تو آج سے تیسرے روز۔ ہم جزیرہ سسلی کی طرف کوچ کر جائیں گے۔

ہم بنتِ اسرد غوس کے حق میں ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خلوص کا ثبوت ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے آگے خود بنتِ اسرد غوس کو ہماری رہنمائی کرنا ہوگی۔ ہم خوش ہوں گے۔ اگر ہمارا تعاون ان کے کام آیا۔

والا شان حاضرین! اینی کے لئے جوابی تقریر ناگزیر تھی۔ لہٰذا ذہنی پراگندگی کے باوجود اسے بولنا پڑا۔

کاش اس وقت وہ لوگ یہاں موجود ہوتے۔ جنھوں نے مسلمانوں کو ایک جارح اور خطرناک دشمن سمجھ کر۔ ان کے خلاف یہ محاذ تیار کیا تھا۔ یا کم از کم وہ عیسائی افسر ہی موجود ہوتے۔ تو پچھلوں کی کھینچی ہوئی خون آشام لکیر کے فقیر بنے۔ اس وقت شہر کے مختلف مورچوں پر اپنی بہیمیت کی پیاس مسلمانوں کے خون سے بجھانا چاہتے ہیں تاکہ انہیں اس آئینہ میں اپنے صحیح خدوخال نظر آ سکتے۔ بہرحال۔ کل جب اہلِ جراجہ اسلامی لشکر کی ان مراعات سے واقف ہوں گے۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ لوگ۔ جنھیں ہم ریگزارِ عرب کے وحشی۔ درندہ صفت اور امن دشمن سمجھے ہوئے

تھے۔ وہ درحقیقت کیا ہیں۔

دنیا کی تمام حکومتوں کی تاریخِ جنگ ہمارے سامنے ہے۔ ایسی حکومتوں کی بھی۔ جو اپنی اعلیٰ تہذیب و تمدّن۔ اپنے عفو و کرم اور مذہبی فوقیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے نہیں تھکتے۔ لیکن دوستی اور عفو و مساوات کی جو مثال تاریخ کو آج ملی ہے۔ اس سے پچھلی تمام تاریخیں محروم ہیں۔ اگر آپ کی بجائے ہمارے مقابلہ پر کوئی اور ہوتا اور یہ صورت ظہور میں آتی۔ تو وہ یہاں سے اس وقت تک ہرگز نہ ہلتا جب تک کہ اپنے جنگی نقصانات کی پوری طرح تلافی نہ کر لیتا۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ ایسا کر کے وہ کسی بے انصافی کا مرتکب نہ ہوتا۔ دنیا کے ہر فاتح نے مفتوح کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ پھر ایسی صورت میں۔ جب کہ جنگ کی تحریک بھی ہماری طرف سے ہوئی ہو۔ میں جناب کی ان عنایات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی۔ کہ ایسے لاکھوں شکریے بھی آپ کے اس حسنِ سلوک پر پورے نہیں اُتر سکتے۔ میں یہ لمحات کبھی نہیں بھول سکوں گی ـــ کبھی نہیں۔ جب کہ ایک طاقت۔ ایک عظیم طاقت نے دوسری طاقت کی لغزشوں پر ہزاروں گردنیں قلم کرائیں۔ کروڑوں روپوں کے اخراجات برداشت کئے۔ اور اس کے باوجود۔ جب ان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا گیا۔ تو اپنے عظیم ترین نقصانات سے قطع نظر۔ وہ ہم سے بغلگیر ہو گئے۔

مبارک ہیں وہ قومیں۔ جو اتنا ظرف رکھتی ہیں۔ اور خوش قسمت ہیں ہم۔ جنھیں ایسے دشمنوں سے واسطہ پڑا ـــ خدا جانتا ہے۔ اور شاید ہمارے محترم عنبر صاحب بھی۔ کہ میرے یہ الفاظ۔ میرے حقیقی جذبات کے ترجمان ہیں۔ اور اس وقت جب کہ آپ حضرات میرے بیان کی لرزشیں ہیں۔ میرے جذبات و احساسات کے بارے

یں کوئی رائے قائم فرمارہے ہوں گے۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں اپنے جذبات و احساسات کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکی ہوں۔ اور نہ شاید کر سکوں گی۔

آخر میں۔ میں نہایت ادب کے ساتھ درخواست کروں گی۔ کہ کل کا دن اور شہر میں گزار کر ہمیں اپنی میزبانی کی سعادت سے مشرف فرمائیں۔

اینی اس مختصر سی تقریر کے بعد دوبارہ عنبر کے پاس بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر کے صلاح و مشورے کے بعد۔ حسن نے اینی کی ایک روزہ قیام کی درخواست منظور کرلی۔

حسن سے اجازت حاصل کرنے کے بعد جب عنبر اپنی جائے رہائش کی طرف چلا۔ تو اینی بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ جلسہ گاہ سے نکل کر اینی نے التجا آمیز لہجہ میں کہا۔

"اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو میں چند لمحوں کے لئے صہبا بہن سے مل لوں۔ مجھے بڑی خوشی ہو گی انہیں دیکھ کر۔"

"ضرور چلیئے۔" عنبر نے جواب دیا۔

"کیا اب بھی آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"نہیں۔"

"میرا خیال ہے۔" اینی عنبر کے ان روکھے پھیکے جوابات کی تاب نہ لا سکی۔ "میں آپ کی طبیعت پر بار گزر رہی ہوں۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"یہ سرد مہری ——" اینی اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔

"اینی!" عنبر کھڑا ہو گیا۔ دور جلتی ہوئی مشعل کی مدھم روشنی میں اینی کا چہرہ بیحد اداس نظر آیا۔ حالانکہ اب سے چند ساعتیں قبل وہ بڑی مسرور نظر آ رہی تھی۔

"کس قدر تضاد ہے تمہارے کردار میں۔" عنبر کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ حالانکہ وہ کچھ اور ہی کہنے کے لئے ٹھہرا تھا۔

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔" اینی نے ایک سرد آہ کے ساتھ کہا۔ "لیکن میں ہمیشہ سے ایسی نہیں تھی ــــ وہ کائنات جو بچپن سے میرے مشاہدے میں رہی ہے۔ معلوم نہیں کیوں۔ اب یہ سب کچھ اجنبی سا معلوم ہونے لگا ہے۔ حتیٰ کہ اپنا آپا بھی۔ اور مصیبت یہ ہے کہ سب کچھ بے اختیار ہے۔ بالکل بے اختیار ــــ"

"اچھا یہ ہوگا۔" عنبر نے وقتی فیصلے کے انداز میں کہا۔ "کہ پہلے آپ سے چند ضروری باتیں کرلی جائیں میں آپ کے ہمراہ آپ کے کمرے پر چلنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ پسند فرمائیں۔"

"زہے نصیب ــــ بصد شوق۔"

جواب میں عنبر کے قدم محل کی طرف اُٹھ گئے۔ درمیانی راستہ خاموشی کے ساتھ طے ہوا۔ جس کمرے میں اینی مقیم تھی۔ اس کے دروازے پر سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اینی ان دونوں کو اپنے ساتھ اندر لے آئی۔ اور اپنی نشستوں سے چند گز کے فاصلہ پر قالین پر بٹھا دیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں۔" عنبر نے کہنا شروع کیا۔ "تم نے اپنے بارے میں کیا سوچا ہے۔ کیا یہ ممکن ہو سکے گا کہ تم حسبِ سابق یہاں فرمانروائی کر سکو۔ جب کہ فوج کے تمام کلیدی افسر تمہاری مشکوک حیثیت سے خبردار ہو چکے ہوں گے۔ کیا یہ لوگ تمہاری تخت نشینی سے متفق ہو جائیں گے"

"زہے نصیب کہ آپ کے ذہن و فکر پر مجھ ناچیز کے لئے اتنی گنجائش نکلی۔" اینی نے انتہائی حسرتناک لہجہ میں کہا۔

"مگر یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے۔" عنبر بدستور سنجیدہ رہا۔ "میں چاہتا ہوں جانے سے پہلے تمہارا مسئلہ پوری طرح حل ہو جائے۔"

"لیکن کیوں۔ کیوں چاہتے ہیں آپ ایسا۔"

"اس لئے کہ تمہارے بگاڑ میں میری اپنی ذات کا بھی کچھ حصّہ ہے۔ گو میں واقعی طور پر اس کا سزاوار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی۔ میرا اخلاق اس کے لئے متقاضی ہے۔"

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ان تمام "فضولیات" کے لئے۔" اینی نے فضولیات پر خصوصی زور دیکر کہا "میری ذات واحد ذمّہ دار ہے۔ بالکل اسی طرح۔ جیسے اس جنگ کی پوری ذمّہ داری میرے اور صہبا کے باپ پر عائد ہوتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ میری وہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی جس کیلئے میں یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"اگر آپ کی خواہش۔ میرے تعمیری حالات سے متعلق ہے۔ تو میں درخواست کروں گی کہ آپ اس موضوع کو یہیں ختم کر دیں۔ میں اپنی ذات کے لئے اپنے محترز مہمان کو تکلیف نہیں دے سکوں گی۔ یہ میرا اور میری قوم کا معاملہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں۔ ایک ماں اور ایک بچّہ کا۔ ہم آپس میں نپٹ لیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے حق میں کچھ بہتر ہی ظاہر ہو گا۔"

عنبر حیرانی سے اینی کو تکنے لگا۔ کیونکہ اینی کا اس مسئلہ سے بے اعتنائی برتنے کا دوسرا مطلب انتہائی مہلک نتائج کو دعوت دینا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ بڑے افسروں کی زبانی جب اینی کے وطن دشمن معاشقے کی خبریں عوام تک پہنچیں گی۔ تو وہ اینی کو کسی حال میں معاف نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں عیسائی امدادی لشکر کی پُر اسرار واپسی۔ محل میں دشمنوں کی پذیرائی۔ اور بغیر صلاح مشورہ کئے جنگ بندی۔ یہ سب کچھ اسی معاشقہ کی کڑیاں تصوّر کی جائیں گی۔

"میں آپ کی ان ہمدردیوں کو فراموش نہیں کر سکتا۔ جو عرصہ سے میرے شریکِ حال رہی ہیں۔ اور میرے لئے یہ سخت احسان نافراموشی ہو گی۔ اگر میں پیش آنے والے حالات کے لئے آپ کو بالکل تنہا چھوڑ دوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں۔"

"میں کہہ چکی ہوں۔ کہ میرے حالات میرے اپنے پیدا کردہ ہیں۔ مجھ سے جو کچھ بھی سرزد ہوا ہے وہ میرے اپنے دل و دماغ کی پسندیدگی پر ہوا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصّہ نہیں

ہے۔ پھر یہ کیونکر مناسب ہے۔ کہ میں اپنی آگ میں دوسروں کو گھسیٹنے کی کوشش کروں ——— اوہ! تم ان بیکار" اینی جھلاّ پڑی "اور فضول باتوں میں کیوں اُلجھ گئے میرے محبوب۔ اب میرے پاس آپ لوگوں کی میزبانی کے لئے بہت کم وقت رہ گیا — صرف کل کا دن۔ کاش یہ صدیوں میں بدل جائے۔ اور میں زندگی بھر میزبانی کے فرائض انجام دیتی رہوں — ہاں یہ تو بتاؤ۔ تمہارے امیر لشکر کو کن چیزوں سے زیادہ رغبت ہے۔ میں چاہتی ہوں کل کا خاصہ کامل طور پر مشرقی انداز کا ہو۔ کیا تم اس مہم میں میرا ہاتھ نہ بٹاؤ گے۔"

"اگر ٹھوس حقائق ان کھوکھلے مسائل پر قربان ہو سکتے ہیں۔ تو یونہی سہی —" عنبر راضی برضا ہو گیا۔ "لیکن یہ چیز میرے ضمیر پر ہمیشہ کے لئے بوجھ رہے گی۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ حالات میری توقع کے خلاف رونما ہوئے۔"

"یہ واقعی برا ہو گا۔" بھرپور ضبط کے باوجود اینی کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ "میں نہیں چاہتی کہ میرے نجی دُکھ دوسروں پر اثر انداز ہوں۔ لیکن — لیکن — وقت جلد ہی ہر قسم کے زخم بھر دیتا ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ زندگی کی تمام بہاریں آپ کے قدموں میں ہوں۔"

"اچھا تو —" عنبر کھڑا ہو گیا۔ "اب ہمیں چلنا چاہیئے۔"

"اب آپ جائیں۔ میں صبح مل لوں گی اپنی بہن سے۔"

"شب بخیر۔"

"شب بخیر۔" اینی کی آواز گلے میں رُندھ گئی۔

عجیب سازش

ارقم جنگ میں کئی مہلک زخموں کا شکار ہو کر محل کے ایک گوشے میں میکا کی تیمارداریوں میں اُکھڑے اُکھڑے سانس لے رہا تھا۔ وہ تھی رات غازیوں کی صف سے کٹ کر شہیدوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

ارقم کی موت نے جہاں میکا کے حسین مستقبل کی بنیادیں تہس نہس کر ڈالیں۔ وہاں اسے ایک اور نئی دنیا بھی سجھا دی۔ مسلمانوں سے اس کی ہمدردی۔ صرف ارقم کے دم تک تھی۔ جو اس کی آنکھیں بند ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اس کے اندر کی عیسائیت جاگ اٹھی۔ وہ یقیناً ہار لے ایسے حرام کاروں کے حق میں نہ تھی۔ لیکن ایک باوقار صلیبی حکومت کا اس قدر لوچ کھاتا۔ کہ مسلمانوں کو اس پر رحم آنے لگے۔ اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ وہ اب تک جن مجبوریوں کے ساتھ اسے گوارا کئے ہوئے تھی۔ ارقم کے ساتھ ان کا بھی خاتمہ ہو چکا تھا۔

عورت واقعی ایک عجوبۂ روزگار ہستی ہے۔ اس کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا بہت دشوار ہے۔ جب تک میکا کا محبوب زندہ رہا۔ وہ نہ صرف خاموشی کے ساتھ سب کچھ دیکھتی رہی۔ بلکہ حتی المقدور مسلمانوں کی حامی و مددگار بھی ثابت ہوتی رہی۔ اپنی محبت کی بارآوری کے لئے اس نے بگڑتے حالات کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن جب اس کی محبت کے پروان چڑھنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو اسے اپنی قوم کا سب کچھ یاد آنے لگا۔ جیسے پہلے وہ اندھی ہو گئی تھی۔ اور اب ایکا ایکی اس کی بینائی لوٹ آئی ہے۔

علی الصباح۔ جب ارقم کی تجہیز و تکفین کے انتظامات ہو رہے تھے۔ وہ غموں سے نڈھال احمد کے پاس پہنچی جس کی نگاہ میں اس کی حیثیت ایک بہترین دوست کی تھی۔

"جناب والا" اس نے دست بستہ درخواست کی۔ "ارقم کی موت میری زندگی کا بہت بڑا حادثہ ہے۔ جسے شاید میں اکیلی نہ سہار سکوں۔ میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ جہاں میرے بہت سے عزیز و اقارب موجود ہیں۔ ممکن ہے میں ان کے درمیان اس غم کو بھلانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ شہر میں جا بجا اسلامی لشکر پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ حضور مجھے پروانۂ راہ داری عنایت فرما دیں۔ تاکہ میں بلا روک ٹوک اپنے گھر تک پہنچ سکوں۔"

"ہمیں تمہاری ذات سے پوری ہمدردی ہے۔ خدا تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔" اور اس کے بعد احمد نے قلمدان منگا کر اسے پروانۂ راہ داری دے دیا۔

جوب۔ جو عیسائی لشکر کی پُراسرار ہیئت ترکیبی کے باعث اس وقت بجا طور پر عیسائی فوج کا سپہ سالار اعظم کہلا سکتا تھا۔ اور جس نے حالیہ جنگ میں سپہ سالارِ اعظم ہی کی حیثیت سے حصّہ لیا تھا۔ آج صبح سے اپنے خیمے میں دیگر ذمّہ دار افسروں کے ساتھ حالاتِ حاضرہ پر مغز کھپا رہا تھا۔ لیکن صورت حال یہ تھی کہ وہ فوج کی مختلف ٹکڑیوں کے بیانات کی روشنی میں حالات کو جس قدر سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ اتنے ہی زیادہ پیچیدہ بنتے جا رہے تھے۔ جوب ذاتی طور پر جن حالات سے واقف تھا۔ وہ یہ تھے کہ ہارلے نے ایپی کو عنبر کے ساتھ تہہ خانے میں بند کر کے جملہ امورِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ پھر جب آبی راستے سے مسلمانوں نے شہر پر شبخون مارا تھا تو اس وقت اہالیانِ محل کو یقینی طور پر اتنی مہلت مل سکتی تھی کہ وہ تیار ہو کر میدان میں آ سکتے۔

بعد ازاں۔ چڑھتے سورج کے ساتھ۔

اسے اپنی فوج کی ایک ٹکڑی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ محل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

اور پھر ابھی اس خبر کی تصدیق کو زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک اور فوجی ٹکڑی کی زبانی اسے معلوم

ہوا کہ محل پر نہ صرف یہ کہ عیسائیوں کا قبضہ ہے بلکہ وہاں اپنی کو شمشیر بکف جنگی احکامات صادر کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ اور جب ان اطلاعات کو عینی مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے اختتام جنگ سے کچھ دیر پہلے وہ خود اپنے جانباز دستے کے ساتھ محل کی طرف بڑھا تو اسلامی فوج کے زبردست ٹکراؤ نے اسے آدھے راستے ہی سے واپسی پر مجبور کر دیا۔

پھر رات کو چار روزہ التوائے جنگ کا جو پیغام جوب کو دستیاب ہوا وہ ہارلے کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ ہارلے اور اپنی کے تعلقات کی کشیدگی جوب کو کسی بھی نوعیت سے اس امر پر متفق نہ کر سکی کہ وہ دونوں بیک وقت صاحبِ اقتدار ہو سکتے ہیں۔ اس کے خیال میں اگر واقعی ہارلے صاحبِ اقتدار تھا تو اپنی کو قید میں ہونا چاہیئے تھا۔ اور اگر کسی بھی وجہ سے اپنی تہہ خانے سے رہائی پاکر صاحبِ اقتدار ہو گئی تھی۔ تو پھر ہارلے کا قیدی ہونا یقینی تھا۔

طرفہ ستم یہ کہ اس اجلاس میں جہاں بیسیوں عیسائی افسر موجود تھے۔ جوب کی اس ذہنی کش مکش کو صحیح طور پر سمجھنے والے دو اور صرف دو افسر تھے۔ جو اس محاذ پر جوب کے نائبین کا فرض انجام دے رہے تھے۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ بالکل وہی۔۔۔ جنھوں نے ہارلے اور جوب کی معیت میں تہہ خانے کے اسٹیج پر عنبر و اپنی کی محبت کا ایک ناقابلِ فراموش منظر دیکھا تھا۔

"معزز حاضرین!" کافی دیر کی ادھیڑ بن سے زچ ہو کر جوب نے اعلان کیا۔ "موجودہ مشکوک فضا کو اس کی صحیح حیثیت میں دیکھنے کے لئے ہمیں مزید حالات کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس ضمن میں جو نہی کوئی نئی بات ظہور میں آئی آپ کو بروقت مطلع کر دیا جائے گا۔ اس وقت تک کے لئے میں اس سلسلہ کو برخواست کرتا ہوں۔ خداوند ہمارا مددگار رہو۔"

جوب کے اس اعلان کے چند ہی منٹ بعد خیمے میں سوائے اس کے دو نائبین اور چند خدام کے اور کوئی نہ رہا۔ چند ضروری ہدایات کے بعد۔ جوب کے یہ دونوں نائبین بھی اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ابھی وہ دروازے کی طرف مڑے ہی تھے کہ ایک پہریدار دروازے پر نمودار ہوا۔

اور باریابی کی اجازت پاکر بولا۔ "ایک صاحبہ جو خود کو عالی جناب ہارلے کی خصوصی خادمہ بتاتی ہیں۔ ملاقات کی امیدوار ہیں۔"

تینوں عیسائی افسروں کو یوں معلوم ہوا گویا قدرت نے ان کی پریشان حالی پر رحم کھا کر کسی رہنما کو بھیج دیا ہے "مجید و! جوب نے بیتابانہ کہا۔ اور ایک بار پھر انہوں نے اپنی اپنی نشستوں کو سنبھال لیا۔

میکا آئی ——— اور تھوڑی ہی دیر میں حالات کے رُخ شیشے کی طرح چمک اٹھے۔ اور وہ تمام مسائل جنھوں نے ان عیسائی افسروں کو زِچ کر دیا تھا۔ یک وقت کچھ اس طرح حل ہوئے کہ تینوں افسر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"اس ذلّت سے تو کہیں بہتر ہے۔" جوب نے جوشِ غضب سے بے قابو ہو کر کہا۔ "کہ ہم بہادری کے ساتھ اپنی گردنوں کو دشمن کی تلوار پر رکھ کر عزّت کی موت کو لبیک کہیں۔"

"اور افسوس تو اس بات کا ہے۔" میکا بولی۔ "کہ جس دشمن کے لئے ہماری شہزادی نے اتنی گراوٹ قبول کی ہے۔ خود اس نے بھی شہزادی کو دھتکار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ محبّت انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس دو کوڑی کے جاسوس نے شہزادی کے اتنے بڑے ایثار کے جواب میں اسلامی مفاد کا ذرہ برابر بھی مفاد خطرے میں نہیں ڈالا۔"

"میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں جو آپ کو۔" جوب نے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے میکا سے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔ "یہاں تک لایا۔ اور صحیح حالات کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ لیکن اب جب کہ خدا نے ہماری مشکل حل کر کے ہمارے لئے عمل کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ہمارے وقت کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اگر آپ یہاں رہنا چاہتی ہیں تو ———"

"شکریہ!" میکا اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں اپنے خاندان میں رہنا زیادہ پسند کروں گی۔"

جوب نے میکا کا پتہ لیکر اسے عزّت کے ساتھ رخصت کیا۔ اور ایک بار یہ تینوں افسر پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

"کیا ہمارا یہ فیصلہ۔" جوب نے سکوت توڑا۔ "کلبریہ کی تاریخ میں ایک عظیم فیصلہ شمار نہ ہوگا کہ ہم اٹلی کی

سرزمین کو مسلمانوں کی باجگزاری کی لعنت سے نجس نہیں ہونے دیں گے۔"
"یقیناً! اٹلی کے مورخ ہمارے اس فیصلے کو زرّیں باب تصوّر کریں گے۔ خدانخواستہ اگر ہم اس مہم میں کامیاب نہ ہوئے تب بھی ——"
"اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اب بھی اندرونِ شہر ہم مسلمانوں سے زیادہ تعداد میں ہیں۔ نیز کسی بھی طرح پر ہم محل پر قابض ہو جائیں تو ہمارے رسدی وسائل ہمیں مہینوں کے لئے بے فکر کر سکتے ہیں۔"
"مگر" جوب کے ایک نائب نے تشویشناک لہجہ میں کہا۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہارلے اور اینی جیسی ہستیوں کو درمیان سے ہٹائے بغیر ہماری کوئی کوشش بار آور نہیں ہو سکتی۔ مگر خصوصاً اینی کی خلاف مرضی ہم فوج کو استعمال بھی نہیں کر سکتے۔"
"یہ درست ہے۔" جوب نے کہا۔ "مگر اس وقت حالات ایسے ہیں کہ ہم اینی کے ایما کے خلاف بھی اینی کے احکامات کی تعمیل کرا سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے شہر پر قبضہ شبخون کے ذریعہ کیا ہے۔ اور — اور" اور جیسے تھوڑی دیر کے لئے جوب کہیں دور۔ بہت دور جا نکلا ہو۔

ڈھم ڈھم ڈھم!
عین اس وقت جب کہ خونِ انسانی سے داغدار جراحہ جنگ بندی کی قریب الختم میعاد پر انسانی ستم رانیوں کے خوف سے متزلزل سی معلوم ہو رہی تھی اور جنگ کی ہولناکیوں سے سکڑے سمٹے شہری آج کئی روز سے اپنے گھروں میں قیدیوں جیسا وقت گزار رہے تھے۔
طبل کی آواز سے گردوپیش اچھل سا پڑا۔ یہ ان بیس ٹولیوں میں سے ایک ٹولی تھی جو اس وقت شہر کے مختلف حصّوں میں حسن اور اینی کے مشترکہ اعلان کی تشہیر کر رہی تھیں۔ یہ ٹولی چھ گھوڑ سواروں پر مشتمل تھی۔ دو صلیبی اور دو اسلامی جھنڈوں کے علمبردار تھے۔ بیچ والے گھوڑ سوار نے ایک بڑا سا سفید پرچم سنبھالا ہوا تھا۔ ان کے پیچھے ایک ٹھیلے پر طبل قائم تھا جس پر لگاتار ضربیں پڑ رہی تھیں۔ اور فوجی سپاہی جو اس وقت شہر کی سڑکوں پر چھائے ہوئے تھے ان کے گرد اگرد جمع ہوتے رہے۔ آس پاس کے مکانوں کی چھتوں

پر عورتوں اور مردوں کے ٹھٹ لگ گئے۔ اعلانچیوں کی یہ ٹولی عین اسلامی مورچے کے سامنے رُکی تھی اس لئے اجتماع میں ایک بھی عیسائی فوجی حصّہ نہ لے سکا۔ مگر عین اسی وقت ایک اور ٹولی اِدھر آنکلی جس نے مقابل عیسائی مورچے کے قریب پہنچکر طبل پیٹنا شروع کر دیا۔

ڈھم! ڈھم!! ڈھم!!!

بحکم والیٔ سسلی عالی جناب ابوالغنائم حسن بن علی۔ مقیم جراجہ اور حاکم صوبۂ کلبریہ عالی جنابہ اینی بنت سردغوس مرحوم

مسلمان اور عیسائی۔ ہر دو افواج۔ اور اہلِ جراجہ کو واضح ہو۔ کہ سسلی و کلبریہ کے حکمران چند شرائط کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کر چکے ہیں۔ نیز ایک نئے معاہدہ کی روسے اب یہ دونوں حکومتیں اگلے دس سال تک ایک دوسرے کی دوست رہیں گی۔

لہذا

فرمان ہذا کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے کہ تمام عیسائی اور مسلمان سپاہ اپنے اپنے مورچوں کو توڑ کر باہمی دوستی اور اعتماد و یگانگت کے لئے ایک دوسرے سے اپنے روایتی اخلاق و محبت سے پیش آئیں۔ نیز تمام شہری گھروں سے نکل کر اپنے کاروبار کا آغاز کریں۔ حسب سابق آج تمام بازار کھل جانے چاہئیں۔ یہ بیحد ضروری ہے۔

حاکم کلبریہ نے اسلامی سرداروں کے اعزاز میں، جو اب ہمارے مہمان ہیں۔ آج رات ایک دعوت کا انتظام کیا ہے۔ مقتدر شہریوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنے طور پر اس قسم کے جشن منعقد کریں۔ اور اپنے اور مسلمانوں کے درمیان جو صرف آج رات کے مہمان ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دوستانہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ڈھم—! ڈھم—!! ڈھم—!!!

ان اعلانات سے تھوڑی ہی دیر میں۔ شہر کا نقشہ یکسر بدل گیا۔ مرد۔ عورت۔ بوڑھے۔ بچے

جو کئی روز سے گھروں میں دبکے پڑے تھے۔ فرطِ مسرت سے چیختے چلاتے باہر نکل پڑے۔ سنسان گلی کوچے انسانی وجود سے دھڑکنے لگے۔ شہر کے تمام بڑے بڑے بازار اپنی سابقہ سجاوٹوں کے ساتھ عوام پر عام ہو گئے۔ عیسائی اور مسلمان سپاہی بچھڑے ہوئے دوستوں کی طرح بغل گیر ہوئے۔ نہ کہیں مورچہ رہا۔ اور نہ سپاہیوں کی مقبوضہ حد بندیاں۔ تمام سپاہیوں نے فوجی لباس اُتار کر اپنا مخصوص شہری لباس زیب تن کیا۔ بازاروں میں رومی و عربی لباس والے دوش بدوش نظر آنے لگے۔ کہیں جبّہ و دستار۔ عقال و قبائیں۔ کہیں رومی ٹوپیاں۔ اور زرق برق پوشاکیں۔

اس وقت کی گہما گہمی۔ اور دوستانہ ماحول کی فراوانی کے پیش نظر۔ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ وہی دو روز پیشتر کا شہر ہے۔ جہاں لاشوں اور زخمیوں کی دل شگاف آوازوں۔ اسلحہ کی کھڑکھڑاہٹوں اور جنگی نعروں نے قیامت کا سماں باندھا ہوا تھا۔

شہر کے دونوں دروازے چوکی پہرے کے بغیر کھول دیئے گئے۔ باہر کا اسلامی لشکر اندر۔ اور اندر کے لوگ باہر امڈے پڑتے تھے۔ ہر طرف "ہاؤ ہو" کا عالم تھا۔ چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

ایک طرف یہ ہو رہا تھا۔ اور دوسری طرف عیسائی لشکر کا سپہ سالار جوب ایک نئے انقلاب کی داغ بیل ڈالنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔

یہ حقیقت جوب سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ عیسائی فوج اور دیگر افسران۔ جوب کی نسبت ایپی کے احکامات کو زیادہ معتبر اور باضابطہ خیال کریں گے۔ لہذا اس نے اپنی تحریک کو ایپی کے خفیہ پیغام سے منسوب کرنا ہی قرینِ مصلحت سمجھا۔ حالیہ اعلانِ صلح کو اس نے اپنے لئے امدادِ غیبی کا کرشمہ سمجھا۔ اور اب وہ بذاتِ خود اپنے افسروں سے ملاقاتی ہو کر انہیں شبخون کے لئے تیار کر سکتا تھا۔

سب سے پہلے ایک گھڑ سوار کو زبانی پیغام کے ساتھ ایمرسن کے تعاقب میں روانہ کیا گیا۔ بعد ازاں عیسائی فوج کے تمام افسروں کو ایپی کے مفروضہ خفیہ احکامات سنا کر انہیں آمادۂ پیکار بنانے میں مصروف

ہوگیا۔ اپنا ہمخیال بنانے میں اسے افسروں اور سپاہیوں کے درمیان رابطہ کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انتہائی مختصر الفاظ میں اینی کی طرف سے ایک زبانی پیغام مرتب کیا گیا۔ اور اس پیغام سے خبردار ہونے والے سپاہی کو یہ فرض سونپا گیا کہ وہ ہر امکانی سرعت کے ساتھ اسے زیادہ سے زیادہ سپاہیوں تک پہنچائے اس تدبیر پر اس درجہ تیزی سے عمل کیا گیا کہ۔ چراغ جلے تک۔ پیغام سنانے والے تو ہزاروں تھے۔ مگر سننے والا کوئی نہ تھا۔ یہ پیغام نہ صرف تمام عیسائی سپاہ تک پہنچ گیا۔ بلکہ شہر کے خاص خاص ذی اثر لوگوں۔ اور پھر ان کی وساطت سے تمام محب وطن شہریوں تک تیر گیا۔

اس قیامت خیز انقلاب کی بنیاد ڈالنے کے بعد۔ جوب دیگر عیسائی سرداروں کو شبخون کی تیاریوں میں مصروف چھوڑ کر شاہی محل کی طرف چل دیا۔

جب جوب یہاں پہنچا۔ تو اینی اسلامی سرداروں کے ساتھ فوجی دفتر کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جوب کی آمد کی اطلاع پا کر وہ خود اس کے خیر مقدم کے لئے دروازے تک آئی۔ اور اس کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔

"کہو۔" اس نے دروازے پر ہی رازدارانہ لہجہ میں دریافت کیا۔ "تمہارا اس سب کے لئے کیا خیال ہے۔"

"اپنی آقازادی کی طرزِ روش پر ہمیں خیال آرائی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ہمارا فرض اس کے احکامات کی بجاآوری ہے۔ اور بس!" جوب نے کمال سعادت مندی کے ساتھ عرض کیا۔

"خدا تمہیں اس نیک نیتی اور فرمانبرداری کا اجر دے۔ آپ میرے ہمراہ اندر تشریف لائیں۔"

جوب کے اندر پہنچتے ہی حاضرین کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اینی تعارفی لہجہ میں حسن کی طرف متوجہ ہوئی۔

"عیسائی فوج کے سپہ سالار اعلیٰ جوب صاحب!"

"بہت خوب۔" حسن نے متبسم ہو کر مصافحہ کیا۔

احمد جو اس وقت مجمع سے الگ تھلگ ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ جوب کو تیز تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ وہ اعلانِ صلح کے بعد ہی اس کی آمد کا متوقع تھا۔ مگر ایک لمبا وقفہ گزار کر اس کا یہاں پہنچنا۔ پھر احمد کو یہ بھی معلوم تھا کہ جوب، عنبر وایبی کے تعلقات کی نوعیت سے باخبر ہے۔ ممکن ہے وہ حالات کی اس نئی کروٹ کو اسی معاشقہ کا کرشمہ خیال کرکے۔ واقعی طور پر اس صلح کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھ رہا ہو۔ احمد کی عقابی نگاہوں نے۔ جوب کو اندرونی طور پر پڑھنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن جوب ایک ہی خرّانٹ تھا۔ اس وقت اگر اس کے چہرے پر جذبات کی کوئی نمایاں لہر دکھائی دیتی تھی تو وہ صرف اطاعت وفرمانبرداری کی تھی۔

"جنابِ والا" جوب نے اظہارِ خیال ضروری سمجھا۔ "جو لوگ مجھ سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میں تلوار کی نسبت ذہن وزبان کا زیادہ حامی ہوں۔ دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے۔ جسے فکرِ انسانی حل نہ کرسکتی ہو۔ کاش ہم اس خون خرابے سے گزرے بغیر اس مرحلے پر پہنچ جاتے۔۔ لیکن تقدیر۔ وہ کسی کے بس کی نہیں ہے۔ میں اس پُرمسرت ساعت پر ہر دو عالی مرتبت حکمرانوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خداوند ہماری دوستی اور محبت میں روز افزوں ترقی دے۔"

اور اس طرح جوب نے ثابت کردیا کہ وہ جدید حالات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

"کھانا تیار ہے۔" محل کے خاصہ بردار نے اطلاع دی۔ اور اس خبر کے ساتھ ہی ایبی کی درخواست پر تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے۔

کھانے کا انتظام محل کے برآمدہ میں کیا گیا تھا۔

ایبی کے برآمدے میں پہنچتے ہی کھانے کا شاہانہ دور شروع ہوگیا۔ چونکہ ایبی نے اس دعوت میں مشرقی انداز کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ اس لئے فرش پر ایک طرف تمام اسلامی عہدیدار بیٹھے۔ اور مقابل صف میں۔ جس کے درمیان کئی گز کا فاصلہ تھا۔ ایبی۔ جوب اور دیگر محل کے نفیس ترین نقرئی ظروف قسم قسم کے کھانوں سے بھرپور۔ دسترخوان پر اس طرح چمک

رہے تھے کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں

ابھی کھانے کا دور جاری تھا کہ اسلامی لشکر کا جاسوس عاصم ٹھیٹ عربی لباس میں نمودار ہوا۔ اور عیسائی صف کے پیچھے۔ یعنی مسلمانوں کے عین مقابل کچھ اس مضطربانہ انداز سے کھڑے ہو کر حسن کی طرف دیکھا۔ گویا کوئی بیحد ضروری کام اٹکا پڑا ہو۔

"تم ___" حسن نے سرسری لہجے میں کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی عاصم نے انتہائی تیزی سے اپنا نصف چہرہ عقال میں چھپا لیا ___ "دفتر میں بیٹھو۔ ہم وہیں پہنچتے ہیں"۔

عاصم فوجی دفتر میں جا بیٹھا۔ مگر جیسے نشست میں کانٹے اُگے ہوئے ہوں۔ وہ دوسرے ہی لمحہ اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی بے چینی کے عالم میں کمرے کے چکّر کاٹنے لگا۔

"خیریت؟" حسن نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سوال کیا۔

عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور تشویشناک پیرایہ میں بولا۔ "ہمیں بحیثیت عیسائی سپاہ ۔ ایبی کا حکم ملا ہے کہ آج نصف شب کے گھڑیال پر۔ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر شہر میں موجود اسلامی فوج اور محل میں مقیم اسلامی افسروں پر حملہ آور ہوں"۔

"کیا کہتے ہو؟" حسن کے ہوش اڑ گئے۔ لیکن حواس باختہ سمجھا گیا عاصم کو۔

"میری اطلاعات آخری طور پر مصدقہ ہیں۔ لہذا میں استدعا کروں گا کہ جناب اس بارے میں فوری طور پر کوئی موثر اقدام اختیار فرمائیں۔ وقت بہت کم ہے۔ بہت ہی کم"۔

"دروازہ کھول دو"۔ حسن نے باہر قدموں کی چاپ سن کر حکم دیا۔ اور دروازے کھلتے ہی تمام اسلامی افسران اندر داخل ہو گئے۔ ایبی اور رجوب بھی ان کے ہمراہ تھے۔

"میں آپ کی اس پرُمہمان نوازی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں"۔ حسن نے رسمی لہجہ میں کہا۔ اور جیسا کہ میرے علم میں ہے۔ آج آپ کافی مصروف رہی ہیں۔ لہذا آپ کے آرام کے پیش نظر میں آپ کو "شب بخیر" کہتا ہوں"۔

اینی نے حسن کی اس تجویز کو اس کی بے تکلفی پر محمول کیا۔ اور تعظیماً سر جھکا کر "شب بخیر" کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اینی کے ساتھ ہی جوب بھی رخصت ہو گیا۔ اور اب سوائے اسلامی افسروں کے۔ یہاں کوئی اور نہ تھا۔

"جوب کا اغوا!" حسن نے ابنِ عمار سے سرگوشی کی "چند جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے لو۔ جلدی کہیں ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔"

یہ سنتے ہی ابنِ عمار کمال تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"مجھے ابھی عاصم کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ عیسائی فوج اینی کے ایما پر ہم پر شب خون مارنا چاہتی ہے۔" حسن نے انتہائی مختصر الفاظ میں کہنا شروع کیا۔ "گو یہ بات ہمارے لئے انتہائی حیران کن ہے۔ مگر یہ وقت حیران ہونے کا نہیں ہے۔ ہر شخص میرے احکامات پر پوری پوری مستعدی سے عمل کرے۔ جس کے نام ہدایات جاری ہو چکیں۔ وہ فوراً تعمیل پر کمر بستہ ہو جائے۔

ابن عمران —— ایک ہزار چنیدہ جوانوں کو مشعلوں کے ساتھ محل کے اگلے حصّہ کی سپاہیوں میں جذب کر دو۔ میری آواز سنتے ہی یہ تمام لوگ مشعلیں روشن کر کے دروازے پر مسلط ہو جائیں۔ عمل —— !

عمار! تم باہر کی اسلامی فوج کو نامعلوم طریق پر۔ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اندر پہنچانے کی کوشش کرو۔ آبی راستے سے۔ پہلے اس حصّہ کو قطعی طور پر تاریک کر دینا ضروری ہے —— یہ تمام فوج۔ نیز اندرونِ شہر کی وہ فوج بھی جو مختلف ٹکڑیوں میں بکھری پڑی ہے۔ محل سے ملحقہ میدانوں میں قیام کرے۔ اور جونہی محل سے روشنی بلند ہو ہتھیار سنبھال کر محل کے دروازے کی طرف دوڑ پڑے عمل —— !

"عنبر۔ کہاں ہے وہ۔ فوراً حاضر کیا جائے۔"

حکم پاتے ہی ایک سپاہی اسے بلانے کے لئے دوڑا دیا گیا۔ چند لمحوں بعد ستم رسیدہ عنبر

حسن کے سامنے تھا۔ حسن نے اسے حقیقت حال سے باخبر کرنے کے بعد حکم دیا۔

"تمہارا کام اینی پر کڑی نگرانی رکھنا ہے۔ ان ہدایات کے بعد وہ رات کا بقیہ حصّہ ہمارے ساتھ گزارے گی۔ عاصم ہمارے درمیان رابطہ کا کام دے گا۔ جا سکتے ہو۔"

عنبر جو حسن کے منہ سے شبخون کی بابتہ سن کر سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا۔ عاصم کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا۔

"یہ سب کچھ لغو ہے۔ یکسر جھوٹ۔" عنبر سے نہ رہا گیا۔ "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اینی کو مدت سے جانتا ہوں۔ وہ اتنی نیچ ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن جناب والا۔" عاصم نے پُرزور الفاظ میں جواب دیا۔ "میں نے جس سازش کا انکشاف کیا ہے۔ اب اس کی حقیقت افروزی میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرمالیں گے۔"

برآمدہ میں پہنچکر عنبر کی نگاہ جوب پر پڑی جو سامنے کے تختۂ گل پر کھڑا اینی سے بات چیت کر رہا تھا۔ عنبر برآمدہ کے ایک در میں کھڑا ہو گیا۔ وہ اینی کو جوب سے اس طرح گھلا ملا دیکھ کر جو مشکل ہی سے اس کی اطاعت کر سکتا تھا۔ قدرے مشکوک سا ہو گیا۔ مگر فوراً ہی اینی کے پُرخلوص کردار نے اسے اپنی سابقہ نفسیات پر بحال کر دیا۔

اینی، جوب کو شب بخیر کہہ کر عنبر کی طرف بڑھی۔ عنبر نے عاصم کو تعاقب کی تاکید کر کے اپنے قریب سے ہٹا دیا۔

"آپ کو اپنا وقت اندرون خانہ میں گزارنا چاہیئے۔" اینی نے تاکیدی لہجہ میں کہا۔ "اب صہبا کی کیسی طبیعت ہے۔"

"زندہ درگور کی کیا طبیعت۔" عنبر نے حسرتناک لہجہ میں جواب دیا۔ "میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا یہ ضروری ہے۔"

"جی ہاں!" عنبر نے مثبت انداز میں جواب دیا۔ اور اینی راضی برضا ہو کر عنبر کے ہمراہ اپنے عارضی کمرے کی طرف ہو لی۔ عاصم نے کافی فاصلہ درمیان میں دے کر تعاقب شروع کیا۔ اور جب یہ لوگ کمرے میں داخل ہو گئے تو کمرے کے وقوعہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے فوجی دفتر کی طرف لوٹ گیا۔

"مجھے تمہاری پرخلوص" عنبر نے ایک پنتھ دو کاج کے مصداق اینی کو مخاطب کیا جو اس کے مقابل بیٹھی ہوئی تھی۔ "ہمدردیاں زندگی بھر یاد رہیں گی۔ گو میں یہ شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ کہ ان دنوں تم پہلی سی خاتون نہیں رہی ہو۔ وہ خاتون۔ جو کسی دوسری خاتون کو اپنی محبت کا شریک بنانا گوارا نہیں کرتی تھی۔ اس سے پیشتر کہ ہم یہاں سے کوچ کریں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک بار تمہارے دل کو۔ جو میرے لئے معمّہ بن گیا ہے۔ اچھی طرح ٹٹول لیا جائے۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ ہستی۔ جس نے میرے لئے اس قدر ایثار کیا ہے۔ مستقبل کی نشاندہی کے بعد میری نظروں سے اوجھل ہو جائے۔" عنبر کی آواز بتدریج رقت انگیز ہوتی گئی۔ اس کے لہجہ میں خلوص کا بھرپور رچاؤ تھا۔ اتنا بھرپور رچاؤ۔ کہ اس کی موجودگی میں۔ اینی کے کردار پر شبہ کیا جانا ایک بے محل بات معلوم ہوتی تھی حقیقت یہ ہے کہ عنبر کو اینی کی طرف سے اس بات کا گمان بھی نہ گزر سکتا تھا کہ تاج و تخت کو ٹھوکر مار دینے والی لڑکی۔ دنیاوی طمع و لالچ کا شکار ہو کر۔ اس درجہ گراوٹ پر اتر آئے گی۔ اسے یقین تھا کہ عاصم کسی افواہ کا شکار ہو کر ان بیہودگیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔

"مجھے خوشی ہوگی۔" اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "اگر تم اپنے اندر کی عورت کو۔ اس کے اصلی خدوخال کے ساتھ میرے سامنے کر دو گی۔ میں تمہارے اندر کی عورت کے جذبات کا احترام اپنا فرض تصور کروں گا۔ اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے گی تو اسے بھی ممکن بنایا جا سکے گا۔ میرا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔ میں بخوشی اسے اپنے ساتھ لے چلنے پر تیار ہوں گا۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔ مجھ سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہ کرو اینی۔ خدا کی قسم۔ مجھے یہ خیال کبھی خوش نہ ہونے دیگا کہ میرا حقیقی مونس و غم خوار اپنے حصّہ کی مسرتیں بھی مجھے دیکر مغموم و اداس۔ زندگی کے دن گزار رہا ہے۔"

"عنبر!" اینی گھائل پرند کی طرح عنبر کے قدموں میں آ پڑی۔ بالفاظ دگر۔ اس کے اندر کی عورت

اپنے حبیب کے سامنے بالکل برہنہ ہو گئی۔ "مجھے ان بلندیوں سے گھسیٹنے کی کوشش نہ کرو میرے محبوب جہاں میں بڑی دشواریوں کے ساتھ پہنچی ہوں۔ تمہارا مذہب اینی کو ساتھ رکھنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ لیکن میرا مذہب۔ میرا دل۔ اور میری تقدیر اس کی اجازت نہیں دیتی۔ زندگی ہوا کے جھونکے کی مانند ہے۔ دنیا میں کتنے ہی جھونکے آتے ہیں۔ اور گزر جاتے ہیں۔ اینی بھی گزر ہی جائے گی۔ اب تمہیں اس کی عاقبت کے لئے دعا کرنا چاہیئے۔ جو اس کی نادانیوں کے ہاتھوں خطرے میں پڑ چکی ہے۔ اور——"

دروازے کی دستک نے اینی کو دم بخود کر دیا۔

"کون ہے۔" عنبر نے دروازے کے قریب جا کر دریافت کیا۔

"میں ہوں عاصم!" باہر سے آواز آئی۔ دروازہ کھلا اور عاصم نے عنبر کو باہر لے جا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "امیر لشکر اینی صاحبہ کو یاد فرما رہے ہیں۔"

"تم چلو۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں۔" عاصم کے جانے کے بعد عنبر کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" اینی نے دریافت کیا۔

"معلوم نہیں۔ امیر لشکر نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

"اس وقت۔" اینی کو حیرت ہوئی۔

"کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔" عنبر نے واقعات سے چشم پوشی ہی مناسب سمجھی۔

"کیا آپ میرے ہمراہ چلنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔"

"ضرور۔"

اینی نے بکھرے بالوں کو سمیٹ کر ایک طرف ڈالا۔ اور لباس درست کرتی ہوئی عنبر کے ساتھ ہولی۔

فوجی دفتر میں احمد اور حسن کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ جونہی عنبر اور اینی کمرے میں داخل ہوئے۔ حسن نے اینی کو مخاطب کرتے ہوئے پر اشتیاق لہجہ میں کہا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں آپ کے آرام میں مخل ہوا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جس تماشہ کے لئے

آپ کو یہ زحمت دی گئی ہے۔ وہ بستر کے آرام سے زیادہ فرحت بخش ثابت ہوگا۔"
ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد حسن کی چمکیلی آنکھیں ایپی کے چہرے پر جم گئیں۔ حسن کا خیال تھا کہ نازک اندام ایپی اس کے منہ سے یہ معنی خیز جملے سنتے ہی بوکھلا اٹھے گی۔ انکشافِ سازش سے اس کے چہرے کا رنگ فق ہو جائے گا۔ اور اپنے حسرت ناک انجام کے خوف سے بید کی طرح کانپنے لگے گی۔ مگر حسن کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی۔ ایپی کے چہرے پر سوائے تجسّس۔ اور کچھ رونما نہ ہو سکا۔
"عزّت افزائی کا شکریہ"۔ اس نے مؤدبانہ طریق پر سر جھکایا۔ "لیکن یہ تماشہ یہیں ہوگا"
حسن ایپی کے اس معصوم سے سوال پر۔ ایک بار تو اپنی جگہ سے ڈگمگا گیا۔ سوچنے لگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خود تماشہ بن جاؤں۔ کس قدر خفّت ہوگی اس وقت۔ اگر عاصم کی اطلاع غلط ثابت ہوئی — "لیکن — لیکن —" اس کی تیز تیز نگاہوں نے ایپی کو چھیدنا شروع کر دیا۔ — "لیکن" — حسن نے پھر پلٹا کھایا — "یہ بھی تو ممکن ہے کہ بساطِ سیاست کا یہ مہرہ اپنے جذبات و احساسات پر پوری طرح حاوی ہو۔ اور اس نے اپنے اندر کی کیفیت کو اپنے چہرے پر نہ پھیلنے دیا ہو۔
"یہ تماشہ!" حسن نے معنی خیز الفاظ میں کہا۔ "یہیں محل کے بالائی حصّہ سے دیکھنا پڑے گا۔ عین اس وقت۔" اس کے لہجہ کی معنویت انتہائی شدید ہو گئی۔ "جب کہ نصف شب کا گھڑیال شہر میں گونج رہا ہوگا۔"
حسن کا پُراسرار لب و لہجہ ایپی کے لئے قدرے پریشان کن ثابت ہوا۔ وہ آج بہت زیادہ تھک چکی تھی۔ علاوہ ازیں۔ عنبر کی حالیہ ملاقات سے غموں کا دباؤ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس لئے کچھ نہ سمجھ میں آنے والے انداز سے عنبر کو دیکھا۔ جو اس کی بے گناہی و راستبازی پر "صاد" نظر آ رہا تھا۔
"لیکن۔ اب تو گھڑیال بجنے میں بھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہے۔" ایپی نے اپنی بے زاری پر پردہ پوشی کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کیا اس تماشہ کے لئے کسی بھی اہتمام کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" ایپی کی متحیر

نفسیات نے حسن کے شکوک کو سہارا دیا۔

"ہاں اب وقت ہو چکا ہے۔" اس نے کہا۔ "اب ہمیں بالائی حصہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔"

"کیا میں بھی آپ کے ہمراہ چل سکتا ہوں۔" زخموں سے نڈھال احمد نے گویا اجازت طلب کی۔

"تم کیسے چڑھ سکو گے بیٹے!"

"میں اس سے پہلے بھی کئی بار چڑھ چکا ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی۔"

"اچھا۔ عنبر تم انہیں سہارا دو۔ آئیے۔"

"لیکن۔" باہر نکلتے ہی اینی پُر سکوت اندھیرے سے گھبرا گئی۔ "روشنی کا تو انتظام ــــــ"

"اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" حسن نے اینی کو بات پوری کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ "ہماری نسبت آپ یہاں کے راستوں سے زیادہ واقف ہیں۔ آگے آ کر ہماری رہنمائی کیجیئے۔"

"ہم تو خیر۔ کسی نہ کسی طرح اس اندھیرے کو پار کر جائیں گے۔ لیکن جناب احمد۔ ان کا تو خیال فرمائیے۔" اینی کی آواز میں بیزاری عود کر آئی۔

"زینہ میں پہنچ کر مشعل روشن کر لی جائے گی۔ بہتر ہوگا۔ اگر آپ یہ راستہ خاموشی سے طے کریں۔"

اور اب اینی کو یوں معلوم ہونے لگا۔ گویا وہ کسی زبردست سازش کا شکار ہو رہی ہے۔ محل کا گرد و پیش جو عام حالات کے علاوہ کل تک خاصہ روشن۔ اور پہریداروں سے جاگا جاگا سا معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت گھمبیر تاریکی۔ اور کامل سکوت کے آغوش میں تھا۔ جیسے اسے اندھیروں کے جگر میں اُتار دیا گیا ہو۔

بالائی حصّہ پر پہنچ کر اینی نے رُہانسو سے لہجہ میں دریافت کیا۔

"یہاں کس طرف تشریف رکھیئے گا۔"

"محل کے صدر دروازے کا حصّہ ہمارے سامنے ہونا چاہیئے۔"

"تشریف لائیے۔" اینی جو حسن کے قبا کا دامن تھامے ہوئے تھی آگے بڑھی۔ دس بارہ قدم چلی تھی

کہ ایک ستون سے ٹکرا کر پیشانی کے بل جا پڑی اور دائیں حصہ سے گرم گرم خون اُبل پڑا۔ لیکن آفرین ہے اس کی ہمت پر۔ کسی نے سی کی بھی آواز نہ سُنی۔

"مجھے افسوس ہے۔" حسن نے سہارا دینے کی کوشش کی۔

"کوئی بات نہیں۔" اینی کی آواز میں غضب کی بیکسی تھی۔ "اب ہم ٹھیک جگہ آ گئے ہیں۔ خدا ہماری مشکل آسان کرے۔"

"آمین!" حسن نے حساب بیباق کر دیا۔

"بھلا کتنی دیر کھڑا رہنا پڑے گا ہمیں یہاں" اینی نے اپنے لبادے سے ایک ٹکڑا اپھاڑا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" حسن کو خطرہ سا محسوس ہوا۔

"کچھ نہیں جناب والا۔ تھوڑے سے کپڑے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔" اینی نے کپڑے کو پیشانی کے گرد لپیٹتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن کیوں۔" حسن کی آواز میں سختی آ گئی۔

"معلوم ہو جائے گا۔ جلدی کیا ہے۔"

اور اس سے پہلے کہ حسن مزید باز پرس کرتا۔ سارا شہر نصف شب کے گھڑیال سے گونج اٹھا۔ جیسے سینکڑوں گرجوں میں بیک وقت گھنٹے بجنے لگے ہوں۔

"آج — یہ خلافِ معمول اتنا شور کیوں ہو رہا ہے۔" اینی نے تشویشناک لہجہ میں گویا خود سے کہا۔ "یہ نصف شب کا گھڑیال تو معلوم نہیں ہوتا۔ بالکل نہیں۔"

حسن کے شبہ کو یقین کی تقویت پہنچنے لگی۔

"جی ہاں۔" اس نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ "ابھی آپ اور بھی بہت سی باتیں خلاف معمول ملاحظہ فرمائیں گی۔"

"کاش میں جان سکتی کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ ہم کیا دیکھنے والے ہیں۔ کاش!"

"عنبر! احمد کو ستون کے سہارے بٹھا دو۔ اور ہوشیاری کے ساتھ اینی کے نگراں بن جاؤ۔ عاصم کی

اطلاع درست تھی — وہ دیکھو سامنے ۔ وہ چرچ کے مینارے کی روشنی ہیں۔ گردوغبار کے بادل — ہجوم ہماری طرف بڑھ رہا ہے — یقیناً — اور اُدھر — وہ دیکھو — اور اُس طرف بھی — وہ مشعل لئے ہوئے گھوڑسوار اِس طرف آرہے ہیں — یہ لوگ — اپنے گروہوں کی رہنمائی کر رہے ہیں شاید — ان کے پیچھے عیسائی لشکر ہے — یقیناً ۔" وہ چیخا ۔" شاید کوئی مسلمان —"

اور دیکھتے دیکھتے دھندلکوں کی چادر اوڑھے ایک عظیم الشان اجتماع محل کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ یہ طوفانِ عظیم محل کے احاطے سے ٹکراتا ۔ محل کے بالائی حصّہ سے ایک زوردار آواز فضا کا سینہ چیر گئی — "خبردار !"

اور یہ آواز ایک ایسا طلسم تھی ۔ جس نے محل کے پورے گردوپیش کو اندھیرے کے منہ سے اُگلوا لیا۔ یک لخت ہزاروں مشعلیں روشن ہوگئیں ۔ اور پلک جھپکتے یوں معلوم ہونے لگا ۔ گویا اس حصّہ زمین کا سورج نصف النہار پر ٹھہرا ہوا ہے ۔ اس کے فوراً بعد ہی محل کے بالائی حصّے پر بھی دس بارہ مشعلیں ۔ جو وہاں پہلے سے رکھدی گئی تھیں روشن ہوگئیں ۔ اب مطلع بالکل صاف تھا ۔

معاً گردوغبار کے بادلوں پر ایک اور طوفان نازل ہوا ۔ بقعۂ نور کا طوفان ۔ یہ اسلامی فوج تھی ۔ جو مشعلیں ہاتھوں میں لئے ۔ عیسائی فوج کے گرد حلقہ ترتیب دیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی

عیسائی فوج ۔ جو تاریکیوں کے سہارے ۔ خوابیدہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے سرگرم عمل ہوئی تھی ۔ اپنے چاروں طرف ملک الموت کو منڈلاتا ہوا پاکر دم بخود سی رہ گئی ۔ جو سپاہی جہاں تک پہنچا تھا ۔ وہ وہیں بُت کی طرح ساکت و جامد رہ گیا تھا ۔

اور ابھی کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حسن کے مرتبہ نقشہ نے ۔ ایک زنجیر کی شکل میں یہاں کی پوری بساط کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ عیسائی فوج کے سامنے ۔ محل کے محفوظ احاطے میں نیزہ بردار مجاہدینِ اسلام کے ٹھٹھ لگے تھے ۔ اور پشت پر اسلامی فوج کا گھیرا بتدریج تنگ ہوکر عیسائیوں کی پیٹھ تک آ لگا تھا ۔

اِدھر یہ سب کچھ تھا ۔ اور اُدھر ۔ اینی کا یہ عالم کہ تھوڑی دیر کے لئے تو وہ "سُن" سی ہو کر رہ گئی ۔ گو

مشاہدے نے اس پر حقائقِ حالات کو پوری طرح واضح کر دیا تھا۔ مگر چونکہ درحقیقت اس کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لئے اس کی جرائتیں قطعی مرعوب نہ ہوئیں۔

"یہ سب کچھ کیا ہے۔ کیوں ہے۔۔ کیوں؟" وہ دیوانہ وار چیخ اٹھی۔

"عمار!" حسن کی گرجدار آواز نے ایک بار پھر ماحول کو لرزا دیا۔

نیچے کئی مشعل برداروں کے حلقہ میں عمار نمودار ہوا "حاضر ہوں جناب والا"۔

"احتیاط سے دروازہ کھول کر پندرہ بیس عیسائی سپاہیوں کو اندر لے آؤ۔ ہم ان سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں"۔

"بہتر عالی جناب!" ابنِ عمار دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اوپر احمد اور عنبر۔ جواب تک حسن کی احتیاطی تدابیر کو اندھیرے میں ہتھیار چلانے کے مترادف خیال کر رہے تھے۔ حیرت و استعجاب کا مجسمہ بنے اینی کو یوں تک رہے تھے گویا وہ کسی لطیف ترین نسوانی پیکر سے نکل کر کسی مہیب چڑیل کے روپ میں تحلیل ہو گئی ہو۔ اینی کا خون آلود چہرہ انتہائی بیکسانہ اضطراب کے ساتھ۔ کبھی بیرونِ محل کی عیسائی سپاہ کی طرف اٹھتا۔ کبھی قہر آلود حسن کی طرف۔ اور کبھی اپنے محبوب عنبر کی۔۔۔ اس وقت اسے جن نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا۔ ان کا مقابلہ اینی کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ موت سے خائف نہیں تھی۔ بلکہ قیامت عنبر کی نگاہیں تھیں۔ جو اس کی پُر خلوص محبت۔ اور مثالی ایثار و قربانی کا جواب۔ غیظ و غضب اور نفرت و حقارت سے دے رہی تھیں۔

"عیسائی حاضر ہیں عالی جناب!" نیچے سے عمار کی آواز آئی۔

"پوچھئے ان سے۔ کیا جاننا چاہتی ہیں آپ"۔ حسن غضب ناک لہجہ میں اینی سے مخاطب ہوا۔

"یہ سب کیا ہے"۔ اینی بیتاب ہو کر آگے بڑھی "تم لوگ یہاں کیوں جمع ہوئے ہو۔ کس کے حکم سے"۔

"آپ کے"۔ نیچے سے ایک عیسائی چلایا

"میرے؟" اینی تلملا اٹھی۔ کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اس ذلیل حرکت کا ارتکاب کرو"۔

"جی۔ آپ کا یہ خفیہ پیغام افسروں کے ذریعہ ہم تک پہنچا تھا"۔

"جھوٹ! بالکل جھوٹ!! میں محل سے ایک لمحہ کے لئے بھی باہر نہیں نکلی۔ اور نہ کوئی افسر محل میں آیا۔ یہ بہتان ہے۔ لعنت ہو ان فتنوں پر۔"

"ٹھہریئے معزز خاتون"۔ حسن نے طنز آمیز لہجہ میں اپنی کو خاموش رکھنے کی کوشش کی۔ "عیسائی فوج کے سپہ سالار جوب کو حاضر کیا جائے۔" وہ پھر بلند آواز سے چلایا۔

"بہتر عالی جناب!" نیچے سے عمار کی آواز آئی۔

"میں اپنی سچائی کی اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی۔" اینی بے قابو ہو گئی۔ "اس سے تو بہتر ہے کہ آپ اسی لمحہ میرا سر قلم کرا دیں۔"

"ہر چیز اپنے وقت پر اچھی معلوم ہوتی ہے۔" حسن نے جواب دیا۔ "اتنی بڑی سازشوں سے کھیلنے والے زندگی سے اتنی جلدی بد دل نہیں ہوا کرتے۔ ہمت سے کام لو۔ ہم نا قدر نہیں ہیں۔ تمہاری ان جرارتوں کی قدر کی جائے گی۔" اس کی نگاہ اینی کے چہرے سے عنبر کی طرف منتقل ہو گئی۔ "یہی ہے تا تمہاری وہ پرخلوص ہستی۔ کہ اگر اسلامی ستارۂ اقبال عروج پر نہ ہوتا۔ تو اس وقت تمہاری بجائے یہاں تمہاری لاشیں بچھی ہوتیں۔ اور ——"

"بس کیجئے۔" اینی دیوانہ وار چیخ اٹھی۔ "خدا کے لئے بس کیجئے۔ میں مقدس انجیل کی قسم کھاتی ہوں۔ اس سازش سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھ پر بہتان لگایا جا رہا ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔"

"ان معاملات میں آسمانی صحیفوں کو درمیان نہ لاؤ۔ حالات آئینہ کی طرح صاف ہیں۔ پھر بھی تمہیں موقعہ دیا جائے گا۔ اپنی بے گناہی کے ثبوت پیش کرنے کا۔"

زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ نے حسن کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ جوب جسے ابنِ عمار نے پھاٹک سے نکلتے ہی اغوا کر لیا تھا۔ مسلح مسلمانوں کے حلقہ میں برآمدے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عمار کی نشاندہی پر یہ حسن کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم کون؟" اوپر سے حسن کی آواز آئی۔

جوب کی ناخیری لپس وپیش پر عمار نے ٹھوکا دیا۔ "کیا سوچ رہے ہو۔ جواب دو۔"

جوب بلند آواز میں چلایا۔ "میں عیسائی فوج کا سپہ سالار جوب ہوں۔"

"جھوٹ تو نہیں کہہ رہے۔" حسن نے چٹکی لی۔ "ذرا پہچانو تو۔"

"میں اسے اچھی طرح پہچانتی ہوں۔" اینی نے صبر آزما سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ جیسے وہ اپنی بھولی قسمت سے اتفاق کر چکی ہو۔ "یہ واقعی عیسائی فوج کا سپہ سالار ہے۔"

"تمہیں شبخون مارنے کا حکم کس نے دیا تھا۔" حسن نے پوچھا۔

"دختر سردغوس نے۔ جس کی اطاعت ہم پر فرض تھی۔" جوب کے پاس سوچا سمجھا جواب موجود تھا۔

"کیا خیال ہے۔" حسن نے اینی سے دریافت کیا۔

"ایک بیکس و مجبور عورت پر الزام لگاتے ہوئے۔" اینی جوب پر برس پڑی۔ "تمہیں شرم سے زمین میں گڑ جانا چاہیئے۔ دغا بازو! اگر میں اس شیطانی سازش میں حصہ لیتی تو امیرسن کی امدادی فوج کو کیوں واپس کر دیتی۔"

"لیکن!" نیچے سے جوب کی آواز بلند ہوئی۔ "لیکن آپ نے تو ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم امیرسن کی فوج کو دوبارہ واپس بلا لیں۔ ہم نے آپ کا پیغام امیرسن کو پہنچا دیا تھا۔"

"اوہ خدا!" اینی غصہ سے سرخ ہو کر آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

"خوب! بہت خوب!!" حسن نے تضیع اوقات کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

لیکن اینی پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جوب کی طرف متوجہ ہو کر شکست خوردہ سے لہجہ میں بولی۔ "تمہاری بدولت میری تقدیر میں جو ذلتیں لکھی گئی ہیں۔ میں ان کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ میری بے گناہی اپنا اصل مقام حاصل کر کے رہے گی۔ لیکن تمہاری یہ نمک حرامی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اگر خدا موجود ہے۔ تو تمہیں اس کی آہنی گرفت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ تھو ہے تمہاری بزدلی پر۔ تمہاری بدکاری پر۔ اور اس پر۔ جس نے تم ایسے دغا بازوں کو جنم دیا۔ دور ہو جاؤ میری نگاہوں سے۔ دور

ہو جاؤ۔" ایمی غم و غصے کی تاب نہ لاسکی۔ اس نے ان کی طرف سے پیٹھ موڑلی اور اپنے چہرے کو اپنی باہوں کے حلقے میں لے کر زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

"عمار! حسن پھر چیخا۔ جوب سے زبردستی امیر کے لئے ایک پیام حاصل کرو جس میں ایمی کے سابقہ فیصلے پر عمل پیرا ہونے کی تاکید ہو۔ اور یہ پیام جلد از جلد امیر کے پاس پہنچانے کا انتظام کرو۔ علی!
ابنِ عمار! تم تمام عیسائی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لو۔ اور شہر کے صدر دروازے کی طرف اقامت گزین کرکے تا اطلاع ثانی کڑی نگرانی رکھو۔ ان پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ نیز ان کی ہر ضرورت کو اسلامی فوج کی سطح پر پورا کیا جائے۔"

فرازِ خودی

اگلے روز

محل کا برآمدہ۔ اور اس سے ملحقہ عارضی اسلامی فوجی دفتر۔ نظر بند عیسائی افسروں۔ اور اسلامی فوج کے سرداروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دفتر میں حسن۔ عمران۔ عمار۔ ابن عمار۔ احمد اور عنبر کافی کافی دیر سے خفیہ طور پر صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ حالیہ واقعات کی رونمائی اس امر کی متقاضی تھی کہ دشمنوں سے انتہائی سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ بعض مسلمان افسروں نے اپنی۔ ہارلے اور تمام عیسائی سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ عنبر اور احمد۔ جو کل تک اپنی کو آسمان سے بھٹکا ہوا فرشتہ خیال کرتے تھے۔ اب اس کے تصوّر سے بھی بیزار تھے۔ اور جیسا کہ انہوں نے اظہارِ خیال کیا تھا۔ "اپنی ایسی منافق اور خطرناک عورت کے لئے موت کی سزا ایک ادنیٰ ترین سزا ہے۔ جو ہمیں تو مطمئن کر سکتی ہے۔ مگر انصاف کو نہیں۔"

حسن کی ذاتی رائے تاحال محفوظ تھی۔ لیکن اس کے رات کے غیظ و غضب کے پیشِ نگاہ۔ اس قدر اندازہ ضرور کیا جا سکتا تھا کہ وہ ان سنپولیوں پر ترس نہیں کھا سکتا۔ نیز اس کی نگاہ میں اپنی کے جرائم کی نوعیت انتہائی سنگین ہے۔

اپنی برآمدے میں اپنی مرضی کے قطعی خلاف عیسائی افسروں کے درمیان بٹھائی گئی تھی۔ انہیں عیسائی افسروں کے درمیان جنھوں نے اس کے اخلاص۔ اور اس کی معصوم محبت کے گلے پر کند چھری پھیری تھی۔

جنھوں نے اس کے کیف زا تصوّرات کو جہنّم رسید کر دیا تھا۔ جنھوں نے اسے ایثار و قربانی کی لازوال بلندیوں سے چھین کر نفرت و حقارت اور ذلّت و رسوائی کے غار میں دھکیل دیا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا۔ تو وہ ان درندوں کے درمیان بیٹھنے کی نسبت۔ دہکتی ہوئی آگ میں کود جانا کہیں بہتر خیال کرتی۔ لیکن اسے اپنے جرائم کا۔ ناکردہ جرائم کا شدید احساس تھا۔ اس قدر شدید۔ کہ اس وقت وہ واقعی مجرم نظر آرہی تھی۔ اور اس صورت میں اس کے پاس اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ حسن کے احکام کی خلاف ورزی کر سکے۔ اسے مجرموں کی صفوں میں مدغم ہونا پڑا۔

دفتر سے ملحقہ برآمدے کے حصّہ پر۔ ایک خوبصورت فرش بچھا ہوا تھا۔ جہاں حسن اور دیگر افسران کے لئے نشستیں خالی چھوڑ دی گئی تھیں۔ اس کے عین سامنے۔ یعنی دوسرے سرے پر مجرموں کا اجتماع تھا۔ برآمدے کے آٹھوں دروں پر اسلامی فوج کے چنیدہ سپاہی ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے ان مجرموں کی نگرانی کر رہے تھے جنھیں تھوڑی دیر کے لئے طوق و سلاسل سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔

وقت؟ کس قدر متنوع۔ اور کس درجہ بے نیاز

اب سے چوبیس گھنٹے پیشتر۔ حسن اور اس کے ساتھیوں کی نگاہ میں اپنی ایک "مثالی" لڑکی تھی۔ جس نے اپنی پُرخلوص سعی صلح جوئی سے حالات کی ہلاکت آفرینیوں کو امن و آشتی کی طرف موڑ کر حسن پر سحر سا پھونک دیا تھا۔ گلی کوچے جنگ کی ہولناکیوں سے نجات پانے کی خوشی میں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی پُرمسرّت جولانگاہ بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف خوشی ہی خوشی تھی۔ اینی اپنے معزز مہمانوں کی خاطر داری میں بہ نفسِ نفیس سرگرم عمل تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسلامی لشکر سدا قائم رہنے والی اچھی یادوں کے ساتھ سرزمینِ جراجہ سے رخصت ہو۔ حالانکہ اس کے بعد۔ اینی کے عزائم خود اپنی ذات کے لئے انتہائی اندوہناک تھے۔

مگر اب؟ اتنی جلدی۔

بساطِ وقت نے۔ اسے انسانیت کی معراج سے اُٹھا کر ذلّت کے تاریک غار میں پھینک دیا تھا۔ اور آج اگر دنیا میں اس کے حصّہ کا کچھ باقی رہ گیا تھا تو وہ نفرت تھی۔ لعنت تھی۔ پھٹکار تھی۔ یہ تھا وہ سودا۔ جو اسے

ہاتھ لگا تھا۔ اپنی اندھی محبت ۔ اور بے پناہ خلوص کے صلہ ہیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے محروم تھیں۔ شاید اس لئے کہ آنسو اس کی اُس روحانی اذیت کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر تھے۔ وہ اپنے غم و اندوہ کے لئے آنسوؤں سے کہیں بلند تھی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ آنسو اس کی تباہ حالی کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ وہ اس کی روحانی اذیتوں کے سامنے ایک حقیر سی شے تھے۔

کچھ دیر بعد حسن اور اس کے ساتھی دفتر سے نکل کر برآمدے ہیں اپنی مخصوص نشستوں پر آکر بیٹھ گئے۔ ان کے یہاں پہنچتے ہی برآمدے کے حاضرین پر سناٹا سا طاری ہو گیا۔ مجرموں کی صفیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ گویا۔ تختۂ دار پر کھڑے ہوئے مجرم نے اس شخص کا ہلتا ہوا ہاتھ دیکھ لیا ہو۔ جس کے اشارے پر جلاّد اسے پھانسی دیدے گا۔ لیکن اینی کی کیفیت دوسروں سے مختلف تھی ۔۔۔ خوف ۔۔۔ جو مجرموں کی نفسیات کا عنوان بنا ہوا تھا۔ اینی سے کوسوں دور تھا۔ وہ سر سے پیر تک ندامت ہی ندامت تھی۔

"بنت سرد غوس!" حسن کی رعب دار آواز سناٹے کے سینے ہیں تیر گئی۔ "تمہارے لئے ہمارا فیصلہ پہلے سے محفوظ ہے۔ پھر بھی۔ ہم تمہیں موقعہ دیتے ہیں کہ اگر تمہارے پاس اپنی بے گناہی کا کوئی ثبوت موجود ہو تو پیش کرو۔"

اینی جھکی جھکی گردن کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر جیسے اس نے اپنی لساط سے متجاوز ہو کر ہمت و جرأت سے کام لیا ہو۔ اس کی نگاہ۔ لرزتی لرزتی سی نگاہ پہلے حسن اور اس کے بعد عنبر کے چہرے کا جائزہ لیتی ہوئی جوب کے چہرے پر جم گئی۔

اپنی ذات کے لئے خود میرا اپنا فیصلہ بھی پہلے سے محفوظ ہے۔" اس نے بجھی بجھی سی آواز سے کہنا شروع کیا۔ "آپ کی طرف سے میرے لئے جو بھی فیصلہ صادر ہو گا اس سے میرے اپنے فیصلے ہیں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکے گی۔ صرف عنوان کا فرق ۔۔۔۔۔۔"

"لیکن ۔۔۔" حسن نے موضوع سے بھٹکی ہوئی اینی کو تنبیہہ کی۔ "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے ۔۔۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے سوال کا اس کی عین مناسبت سے جواب دیں۔"

"بہتر جناب والا"۔ ایمی نے سر تسلیم خم کر دیا۔ چونکہ انصاف ملزم کی اپنی زبان پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور میرے پاس اپنے ایمان کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ اس لئے میں فراہمیٔ ثبوت میں کامیاب نہیں ہو سکوں گی"۔

"تمہارا بیان ہمارے لئے بہرحال قابلِ غور ہو گا"۔

"یہاں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ جو یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اپنے جذبۂ خلوص پر حکومت و امارت کو قربان کر چکی ہوں۔ میں نے تخت و تاج کی نسبت محبت اور انسانیت کو زیادہ عزیز رکھا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ انہوں نے سچ نہ کہنے کا تہیہ کر لیا ہو۔ اپنے ضمیر جھوٹ کے ہاتھوں نیلام کر رہے ہوں۔ ایمان بیچ کھایا ہو۔ خدا شاہد ہے کہ التوائے جنگ کے اعلان کے بعد سے کل رات تک میں نے کسی عیسائی افسر کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی ان کے پاس کوئی تحریری یا زبانی پیغام بھجوایا تھا"۔

"ٹھہریئے!" حسن نے ہاتھ بلند کیا۔ "مسٹر جوب آپ کو بنتِ سردغوس کا حکم شب خون کن ذرائع سے حاصل ہوا"۔

"جناب والا"۔ جوب نے نہایت مطمئن لہجہ میں جواب دیا۔ "یہ حکم مجھے ایک ایسے شخص کے ذریعہ ملا تھا جسے میری نگاہیں محل کے اس احاطہ میں بارہا دیکھ چکی تھیں۔ ممکن ہے وہ محل کے زمرۂ ملازمین سے تعلق رکھتا ہو"۔

"یہ کب کی بات ہے۔ اور کیا تم اس شخص کو پیش کر سکتے ہو"۔ حسن نے دریافت کیا۔

"آہ!" جوب نے ایکٹنگ کی۔ "اس بیچارے کی موت انتہائی دردناک تھی۔ چار روزہ جنگ بندی کے مشترکہ اعلان سے نصف پہر پہلے میرے پاس پہنچا تھا۔ راستہ میں کسی مسلمان سپاہی نے اس پر تیر چلایا تھا جو اس کے پہلو میں لگا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری اور کسی نہ کسی طور مجھ تک پہنچ گیا۔ وہ تیر۔ جو اس کی قضا کا پیامی تھا۔ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے نکالا۔ دم واپسیں کے ساتھ

اس لئے مجھے اپنی آقازادی کا پیغام پہنچایا۔ اور اس سے پہلے کہ میں اس حکم کی صداقت کے بارے میں اس سے دریافت کرتا وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس سے اگلے روز میرے پاس ایک اور عیسائی آیا جو وضع قطع سے جراجہ کا شہری معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے پہلے شخص کی عدم واپسی کا سبب دریافت کیا۔ پھر سابقہ حکم کی نہ صرف تجدید کی۔ بلکہ یہ حکم بھی دیا کہ جس طرح ممکن ہو۔ روٹھے ہوئے امیر کو دوبارہ منا کر واپس لایا جائے۔ پس اس کے بعد جو کچھ ظہور میں آیا۔ وہ حکومت جراجہ سے میری وفاداری کا ایک واضح ثبوت ہے۔ لہذا۔ اس سلسلہ میں اگر میرا کوئی جرم ہے تو وہ صرف۔ اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور اس کے لئے میں پشیمان نہیں ہو سکتا۔ اگر میری خدمات حکومتِ جراجہ کی بجائے حکومتِ سسلی سے وابستہ ہوتیں۔ تو بھی میں اپنے فرائضِ منصبی کو اسی مستعدی کے ساتھ بجا لاتا۔ فوجی افسر کا کام "کیا اور کیوں" پر بحث کرنا نہیں ہے۔ وہ حکم کا بندہ ہے۔ اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اپنے آقا کی حکم عدولی کا مرتکب نہیں ہوا۔" جوب نے اینی سے اس کی اسلام دوستی اور عنبر نوازی کا بھرپور بدلہ لینے کی کامیاب کوشش کی۔

اس لئے یہ الفاظ کچھ اس صداقت آمیز پیرایے میں ادا کئے۔ کہ اینی کے سوا تمام حاضرین کے دل میں اس کی طرف سے ایک خاص احترام سا پیدا ہو گیا۔

"یہ سراسر لغو ہے۔" اینی سے نہ رہا گیا۔ وہ کھڑی ہو کر چلائی۔ "اس کے بیان کا ایک ایک لفظ—"

"بنتِ سرد غوس!" حسن نے اپنی کو خاموش رکھنے کی کوشش کی۔ "تمہیں جوب کے بیان پر جرح کی اجازت ہے۔ مگر تم نے جو انداز اختیار کیا ہے۔ وہ تمہاری بے گناہی کو تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ ممکن ہے جوب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ درست نہ ہو۔ مگر "یہ درست نہیں ہے" کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا۔ اس کے لئے ثبوت اور دلائل کی ضرورت ہے۔"

"عالی مقام امیر لشکر!" اینی نے عاجزانہ لہجہ میں کہا۔ "اس دغاباز نے ثبوت کی گنجائش ہی کہاں چھوڑی ہے۔ ایک پیامی کو وہ مُردہ بتاتا ہے۔ شاید اس لئے کہ اس کی شناخت کے لئے ہزاروں گڑھے

مُردوں کو کون اکھیڑے گا۔ دوسرے کو وہ اجنبی بناتا ہے "

حسن نے چند ساعتوں کے لئے کچھ سوچا۔ پھر سامنے رکھے ہوئے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا

معزز حاضرین ! حسن نے مقررانہ انداز میں کہا۔

ملزمہ سے یہ سرسری تحقیقات ایک رسمی کارروائی تھی۔ ورنہ حالات ہمیں پہلے ہی بتا چکے تھے کہ اس سلسلہ میں حق و باطل کو کہاں تک دخل ہے۔

اس سے قطع نظر کہ ہماری دوستی کا دم بھرنے والوں نے۔ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ بحیثیت مسلمان۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم پچھلے دنوں کیا کچھ کہتے آئے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اس معاملہ میں خود ہماری حیثیت کیا ہے۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم نے۔ عیسائیوں سے حالیہ معاہدے کرنے میں اسلامی نظریات کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ اسلام میں عورت کا درجہ اعتبار مرد سے کمتر ہے۔ اور صرف ایک عورت کی گواہی بجائے خود کوئی معنی نہیں رکھتی اور دو عورتوں کی شہادت۔ ایک مرد کی گواہی کے متوازی خیال کی جاتی ہے۔

مجھے کہنے دیجیئے کہ ہماری یہ غلطی تھی کہ ہم نے جملہ معاہدات میں بنتِ سمرغوس کی مرضی و منشا کو قابلِ اعتبار خیال کیا۔ اور اس ضمن میں دیگر ذمہ دار ارکانِ حکومت کو ان معاہدوں کا پابند کرنا ضروری نہ سمجھا۔

اب اس صورتِ حال کو اس زاویۂ نگاہ سے ملاحظہ فرمائیے کہ ایک طرف ایک ضعیف الفطرت لڑکی ہے۔ جس نے "ہاں" کہا اور "نہیں" پر عمل کیا۔ دوسری طرف آپ کا حسن ہے۔ جس نے خود بھی ہاں کہا۔ اور اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا وہ بھی ایک ضعیف الفطرت لڑکی کی طرح "نہیں" پر عمل کرے گا۔

حسن نے کہا تھا کہ — ہم جراجہ کی سرزمین کو خونِ انسانی سے داغدار نہیں کریں گے۔

ہم نہ اہلِ جراجہ کا مالِ غنیمت لیں گے۔ اور نہ ان پر کوئی کسی قسم کا تاوان ڈالیں گے
ہم اپنے جنگی اخراجات نیز جانی نقصانات اپنی ذات پر برداشت کریں گے۔
صوبۂ کلبریہ کو صرف دس سال کے لئے باجگزار بنایا جائے گا۔
ہم نے کہا تھا کہ۔۔ اب ہماری حیثیت ایک فاتح کی نہیں۔ حاکم جراجہ کے مہمان کی
ہے۔ نیز ہم تیسرے روز یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔

اور کیا اب یہ مناسب ہو گا کہ حسن بھی ایک کمزور لڑکی کا مقابل بن کر اپنے اقوال سے
منکر ہو جائے۔ نیز اس کے قول و فعل کا بھاؤ بھی وہی ہو جائے جو ایک عہد شکن اور
ناقص الاعتبار لڑکی کا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہمارے نادان دشمن نے ہمارے پُر خلوص تعاون اور انتہائی رعایتوں کا
ہمیں نہایت صبر آزما صلہ دیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ہماری اپنی ذمّہ داری و دانشوری بھی
قطعی طور پر بری الذمّہ قرار نہیں پا سکتی ۔۔۔۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کا امیرِ لشکر حسن۔
اپنے مقابل سے اخلاقی دوڑ میں بازی لے جانے کی خاطر۔ ایک عورت کی غیر معتبری کو
فراموش کر گیا۔ وہ بھول گیا کہ اس کے عہد و پیمان کی شریک ایک عورت ہے۔
عورت۔۔ جو قدرتی طور پر کمزور۔ اور بے اعتبار ہوتی ہے۔ اور ہمیں اپنی اس لغزش
کا خمیازہ بھگتنا ہی چاہیئے ۔۔۔۔ ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہی چاہیئے۔ اس لئے
کہ ہم مسلمان ہیں۔ جو اپنے محاسبہ میں کسی قسم کی رعایت گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے کہ
حسن نے یہ وعدے وعید اسلامی لشکر کی حیثیت سے کئے تھے۔ اور اسلامی امیرِ لشکر
کے اقوال پر۔ اسلامی ساکھ کا انحصار ہے۔ اور اس لئے بھی کہ ہم مرد ہیں۔ اور مرد جو کچھ
کہتا ہے اس سے منحرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا۔۔۔۔"

اتنا کہنے کے بعد حسن کی پُر جلال نگاہ پورے اجتماع پر گھوم گئی۔

جو اب محوِ حیرت بنا حسن کا منہ تک رہا تھا
شکست خوردہ اینی۔ اپنی بے گناہی کے باوجود۔ مجرمانہ انداز میں نگاہ نیچی کئے ہمہ تن گوش تھی
احمد اور عنبر حسن کی تشویشناک نگاہیں کبھی اینی اور کبھی حسن کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس مرحلہ پر حسن پر رحم کر رہ گئیں۔

ہم اعلان کرتے ہیں۔ حسن نے اعتماد سے بھرپور حاکمانہ آواز میں کہا۔ کہ ہم اپنے قول پر صادق ہیں۔ اور بنتِ سرد غوس کے کھوٹے اخلاقی سکّوں کے تبادلہ میں ہماری طرف سے جو بھی عطا ہوا تھا۔ وہ بدستور قائم رہے گا۔
ہم جراجہ کی سرزمین کو خونِ انسانی سے داغدار نہیں کریں گے۔
صوبۂ کلبریہ کی حکومت بنتِ سرد غوس کا حق ہے۔ ہم اس حق کو بحال کرتے ہیں۔
ہم نہ اہلِ جراجہ کا مالِ غنیمت لیں گے نہ ان پر تاوان ڈالیں گے۔
ہم بمجبوری انہیں دس سال کے لئے اپنا باجگزار بناتے ہیں۔ اور خراج کی یہ رقم اس رقم سے ہرگز زائد نہ ہوگی جو کسی بڑے شہر پر لاگو ہو سکتی ہے۔
ہم اپنے جنگی اخراجات۔ نیز جانی نقصانات اپنی ذات پر برداشت کریں گے۔
جراجہ کے وہ تمام ہتھیار جو جارحانہ عزائم کے زیرِ اہتمام ذخیرہ کئے گئے ہیں۔ تباہ کر دیئے جائیں گے۔

اپنے قول وقرار کی اس تجدید کے بعد میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ لوگ میرے اس فیصلہ پر متفق ہیں یا نہیں۔ یاد رکھیئے۔ اگر آپ جنگ کے ذریعہ جدید حالات پیدا کرنے کے متمنی ہیں۔ تو خدا کی قسم۔ حسن نہ صرف اس کے لئے بخوشی تیار ہو گا۔ بلکہ ممکن ہے وہ آپ کو منہ مانگے محاذ پر جا کر آپ سے جنگ کرے
"میں دس سالہ باجگزاری کو منظور کرتی ہوں۔" اینی نے یہ جملہ کچھ اس طرح ادا کیا جیسے وہ

اس ادنیٰ سے سودے کے لئے اس سے زیادہ الفاظ کا استعمال اصرافِ بیجا خیال کرتی ہو۔

اینی کے اس اقرار کے بعد حسن اپنے کاتبوں کو باقاعدہ معاہدہ تحریر کرنے کا حکم دے کر اپنی نشست چھوڑ گیا۔

اس بعید از قیاس اعلان کے بعد جہاں اسلامی اور عیسائی افسروں میں حیرت و استعجاب اور مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ وہاں دیکھنے والوں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ بنتِ لسر دغوس اپنی بریت۔ اور اپنی حکومت کی بحالی پر۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ جس عالم میں بیٹھی تھی۔ اسی طرح بیٹھی رہی۔

موڑ

تیسرے دن۔ تمام ضروری امور سے فارغ ہو کر۔ علی الصباح اسلامی لشکر نے کوچ کر دیا۔
دن بھر کی تیز رفتار مسافت کے بعد۔ پہلا پڑاؤ ریو کے مقام پر ہوا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ریو جنوبی اٹلی کی آخری سرحدی بستی ہے۔ یہ جزیرہ سسلی کے ساحلی شہر مسینا کے عین مقابل واقع ہے۔ مسینا اور ریو کے درمیان سمندر کی ایک آبی لکیر حائل ہے۔ حسن نے بڑی کوشش کی کہ وہ آج کی رات اس سمندری لکیر کے پار اپنی حدود میں بسر کرے۔ مگر شام اندھیری ہو جانے کے سبب اسے مجبوراً یہ رات صوبۂ کلبریہ کی حدود میں کاٹنا پڑی۔ ہلکے پھلکے خیموں کو عارضی طور پر استادہ کر دیا گیا۔ اور اس طرح عشاء کی نماز تک ریو کے قریب ایک اور ہنگامہ پرور شہر معرضِ وجود میں آگیا۔

جراجر میں شہر سے باہر گزاری ہوئی آخری رات عنبر کے لئے ایک عظیم الشان خوش خبری لے کر آئی تھی۔ صہبا کی خود فراموشی تیزی کے ساتھ اس کی سابقہ ہوشمند زندگی میں تحلیل ہو رہی تھی۔ اور صبح کوچ کے وقت تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔

صہبا نے آج کی مسافت اپنے قدیم خدام کے ساتھ ایک ایسے محمل میں طے کی تھی جو عنبر اور اس کے گروہ سے کافی بُعد پر مختص کیا گیا تھا۔ ریو پہنچ کر عنبر نے اپنے اہتمام خاص میں صہبا کے لئے ایک خیمہ نصب کرایا۔ اور جملہ انتظامات سے فارغ ہو کر خیمہ میں داخل ہی ہوا تھا کہ

"ٹھہریئے!" یہ صہبا کی آواز تھی جو ضمنی خیمے کی اوٹ سے سنائی دی تھی۔ "اندر پردہ ہے۔"

"پردہ ؟" عنبر نے رُک کر دماغ پر زور دیتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں" اندر سے آواز آئی۔ "تم لوگ" اس کا روئے سخن خیمہ میں موجود ہشام اور دوسری دو خادماؤں کی طرف تھا۔ "تھوڑی دیر کے لئے کہیں اور چلے جاؤ"۔ اور ابھی دور ہوتے ہوئے قدموں کی چاپ مدھم بھی نہ پڑی تھی کہ صہبا نے صبر آزما لہجہ میں کہنا شروع کیا۔

"جی ہاں اندر پردہ ہے۔ یہاں میرے علاوہ ایک اور بھی ہستی موجود ہے۔ جس کے لئے آپ سے نامحرم رہنا اس کی رائے میں اشد ضروری ہے"۔

"مگر ــــ" صہبا کے خاموش ہوتے ہی عنبر بیتابانہ انداز میں بولا۔ "جہاں تک میرے علم میں ہے جراجہ سے تمہارے ساتھ ایسی کوئی . . . ."

"سمجھنے کی کوشش کرو عنبر ــــ کیا تم وہ کچھ سُننا پسند کرو گے۔ جس کا اظہار میرے لئے سخت ندامت کا باعث ہو ــــ میں کہتی ہوں بنو طبری کے سردار خلیل کی بیٹی جسے تم صہبا کے نام سے جانتے تھے۔ جس سے تمہاری امیدوں کے رشتے استوار تھے۔ اس کی روح اپنے والدین کے ساتھ دوسری دنیا کو سدھار گئی۔ اب اس کے جسد خاکی میں ایک ایسی روح نے حلول کیا ہے۔ جو چلتے ہاتھ پاؤں کے علاوہ اور کسی کا ساتھ دینا نہیں چاہتی۔ جو کسی کو نہیں جانتی۔ اور نہ کسی کو جاننا چاہتی ہے"۔

"صہبا !" عنبر پاگلوں کی طرح چلا اُٹھا۔ اس کے قدم بے اختیار آگے بڑھنے لگے۔

"رُک جاؤ عنبر۔ خدا کے لئے رُک جاؤ"۔ صہبا سرتاپا التجا بن کر آگے بڑھی اور سوتی دروازے سے پیٹھ لگا کر کھڑی ہو گئی۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھے ایک جھلک دیکھنے کی خاطر۔ میرے لئے اس گناہِ عظیم کا سبب بن جاؤ۔ جس سے بچنے کے لئے مجھے اس نئی زندگی کو اختیار کرنا پڑا ہے"۔

"جراجہ سے چلتے وقت تو تم اچھی بھلی تھیں۔ یہ نہیں کیا ہو گیا صہبا ــ کیا ہو گیا تمہیں۔ کم از کم مجھے اپنے قریب تو آنے دو۔ مجھے یہ تو جاننے دو کہ . . . . . "

"شاید آپ مجھے مخبوط الحواس سمجھ رہے ہیں"۔ صہبا نے کہا۔ جیسے وہ طوفانی تھپیڑوں کی زد

سے بچنے کی کوشش کر رہی ہو۔" لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ میں اپنے پورے ہوش و حواس میں ہوں اور جانتی ہوں کہ میں نے اپنے لئے جو راہ اختیار کی ہے۔ آپ۔ اور آپ کے ساتھ دنیا کے دوسرے لوگ اس کی سخت مخالفت کریں گے۔ اور چاہیں گے کہ میں اپنی راہ بدل دوں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ آپ آرام سے بیٹھ جائیے۔ شاید یہ گفتگو طویل ہو جائے۔"

عنبر گم صم دروازے سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی ایک چوکی کو دروازے سے بالکل متصل کر کے اس پر یوں گر پڑا جیسے اس کے اعصاب اسے جواب دے رہے ہوں۔

"غالباً آپ بیٹھ چکے ہیں۔"

عنبر نے صہبا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

"معاف کیجئے گا۔ اس موقعہ پر میں روایتی میزبان ثابت نہ ہو سکوں گی ——— میں کہہ رہی تھی کہ ـــ کہ میرا یہ فیصلہ میری کسی کمزوری، خجالت یا وقتی ہیجانِ جذبات کا نتیجہ نہیں ہے۔ مجھ سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوئی۔ میں آج بھی اپنے کنوارپن کے لئے مریم کے کنوارپن کی قسم کھا سکتی ہوں۔ ایک اچھے انسان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی عدالت اس کا اپنا ضمیر ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ میں اس عدالت میں پہلے سے زیادہ پاکباز اور معتبر ہوں۔ پہلے میرے دل میں ایک نامحرم شخص کی محبت پرورش پا رہی تھی۔ اور اب ـــــ اب اس دل میں کوئی نہیں ہے۔ اور نہ اب اس دل پر کسی کی پرچھائیں پڑ سکتی ہے۔"

یہاں پر صہبا کو ایک صبر آزما ہچکی نے چند لمحوں کے لئے خاموش کر دیا۔ اور اس سے چند قدم کی دوری پر عنبر کو یوں معلوم ہوا جیسے کسی نے تیغ سے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔ گویا منہ پر قفل لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بات یہ ہے کہ اس ظالم و جابر۔ خود غرض۔ بے وفا اور ہر آن بدلتی ہوئی دنیا سے میرا دل آخری درجے بیزار ہو چکا ہے۔ اتنا کہ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو شاید میں یہ بھی کر گزرتی۔ میری خواہش ہے کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی مدینہ منورہ میں گزاروں۔ وہاں ہمارے قبیلے کی ایک شاخ کافی عرصے

سے موجود ہے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اب میرے لئے اس دنیا میں اس متبرک مقام سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ میں اپنی باقی ماندہ زندگی کو یادِ خدا میں گزارنے کا تہیہ کر چکی ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ سے بھی مدد کی درخواست کروں گی۔ آپ والیٔ سسلی سے سفارش کر کے مجھے مدینہ منورہ بھجوا دیجئے۔ مجھے امید ہے محترم والیٔ سسلی خلیفۂ افریقہ کے چہیتے جاسوس کی سفارش کو رد نہ کر سکے گا۔"

"کچھ اور کہنا ہے۔" صہبا کو خاموش پاکر عنبر نے دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے۔ میں وہ سب کچھ کہہ چکی ہوں۔ جو کہنا چاہتی تھی۔ اب صرف اس قدر کہنا ہے کہ اس بارے میں مزید کچھ کہنا سُننا تضیعِ اوقات کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے یہ تضیعِ اوقات ہی ہو۔ مگر یقین رکھئے کہ یہ حاصلِ زندگی سودا اتنی آسانی کے ساتھ ختم ہو جانے والا نہیں ہے۔ جتنا کہ آپ خیال کر رہی ہیں۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ اس قدر طویل یکجائی۔ اور راہ طلب میں عظیم قربانیاں دینے کے باوجود ہم ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ اگر یہ درست ہے کہ ایک صہبا مر چکی ہے اور دوسری صہبا نے جنم لیا ہے۔ تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ بہر قیمت و بہر صورت اپنی محبت اور اسلامی لشکر کو فتح یاب دیکھنے والی صہبا مر چکی ہے۔ اور یہ نئی صہبا۔ یہ محض اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ اپنے باپ کے قاتل سے بھرپور انتقام لے۔ یہ درست ہے کہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے۔ اور اگر تم چاہو تو اپنی والدہ کی موت کا باعث بھی مجھی کو قرار دے سکتی ہو۔ اور یہ بھی درست ہو سکتا ہے کہ تم سمیت تمہارے سارے خاندان کی تباہی و بربادی کا واحد ذمہ دار میں ہوں۔ مگر تمہیں یہ سوچنا پڑے گا کہ یہ آخر یہ سب کچھ کیوں ظہور میں آیا۔۔۔ کیوں۔۔۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ تمہاری۔ اور صرف تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں نے اسلامی تاریخ کے ایک سنہرے باب کو متعفن سیاہ دھبوں سے داغدار کر دیا۔ جس کا خمیازہ نہ صرف مجھے بلکہ پورے اسلامی لشکر کو بھگتنا پڑا۔ یہ جنگ میرے لئے کوئی نئی جنگ نہ تھی۔ میں ایسی سینکڑوں جنگوں میں حصہ لے چکا ہوں۔ لیکن جو غیر ذمہ داریاں مجھ سے صوبۂ کلبریہ کے محاذ پر سرزد

ہوئی ہیں۔ اور کسی مجاذ پر نہیں ہوئیں ــــ سوچو صہبا! خدا کے لئے عقل و انصاف سے سوچو کہ تم ہم آزمائشوں سے گزار لینے کے بعد تم نے جو کروٹ لی ہے۔ وہ اپنے حبیب کو جیتے جی مار ڈالنے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی تم اپنے فیصلے پر قائم ہو تو ــــ تو اس محاذ پر بھی تم مجھے ثابت قدم پاؤ گی۔ تم خوشی سے مدینہ منورہ کو اپنی خانقاہ بناؤ۔ لیکن اس کے لئے تمہیں میری لاش سے گزر کر جانا ہوگا"

"ایسا نہ کہو عنبر! اگر تم نے کسی کو سچے دل سے چاہا ہے۔ تو میں تمہیں اس کی قسم دیتی ہوں" صہبا کے آنسو چھلک پڑے۔ "ایسا نہ کہو۔ یہ درست ہے کہ مرنے والی صہبا کو بعض اوقات تمہاری محبت پر شبہ ہوا تھا۔ لیکن وہ اسی وقت دور ہو گیا۔ اس کا دل تمہاری طرف سے آئینہ کی طرح صاف تھا۔ وہ تمہاری محبت کی نہ صرف دل سے معترف تھی۔ بلکہ خود بھی تم سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے قلب کی ماہیت میں ایکا ایکی اس قدر انقلاب کیسے آ گیا۔ لیکن یہ شدت کے ساتھ محسوس کر رہی ہوں کہ اس دنیا اور دنیا والوں سے میرا معاشرتی نباہ ایک لمحہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔ آج میں اس کسک اور لگن سے پوری طرح واقف ہو چکی ہوں۔ جس کی بنا پر فقرا اور درویش تارک الدنیا ہو جاتے ہیں۔ میں اپنی بقیہ زندگی یادِ خدا میں گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس راستے سے نہ ڈگمگاؤ۔ اگر یہ سچ ہے کہ تمہیں کسی بھی اعتبار سے میری ذات پر کچھ حقوق حاصل ہیں تو انہیں اس طرح استعمال کرو کہ میں اپنی اس راہ پر پوری دلجمعی کے ساتھ گامزن رہ سکوں۔ میں تمہارے اس احسان کو زندگی کے آخری سانس تک یاد رکھوں گی"

"یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو صہبا۔ خدا کے لئے مجھے جہنم رسید نہ کرو۔ میں تمہارے بغیر۔ اس ہستی کے بغیر۔ جس پر اپنا سب کچھ قربان کر چکا ہوں۔ کس طرح زندہ رہ سکوں گا ــــ کس طرح زندہ رہ سکوں گا صہبا ــــ اگر تمہیں اس راہ سے باز رکھنا ایک گناہ ہے۔ تو میں اس گناہ کے عوض اگلی دنیا کے جہنم کو قبول کرتا ہوں ــــ اپنے ان خیالات کو اسی مرحلے پر دفن کر دو۔ اور اگر

ایسا نہیں کرسکتیں تو لو یہ خنجر ـــ" عنبر دیوانہ وار پہلو سے خنجر کھینچتا ہوا ایک ہی جست میں اس فاصلے کو طے کر گیا۔ جو صہبا نے زبردستی حائل کر رکھا تھا ـــ عنبر کے اندر پہنچتے ہی صہبا ایک زوردار چیخ کے ساتھ بھاگ کر اس پیال پر اوندھی جا پڑی جسے شب بسری کے لئے بچھایا گیا تھا اور شانے پر پڑی ہوئی چادر سے خود کو سر تا پا چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے انتہائی غضبناک لہجہ میں کہا۔

"قسم اس رب العزت کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اگر تم نے مجھے چھونے یا بے پردہ دیکھنے کی سعی کی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گی ـــ واپس جاؤ ـــ جاؤ ـــ"

عنبر صہبا سے چند قدم کے فاصلہ پر جم کر کھڑا ہو گیا۔ اور بھرے ہوئے عزم و استقامت کے ساتھ بولا۔ "اگر ایسا ہوا تو کم از کم یہ اس سے کہیں بہتر ہو گا جو ایسا نہ ہونے پر ہو سکتا ہے۔ سسکتی تڑپتی، اور ڈوب ڈوب کر ابھرتی ہوئی زندگیوں سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ہم اسی مقام پر اپنے آخری انجام کو قبول کر لیں۔ اور یہیں سے۔ بیک نفس و بیک لحظہ ایک نئے سفر پر روانہ ہو جائیں۔"

"مان جاؤ عنبر۔ مجھے حرام موت نہ مارو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ عنبر بھائی چلے جاؤ۔ میں تمہاری بہن۔ تم سے التجا کرتی ہوں ـــ چلے جاؤ ـــ جاؤ ـــ"

اور اس کے بعد عنبر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے حواسِ خمسہ کو دہکتے ہوئے انگاروں میں دفن کر دیا ہو۔ اس کا تنا ہوا سینہ اور اکڑی ہوئی گردن ڈھول سے ڈھول تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی ٹھوڑی اس کے سینے پر آلگی۔ ایک مرتعش سی سرد آہ کے ساتھ۔ جیسے اس نے اپنے آپ پر فاتحہ پڑھی ہو۔ اس کے قدم پیچھے کی طرف مڑ گئے۔ ابھی وہ دروازے سے نکلا ہی تھا کہ صہبا کی بھنچی بھنچی آواز آئی۔

"ابھی مجھے کچھ اور بھی کہنا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا بھائی . . . . . "

"صہبا!" عنبر رو پڑا۔ "عنبر ان روح فرسا ہتھیاروں کے بغیر بھی ایک اچھا انسان ثابت ہونے

کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں اس لمحے کے بعد اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے خوشی ہوگی۔ خوشی!" اس نے ایک طویل آہ بھر کر کہا۔ اگر تم مجھے صرف عنبر ہی سمجھو گی۔ صرف عنبر!

"سنیئے"۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ایک بار پھر اپنی پہلی جگہ آکھڑی ہوئی۔ "کیا میں آپ سے توقع رکھ سکتی ہوں کہ جس طرح میں نے اپنے لئے ایک مناسب راہ ڈھونڈ نکالی ہے۔ اسی طرح آپ بھی کسی نہ کسی سہارے جینے کی کوشش کریں گے؟"

اس اثناء میں عنبر خیمہ کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ اور نہ چاہتا تھا کہ یہاں مزید رُک کر اپنے آپ کو اس روپ میں ظاہر کرے جو اتہام کبھی اس پر نہ لگایا جاسکتا تھا۔ اس کا دل و دماغ عزم راسخ کی ایک ایسی چٹان تھی کہ جو بھی اس سے ٹکراتا تھا۔ پاش پاش ہو جاتا تھا۔ اس کی روح ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ تھی۔ وہ تلواروں کی چھاؤں میں پلا بڑھا تھا۔ وہ پیدائشی جاسوس تھا۔ جاسوس ـــ جسے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی راہیں متعین کرنا پڑتی ہیں۔ جو قدم قدم پر خطروں سے سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور جو زندہ رہتا ہے موت کی تاریکیوں میں تحلیل ہو جانے کے لئے۔ آج کا عنبر بھی وہی عنبر تھا جو دشمنوں کے نرغے میں شیر کی طرح دہاڑا تھا۔ جس نے طوفانی جنگوں کو اپنے دلیرانہ اقدام پر لے کر میدانوں کے نقشے پلٹ دیئے تھے۔ جسے آج تک دنیا کی کوئی بھی عظیم طاقت زیر نہ کر سکی تھی ـــ ہاں یہ عنبر تھا۔ جو اس وقت شیشے کے محل کی طرح گردشِ دوراں کے ایک ہی تھپیڑے سے چکنا چور ہو کر زمین پر آ رہا تھا۔ ان تمام عزائم و جذبات کو جو ایک بہادر آدمی کا حصّہ ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں کی شکل میں بہائے جا رہی تھیں اسے اپنے جسم کا ایک ایک بند کٹا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اور ـــ اور ـــ دشمنوں کے قلب میں فاتحانہ قہقہے اڑانے والا۔ اس وقت اپنے ہی اسلامی لشکر کے درمیان لاش بنا کھڑا تھا۔ جیسے تمام دنیا کے رشتے ایک ہی لمحے میں کھٹ سے کٹ گئے ہوں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ ـــ" صہبا کی رُندھی ہوئی آواز ایک بار پھر تھرتھرائی۔

"میں نے سُن لیا تھا" عنبر دروازے کے بانس کا سہارا لے کر اس طرح رُک گیا۔ کہ اگر اسے یہ سہارا نہ ملتا تو وہ زمین پر آ پڑتا ——— "میں اپنی شکست کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں اس وقت اپنی ذات سے کوئی کام نہیں لے سکتا۔ میرا دماغ۔ میرے اعصاب۔ میری زندگی۔ یہ سب سُن پڑے ہیں ———"

"میرے پاس آپ کے لئے ایک تمنا اور ہے۔ شاید میں آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں۔ کیونکہ میرے نزدیک اب آپ سے ملاقات کرنا آپ کی ذات پر ظلم ڈھانا ہے۔"

"بجا ارشاد ہے۔" عنبر نے کہا۔ جیسے تسلیم و رضا ہی اس کا مسلک بن گیا ہو۔ "اپنا ترکش خالی کر دیجئے۔"

"ایسا نہ کہو عنبر۔ میں نے تمہیں بھائی کہا ہے۔"

"صہبا!" عنبر ایک بار پھر بے قابو ہو گیا۔ "میں اس غیر شریفانہ رویہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتا ہوں۔ میں تمہارے ہر جذبے کے احترام کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں وہ سب کچھ مان لینے کے لئے تیار ہوں۔ جو تم چاہتی ہو ——— مگر ایسا نہ کہو۔ میری غیرت و حمیت پر انگارے نہ برساؤ۔"

"اگر یہ نیا اور پاکیزہ رشتہ تمہارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ تو پھر مجھے تم سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میں خود چند لمحوں کے بعد دنیا کے تمام رشتوں کو کاٹ پھینکنا چاہتی تھی۔ جہاں میرے ساتھ اور بہت سی ناانصافیاں ہوئی ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی سہی کہ میں تمہاری بابت اپنی آخری خواہش ظاہر کئے بغیر تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں۔ لہٰذا ———"

"اگر یہ سب ناگزیر ہے۔" عنبر نے بات کاٹی۔ "تو میں تمہاری اس آخری خواہش کا احترام کرونگا۔ جس شخص کے حاصلِ زندگی اوقات تمہاری خواہشات کے تابع بسر ہوئے ہیں۔ وہ تمہاری آخری خواہش سے سرتابی کیسے کر سکتا ہے صہبا۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ اس کی زندگی اس کی محبت

کی طرح بالکل بے بھروسہ ہو گئی ہے۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ وہ صہبا کے جواب کا منتظر تھا۔ جو پردے کے پیچھے کھڑی رہ جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہی تھی۔

"کہو صہبا" عنبر نے کہا۔ جیسے وہ اس ماحول میں زیادہ دیر ٹھہرنے کی تاب نہ رکھتا ہو۔ تمہارا اسماعیل تم سے وعدہ کرتا ہے۔ کہ وہ تمہاری خواہش کو ضرور پورا کرے گا۔ خواہ اسے یہ سودا کسی بھی قیمت پر کیوں نہ چکانا پڑے۔"

"مرحبا!" صہبا کی لرزتی ہوئی آواز ان طوفانوں کی ایک بے اختیار چیخ تھی جو اس وقت اس کے سینے میں حشر برپا کئے ہوئے تھے۔۔۔ "یہ داستان بڑی طویل ہے۔ میں اس کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گی۔۔۔ اینی آپ سے محبت کرتی ہے۔ اس لئے آپ سے یا اسلامی لشکر سے کوئی غداری نہیں کی۔ اگر آپ اس سلسلہ میں تحقیقات کی زحمت گوارا فرمائیں۔ تو میرا ایمان ہے کہ وہ بالکل بے قصور ثابت ہو گی۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ بے وفا نہیں ہو سکتی۔ اسے کسی سازش کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ پھر آپ اسے جن حالات کے حوالے کر کے آئے ہیں۔ وہ حد درجہ خطرناک ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔ اسے اس طرح اندھیرے غاروں میں دھکیل کر آگے نہ بڑھ جائیں۔۔۔ وہ۔۔۔۔!"

معاً دس بارہ مشعل بردار گھڑ سواروں کے درمیان ایک غیر معمولی ہنگامے نے عنبر کی تمام تر توجہ اپنے اندر جذب کر لی۔

اس لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے ہجوم کا رُخ عنبر کے خیمے کی طرف تھا۔ جو یہاں سے صرف چند قدم کے فاصلے پر نصب تھا۔ عنبر کے قدم غیر ارادی طور پر اپنے خیمے کی طرف اٹھ گئے۔ وہ ہجوم کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا اپنے خیمے کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ اب یہ ہجوم اس کے خیمے سے چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا۔ اور پھر عنبر کو یوں معلوم ہوا گویا وہ حقائق کی دنیا سے نکل کر کسی طلسمی دنیا میں

پہنچ گیا ہے۔ اس نے پوری قوت سے اپنے آپ کو جھٹکا دیا۔ لیکن اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں اور گم کردہ ہوش و حواس میں کوئی خاص تغیر پیدا نہ کر سکا۔

"عنبر!" ایک دلدوز چیخ کے ساتھ ہجوم کی کمان سے ایک سیاہ لبادہ تیر کی طرح نکل کر عنبر کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

"میرے عنبر! میرے محبوب! مجھے اپنے بازوؤں میں — اپنی گود میں — میرے محبوب!—"

ہاں۔ یہ ایپی ہی کی آواز تھی۔ صوبہ کلبریہ کے تخت و تاج کی وارث ایپی کی آواز۔ "میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے میرے محبوب! — ان لوگوں سے کہو — یہ ہمیں تنہا چھوڑ دیں۔ میری طاقت سلب ہو رہی ہے۔"

عنبر نے سکتے کے سے عالم میں ایپی کو اپنے ہاتھوں پر لے لیا۔ اور خیمے کی طرف مڑنے سے قبل ایک سوالیہ نگاہ مجمع پر ڈالی۔

"ہم میدان کی سرحدی گشت پر تھے۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "کہ ایک لبادہ پوش گھوڑے کو دوڑاتا ہوا ہماری حدود میں داخل ہوا۔ ہم نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ہماری پیہم آوازوں کے باوجود نہ رکا۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی سپاہی اس پر تیر سے وار کرتا۔ ہماری آوازوں سے ہوشیار ہو کر چند سپاہیوں نے اسے آگے سے حلقے میں لے لیا۔ جب ہم قریب ————"

"عنبر!" ایپی نے کربناک آواز سے التجا کی۔ "مجھے تنہائی میں لے چلو۔ ابھی چلو میرے محبوب!"

"آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" عنبر نے حاضرین سے درخواست کی۔ اور پھر تیز تیز قدموں سے ایپی کو اپنے سفری بستر پر لٹا کر اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ ایپی کی حالت سخت دگرگوں تھی۔ اس کے منہ سے جھاگ دار کف کا تار سا بندھا ہوا تھا۔ آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔ تنفس میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ اور چہرہ پر نزع کی سی کیفیت اس امر کا واضح ثبوت تھی کہ وہ چند لمحوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ معاً اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر عنبر کے بازوؤں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ انہیں اپنی پوری طاقت سے بھینچتے ہوئے بولی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے سدا بہار زندگی حاصل

کرلی۔ میرے پاس تمہارے لئے کبھی نہ ختم ہونے والی داستانیں ہیں۔ مگر ــــ مگر ــــ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی اصلیت سے محروم رہ جاؤں۔ اس لئے ــــ اس لئے میرے محبوب تم کھڑے ہو جاؤ۔ میں چل نہیں سکتی۔ مجھے اپنی گود میں پہنچا دو۔ اور جس قدر جلد ہو سکے اپنے خلیفہ کے پاس پہنچا دو۔ میری زندگی۔ میرے خلوص۔ اور میری محبت کی معراج میرے استقبال کے لئے بے قرار ہو رہی ہے میرے محبوب! جلدی کرو ــــ بہت جلدی۔ اگر میری آواز میرا ساتھ چھوڑ گئی تو یہ روئے زمین کا ایک انتہائی عظیم المیہ ہو گا۔"

عنبر نے ایک مشین کی طرح اپی کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اور ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے۔ یہ جانے بغیر کہ آئندہ لمحات میں کیا کچھ رونما ہونے والا ہے۔ خلیفہ کے خیمے کی طرف ہو لیا۔

اُدھر چند لمحے پیشتر یہ خبر سارے اسلامی لشکر میں بجلی کی طرح کوند چکی تھی کہ بنتِ سردغوس عنبر سے ملنے کے لئے خفیہ طور پر اسلامی لشکر میں داخل ہوئی تھی۔ لیکن اسے پکڑ لیا گیا۔ اور اب وہ عنبر کی تحویل میں ہے ــــ لہٰذا جس وقت عنبر اپی کو لاش کی طرح اٹھائے ہوئے والیٔ سسلی حسن بن علی کی طرف جا رہا تھا تو ان گنت لوگ اس کے اور اپنے درمیان تھوڑا سا فاصلہ دے کر اس کے ساتھ ہو لئے تھے۔ اور ان تماشائیوں میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔

"ایسا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔" عنبر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"خود میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ صوبۂ کلبریہ کا نادان سے نادان آدمی بھی ایسا نہ سوچ سکتا تھا۔" اپی نے عنبر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کاش میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی میرے محبوب! بات یہ ہے کہ میں نے اسلامی لشکر میں داخل ہونے سے پہلے کافی مقدار میں زہر کھا لیا ہے۔ یہ میرے ہوش و حواس کی آخری ترنگ ہے ــــ اوہ! کتنی خوش نصیب ہوں میں ــــ کتنی خوش نصیب۔ کہ میں اپنے محبوب کے ہاتھوں میں دم توڑ دوں گی ــــ امانت اپنے امین کے قدموں میں ــــ"

اپی کے ان الفاظ سے عنبر کے قدم منوں وزنی ہوتے گئے۔ اور جب اپی نے آخری فقرہ کہا

تو اسے اپنے قدموں کو جنبش دینا مشکل ہو گیا۔ وہ بُت کی طرح ساکت و جامد رہ گیا۔
"رُکو نہیں میرے محبوب!" اینی نے مچل کر آنکھیں بند کر لیں۔ گرم گرم آنسوؤں کے کئی موٹے موٹے ٹکڑے اس کے رخساروں سے پھسلتے ہوئے زمین میں جذب ہو گئے۔ اور عنبر کو یوں معلوم ہوا جیسے آج کی رات اس کے لئے بلا کی رات بن کر آئی ہے۔
"رُکو نہیں" اینی کی خفیف آواز ایک بار پھر اُچھلی "پانی — پانی —"
عنبر ایک بار پھر اپنی تمام قوت کو یکجا کر کے حتی المقدور تیز تیز چلنے لگا۔
"ایک کٹورا پانی" عنبر نے اپنے پیچھے آتے ہوئے ایک شخص سے درخواست کی۔ وہ دوڑ کر قریبی خیمے میں گھس گیا۔ چلتے چلتے ہی کپڑا گیلا کر کے اس کا جھاگ آلود منہ صاف کیا گیا۔ پھر پانی کے چند قطرے اس کے منہ میں ٹپکائے گئے۔
عنبر کے ماتحتوں میں سے زیدان ہمت کر کے آگے بڑھا۔ وہ عنبر کی زبوں حالی اور قدموں کی بے راہ روی سے اس بات کا جائزہ لے چکا تھا کہ اب وہ مزید اینی کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔
"اگر مناسب ہو تو . . . . ."
"نہیں" اینی کی چیخ نکل گئی۔ "اگر آپ — مجھے اتار دیجئے۔ میں آپ کے سہارے —"
عنبر اینی کے بے ربط الفاظ کا مدعا سمجھ گیا۔ اور اس کے جواب میں اس نے اپنی رفتار اور زیادہ تیز کر دی — اب وہ حسن کے خیمے کی حدبندی میں داخل ہو چکا تھا — اس نے دیکھا کہ حسن۔ اس کا بیٹا احمد۔ اور دیگر اعلیٰ عہدیدار خیمے کے دروازے پر سوالیہ نشان بنے کھڑے ہیں۔ عنبر کو دیکھتے ہی دونوں جلدی سے آگے بڑھے۔ انہیں اینی و عنبر کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔
"الٰہی خیر!" اینی کو اس طرح عنبر کی گود میں دیکھ کر حسن کے منہ سے بے اختیار نکلا — یہ سب کیا ہے — آؤ — خیمے کے اندر لے آؤ — ہیں — یہ تو جانکنی کا سا عالم —"
"جی!" عنبر نے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے حسن کی گھبراہٹ دور کرنے کے لئے کہا۔ "زہر

کھایا ہے ۔"

"زہر؟ — ہمارے طبیب خاص —"

"نہیں محترم خلیفہ!" اینی نے آنکھیں کھولتے ہوئے استدعا کی۔

"یہاں لٹا دو۔ اس چوکی پر" حسن نے اپنی عارضی نشست کی طرف اشارہ کیا۔

عنبر نے احتیاط کے ساتھ اسے لٹانا چاہا۔ مگر اینی نے اس کے بازو کو نہ چھوڑا۔ وہ عنبر کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔ اس وقت وہ اسلامی لشکر کی چیندہ ہستیوں کے درمیان اپنے آپ کو کچھ کہنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔ اس نے آستین سے منہ کا کف صاف کرتے ہوئے مجمع پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور زہر کی اذیت رسانیوں سے برسر پیکار ہوتے ہوئے حسن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی

"غور سے دیکھئے — آپ کے سامنے کون ہے — کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں — وہی — جس کا نام اینی تھا۔ صوبۂ کلبریہ کے حاکم سرد غوس کی بیٹی — جس نے فتح کا سہرا اپنے سر دیکھنے — صوبۂ کلبریہ پر آزادانہ حکومت کرنے — اور حبر اجہ کے تخت و تاج پر اپنا حق جمائے رکھنے کے لئے — اسلامی لشکر پر بزدلانہ شبخون مارا تھا — جس نے آپ کو اپنا مہمانِ خاص بنا کر آپ کے قتل و غارتگری کے سامان کئے تھے — جس نے آپ جیسے محسنوں اور آپ کے لشکر کی پرخلوص ہستیوں کو صرف اس لئے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ کہ وہ حاکمانہ زندگی کی بہاریں لوٹ سکے۔

غور سے دیکھئے واجب الاحترام خلیفہ — غالباً آپ مجھے پہچان گئے ہیں — آپ نے میرے مکر و فریب۔ اور رکیک ترین حرکات کے باوجود میرا تاج و تخت میرے نام پر بحال کر دیا تھا — اور ایسا کر کے — آپ نے یقیناً اسلامی تاریخ میں ایک سنہرے باب کا اضافہ کیا تھا — لیکن — لیکن — اگر آپ کے تمام فیصلے نہیں — تو وہ فیصلے یقیناً غلط تھے جو میری ذات کے لئے کئے تھے — میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتی تھی — وہ حاصل نہیں کر سکی

تھی ـــ اور اب دنیا میں میرے لئے کوئی کشش نہیں تھی ـــ میں نے زہر کھایا ہے ـــ اور یہ میرا اصلی روپ ہے ـــ مجھے پہچانیے جناب والا ـــ یہ میرا اصلی روپ ہے ـــ شکر ہے اس خداوند عالم کا۔ جس نے مجھے آپ کے سامنے میرے اصلی روپ میں پیش کیا ـــ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میری زندگی کا مقصد فوت ہو جاتا۔ حق و باطل میں کوئی امتیاز نہ رہتا۔ - - - پانی - - - تھوڑا ـــ" اور اس کے ساتھ ہی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

زیدان پانی کی چھاگل لے کر آگے بڑھا۔ عنبر نے چھاگل اس کے ہاتھ سے لے کر اپنی کے منہ سے لگا دی۔ اس وقت حاضرین پر ایک سنسنی سی طاری تھی۔ اور دیکھنے والے واضح طور پر محسوس کر رہے تھے کہ حسن ایک اذیت ناک خجالت میں مبتلا ہے۔ کشتۂ محبت احمد کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ وہ خجالت سے زیادہ یاسیت کا شکار تھا۔ عنبر کے بعد یہ پہلا شخص تھا۔ جو اپنی کو اس کی بے پناہ محبت کے ساتھ پہچانتا تھا۔ اور چونکہ وہ خود بھی ایک زخم خوردہ دل کا مالک تھا۔ اس لئے اپنی کی نفسیاتی کیفیت کو دوسروں کی نسبت زیادہ صحیح طور پر محسوس کر سکتا تھا۔

"طبیب حاضر ہے عالی جاہ!" تیز رفتار خادم نے تعظیماً جھکتے ہوئے اطلاع دی۔

"لے آؤ" حسن نے گم سُم انداز میں کہا۔

پانی پینے کے بعد اپنی کے حواس نے ایک بار پھر سنبھالا لیا۔ اس نے بھیگی ہوئی لمبی پلکوں کو جنبش دی۔ سب سے پہلے اس کی نگاہ عنبر پر پڑی۔ جس کی آنکھوں میں ہزار ضبط کے باوجود آنسوؤں کا سیلاب لرز رہا تھا۔ وہ مسکرائی۔

"زہر کھائے ہوئے ـــ" طبیب نے ہاتھ پیروں سے جسمانی حرارت کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا۔

"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔" عنبر نے جواب دیا۔ "لیکن کافی مقدار میں استعمال کیا گیا ہے۔"

"میں ـــ میں ـــ علاج معالجے سے بہت دور نکل چکی ہوں ـــ ہاں ـــ اگر ـــ اگر یہ

نزع کا عالم — تھوڑی سی دیر کے لئے ٹل جائے — اتنی دیر کے لئے۔ کہ میں وہ سب کچھ کہہ سکوں — جو کہنا چاہتی ہوں — تو — کاش!

"گھبرایئے نہیں محترم خاتون —" طبیب نے تسلّی دی۔ اور جواب میں اینی کے چہرے پر مسکراہٹ کے نقوش اور زیادہ گہرے ہو گئے۔

"لیجیے — انہیں یہ دوا پلا دیجیے — اللہ کافی اللہ شافی —" طبیب نے ایک کٹوری عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں — میرا خیال ہے —" اینی نے کٹوری کی طرف سے منہ موڑ لیا — "میں اس دوا کے بغیر بھی — اپنا مقصد پورا کر سکوں گی — مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ دوا مجھے زندگی کی وادئ موت میں نہ گھسیٹ لے۔"

"پی لو اینی — میرے کہنے سے —"

"ایسا نہ کہو عنبر! — خدا کے لئے — ہٹا لو اسے — میری زبان میرا ساتھ دے رہی ہے۔"

ناچار عنبر نے دوا کی کٹوری طبیب کو واپس کر دی۔

"اب آپ — اس اینی سے اتنا اور سن لیں کہ جونہی آپ نے جراجہ سے اس طرف کوچ فرمایا تھا — میری فوج کے وہ تمام غدار افسران — جن کے ایما پر شبخون مارا گیا تھا — اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گئے — انہوں نے اقرار کر لیا کہ شبخون ہم نے اپنی مرضی سے مارا تھا۔ اس سازش میں میرا نام انتقاماً لیا گیا تھا — اس لئے کہ ان کے خیال میں میں کئی بدترین گناہوں کی مرتکب ہوئی ہوں — کاش وہ ایسا کرنے کی بجائے مجھے قتل کر دیتے — اب وہ صوبۂ کلبریہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا — میں نے کہا تھا — عورت کا پہلا مذہب محبّت ہے — اگر وہ

اس محبت کی وفادار نہیں رہ سکتی۔ تو پھر دنیا کے کسی بھی مذہب کی وفادار نہیں رہ سکتی۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ۔۔۔ میں والئ کلبریہ یا شہزادی نہیں بننا چاہتی۔۔۔ میں نے کہا تھا۔۔۔ اب میرا ایسے مذہبی دیوانوں سے کوئی واسطہ نہیں جو انسانیت کے نام پر انسانوں کا خون بہاتے ہیں۔۔۔ میں صرف عورت بننا چاہتی ہوں۔۔۔ صرف عورت۔۔۔ جو دنیا میں چاہنے اور چاہے جانے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔۔۔ مگر افسوس!۔۔۔ افسوس!!۔۔۔ افسوس!!! میری کسی بھی بات کا یقین نہیں کیا گیا۔۔۔ اور مجھے وہ سمجھ لیا گیا۔۔۔ جو میں نہیں تھی۔۔۔ جو میں کبھی بھی نہیں بن سکتی تھی۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔ کبھی۔۔۔"

دفعتاً ایک معمولی سے جھٹکے نے اس کے اعضاء کو بے جان سا کر دیا۔ اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ عنبر کے بازو پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔۔۔ اور گویا یہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ دنیا کے تمام رشتوں سے آزاد ہو رہی ہے۔

عنبر کی دبی دبی صبر آزما سسکیاں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں۔ حسن نے اس موقعہ پر یہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بے ربط قدم دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ دیگر حاضرین بھی اس کے پیچھے ہو لئے۔

چند لمحوں کے بعد یہاں اینی اور عنبر کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

عنبر نے پانی میں رومال تر کر کے ایک بار پھر اس کا چہرہ صاف کیا۔ بے ترتیب بالوں کو ایک طرف سرکا کر اپنے لرزتے ہوئے ہونٹ اس کی پیشانی پر ثبت کر دیئے۔ ساتھ ہی آنسوؤں کے کئی گرم گرم قطرے اینی کی پیشانی پر رینگنے لگے۔

"عنبر!" اینی کا ٹوٹتا ہوا سانس جھنجھنا اٹھا۔

"اینی! اِدھر دیکھو میری طرف۔۔۔ میں۔۔۔ تمہارا عنبر۔۔۔" عنبر نے اینی کی ٹھوڑی کو سہارا دے کر اوپر اٹھایا۔۔۔ اینی کی آنکھیں کھلیں۔۔۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گرد و پیش پر

ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔ پھر یہ ڈوبتی اور ابھرتی نگاہ عنبر کی آنکھوں میں پیوست ہو کر ہمیشہ کے لئے —— ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔

"اینی!" عنبر کی دیوانہ وار چیخ نے فضا میں ارتعاش سا پیدا کر دیا —— اور جب حسن اور دیگر حضرات یہاں پہنچے تو عنبر اینی کے قدموں میں پڑا تھا۔